جنگِ عظیم دوئم

دوسری عالمگیر جنگ کے اسباب، جنگی حکمت عملی اور اثرات ونتائج

WWII

مصنف: لوئیس ایل۔ سنائیڈر

جنگ عظیم دوئم

یعنی

دوسری جنگ کے اسباب وعوامل

حوادث ووقائع اور نتائج

1939ء ——— 1945ء

مصنف : لوئیس ایل۔ سنائیڈر

ترجمہ : مولانا غلام رسول مہرؔ

تلخیص : صفدر رشید

دارالشعور

37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

کتاب ⇦ جنگ عظیم دوئم
مصنف ⇦ لوئیس ایل۔ سنائیڈر
ترجمہ ⇦ مولانا غلام رسول مہر
تلخیص ⇦ صفدر رشید
اشاعت ⇦ 2010ء
مطبع ⇦ حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور
برائے ⇦
دارالشعور 37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت ⇦ 480 روپے

اہتمام: محمد عباس شاد
0321-9426395

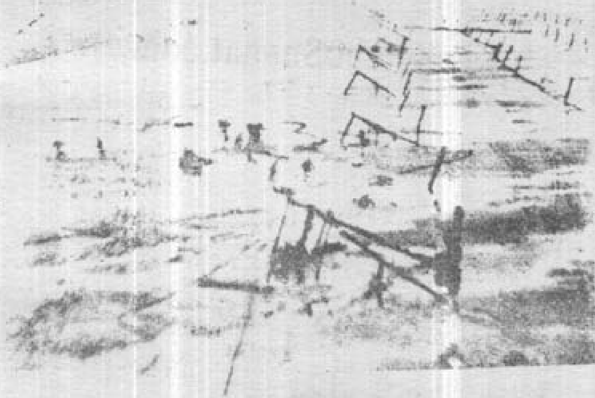
E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-37239138,8460196

فہرست مضامین

صفحہ نمبر



زیر حراست جرمن: 30 مئی 1945ء کو ہٹلر کا جانشین امیر البحر کارل دونٹیز، جنرل یودل اور ڈاکٹر البرٹ سپئیر برطانیہ فوجی مستقر میں پہنچے



جرمنوں نے حصار یورپ پر اتحادیوں کے متوقع حملے کے پیش نظر تیزی سے فرانسیسی ساحل کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ یہ رکاوٹیں جزر کی حالت میں دکھائی گئی ہیں۔

پیش لفظ

20 ویں صدی کے دامن پر نمایاں ترین داغ دو عالمی جنگوں کا ہے۔ جس میں نو آبادیات اور ان کے وسائل کی بندر بانٹ پر عالمی طاقتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ کئی سالوں پر محیط اِن جنگوں نے کروڑوں انسانوں کو اپاہج بنایا، لاکھوں لقمہ اجل بنے اور مالی نقصانات کا تخمینہ تو کھربوں ڈالر سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ لیکن سب سے بڑا نقصان انسانی تاریخ میں اٹھائے گئے اِس ذلت آمیز اقدام سے پیدا ہونے والی وہ شرمندگی ہے جس کے ہمہ جہتی اثرات سے انسانیت ابھی تک باہر نہیں آسکی۔

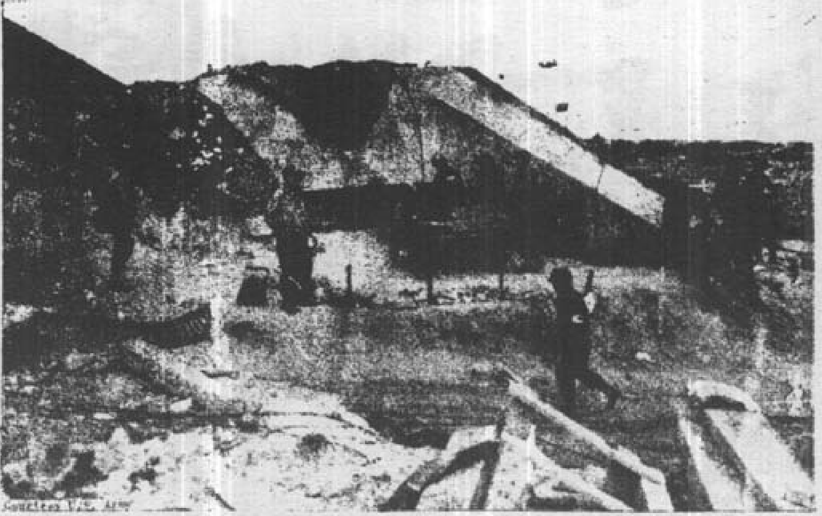
زیر نظر کتاب ایک تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ مصنف کا غیر جانبدارانہ اور عرق ریزی سے کیا ہوا تجزیہ بھی ہے جس نے موضوع کے تمام پہلوؤں کو بخوبی سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ کتاب نے ایک حوالہ جاتی کتاب کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے۔ مزید برآں انسانی تاریخ کا رخ موڑنے والے دو کرداروں، ہٹلر اور مسولینی، کی زندگیوں، کارستانیوں اور انجام کی ایک مستند داستان ہے۔ ایک باشعور قاری اس کو نہ صرف ایک دستاویز پائے گا بلکہ جدید دور کی جنگوں اور نظاموں کی کشمکش کے محرکات اور بنیادوں کو باآسانی تلاش کر سکے گا۔

صفدر رشید

براعظم یورپ پر پہلے حملے (6 جون 1944ء) میں شامل ہونے والے چھاتا فوج کے سپاہیوں کو ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جنرل آئزن ہاور "آج کا حکم" سنا رہے ہیں۔ "یعنی کامل فتح، اس سے کم کچھ نہیں۔"



جاپان کے شہر ناگاساکی میں دوسرا ایٹمی بم پھٹنے کے بعد تباہ کاری کا منظر



ساحل فرانس کے حملے (9 جون 1944ء) میں امریکی حملہ آور سپاہیوں نے
دشمن کی ایک چھوٹی قلعہ بندی سر کر کے وہاں کمانڈ چوکی قائم کی۔

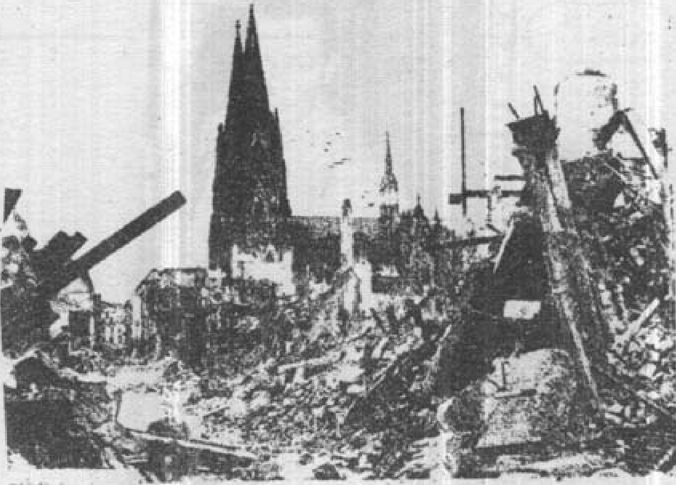


امریکی حملہ آور سپاہی 6 جون 1944ء کو فرانس کے شمالی ساحل پر اترے۔

جنرل میک آرتھر اور امریکی فوجی فلپینز کے ایک جزیرے میں (اکتوبر 1944ء)



دریائے رہائن کے پل کی شکست (7 مارچ 1945)



جرمنی کے شہر کولون کے کھنڈروں میں گرجا کے مینار اپنی سلامتی سے اتحادیوں کے
کمالِ نشانہ بازی کی شہادت دے رہے ہیں۔



ممتاز امریکی اور برطانوی فوجی افسروں کا مشترکہ اجلاس۔ (31۔جنوری 1945ء)



ملزم گوئرنگ کا داخلہ عدالت میں (26 نومبر 1945)

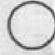


ہتھیار ڈالنے کی رسمی تقریبات کے دوران میں شہنشاہ جاپان اور حکومت جاپان کی طرف سے نامور وشیگومٹسو امریکی جنگی جہاز مزوری میں جو اس وقت خلیج ٹوکیو میں قیا[illegible] دستخط کر رہے ہیں

پہلا حصہ

تمہید

جنگ کا راستہ



پروفیسر سنائیڈر کے حقائق اپنے شاہد آپ ہیں۔ یہاں انھوں نے چھ عجیب وغریب برسوں کے افراد وقلوب کا پورا متحرک منظر آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو خوانندگانِ کتاب بعد زمان ومکاں کے باعث جنگ سے براہ راست آگاہ نہ ہو سکے، ان کے قلوب ان حقائق کے مجموعی اثر کے تحت خیرہ ومتزلزل رہ جائیں گے کہ کوشش کس قدر بے اندازہ تھی اور انسانی دنائت وشرافت کا پیمانہ کتنا وسیع تھا۔ میرا خیال یہ نہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں قدرت نے انسان کے تخیل کو حفاظتِ نفس کا ایک بنا بنایا وسیلہ دے دیا ہے۔ ہماری ساخت ایسی ہے کہ اعصاب کے سرے دُکھ درد کو یاد نہیں رکھ سکتے نہ اس میں کسی کو شریک کر سکتے ہیں، ورنہ دکھ درد کی کثرت ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ ہمارا جذباتی نظام اپنی تکلیف کے سلسلے میں تعمیم نہیں، صرف تخصیص کا روادار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دہقانی عورت ایک امریکی سپاہی کی آغوش میں مری اور اس کا دل پھٹ گیا لیکن گاؤں کے چوک میں ہزاروں پڑے کراہ رہے تھے اور اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انسان صرف اس لیے جنگ میں شریک نہ ہوں گے کہ ہر قلب کے لیے موت ناقابلِ تصور ہے، اس لیے بھی شریک ہوں گے کہ انسانی روح میں موت کو بڑھایا نہیں جا سکتا۔ لاکھوں کی موت ایک خاندان کی میز پر صرف ایک نشست کو خالی چھوڑتی ہے۔ جس خوانندے نے جنگ نہیں دیکھی، اسے یہ حقیقت جان لینی چاہیے۔ اس کے بغیر وہ اندازہ نہ کر سکے گا کہ سٹالین گراڈ یا تراوایا پہاڑی نمبر 609 کے باوجود گوشت اور خون اور عقل کیوں کر سلامت رہے۔

اگر روئے زمین پر انسان کی معنویت پیشِ نظر رکھی جائے تو ایسے چہرے نہیں ملتے، جن کی جگہ دوسرے چہرے لے سکیں۔ جنگ یقیناً تخفیف ہی کرتی ہے...... برائی کی بھی اور اچھائی کی بھی...... اگر ہمیں انسانی روح پر یقین ہے تو ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جنگ کا نتیجہ نقصان کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور نقصان بھی نہایت خوفناک۔ چوں کہ نفی کا ثبوت مہم نہیں پہنچایا جا سکتا، ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہماری مشترکہ ثقافت کا کتنا نقصان ہوا اور یہ نقصان موجودہ نسل کا تھا۔ اس کا

ثبوت تین کروڑ قبروں سے مل سکتا ہے۔

نقصانات کا محض تصور کیا جا سکتا ہے۔ہم تغیرات دیکھ سکتے ہیں، اگرچہ قطعی طور پر ان کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دوسری عالمی جنگ نے قوموں کی سیاسی دنیا از سرِ نو ترتیب دے دی۔ پرانی سلطنتوں کے بندھن کھل گئے۔نئی قومیتیں وجود میں آئیں اور بہت سی وجود میں آنے والی ہیں۔جنگ نے کروڑوں سیاہ فام اور زرد فام لوگوں کو محکومی کی طویل نیند سے بیدار کرنے میں مدد دی۔اس کی وجہ سے ریاست ہائے متحدہ امریکا اور ان کے بے شمار اثرات دنیائے قدیم میں پہنچے اور قائم ہو گئے۔اس نے جمہوریت کی بجائے زیادہ تر قومیت پیدا کی اور جرمن قوم کے لیے جمہوری کوششوں کا ایک اور موقع بہم پہنچا دیا۔غالباً یہ آخری موقع ہے۔کمیونسٹ چین اس جنگ کی پیداوار نہیں، کم از کم میرا اندازہ یہی ہے۔چین میں کمیونزم بہرحال آ کر رہتی لیکن اس سے روسی کمیونزم کو بے حد مدد ملی۔مطلب یہ نہیں کہ جنگ کی بڑی آزمائش میں کمیونزم کی صلاحیتوں کو تقویت پہنچی، مطلب یہ ہے کہ دوسرے معاشرے کمزور ہو گئے اور کمیونزم کی فوجیں ان پر سوار رہیں۔

پہلی عالمی جنگ کی طرح دوسری عالمی جنگ نے بھی اہلِ یورپ کو یہ سبق دیا کہ ان کے حصۂ ارض کا تجزیہ اور قدیم رقابتیں ختم ہو جانی چاہئیں لیکن پہلی کے برعکس دوسری جنگ نے اس سلسلے میں بعض صحیح اور معین اقدامات کا انتظام بھی کر دیا۔یہ اقدامات بہت وسیع نہیں اور ممکن ہے، بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لیے جائیں۔تاہم عظیم القدر یورپی ثقافت اور اقتصادیات میں اتحاد کے لیے یہ بہت بڑے اقدامات ہیں، جو پانچ سو سال کے اندر عمل میں آئے۔یہ امر معمولی حیثیت نہیں رکھتا۔

اس جنگ کے رنج و غم نے بہت سے امریکی خاندانوں کو اذیت میں مبتلا کر دیا اور اس کے سہل فائدوں نے دوسروں کو دولت مند بھی بنا دیا۔ہمارے نوجوانوں میں سے بعض مستقل اعصابی تکالیف میں مبتلا ہو گئے، بعض کو مجرم بنا دیا۔متعدد سنجیدہ طالب علم بالغ نظر اور صاف دل ہو گئے۔وہ اب زندگی کے مثبت معانی کی تلاش میں ہیں۔اس جنگ نے انگلستان کے معاشرے کو زیادہ صحت مند اور انصاف پسند بنا دیا۔جرمنی، اٹلی اور جاپان کی بے رحم مطلق العنانی ختم کر دی۔ان کے سامراجی خواب پریشان ہو گئے اور ان کا [illegible] حرفِ باطل کی طرح مٹ [illegible]

گئے۔جنگ نے بالشوزم کے عالمی منصوبے کے لیے خطرناک طویل راستہ صاف کردیا۔اسے حدود کے اندر روکے رکھنے کا کام تاریخ کی کتابوں میں ہماری نسل کا ایک معین کارنامہ متصور ہوگا۔بااین ہمہ کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کیا صورت پیش آتی اور صرف عاقبت نااندیش ہی کہہ سکتا ہے کہ ہم آج جس صورتِ حال سے دوچار ہیں وہ فاشسٹ دنیا کی سطح سے بدتر ہے۔

دوسری عالمی جنگ نے غربی دنیا اور سیاہ فام دنیا میں شعورِ نفس پیدا کیا۔یہی کیفیت ایشیائی اقوام کی ہوئی۔سامراجی قوت کمزور ہوگئی۔یہ قوت عموماً بیدردی سے استعمال کی جاتی رہی،صرف چند سفید فام لوگ اس کے ذمہ دار تھے۔ان پڑھ عربوں،خصوصاً سیاہ فام افریقیوں کے شعور میں جو کچھ پیدا ہوا اس کی حیثیت اور تھی۔دورانِ جنگ میں عام سفید فام لوگوں کے بڑے بڑے گروہوں کی موجودگی نے سینکڑوں افریقی جمیعتوں میں ایک تغیر پیدا کردیا۔جب سے پرتگیز تاجر اور بردہ فروش افریقہ پہنچے تھے،اس کے بعد پہلی مرتبہ سیاہ فام باشندوں پر آشکار ہوا کہ سفید فام لوگ حقیقت میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔میں اس موسم سرما میں لاگوس پہنچا ہوا تھا۔وہاں نائیجیریا کے ایک سیاست دان نے جو ادھیڑ عمر کو پہنچا ہوا تھا،مجھے بتایا:''ہم نے امریکی سپاہیوں سے وہ حقیقت پالی جو ہمارے باپ دادا مشنریوں اور سفید سوٹ پہنے ہوئے سامراجی افسروں سے نہ پاسکے۔ہم نے دیکھا کہ امریکی سپاہی ہنستے ہیں،روتے ہیں،چوریاں کرتے ہیں،جھگڑتے ہیں،ہماری عورتوں سے میل جول کے لیے مضطرب ہیں،ساتھ ہی ہمارا احساسِ کمتری زائل ہونے لگا۔ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ سفید فام ہم سے بہتر نہیں۔یہی حقیقت چینیوں،ہندوستانیوں،انڈونیشیوں اور بہت سی دوسری قوموں نے بھی پالی۔امریکی سپاہی نے اپنے ہاتھوں اور حیرت انگیز مشینوں کے ذریعے سے بعض ملکوں کے نقشے بدل ڈالے۔اپنے وجود سے،نیز دیسی باشندوں کے سکھانے سے کہ وہ کیسے ہیں امریکی سپاہی نے یہ سکھایا کہ خود امریکی حقیقت میں کیسے ہیں۔اگر یہ نتیجہ بحیثیت عمومی اچھا ثابت ہو تو یہ ایک بہت بڑا نفع ہے جو جنگ نے دنیا میں پھیلایا،اگرچہ بلاعزم وارادہ پھیلایا۔

سیاہ فام،سفید فام یا زرد فام جس جس مرد،عورت اور بچے نے براہ راست جنگ کے اثر کا تجربہ کیا،اس کی زندگی اور قلب بدل گئے۔میں ایسے افراد سے آگاہ ہوں،جو ذہنی اعتبار سے

بیماری کی اس منزل میں ہیں کہ ہوش وحواس کھونے کے قریب پہنچے ہوئے ہیں۔وہ ہسپتالوں سے صحت پا کر باہر آگئے۔جنگ نے ان کی حقیقی شخصیت چھین لی تھی۔اب ان کی روحوں کا رخ بیرونی اور حقیقی مقاصد کی طرف پھیر دیا گیا اور انھیں قلب وروح کا امن مل گیا ہے جو صرف دوسروں کے لیے افادیت کے علم سے پیدا ہوتا ہے۔میں ان آدمیوں کو بھی جانتا ہوں (اور ان میں میرے رفیق جنگی نامہ نگار بھی شامل ہیں)، جو جنگ کے ظاہری ''جلال وشکوہ'' سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھیں دورِ امن کے عام کام اختیار کرنے میں کئی سال لگ گئے۔ایسے آدمی بھی ہیں (اور ان میں ممتاز پیشہ ور سیاسی بھی شامل ہیں) جو جنگ میں واقعی خوش دل تھے۔انھیں واقعی جنگ سے محبت ہے اور دل سے چاہتے ہیں کہ ایسے مواقع پھر پیش آجائیں۔انسانوں کے ذاتی کردار میں جو کچھ بھی تھا، اس کے لیے دوسری عالمی جنگ ''کھل جا سم سم'' کا پیغام بن گئی۔اگر شرافت تھی تو وہ بروئے کار آگئی۔اگر کمزوری یا وحشت تھی تو اس کے لیے ظہور کا راستہ مل گیا۔مجھے ایسے امریکی سپاہی یاد ہیں، جنھوں نے رفیقوں کے بچاؤ کے لیے جانیں خطرے میں ڈالیں اور دلی محبت سے ان کی تیمارداری کرتے رہے مجھے ایسے امریکی سپاہی بھی یاد ہیں جنھوں نے کسی اطالوی دہقان کو مارنے یا اس کے گدھے کو خندق میں دھکیلنے کے لیے اپنا ٹرک گھمایا اور وہ قہقہے لگا رہے تھے۔

جنگ کے بہت سے پہلو ہیں اور یہ ہمیں جو سبق دیتی ہے، ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔اس نے حکومتوں کو سکھایا کہ صنعتی صلاحیت اور مالیات کے متعلق روایتی تصورات آزمائش کے موقع پر بے معنی ثابت ہوئے۔یہ سکھایا کہ آزاد معاشروں میں ان معاشروں سے زیادہ ضبط ونظم ہے جن پر مطلق العنانی مسلط تھی۔آزاد لوگ عزم کر لیں تو وہ سب کچھ بنا سکتے ہیں اور ہر چیز کی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔قریبی مبصروں کو یہ سبق ملا کہ عسکری سائنس کوئی شے نہیں۔جنگ کا انتظام یا کسی ایک لڑائی کی رہنمائی نہ سائنس ہے، نہ کاروبار بلکہ ایک ناہموار قسم کا فن ہے جس میں تربیت یا عقل کو غالباً وہ حیثیت حاصل نہیں، جو صبر، استقامت اور تخیل کو حاصل ہے۔

بڑی جنگ کا ملا غیر جانبدار ہوتی ہے لیکن یہ دو آدمیوں کے کسی مجموعے سے یکساں برتاؤ نہیں کرتی جو لوگ زمین پر ہیں وہ ان لوگوں کو نہیں سمجھتے، جو فضا میں ہیں اور فضا کے لوگ زمین والوں کو نہیں سمجھتے۔اصل محاذ جنگ اور عقبی مرکزوں کے درمیان بیس میل کا فاصلہ روحانی اعتبار

سے اتنا ہی بڑا فاصلہ ہے، جتنا محاذِ جنگ سے گھر کا ہو، یعنی پانچ ہزار میل۔تمام سپاہی، ملاح اور ہواباز اس وقت بھی تنہا ہوتے ہیں، جب ان کی پسلیاں اور بازو باہم ملے ہوئے ہوتے ہیں۔وہ گھر سے اتنے دور ہوتے ہیں کہ یہ فاصلہ کوئی نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔اکثر آدمی جنگ میں یہ احساس ہی نہیں رکھتے کہ وہ حقیقت میں کیا تھے۔صحیح وسالم زخمیوں کا خیال کرتے ہیں اور زخمی مُردوں کا۔

جنگ شروع ہوئی، کسی نہ کسی طرح جاری رہی اور ختم ہو گئی لیکن اس نے دھچکے کی جو لہریں ہمارے معاشروں، ہمارے اداروں اور ہمارے اعصابی نظاموں میں پہنچائیں، وہ ابھی تک ختم نہیں ہوئیں۔جنگ کی چھاپ پوری دنیا پر مستقلاً لگ چکی ہے اور دنیا کے تمام باشندے یہ چھاپ اپنے اوپر لگا چکے ہیں، جنھوں نے جنگ دیکھی۔

اس کتاب جیسی کوئی کتاب بظاہر تیسری عالمی جنگ کے بعد نہ لکھی جائے گی۔تیسری عالمی جنگ ہوئی تو وہ آغاز وانجام کی کہانیوں کے مختلف سلسلوں پر مشتمل نہ ہوگی۔اس میں شکست یا فتح، پھر تعطل اور ایک فریق کی فتح، دوسرے کی شکست کے کلاسیکی نمونے پیش نہیں کیے جائیں گے۔فریق بھی اس میں صرف رسمی اور عارضی اعتبار سے مذکور ہوں گے۔جب وہ ختم ہوگی تو ممکن ہے، کہیں کہیں کچھ لوگ زندہ رہ جائیں اور ان میں اتنی روح باقی ہو کہ وہ کہانی کے مختلف اجزا جوڑیں۔پھر انھیں معرضِ تحریر میں لائیں۔وہ ایسا کریں یا نہ کریں، اس کی چنداں اہمیت نہ ہوگی۔تاریخ کو اس سے کوئی واسطہ نہ ہوگا کیوں کہ تاریخ ایک مسلسل کہانی ہے اور ماضی اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ مستقبل اس میں مضمر ہوتا ہے۔دوسری عالمی جنگ باعتبار آغاز کتنی ہی بے معنی ہو، تاہم اسکے دور اور نتائج میں پیوستگی تھی۔اس نے ہزاروں شہروں میں ہزاروں مجسموں، یادگاروں، کھیتوں اور اداروں کا اضافہ کیا، جو اس حقیقت کی شہادت ہیں کہ انسانوں نے ہمیشہ فتح کو صلح وامن پر ترجیح دی۔اب سائنس نے مجسمہ تراشوں کے لیے ایک پیغام مہیا کر دیا ہے۔پیغام یہ ہے:

”آئندہ کم از کم بڑی قوموں میں قومی فتوحات یا انفرادی بہادروں کی یادگاریں تجویز نہ ہوں گی، خواہ یہ قومیں امن وصلح قائم رکھنے میں کامیاب ہوں یا ناکام ہو جائیں۔“

ایرک سیوریڈ، جون 1960ء

1

جنگی دیوتا کی قربان گاہ

اے قوت فیصلہ! تو بھاگ کر وحشی درندوں میں چلی گئی ہے
اور انسان اپنی عقل کھو بیٹھے ہیں۔

(شیکسپیئر جولیس سیزر)
ایکٹ نمبر 3، سین نمبر 2

پولینڈ میں برق رفتار جنگ: یکم ستمبر 1939، طلوع سحر

جنگ کا کوئی اعلان نہ کیا گیا۔ ہٹلر کی زبردست جنگی مشین کی پہلی طوفانی موجیں پولینڈ کی مغربی سرحدوں سے داخل ہوئیں۔ مشرقی، پروشیا، پومی رینیا، سلیشیا اور سلوواکیا سے بیک وقت نو نازی فوجیں شدید تیزی وتندی سے پیش قدمی کرتی ہوئی وارسا کی طرف بڑھیں۔ دوسری عالمی جنگ کی یہ پہلی بڑی مہم تھی۔ اسے ان حملوں کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے جو آگے چل کر ممالک زیریں، فرانس اور کریٹ پر ہوئے۔

موسم بڑی جنگجو صفوں کے لیے موزوں تھا۔ دریاؤں کا پانی انتہائی پست سطح پر پہنچ گیا تھا اور

انھیں عبور کر لینا بہت سہل تھا۔

جرمن فوجوں کی پیش قدمی میں ایک دلدوز صحت و تنظیم نمایاں تھی۔انھیں دیکھتے ہی 1914ء میں بلجیم پر جرمن حملے کی یاد تازہ ہو رہی تھی۔

لیکن 1939ء کی یورش میں ایک خصوصیت تھی۔اب وہ حالت نہ تھی کہ پیش قدمی کرتے ہوئے سپاہیوں کے بے شمار لشکر دن بھر میں صرف چند میل آگے جائیں بلکہ برق رفتار جنگ کا یہ پہلا مظاہرہ تھا۔مشینی دور کے ساتھ فوج کی مطابقت اس پیمانے پر پہنچ گئی تھی، جسے دیکھتے ہی ہوش و حواس گم ہو جاتے تھے۔

حملے کا فارمولا تباہی خیز حد تک سادہ تھا۔اول دشمن کی صفوں کے پیچھے پانچویں کالم کے ذریعے سے اپنے لیے راستہ ہموار کر لینا۔دوم ایک تیز اور اچانک ضرب کے ذریعے سے مخالف ہوائی قوت کو زمین ہی پر تباہ کر ڈالنا۔سوم ہوائی جہازوں کی بمباری سے دشمن کی آمد و رفت اور حمل و نقل کے وسائل کو اس قدر نقصان پہنچانا۔چہارم فوجی اجتماعات پر غوطہ خور بمبار جہازوں کے ذریعے سے ایسے حملے کرنا کہ ان میں افراتفری پھیل جائے۔پنجم سُبک رفتار فوجیں......موٹر سائیکلوں پر دستے، ہلکے ٹینک اور موٹروں کے ذریعے سے نقل و حرکت کرنے والی توپیں۔بھیجنا تاکہ تیزی سے دشمن کے علاقے میں گھس جائیں۔ششم بھاری ٹینکوں سے کام لینا تاکہ جابجا وہ مشینی یورشوں کے لیے عقب میں جگہیں بنا لیں۔سب سے آخر میں باقاعدہ فوج یعنی پیادہ سپاہ کو توپ خانے کے ساتھ آگے بڑھانا تاکہ مزاحمت بالکل ختم ہو جائے اور پیادہ فوج ہراول سے مل جائے۔

اس پوری کارروائی میں فوجی ٹینک ایک کلیدی حربہ تھا۔یہ پٹڑی والی ایک بکتر بند گاڑی تھی جو پہلے پہل انگریزوں نے 1916ء میں استعمال کی تھی، لیکن 1918ء تک اس کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ پیش قدمی کرنے والی اس پیادہ فوج کے لیے ایک پناہ کا کام دیتا تھا مگر اب جرمنوں نے ٹینکوں کو توپ خانے کے متحرک بازو کی حیثیت میں استعمال کیا۔

ان جنگی کارروائیوں کا اہتمام جرمنی کے نہایت تجربہ کار فوجی قائدین کے ہاتھ میں تھا۔جنرل والتھر فان براخش کمانداراعلیٰ تھا۔جنرل فریز ہالڈر اس کا چیف آف سٹاف تھا۔جنرل

فان رونسٹاٹ ان تین فوجوں کا کماندار تھا، جو جنوبی سمت سے حملہ کر رہی تھیں۔ شمالی سمت سے دو فوجیں حملہ آور تھیں، جن کی کمان جنرل فیڈ وفان بوک کے ہاتھ میں تھی۔ اس فوجی قیادت کے شان دار ہونے میں کلام کی کیا گنجایش تھی؟

حملہ آور جرمنوں کی تعداد پولستانیوں سے بہت زیادہ تھی۔ جرمن فوج کی تعداد کے متعلق مختلف لوگوں نے مختلف اندازے کیے۔ علاوہ بریں مختلف مقاصد کے لیے جو فوجیں استعمال کی گئیں: ان کے باب میں بھی اندازے مختلف رہے۔ بہر حال واضح ہوتا ہے کہ متصرف اور محفوظ فوجوں کو شامل کرتے ہوئے کُل تعداد دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ آتش بار اسلحہ کی تعداد میں جرمنی کی برتری کا تناسب دو اور ایک کا تھا لیکن ٹینک دشمن کے مقابلے میں بیس گنا تھے۔

رجسٹروں کے اعتبار سے پولستانی فوج کی تعداد بیس لاکھ تھی، مگر اس فوج کی عام نقل و حرکت 31 اگست 1939ء یعنی حملے سے ایک روز پیشتر تک شروع نہ ہوئی۔ جب حملے کا زور بڑھا تو پولستانی فوج مقابلے پر صرف چھ لاکھ تھی۔

ہٹلر کے مکانیکی دیوؤں کے مقابلے میں پولستانیوں کا رسالہ تھا، جس نے بوٹ پہن رکھے تھے۔ نازیوں کی برق رفتار جنگ کا سب سے پہلا منظر ہوائی حملوں کا تھا۔ جرمنوں کی ہوائی فوج پولستانیوں کے مقابلے میں تین گنا تھی۔ چودہ سو اول درجے کے ہوائی جہاز جن میں غوطہ خور بمبار جہاز بھی شامل تھے۔ ان کے مقابلے میں پولستانی ہوائی جہاز صرف ساڑھے چار سو تھے۔ حقیقتاً کوئی ہوائی جنگ نہ ہوئی۔ جرمن حملوں کا مدعا یہی تھا کہ دشمن کے ہوائی جہاز زمین ہی پر تباہ کر دیے جائیں اور دو روز کے اندر اندر پوری ہوائی قوت تقریباً تباہ کر ڈالی۔ اس کے بعد بکتر بند جرمن فوج بے خطرہ آگے بڑھ سکتی تھی کیوں کہ اوپر سے حملے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔

اس اثنا میں غوطہ خور جرمن بمباروں نے نقل و حمل کے سامان تباہ کر ڈالے، پُل اُڑا دیے گئے، ریل کے سٹیشن برباد کر دیے گئے، سڑکوں پر بم برسائے گئے اور پولستانی بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔ وہ اِدھر اُدھر ہل ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر پولستانی فوج کے عقب میں ایسی ہمہ گیر تباہی پھیلی کہ تنظیم کے ساتھ مراجعت کا بھی کوئی امکان نہ رہا۔

پھر جرمنوں کی ہولناک ہراس انگیزی کا دور شروع ہوا، جس کا مدعا یہ تھا کہ غیر مصافی آبادی

کو کچوکے لگا لگا کر جلد سے جلد حواسگی پر مجبور کر دیا جائے۔ خوفناک غوطہ خور بمبار جہاز، جنھیں ''سٹوکا'' کہتے تھے، حملے کرتے وہ چیختے ہوئے پولستانی شہروں پر چھاپے مارتے اور تباہی پھیلاتے۔

پولستانی سرحد چیکوسلواکیا کی آبروئے آزادی پامال ہو جانے کے بعد بارہ سو میل لمبی ہو گئی تھی۔ اس سرحد کے پار جرمن فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں۔ پولستانیوں کے لیے پسپائی کے سوا چارہ نہ رہا لیکن وہ دشمن کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے جانیں لڑا رہے تھے۔ جرمن صرف پیادہ فوج ہی کے ساتھ نہ بڑھے جسے جنگوں کی ملکہ قرار دیا جاتا تھا، بکتر بند گاڑیاں، ہلکے ٹینک بھی تیزی سے آگے بڑھے اور اپنے پیچھے ایک آتشیں سیل چھوڑتے گئے۔ سب سے آخر میں بھاری ٹینک آگے بڑھائے گئے۔ ان سب کا مطمح نظر یہ تھا کہ مدافعین کے ان مرکزوں کو تباہ کریں، جن پر ان کے دفاع کا انحصار تھا مثلاً سڑکیں، ریلوں کے جنکشن، تار برقی کے مرکز اور ہوائی اڈے۔

گویا یہ پیش قدمی صرف تیزی ہی پر مبنی نہ تھی، بلکہ اس میں پہلے سے سوچے سمجھے ہوئے منصوبے کے مطابق عمل ہو رہا تھا۔ مقابلے پر کوئی منظم فوج موجود نہ تھی، نہ باقاعدہ محاذ تھے بلکہ اچانک اور بڑی تیزی سے پے در پے ملک کے اندر گھسنے کا سلسلہ جاری تھا۔

دشمن کی صفوں میں ابتری پیدا کرنے کے لیے جو منصوبہ پہلے سے تیار کر لیا گیا تھا، اس پر نہایت عمدگی سے عمل ہوا۔ اس کے بعد جرمنوں نے اعلیٰ درجے کی تربیت یافتہ پیادہ فوج آگے بڑھائی۔

نرغے میں لے لینے کی حرکت دوگونہ تھی۔ ایک کو بیرونی نرغہ قرار دیا جا سکتا ہے اور دوسرے کو اندرونی۔ بیرونی نرغے کے شمالی خطِ اقدام پر جو جرمن فوج آگے بڑھ رہی تھی، وہ پولستانی ''گزرگاہ'' میں سے پیش قدمی کرتی ہوئی دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک حصہ بدستور شمالی جانب بڑھ گیا تاکہ پولستانیوں کی بندرگاہ گڈینیا کو مسخر کر لے۔ دوسرے حصے نے وارسا کی شمالی جانب بڑھتے ہوئے بریسٹ لٹوسک کا رخ کر لیا۔ جنوبی سمت کے بیرونی نصف دائرے میں بھی مختلف جیش کراکو کو گھیرے میں لیتے ہوئے لودوکی جانب بڑھتے گئے۔

ایک ہفتے سے قدرے زیادہ مدت میں فان رونسٹاٹ وارسا کے بیرونی دروازوں پر ضربیں لگا رہا تھا اور دو ہفتوں کے اندر اندر شمال کی جانب سے دو فوجوں نے ایک لاکھ ستر ہزار پولستانیوں کو بمقام کٹنو...... جو وارسا سے تقریباً ایک سو میل مغرب میں ہے...... پھندے میں پھانس لیا تھا۔

17 ستمبر 1939ء کو پولستانیوں کے لیے مزید بری خبریں آئیں۔ سٹالین اور ہٹلر ضرورت وسہولت کے پیش نظر ایک دوسرے کے رفیق بن گئے تھے۔ تھوڑی ہی مدت پیشتر ماسکو میں جو میثاق ہوا تھا، اس کی خفیہ شرطوں پر عمل شروع ہوگیا، یعنی مغربی جانب سے روسی فوجیں بلا اشتباہ پولینڈ میں داخل ہوگئیں اور سٹالین نے بظاہر بڑی معصومی سے کہا کہ ہم آزادی دلانے والوں کی حیثیت میں آرہے ہیں تاکہ یوکرینی اور ''سفید'' روسی اقلیتوں کی حفاظت کا فرض انجام دیں۔ کمیونسٹ فوجوں نے بڑی باقاعدگی سے پولینڈ کے مشرقی صوبوں پر قبضہ کرلیا۔ بہت کم مزاحمت کی نوبت آئی اور دو روز کے اندر اندر روسی نصف پولینڈ پر چھا گئے۔

ہٹلر کو قطعاً خیال نہ تھا کہ کمیونسٹ اتنی تیزی سے اندر گھس آئیں گے۔ روسی ایسی برق رفتاری سے آگے بڑھے کہ ہٹلر محض گلیشیا سے محروم ہوا، جہاں تیل کے بیش بہا چشمے تھے، بلکہ رومانیہ کے تیل تک پہنچنے کے سیدھے راستے کا دروازہ بھی اس کے لیے بند ہوگیا۔ اب پولینڈ دو زبردست فوجوں کے نرغے میں تھا، مغربی جانب سے جرمن فوج اور مشرقی جانب سے کمیونسٹ فوج۔ ان حالات میں وہ کیا کرسکتا تھا؟

وارسا پولینڈ کا سب سے بڑا شہر اور دارالحکومت تھا۔ برلن سے یہ مشرقی جانب تین سو نو اسی میل کے فاصلے پر تھا۔ جرمن فوجوں نے اسے پوری طرح گھیرے میں لے لیا، مگر پولستانیوں نے وارسا کے میئر سٹیفن سٹارزنسکی ...... ہٹیلے سٹیفن...... کی سرکردگی میں منظم ہوکر مزاحمت جاری رکھی۔ پولستانی افسروں نے شہر کے باہر دشمن کے حوالے ہوتی ہوئی فوجوں سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ وہ وارسا میں پہنچ گئے اور وہاں انھوں نے ایسی جمعیت منظم کرلی، جس میں تقریباً سب کے سب افسر شامل تھے۔ غیر مصافی آبادی نے اجتماعاً کام کرتے ہوئے خندقیں کھودلیں اور استحکامات تیار کرلیے۔ چھوٹے چھوٹے مورچے بنالیے گئے، جن کے درمیان تقریباً پانچ پانچ گز کا

فاصلہ تھا اور ہر مورچے میں ایک ایک یا دو دو آدمی بندوقیں، کلدار توپیں اور دستی بم (ہینڈ گرینیڈ) لے کر بیٹھ گئے۔

جرمنوں نے شروع میں پروپیگنڈے کا حربہ استعمال کیا۔ شہر کے بیرونی حصوں میں بڑے بڑے اشتہار لگا دیے گئے جن میں اعلان کیا گیا:

''پولستانیو! ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہیں کوئی گزند نہ پہنچائیں گے اور تمہارے کھانے پینے کا انتظام کر دیں گے۔''

ہوائی جہازوں نے لاکھوں چھوٹے چھوٹے اشتہار شہر پر برسائے، جن میں حوالگی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور یہ وعدہ بھی کر لیا گیا تھا کہ فوجیوں کو ہرگز اسیرانِ جنگ نہ بنایا جائے گا۔ بہادر افسروں سے تلواریں بھی نہیں چھینی جائیں گی۔ پولستانیوں نے اس تحریص کو نفرت سے ٹھکرا دیا۔

پھر خوفناک آتشبازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہوائی جہازوں اور توپخانوں سے رات دن گولے برسنے لگے۔ ریل کے سٹیشن، کوئلوں کے ذخیرے اور ہوٹل سنگ و خشت کے ڈھیر رہ گئے۔ ہر جگہ آگ پھیل گئی۔ دس دن میں یہ عظیم الشان شہر اینٹوں، پلستر اور ملبے کا ڈھیر بن گیا۔

غذا کی انتہائی قلت ہو گئی۔ پینے کے پانی کی بہم رسائی اور مستعملہ پانی کے نکاس کا سلسلہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ 27 ستمبر 1939ء کو سامان حرب ہی باقی نہ رہا اور مدافعین حوالگی پر مجبور ہو گئے۔ 28 ستمبر کو موڈلن قلعے کی فوج نے بلا شرط ہتھیار ڈال دیے۔ پولینڈ کے جنوب اور مشرق میں متفرق دستے اکتوبر تک مزاحمت کرتے رہے۔ ایک آخری دفاعی مورچہ دریائے نیسٹر پر قائم کیا گیا۔ غرض یہ تھی کہ رومانیہ کے راستے اتحادیوں کی کمک کا انتظار کیا جائے۔ یہ انتظار بھی بے نتیجہ رہا۔ 15 اکتوبر 1939ء کو لبلن اور لیوو میں جو جنوب مشرق میں ہیں، آخری مرتبہ مزاحمت ہوئی۔

28 ستمبر 1939ء کو جوشم فان ربن ٹراپ وزیر خارجہ جرمنی اور بیاچس لاف مالوٹوف وزیر خارجہ روس کے درمیان غنیمت کی تقسیم کے لیے گفت و شنید ہوئی۔ ایک نیا دوستانہ معاہدہ عمل میں آیا اور ایک نئی حد بندی کر لی گئی، جس کے مطابق ابتدائی معاہدۂ ماسکو میں ترمیم ہو گئی۔ پولینڈ کا رقبہ ڈیڑھ لاکھ مربع میل اور آبادی ساڑھے تین کروڑ تھی۔ اسے پانچویں مرتبہ تقسیم کر لیا گیا۔

جرمنوں نے تہتر ہزار مربع میل کا علاقہ اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اس حصے میں پولینڈ کی

بیشتر کانیں اور صنعتی علاقے واقع تھے۔ دو کروڑ بیس لاکھ آبادی اسی حصے میں تھی۔ ہٹلر نے جو سیاسی کامیابیاں حاصل کی تھیں، ان میں اب ایک بہت بڑی فوجی ظفر مندی بھی شامل ہو گئی۔

روسی کمیونسٹ سرمایہ دارانہ چیرہ دستیوں اور سامراج کے بلند بانگ اور مستقل دشمن چلے آتے تھے۔ انھوں نے پولینڈ کا ستتر ہزار مربع میل علاقہ ہتھیا لیا۔ اسمیں تیل کے وسیع چشمے بھی تھے اور ایک کروڑ تیس لاکھ پولستانی آبادی بھی۔

اب بدنصیب پولستانیوں پر جہنم کی جانکنی طاری ہو گئی۔ وہ فاتحین کے قدموں میں بے یارومددگار پڑے تھے۔ جرمن مزدوروں کے محاذ کے رئیس ڈاکٹر رابرٹ لی نے لاکھوں پولستانیوں کو نازیوں کی جنگی مشین کے لیے بیگار پر مجبور کر دیا۔

پولستان کا چھتیس ہزار مربع میل علاقہ جرمنی میں شامل کر لیا گیا۔ باقی چھتیس ہزار مربع میل میں ایک حکومت قائم کر دی گئی، جس کا مرکز کراکو قرار پایا اور ایذا پسند ہینس فرینک کو نازیوں کی طرف سے ناظم مقرر کر دیا گیا۔ نازی پولیس کا رئیس ہینرچ ہملر...... جو ہر دور کے قاتلین عوام میں ایک نہایت بدکردار شخص تھا...... اس غرض سے مقرر ہوا کہ پولستانیوں اور یہودیوں کا بیدردانہ استیصال شروع کر دے۔ استیصال کے ذریعے دو تھے: اول، گولی مارنے والے جتھے، دوم، کوٹھڑیوں میں بند کر کے گیس کا استعمال۔

ایک مہینے کے اندر اندر پولینڈ کو بالکل کچل کر رکھ دیا گیا اور یہ مہم تاریخ عسکریت کی حد درجہ تیز مہموں میں سے ایک ہے۔ اس طرح دوسری عالمی جنگ کے خوفناک خونیں سیل کا آغاز ہوا۔

پہلی عالمی جنگ کا محاسبہ

یہ خونین سیل پہلے بھی آچکا تھا۔ 11 نومبر 1918ء کو "نیویارک ٹائمز" کے پہلے صفحے پر جلی سرخیاں شائع ہوئی تھیں:

منار کے پر دستخط، جنگ کا اختتام

برلن پر انقلابیوں کا قبضہ

نظم وامن کے لیے نئے چانسلر کی التجا

معزول قیصر ہالینڈ بھاگ گیا

توپوں کی آتشبازی ختم ہوگئی۔ چار سال اور تین مہینے تک تیس آزاد ملکوں نے، جن میں نام نہاد بڑی بڑی طاقتیں شامل تھیں، تاریخ انسانیت کی خونریز ترین اور گراں صرف ترین جنگ جاری رکھی۔ حواس باختہ انسانیت نے اس بے پایاں جرح وقتل کے مصارف کی فردِ حساب تیار کی، جس کی سرسری کیفیت یہ ہے:

1- جانی نقصان کا سرسری خاکہ: ایک کروڑ سپاہی یقیناً قتل ہوئے۔ تیس لاکھ سپاہی مقتول سمجھے گئے۔ ایک کروڑ تیس لاکھ غیر مصافی شہری موت کے گھاٹ اترے۔ دو کروڑ سپاہی زخمی ہوئے۔ تیس لاکھ قیدی بنے۔ نوے لاکھ بچے صرف اس جنگ کے باعث یتیم ہوئے۔ پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ ایک کروڑ افراد پناہ گزینی پر مجبور ہوئے۔

2- تقریباً ساڑھے چھ کروڑ آدمی اس ہلاکت خیز جنگ میں دھکیلے گئے۔ مجروحین ومقتولین کی فہرست کا تناسب چالیس فی صد سے تقریباً پچاس فی صد تک تھا۔ پہلی عالمی جنگ جن لوگوں نے دیکھی، انھیں قطعاً کوئی اندازہ نہ تھا کہ دورِ حاضر کی جنگ کس درجہ ہلاکت بار اور تباہ کن ہے۔ سولھویں صدی کی پوری جنگوں میں مقتولین و مجروحین کا تناسب شرکائے جنگ کے تقریباً بیس فی صد تک پہنچتا تھا۔ اٹھارھویں صدی تک یہ تناسب گھٹ کر سات میں سے ایک پر آ گیا تھا۔ بیسویں صدی کی تہذیب اسے بڑھا کر دو میں سے ایک پر لے گئی۔

3- صرف مقتولین ہی کی تعداد فکر وخیال پر تعطل طاری کر دینے کے لیے کافی تھی۔ 1790ء سے 1913ء تک بڑی بڑی جنگوں میں جتنے آدمی مارے گئے...... ان میں نپولین کی مہمیں قومی اتحاد کے لیے جرمنی کی تین جنگیں (1864ء میں ڈنمارک کے خلاف 1866ء میں آسٹریا کے خلاف 1870-71ء میں فرانس کے خلاف) امریکہ کی خانہ جنگی، بوئروں کی جنگ، روس وجاپان کی جنگ اور 1912-13 کی بلقانی جنگیں شامل ہیں...... ان سے زائد از دو چند آدمی پہلی عالمی جنگ میں موت کے گھاٹ اترے۔

4- تمام جنگجوؤں کو سخت نقصان پہنچا لیکن اتحادیوں نے تمام جنگجوؤں کی دو تہائی تعداد میدانِ

جنگ میں بھیجی اور مقتولین میں سے بھی دو تہائی اتحادیوں ہی کے آدمی تھے۔تناسب آبادی پیش نظر رکھا جائے تو سب سے زیادہ نقصان فرانس کو پہنچا..... چودہ لاکھ ستائیس ہزار مقتولین، تیس لاکھ چوالیس ہزار مجروحین، چار لاکھ ساڑھے ترپن ہزار اسیران جنگ یا بے پتا۔ اگر جمہوریہ امریکا کو اسی نوع کے المیے سے سابقہ پڑتا تو پچاس لاکھ مقتولین اور ایک کروڑ دس لاکھ مجروحین ہوتے۔

5- پہلی عالمی جنگ میں جو غیر مصافی بالواسطہ یا بلاواسطہ مارے گئے، ان کی تعداد فوجی نقصانات سے بھی زیادہ تھی۔ جنگ کے عقب میں بھوک، وباؤں اور بیماریوں کا ریلا آیا۔ جنگ ہی کے باعث انفلوانزا کی وباء پھیلی، جس کی ابتدا جمہوریہ امریکا سے ہوئی اور پورا کرۂ ارض اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ انفلوانزا تاریخ کی تین نہایت خوفناک تعذیبات میں سے ایک تھا۔ اس میں بھی نہایت شدید جانی نقصان ہوا۔ علاوہ بریں جنگ کے بعد شرح پیدائش پر جو سخت برا اثر پڑا، اس کا اندازہ مشکل ہے۔

6- انسانی جانوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ڈالروں یا پونڈوں کی شکل میں کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ ان زندگیوں کی پیمائش کیوں کر کی جا سکتی ہے، جو قبل از وقت منقطع ہو گئیں یا جن سے آئندہ نسلوں پر گہرا اثر پڑا؟ جنگ کے بعد پورے مالی نقصانات کا اندازہ کرنے کے لیے متفرق کوششیں کی گئیں لیکن یہ سراسر قیاس پر مبنی تھیں۔ صحیح حساب کتاب ممکن نہ تھا۔

7- 1930ء کے اوائل میں ایک مورخ ای۔ ایل بوگارٹ نے پہلی عالمی جنگ کے فوری مصارف کا اندازہ کیا تھا اور کہا تھا کہ تین کھرب اکتیس ارب ساٹھ کروڑ ڈالر صرف ہوئے، جن میں ساز و سامانِ جنگ اور جنگی مشینوں کا خرچ بھی شامل تھا۔ بر و بحر میں املاک کے نقصان اور پیداوار کے خسارے بھی پیش نظر رکھ لیے گئے تھے۔ اس رقم میں وہ کھربوں ڈالر شامل نہ تھے جو قرضوں کے سود، پنشنوں اور بقیۃ السیف جنگجوؤں کی دیکھ بھال میں خرچ ہوئے۔

تین کھرب اکتیس ارب ساٹھ کروڑ ڈالر! گویا مسیح کی پیدائش سے حساب کے وقت تک جتنے سیکنڈ گزر چکے تھے ان سے ساڑھے پانچ گنا ڈالر خرچ ہوئے۔

1939ء میں ''سکالیسٹک'' نے اس گراں قدر رقم کو ایک قابل فہم صورت دینے کی کوشش کی، اس کے حساب کے مطابق اس رقم سے:

1- انگلستان، فرانس، بلجیم، جرمنی، روس، جمہوریہ امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا کے ہر کنبے کے لیے پانچ سو ڈالر کی ایک ایکڑ زمین پر اڑھائی ہزار ڈالر کا مکان اور ایک ہزار ڈالر کا فرنیچر مہیا کیا جا سکتا۔

2- ان میں سے ہر ملک کی دو لاکھ آبادی کے لیے پچاس لاکھ ڈالر کا کتب خانہ ہوتا

3- ایسے ہر گروہ کے لیے ایک کروڑ ڈالر کی یونیورسٹی کا انتظام کر دیا جاتا

4- اس کے بعد بھی اتنی رقم بچ رہتی، جس سے بلجیم اور فرانس کی پوری دولت اور املاک کا ہر ٹکڑا مناسب بازاری قیمت پر خریدا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی عالمی جنگ میں جو خون بہا اور جو تباہی ہوئی وہ سراسر غیر اقتصادی تھی۔ اس جنگ سے پیشتر نارمن انجیل اپنی کتاب "The Great Illusion" میں واضح کر چکا تھا کہ جنگ اقتصادی اعتبار سے نفع بخش ہو ہی نہیں سکتی۔ پیداوار کی تباہی خیز شکلیں سب کچھ بھسم کر جاتی ہیں اور انھیں اقتصادی اصول کی ضد سمجھنا چاہیے لیکن اسے امن دوست اور غیر عملی خیال پرست کہہ کر رد کر دیا گیا۔

بیسویں صدی کی جنگ میں موثر محرکات سیاسی فوائد کے تصادم اور اس کے ابھارے ہوئے جذبات سے پیدا ہوئے لیکن ان کی تہہ میں قوی اقتصادی اور مالی عوامل بھی کارفرما تھے۔ یہ وہی قوتیں تھیں جن کی وجہ سے پہلی عالمی جنگ چھڑی تھی۔ ان باہم وابستہ مسائل کو ورسائی کے صلح گر حل نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقتصادی زندگی میں بعض عمیق تغیرات کے باوجود وہ پس منظر میں کارفرما رہے اور ان کی وجہ سے دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی۔

اس کی تاریخی توضیح، اس اقتصادی طریق حیات میں جزوا مل سکتی ہے جس نے سابقہ دو صدیوں میں ترتیب پائی۔ یورپ کی توسیع کے ساتھ اقتصادی نشوو ارتقا کی رفتار تیز ہوگئی۔ منڈیوں کے لیے سرگرم مقابلہ شروع ہو گیا۔ اس مقابلے میں خام مال محفوظ رکھنے، فالتو سرمایہ لگانے کے انتظامات، بحری و بری وسائل نقل وحمل پر اقتدار وغیرہ اسباب بھی شامل ہو گئے۔ ایک قوم کے بعد

دوسری قوم اپنے لیے جگہ پیدا کرنے میں کوشاں ہوگئی۔ اس طرح حسد ورقابت کی آگ خطرناک صورت اختیار کر گئی۔

جس دنیا میں ہر قوم اپنے لیے سازگار تجارتی توازن اور اقتصادی کفایت بالذات کی خواہاں تھی۔ اس میں ایک ایک نے اقتصادی جنگ شروع کر دی اور اس سلسلے میں عجیب وغریب حربے استعمال کیے مثلاً حفاظتی محاصل، سکوں پر کنٹرول، تجارت کے سلسلے میں مالی امداد اور تباہی خیز مقابلہ۔ ان حالات میں مشترکہ اقتصادی بہبود کا احساس کم ہی رہ سکتا تھا۔ صنعت کار دنیا کو اقتصادیات کا ایک جنگل فرض کیے بیٹھے تھے، جس میں مادی کامیابی زیادہ تیز فہم اور زیادہ طاقتور لوگوں ہی کو حاصل ہو سکتی تھی۔

جو جمہوریتیں پہلی عالمی جنگ میں کامیاب ہوئیں وہ اقتصادی استواری پیدا کرنے میں ناکام رہیں۔ 1939ء میں دنیا بھر کے اندر ایک اقتصادی اور مالی کساد شروع ہوا، جس سے سراسیمگی اور دہشت پیدا ہوگئی۔ تین غیر مطمئن قوموں...... جرمنی، اٹلی اور جاپان نے زور شور سے شکایتیں شروع کر دیں کہ ہمارے پلے کچھ نہیں، روئے زمین اور اس کے وسائل سے ہمیں جائز و منصفانہ حصہ نہیں دیا گیا۔ جمہوریتیں تفرقے کا شکار تھیں۔

مسولینی اپنے رومی بالاخانے کے برآمدے سے پکار پکار کر دنیا کو سنا رہا تھا کہ مفلس وقلاش اٹلی سے کمینہ برتاؤ کیا گیا۔ اسی زور شور سے مسولینی بدترین ورسائی کے بخیے ادھیڑ رہا تھا اور انھیں اٹلی کو ثمراتِ فتح سے محروم رکھنے کا مجرم قرار دے رہا تھا۔ وہ کہتا تھا:

> ''اٹلی میں آدمیوں کی بہتات ہے اور اس ملک کے پاس فالتو آبادی کو بسانے کے لیے نوآبادیاں صرف چند ہیں۔''

فاشزم کے قائد نے گرجتے ہوئے کہا:

> ''اٹلی قوموں کی مجلس میں اپنا جائز حق اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ اس کے شیر دل جنگجو فرزندوں کے ہاتھ لاکھوں بندوقیں استعمال کریں۔''

چیخ و پکار میں دوسرا درجہ جاپان کا تھا۔ جاپان بھی نادار قوموں مین شامل تھا۔ اس نے بھی جلد سے جلد مغربی طور طریقے سیکھ لیے تھے۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران مین وہ موقع کا منتظر رہا

اور کسی بھی کشمکش میں زیادہ نہ الجھا۔ صرف خاص وقت کی تیاری میں لگا رہا، البتہ حالات پر گہری نظر رکھی۔ جاپان کے پیش نظر بھی فالتو آبادی کے لیے مزید جگہ کا حصول تھا۔ عسکریت پسند (گمبٹسو) پرانے مدبر جنرو، کاروباری لوگ (زیبٹسو)...... اس آخری گروہ میں مٹسوئی اور مٹسو بیشی کی زبردست کاروباری انجمنیں بھی شامل تھیں...... سب اس رائے پر متفق تھے کہ جاپان کی بڑھتی ہوئی آبادی اور خام مال کی کمی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسے زیادہ علاقے ملنے چاہئیں۔

اگر انگلستان کا چھوٹا سا جزیرہ اپنا اثر دنیا بھر میں پھیلا سکتا ہے تو جاپان سے یہ توقع رکھنا کیوں معقول نہیں کہ وہ بھی مشرق بعید میں اسی طرح توسیع کا حقدار ہے۔ پھر جاپانی سورج دیوتا کی برگزیدہ قوم ہے۔ جاپان کی ناقابل تسکین صنعتی مشین کے لیے خام مال کی گردآوری موت و حیات کا مسئلہ تھی۔ یہی کیفیت بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے نوآبادیاں حاصل کرنے اور اقتصادی فائدے اٹھانے کی تھی۔

نازی جرمنی تیسری نادار قوم تھی۔ وہاں سے بھی پے در پے مزید جگہ کے مطالبے دہرائے جا رہے تھے۔ انیسویں صدی میں جرمنی نے حیرت انگیز اقتصادی ترقی کی اور وہ زرعی ملک کے بجائے دورِ حاضر کی صنعت کار مملکت بن گئی۔ کاروبار اور بینکنگ پر زور دیا گیا۔ آزاد تجارت کی پالیسی ترک کر کے اپنی صنعتوں کی حفاظت کا انتظام کر لیا گیا۔ اسلحہ سازی کی صنعت کو بہتر فروغ حاصل ہوا اور نوآبادیاں حاصل کرنے کی پالیسی شروع کر دی گئی۔ ولیم دوم قیصرِ جرمنی نے نیا راستہ اختیار کر لیا، جس میں نوآبادیوں کے حصول اور بڑی بحری قوت کی تخلیق و تنظیم پر زور دیا گیا تاکہ جرمنی دنیا کی ایک بہت بڑی قوت کی حیثیت میں مستحکم ہو جائے۔

انیسویں صدی کے اواخر تک برطانیہ دنیا بھر کے لیے صنعت کار، سامان بردار، تاجر اور بینکر تھا۔ اسکی استعماری سلطنت وسعتِ رقبہ میں سب پر فائق تھی۔ اس کی صنعت وحرفت کو عالمگیر شہرت حاصل تھی۔ اس کی بحری قوت سمندروں پر حکمران تھی اور دنیا کا دوتہائی تجارتی بیڑا برطانیہ کی ملکیت تھا۔

جرمنی کی اقتصادی توسیع عمل میں آئی تو برطانوی سامراج کے پہلے سے قائم شدہ نظام کے

ساتھ ٹکر ہوگئی۔ جرمنی نے دنیا بھر کی منڈیوں میں برطانیہ کو دعوتِ مقابلہ دے دی۔ جرمنی کو وسط یورپ میں نہایت اہم حیثیت حاصل تھی۔ اس وجہ سے اس نے براعظم یورپ کی تجارت میں علمداری کی حیثیت حاصل کرلی۔ جرمنی کی اقتصادی برتری، مستعدی اور سائنٹفک ندرت کاری نے اس کی اقتصادی قوت کو کمال پر پہنچا دیا۔ اگرچہ وہاں صنعت کاری ذرا متاخر شروع ہوئی تھی لیکن اس نے دور حاضر کی عالی پایہ مشینری کے ذریعے سے اپنی مصنوعات اعلیٰ درجے پر پہنچا دیں۔ پہلی عالمی جنگ سے پیشتر جرمن متعدد دوائر میں انگریزوں کو پیچھے چھوڑ گئے تھے، خصوصاً صنعت کاری، زراعت، تجارت اور کان کنی میں۔ 1880ء میں برطانیہ بمقابلہ جرمنی اڑھائی گنا زیادہ خام لوہا نکالتا تھا لیکن تیس سال کے اندر جرمنی نے خام لوہے کی پیداوار برطانیہ سے تقریباً دگنی کردی۔ جرمن کہتے تھے کہ اس سے ثابت ہوگیا۔ پہلی عالمی جنگ بڑی حد تک برطانیہ کی رقابت کے باعث شروع ہوئی۔

1918ء کی شکست نے جرمنی کی اقتصادی حالت پر سخت ضرب لگائی۔ اتحادیوں نے جرمنی کی تقریباً تمام نو آبادیاں غصب کرلیں، نیز اس کی بحری قوت یا تجارتی جہاز یا کارکردگی کا سرمایہ بلکہ اس کے مویشی بھی اتحادیوں ہی کے قبضے میں چلے گئے۔ جرمنی کی خام لوہے کی نہایت قیمتی کانیں لورین میں تھیں، ان پر فرانس قابض ہوگیا اور سونے کی بہم رسانی باقی نہ رہی۔

1923ء میں جرمنی کی اقتصادی حالت پر افراط زر نے ضرب لگائی۔ صنعتی نظام شل ہوگیا۔ روپے کی قیمت برباد ہوجانے کے باعث قوم قلاش بن گئی۔ جرمنی کے سکے، بیمے کی پالیسیاں، بچت کے حسابات اور پنشنیں ختم ہوگئیں۔ طبقہ اوسط، جسے اقتصادیات میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا تھا، لڑکھڑا کر اقتصادی دلدل میں گر گیا۔ اگر مغربی قومیں ڈاز کے منصوبے (1924ء) اور ینگ کے منصوبے (1929ء) سے امداد کا ہاتھ نہ بڑھاتیں تو جرمنی کا اقتصادی نظام درہم برہم ہوجاتا۔ باہر سے سرمایہ جرمنی میں پہنچا تو عارضی خوشحالی شروع ہوئی۔ 1929ء کے کساد نے بیرونی امداد روک دی۔

پھر ہٹلر نے دفاعی اقتصادیات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس نے پورے نظام پر ضبط و نظم قائم کرلیا۔ مختلف صنعت کاروں کو خام مال دیا جاتا۔ سرمایہ کاری کے سلسلے پر بھی ضبط قائم ہوگیا۔ قیمتیں

اور اجرتیں مقرر کر دی گئیں۔اس طرح اسلحہ سازی کے لیے سرمایہ جمع کر لیا گیا۔ہٹلر نے عمداً جمہوریا ویمر کی فلاحی اقتصادیات ترک کر دیں جن میں سامان دنیا بھر کے لیے پیدا کیا جاتا تھا۔اس کی جگہ جنگی اقتصادیات کو دے دی۔نازیوں کے زمانے کی پوری صنعتی مشین اوپر سے نیچے تک جنگ کے لیے وقف تھی۔

یہ نئی اقتصادی دعوت مقابلہ تھی۔جرمنی میں پھر ایک نیا نظام نمودار ہوا جو جمہوریتوں کو چیلنج دینے لگا۔ہٹلر کے پیش نظر دو مقصد تھے: اول ناکہ بندی کے اعادے کا انسداد، جس نے 1918ء میں جرمنی کا گلا گھونٹا۔دوم معاہدۂ ورسائی کو صرف ایک ناقابل تردید دلیل سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا یعنی جنگ میں کامیابی۔

قومیت کا کردار

کارل مارکس نے 1848ء میں پیش گوئی کی تھی کہ قومی جذبات رفتہ رفتہ گھٹتے جائیں گے۔اسی تناسب سے بین الاقوامی جذبہ ترقی کرے گا۔اس کا ناگزیر نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا بھر کے مزدوروں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔فکر ونظر کی تاریخ میں اجتماعی معاملات کے متعلق کسی پیش گوئی کی ایسی غلطی کی مثال شاذ ہی ملے گی۔

مارکس کی رائے حد درجہ غلط تھی۔قومیت کی قوت گھٹنے کی بجائے گزشتہ صدی میں زیادہ سے زیادہ بڑھتی گئی، یہاں تک کہ بیسویں صدی میں یہ اول درجے کی سیاسی قوت بن گئی۔

قومیت کے متعلق رائے کی غلطیاں ہی بیسویں صدی کی دو جنگوں اور بعد کے معاہدات صلح ہی کی بڑی حد تک ذمہ دار تھیں۔معاہدہ ورسائی اور پہلی عالمی جنگ کے بعد دوسرے متوازی معاہدات کا مقصد ہی یہ تھا کہ یورپ کا نقشہ قومی خود اختیاری اور فاتحین کی مرضی کے مطابق از سر نو بنایا جائے لیکن یورپی مخالفتوں کا تصفیہ کر دینے کی بجائے قومیت نے ان میں بہت اضافہ کر دیا۔

نازی جرمنی اور فاشسٹ اٹلی میں انتہا پسندانہ قوم پرستی کی برساتی پیداوار بطور خاص سخت و شدید تھی۔چوں کہ وہاں مطلق العنان استبدادی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں، لہٰذا اس قومیت کو یورپ کا

نقشہ بالجبر بدلنے کے لیے طبعاً زیادہ شدت سے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ڈکٹیٹروں کو مشتبہ اور خیالی اصول پیش کرنے میں کوئی باک نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مقصد کا حصول بجائے خود وسائل کا جواز مہیا کردے گا۔ وہی جذبہ جاپانی عسکریت پسندوں میں بروئے کار آ گیا، یعنی انسان دنیا کے جنگل میں جانوروں سے کچھ ہی زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔

2

محوری اقدامات کے مراحل

اطالویوں نے دو بھاری لشکر حبش کے خلاف بھیجے ایک آسٹریا سے اور دوسرا اطالوی صومالیہ کے محاذ سے۔ شمالی جانب کے لشکر نے جو اریٹریا سے چلا تھا، ایک بڑی ڈھلان کے ساتھ ساتھ پیش قدمی شروع کی۔ وہ ندی نالے ایک طرف اور بنجر زمینیں دوسری طرف چھوڑ کر آگے بڑھا اور تیزی سے عدوا پر قابض ہو گیا۔ غیر ملکیوں کا خیال یہ تھا کہ اطالوی لڑنے سے پہلو تہی کرتے ہیں لیکن اس تصور کے خلاف مسولینی کے لشکر مستعدی اور سبک رفتاری سے آگے بڑھے۔ جنوبی لشکر کا کماندار مارشل روڈالفو گریزیانی بڑی احتیاط سے پیش قدمی کرتا رہا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ حبش کے جو رئیس حکومت سے بگڑے بیٹھے تھے، انھیں ساتھ ملا لے۔

1936ء کے ابتدائی مہینوں میں حبش کے محفوظ مقامات یکے بعد دیگرے اطالویوں کے قبضے میں آتے رہے۔ تین روز بعد اطالوی حبش کے دارالحکومت عدیس بابا پر قابض ہو گئے۔ جب گریزیانی کے جنوبی لشکر نے بدولیو کی شمالی فوج سے براہ راست تعلق پیدا کر لیا تو مہم ختم ہو گئی۔ 9 مئی 1936ء کو وکٹر عمانوئیل سوم شاہ اٹلی کو شہنشاہ حبش قرار دے دیا گیا۔ ایک مہینے کے اندر اندر مسولینی نے حبش، اریٹیریا اور اطالوی صومالیہ کو ملا کر ایک علاقہ بنا لیا اور اس کا نام اطالوی مشرقی افریقہ رکھا۔ مارشل بدولیو پہلا وائسرائے مقرر ہوا۔ 1937ء میں مسولینی نے اطالوی افریقہ کا

قلمدانِ وزارت خود سنبھال لیا۔

معزول شاہ حبش ہیل سلاسی بڑا ستم رسیدہ تھا لیکن اس کے وقار میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ خود اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لیے جنیوا پہنچ گیا۔ بڑے صبر و وقار سے جمعیتِ اقوام کی مجلس عام کے روبرو کھڑا ہوا اور تقریر شروع کی۔ اطالوی اخبار نویسوں نے نعرے لگا لگا کر اس کی آواز گم کرنے کی کوشش کی۔ ہیل سلاسی کی تقریر میں پیش آنے والے واقعات کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ اس نے کہا:

"میں ہیل سلاسی اول شہنشاہ حبش یہاں آپ سے اس انصاف کا طلب گار ہوں، جو میری قوم کا حق ہے، وہ امداد چاہتا ہوں، جس کا وعدہ آٹھ مہینے پیشتر باون قوموں نے میرے ساتھ کیا تھا اور کہا تھا کہ جارحانہ اقدام کیا گیا ہے...... میرا فرض ہے کہ جن حکومتوں کے نمائندے جنیوا میں جمع ہیں، انھیں...... اس مہلک خطرے سے آگاہ کردوں، جو اُن کے سر پر منڈلا رہا ہے...... خدائے بزرگ و برتر کی بادشاہی کے سوا روئے زمین کی کوئی قوم دوسری قوم پر برتری کا دعویٰ نہیں کرسکتی...... آپ جو فیصلہ کریں گے، اسے خدا یاد رکھے گا اور تاریخ ہمیشہ کے لیے محفوظ کردے گی۔"

جمعیتِ اقوام نے کچھ بھی نہ کیا۔ تاریخ نے اس کا فیصلہ واقعی یاد رکھا۔ 16 جولائی 1936ء کو دوسو اکتالیس روز بعد دباؤ ڈالنے والی طاقتوں کا پہلا بڑا شاندار تجربہ ختم ہوگیا۔ جمعیت نے اٹلی کے خلاف تحفظات منسوخ کردیے۔ اس طرح اپنی بے چارگی کھلم کھلا دنیا پر آشکارا کردی۔ اجتماعی تحفظ کے سلسلے میں یہ ایک اور ذلت خیز شکست تھی۔ فاتح مسولینی نے سات مہینے میں حبش کو مسخر کرلیا۔ صرف دو ہزار آٹھ سو تیرہ اطالوی فوجی، ایک ہزار پانچ سو ترانوے افریقی فوجی اور چار سو ترپن اطالوی مزدور مارے گئے۔

اٹلی مزید ڈیڑھ سال جمعیت میں شامل رہا۔ پھر جاپان کی پیروی کرتے ہوئے اس نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ مسولینی نے صرف جمعیت ہی کے جسم پر کاری ضرب نہیں لگائی تھی، بلکہ بین الاقوامی قانون کے متعلق یورپی نظریہ اور قوموں کے درمیان تعاون کا اصول بھی برباد کردیا۔ سب

سے بڑھ کر یہ کہ صدی کے چوتھے عشرے میں حبش پر حملے سے بتا دیا کہ مدارِ عمل اب بھی ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' ہے۔ ساتھ ہی ہٹلر کے لیے معاہدوں کی یک طرفہ خلاف ورزی کا نیا سرو سامان فراہم کر دیا۔ دوسری عالمی جنگ کے راستے کی ایک اور منزل طے ہوگئی۔

ہسپانوی خانہ جنگی (1936-1939)

منچوریا اور حبش کے بہتے ہوئے ناسوروں سے ہٹ کر اب جارحانہ اقدام کا ڈرامہ جزیرہ نمائے آئبیریا کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ہسپانیہ میں خانہ جنگی ایک مقامی ہنگامے کی شکل میں شروع ہوئی اور جلد ہی اس نے دوسری عالمی جنگ کے لیے ایک آزمائشی تماشے کی صورت اختیار کر لی۔

بیسویں صدی کا ہسپانیہ سیاسی اعتبار سے نااستوار، نااہل، رشوت خور اور نالائق حکومتوں کی لعنت میں مبتلا رہا۔ یہ ایک ایسا ملک تھا جس کے باشندوں کے پاس زمین نہیں تھی۔ چند ہزار امراء نصف سے زیادہ زمینوں پر قابض تھے۔ پندرہ لاکھ کسانوں کے پاس صرف دو فی صد زمین تھی۔

پہلی عالمی جنگ نے ہسپانیہ کے لیے اک گونہ خوشحالی کا سامان مہیا کر دیا، مگر 1919 کے بعد پھر اقتصادی بدحالی، سیاسی افراتفری، اجتماعی بے چینی اور فوجی کمزوری کا دور شروع ہوگیا۔ 1921ء میں ہسپانیہ کو مراکش کے اندر شدید فوجی شکستوں سے سابقہ پڑا۔ بیس ہزار ہسپانوی فوج کو ریفی چھاپہ مار حبشیوں نے محمد بن عبدالکریم کی سرکردگی میں بری طرح تباہ کیا۔ 22 ستمبر 1923ء کو جنرل پریمو دار دیرا نے شاہ الفانسو سیزدہم کی رضامندی سے حکومت پر قبضہ کر لیا اور ایک فوجی مطلق العنانی قائم کر دی۔

اب متوسط طبقے کے افراد نے نئی جمہوریت قائم کر لی، جس پر بے حد خوشیاں منائی گئیں۔ اس کا جھنڈا سرخ، زرد اور ارغوانی پٹیوں سے مزین تھا۔ زمورا اس کا پہلا صدر مقرر ہوا۔ نئی حکومت نے سخت قوانین کا ایک سلسلہ منظور کرایا۔ یہ قوانین بادشاہی فوج، کلیسا اور امراء کے خلاف تھے اور انھی ستونوں پر حکومت قائم تھی۔ ہر فرد کو نئی جمہوریت کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت ضرور تھی۔ ان میں شاہ پسند بھی شامل تھے، ہسپانوی افسر بھی۔ بڑے بڑے مالکانِ اراضی بھی تھے۔ کاروباری آدمی اور پاپائیت تھی۔

دائیں بازو کی طرف سے نقطہ چینی شروع ہوئی تو بائیں بازو کی طرف سے غیظ وغضب کا اظہار ہونے لگا۔ 1933ء کے انتخابات میں دائیں بازو کی پارٹیاں کامیاب ہوئیں۔ انقلابیوں کے بائیں بازو...... جس میں انارکسٹ، سنڈیکلسٹ اور کمیونسٹ شامل تھے...... کا عقیدہ یہ تھا کہ حکومت، بادشاہی، امراء، کلیسا اور فوج کے تعلق میں نرم روی اختیار کر رہی ہے اور اسے تیزی و تندی پر آمادہ ہونا چاہیے۔

جب حکومت کی عنانِ اختیار دائیں بازو کے ہاتھ میں آگئی تو اس نے وہ تمام قوانین معطل کر دیے، جو زمینداروں اور کلیسا کے خلاف تھے۔ اس پر ہنگاموں کا طوفان بپا ہو گیا۔ کسانوں نے جاگیروں پر قبضہ کر لیا۔ گرجے جلا دیے گئے۔ بازاروں میں لڑائیاں ہوئیں۔ ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مارشل لاء لگا دیا گیا۔ سیقاسی قتل کے اقدامات عمل میں آئے۔

اس اثناء میں فاشزم کو تقویت پہنچی۔ فاشسٹوں کے ایک جتھے (جسے فلنج یا فلینکس کہتے تھے) کی بنیاد پر یمودار ویرا کے بیٹے انٹونیو نے رکھی تھی۔ مسولینی اور ہٹلر نے اس جتھے کو امداد دی۔ دونوں کی خواہش یہ تھی کہ ہسپانیہ کی امداد سے جتنا فائدہ اٹھا سکیں اٹھالیں۔۔ 1934ء میں مسولینی نے ہسپانوی شاہ پسندوں سے وعدہ کر لیا کہ میں بیس ہزار رائفلیں، بیس ہزار دستی بم، دو سو کلدار توپیں اور پندرہ لاکھ پیاٹا کی رقم بھیجوں گا۔ میڈرڈ میں جرمنوں کے سفارت خانے اور پورے ہسپانیہ میں جرمنوں کے قونصل خانوں میں ہسپانوی جرنیلوں پر ہمدردانہ توجہ ہوتی رہی۔ مستقبل کی لہر، جو رومہ اور برلن سے اٹھی تھی، اپنا گل آلود پانی ہسپانوی جمہوریت پر پھینک رہی تھی۔

فاشزم کی قوت کا ردعمل یہ ہوا کہ ایک عوامی محاذ کی بنیاد پڑی، جس میں متوسط طبقے کے آزاد خیال لوگوں کے علاوہ بائیں بازو کے لوگ بھی شامل تھے، مثلاً انتہا پسند جمہوریت دوست، اشتراکی، سنڈیکلسٹ، انارکسٹ اور کمیونسٹ۔ اس محاذ کے مقابلے میں شاہ پسند، پادری، قدامت پسند اور فاشسٹ متحد ہو گئے تھے۔ 1936ء کے عام انتخابات میں عوامی محاذ نے پنچایتوں کے اندر دو سو ساٹھ نشستیں لے لیں۔ مخالفین کو دو سو نشستیں ملیں۔ اب پھر دائیں بازو اور بائیں بازو کی طرف

سے دہشت انگیزی شروع ہوگئی اور پُر امن حکومت غیر ممکن نظر آنے لگی۔

اب سوال یہ تھا کہ فوج کی روش کیا ہے؟ ایسے نازک حالات میں فوج کی روش خطرناک نتائج کا باعث ہو سکتی تھی۔ 13 جولائی 1936ء کا آفتاب طلوع ہوا۔ یہیں سے بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ بغاوت کا سبب یہ تھا کہ ایک شاہ پسند لیڈر مارا گیا۔ جو جرنیل صورتِ حال سے بیزار بیٹھے تھے، انھوں نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔

جنرل جوز سنجور جو پہلے شہری کا رو کا کماندار تھا۔ اسے ریفیوں کے شیر کا لقب حاصل تھا۔ قرار پایا تھا کہ اسی کو سالار عام اور ڈکٹیٹر بنالیا جائے۔ اگست 1932ء میں سنجور جو نے اُزانا کی حکومت کے خلاف ایک ناکام بغاوت کی۔ وہ گرفتار ہوا اور اسے موت کی سزا سنادی گئی، لیکن یہ سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ وہ بھاگ کر پرتگال پہنچ گیا تھا۔ لزبن سے طیارے میں بیٹھ کر وہ سیویل (اشبیلیہ) پہنچ گیا۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ فوج جمع کرے اور جمہوریت کا تختہ اُلٹ دے مگر طیارہ راستے میں تباہ ہو گیا اور چُنا ہوا آدمی مارا گیا۔

پیش نظر کام کے لیے جو دوسرا آدمی چُنا گیا وہ فرانسس کو فرینکو تھا۔ بتیس سال کی عمر میں جرنیل بن گیا۔ اس نے مراکش میں ہسپانیہ کا ایک جیش خاص منظم کیا تھا اور فرانسیسی جرنیل مارشل پتیان کے ساتھ مل کر مقامی بغاوتیں فرو کرتا رہا۔ جن کا انتظام محمد بن عبدالکریم نے کر دیا تھا۔ 1934ء میں فرینکو کو جنرل سٹاف کا رئیس بنالیا گیا تھا لیکن عوامی محاذ برسرِ کار آیا تو 1936ء میں فرینکو کو برطرف کر دیا گیا۔ اسے جزائر کینری میں فوجی گورنر کا عہدہ دے دیا گیا جو جلاوطنی کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

سنجور جو کی اتفاقی موت کی اطلاع پاتے ہی فرینکو عرب کا بھیس بدل کر ایک برطانوی طیارے میں...... جس کا انتظام دولت مند ہسپانویوں نے کیا تھا...... جزائر کینری سے مراکش پہنچ گیا۔ وہاں اس نے اعلان کر دیا کہ جو فوجیں مراکش میں لڑ رہی ہیں، ان کا سالار اعظم میں ہوں اور ہسپانیہ کی فوجوں کو بھی حکم دے دیا کہ میرے جھنڈے تلے آجاؤ۔ اس وقت ہسپانوی فوج میں ایک لاکھ سپاہی اور پندرہ ہزار افسر تھے۔

فرینکو نے 17 جولائی 1936ء کو بغاوت کا حکم دے دیا۔ اکثر جرنیل اوران کے آدمی برسرِ کار آگئے، البتہ بحری اور فضائی قوت حکومت کی طرف دار رہی۔ باغیوں کی تنظیم بڑی اچھی تھی اور ان کے پاس اسلحہ کی بھی افراط تھی۔ 27 ستمبر 1936 کو وہ لوگ ٹالیڈو(طلیطلہ) پر قابض ہوگئے۔ یوں خونریز خانہ جنگی شروع ہوئی، جس کا سلسلہ تین سال جاری رہا۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر نہایت ہولناک مظالم توڑے، جن کی کوئی مثال ہسپانیہ کی مذہبی تہذیب کے زمانے سے نہیں ملتی۔

فاشسٹ خیالات کے باغیوں کے پاس طیارے، ٹینک اور توپیں مخالفوں سے دس گنا زیادہ تھیں۔ انھوں نے تیزی سے ملک کے مغربی حصے پر قبضہ جمالیا اور 1937ء میں میڈرڈ کا محاصرہ کرلیا۔ رفتہ رفتہ شدید مخالفت پر قابو پاتے ہوئے فرینکو نے مئی 1938ء تک دوتہائی ہسپانیہ لے لیا۔ پھر اپنا تصرف بحیرۂ روم کے ساتھ ساتھ برشلونا سے بلنشیا تک پھیلالیا۔ یوں حکومت کی وفادار فوجیں دو حصوں میں بٹ گئیں۔ 28 مارچ 1938ء کو میڈرڈ بتیس مہینے کی خونریز کشمکش کے بعد فتح ہوگیا اور فرینکو پورے ہسپانیہ کا مالک بن گیا۔

جو کچھ بیان کیا گیا، وہ دراصل داستان کا صرف ایک رخ ہے۔ ہسپانیہ میں جو فوجی بغاوت شروع ہوئی تھی، اس نے بہت جلد ایک بین الاقوامی کشمکش کی صورت اختیار کرلی۔ ایک طرف اٹلی اور جرمنی کے فاشسٹ ڈکٹیٹر تھے اور دوسری طرف سوویت روس کے کمیونسٹ ڈکٹیٹر۔ مسولینی اور ہٹلر کے لیے ہسپانیہ کی خانہ جنگی فاشسٹ قوت کا اثر واقتدار وسیع کرلینے کا ایک خداداد موقع تھی۔ اس طرح کمیونزم پر سخت ضرب لگائی جاسکتی تھی۔ نیز اپنی فوجوں اور اسلحہ کی آزمائش میدانِ جنگ میں کی جاسکتی تھی۔

28 جولائی 1936ء کو کشمکش کے آغاز پر صاف معلوم ہورہا تھا کہ فرینکو اپنی فوجیں مراکش سے ہسپانیہ نہ پہنچا سکے گا۔ ہٹلر نے فوراً تیس نقل وحمل والے طیارے بھیج دیے۔ یہ امداد کی ابتدا تھی۔ پھر ساز وسامانِ جنگ کا طوفان بپا ہوگیا۔ گولی بارود، توپیں، فوجیں، طیارے، پائلٹ اور مکینک سب ہٹلر اور مسولینی کی برکات حاصل کرتے ہوئے پہنچ گئے۔

1937ء میں فرینکو کے جھنڈے تلے تیس ہزار اطالوی فوجی اور بارہ ہزار جرمن تھے۔ اس

کے بعد ہسپانیہ میں اطالوی سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ پر پہنچ گئی۔ پاپائیت نے فرینکو کو روحانی امداد دی اور اسے کلیسا کا سعادت مند فرزند قرار دیا۔

سوویٹ روس بھی اس جنگ میں شریک ہوا۔ سٹالین نے کہا کہ ہسپانیہ کو قدامت پسندی کے جوئے سے نجات دلانا محض ہسپانویوں کا نجی کام نہیں، بلکہ پوری پیش رو اور ترقی پذیر انسانیت کا کام ہے۔ ''پیش رو اور ترقی پذیر روس'' نے اربابِ فن اور سامان نومبر 1936ء ہی میں ہسپانیہ بھیج دیا تھا۔ پھر آدمیوں اور ساز و سامان کا ارسال برابر جاری رہا، اگرچہ ان کا تناسب جرمنی اور اٹلی کے برابر نہ تھا۔ جن کمیونسٹوں کی تربیت ماسکو میں ہوئی تھی...... فاشزم کے خلاف لڑنے کے لیے ہسپانیہ پہنچے۔ ہسپانوی جمہوریت کے جو ہمدرد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے، انھوں نے ہسپانیہ میں لڑنے کے لیے بین الاقوامی جتھے منظم کیے۔ ان میں سے ایک جتھا امریکا میں بھی تیار ہوا تھا، جس کا نام ابراہم لنکن بریگیڈ تھا۔ جارج آرویل جیسے آزاد خیال بھی یہ یقین رکھتے ہوئے جمہوریت کے حامی بن گئے۔

غور کرنا چاہیے کہ فرانس، برطانیہ اور امریکا کی روش کیا تھی؟ اگرچہ وہ نظری اعتبار سے جمہوریہ ہسپانیہ کے ہمدرد تھے لیکن انھوں نے شدید غیر جانبداری پر اصرار کرتے ہوئے جمہوریت پر بدبختی کی آخری مہر ثبت کر دی۔ جوں ہی ہسپانیہ میں خانہ جنگی شروع ہوئی انگلستان، فرانس، اٹلی اور جرمنی کے درمیان عدم مداخلت کا معاہدہ ہو گیا۔ برطانیہ اور فرانس اس پر قائم رہے، مسولینی اور ہٹلر نے اس کا کوئی خیال نہ رکھا۔ بین الاقوامی قانون کے تحت جمہوریہ ہسپانیہ کی آئینی حکومت کو مغربی جمہوریتوں سے اسلحہ خریدنے کا قانونی حق حاصل تھا، لیکن مغربی جمہوریتوں نے حد درجہ ضروری سامان اس بنا پر نہ دیا کہ اس طرح وہ ایک غیر مطلوب جنگ میں الجھ جائیں گے۔ ہٹلر اور مسولینی ایسے ترددات سے بالکل پاک تھے۔

جرمنی اور اٹلی کی مداخلت نے فرینکو کو کامیاب بنایا۔ اس نے ہسپانیہ میں ایک مطلق العنان حکومت قائم کر دی۔ فوج، پادریوں اور بالائی طبقے کے وہ تمام حقوق بحال کر دیے جو پہلے انھیں حاصل تھے۔ بڑی بڑی جاگیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے روک دیا۔ امراء کو ان کی زمینیں واپس دے دیں۔ کلیسا کی املاک کلیسا کو مل گئیں۔ تعلیم پر پادریوں کا نظم و ضبط نئے سرے سے جاری

ہو گیا۔ مزدوروں کی یونینیں توڑ دی گئیں۔ ہڑتالوں کی ممانعت کر دی گئی۔ تمام سیاسی مخالفوں کے خلاف دہشت انگیزی کا دور شروع ہو گیا۔ سیاسی قیدیوں کی تعداد پانچ لاکھ اور بیس لاکھ کے درمیان تھی۔ ان میں سے اکثر کو وحشیانہ سزائیں دی گئی۔ ہزاروں آدمی پناہ کے لیے فرانس پہنچے۔ یہ معاملہ حکومت فرانس کے لیے خاصا نازک ہو گیا۔ ان سب کو جا بجا بند کر دیا گیا۔

7 اپریل 1939ء کو فرینکو نے اعلان کیا کہ میں کمیونزم کے خلاف میثاق سے وابستہ ہوں۔ یوں رومہ اور برلن کے محور میں میڈرڈ بھی شامل ہو گیا۔ 27 ستمبر 1940ء کو جاپان بھی اس اتحاد میں شامل ہو گیا، جسے رومہ، برلن، ٹوکیو کا محور یا فولادی میثاق قرار دیا گیا۔

آٹھ سال کی مذبذب زندگی کے بعد ہسپانوی جمہوریت ختم ہو گئی۔ برادر کشی میں دس لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔ ہسپانیہ میں تلخی، ازالاوہام اور افلاس کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ہٹلر اور مسولینی کے لیے یہ مغربیوں کے خلاف ایک اور بڑی کامیابی تھی۔ بحیرۂ روم پر محوریوں کی گرفت مستحکم ہو گئی تھی۔ برطانیہ اور فرانس کے وقار پر یہ ضرب تھی۔ اسے آنے والے حالات کا ایک شگون بد سمجھا گیا۔ ہسپانیہ کے واقعات نے سٹالین پر واضح کر دیا کہ وہ اپنے جارحانہ مفاد کو غالباً کمزور مغربی جمہوریتوں کی بجائے محوریوں ہی کے ساتھ تعاون کی بنا پر محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جمعیت اقوام پر اعتقاد رکھنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ پہلے ہی کم ہو رہی تھی۔ اب جارحانہ اقدام کے مقابلے میں بیچارگی کے مظاہرے سے جمعیت پر ایک اور ضرب لگی۔ کروڑوں آدمیوں کے نزدیک یہ واقعہ بدرجہا شدید تر کشمکش کی صورت میں موت کا پیغام بننے والا تھا۔

''ماجرائے چین'' 1937ء

بیرن جنرل سدا اڈارا کی جاپان کا وزیر جنگ اور جنگی پارٹی کا لیڈر تھا۔ اس نے کوڈو کا ذکر کیا۔ کوڈو کا مطلب تھا 'طریق شہنشاہ'' یعنی ایک پُر اسرار عمل، جو شنٹو کو دنیا بھر میں دیوتاؤں کے طریق پر پھیلا دے گا۔

ان نظریات کے مضمرات اور روش کے متعلق اضافی ضوابط کے باعث اہلِ جاپان ایک تنہا آسمانی قوم بن گئے تھے اور ان کا مشن یہ تھا کہ ساری دنیا پر حکومت کریں۔ ہر جاپانی کے لیے اعلیٰ

ترین نیکی یہ تھی کہ فتح وغلبہ کے لیے لڑے یا مر جائے۔ تسلیم وحوالگی ایک نا قابل برداشت بے عزتی تھی۔

مارچ 1933ء میں اراکی نے کہا:

''یہ یقیناً قدرت کی طرف سے ایک تدبیر ہے کہ منچوریا میں ہنگامہ بپا ہوا۔ یہ جاپانیوں کے لیے بیداری کا ایک انتباہی پیغام ہے۔ اگر قوم میں وہ زبردست روح از سرِ نو پیدا ہو گئی، جو جاپان کی بنیاد واساس تھی تو وقت آئے گا، جب دنیا کی تمام قوموں کی نظریں ہمارے کوڈو پر جمی ہوں گی۔ اس راستے کی ہر رکاوٹ دور کردینی چاہیے اگرچہ اس کے لیے تلوار استعمال کرنی پڑے۔''

گویا واضح ہو چکا تھا کہ منچوریا محض پہلا قدم تھا۔ واضح انتباہات کیے جا چکے تھے۔ ٹوکیو کے امریکی سفیر جوزف سی گریو نے کارڈل ہل وزیر خارجہ امریکا کو دسمبر 1934ء میں لکھا تھا:

''(عسکریت پسندوں کا) مقصد یہ ہے کہ پہلے تجارت پر قبضہ کیا جائے، پھر چین، فلپائنز، سٹریٹ سیٹلمنٹس، سیام، ولندیزی مشرق الہند، بحری صوبوں اور ولاڈی واسٹک...... پر غالب اثر قائم کرلیا جائے، البتہ جابجا ٹھہر کر قبضہ مستحکم کیا جائے گا۔ پھر جیسے جیسے مشکلات پیدا ہوں گی، ڈپلومیسی یا قوت سے ان پر غلبہ پایا جائے گا......

اگر ہم نے اپنے مفاد یا اپنی املاک کی حفاظت کے لیے بین الاقوامی اجتماع یا جارحانہ اقدامات سے باز رکھنے والے معاہدوں پر بھروسا کیا تو ہم مجرمانہ غنودگی کے مرتکب ہوں گے۔''

حکومتِ امریکا نے مظلوم چینیوں کی امداد شروع کی۔ تعمیرِ نو کے لیے ایک مالی کارپوریشن بنی تھی۔ روزویلٹ کی حکومت نے 1934ء میں اس کارپوریشن سے چین کو پانچ کروڑ ڈالر کا قرضہ دلا دیا۔ امریکی جنگی طیارے چین کے ہاتھ فروخت کردیے گئے۔

یہ محض علامتی امداد تھی تاہم اس سے جاپان کی جنگجو جماعت میں سخت غصہ پھیلا۔ بعض زیادہ

جو شیلے جاپانی راست اقدام کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے پہلے پہل اپنے وطن میں نفرت کے ہدف منتخب کیے۔ کاروباری آدمی چاہتے تھے کہ جنگ کے بغیر توسیع ہو۔ اکابر مدبر بھی توسیع چاہتے تھے لیکن وہ اعتدال روی کے حامی تھے، غصہ ان پر اتارا گیا۔ اس غرض سے قتل کا حربہ استعمال کیا گیا۔ قاتلوں کو مقتولوں کے خلاف کوئی ذاتی عداوت نہ تھی۔ وہ بھی بہر حال جاپانی تھے لیکن جو شیلے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ اس طرح مقدس شہنشاہ کو نامناسب اثرات سے محفوظ کر رہے ہیں اور جاپان کے شاندار مستقبل کے لیے راستہ ہموار کرنے کا مقدس فرض انجام دے رہے ہیں۔ بے شک یہ کچھ اچھا کام نہ تھا لیکن جو شیلے لوگ کہتے تھے کہ تاخیر کے حامیوں کو بہر کیف ختم ہونا چاہیے اور قاتل مقتولوں کی لاشوں کے پاس بخور سلگا کر ذاتی رنج والم کا اظہار کرتے رہیں گے۔

مارچ 1932ء میں نئے فوجی افسروں، بحری افسروں اور غیر مصافیوں کے ایک گروہ نے بیرن، دان، تکوما کو قتل کر دیا جو متسوئی کارپوریشن کے بورڈ کا صدر تھا۔

20 فروری 1936ء کے انتخابات میں لبرلوں کی اکثریت پارلیمنٹ میں آ گئی۔ اس پر دہشت پسندوں میں سخت غیظ وغضب پھیلا اور انھوں نے محض اعتدال پسندوں ہی نہیں بلکہ شاہی گھرانے کے ارکان پر بھی ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ چھ روز بعد چودہ سو نوجوان افسر اور دوسرے آدمی، جو اُن کے ساتھ شامل ہو چکے تھے، اُٹھے اور وسط ٹوکیو پر قابض ہو گئے۔

اس اثنا میں جاپان غیر ملکوں سے معاہدات کی فصیل مستحکم کر رہا تھا۔ 25 نومبر 1936ء کو جرمنی کے ساتھ عالمی کمیونزم کے خلاف معاہدے پر دستخط کیے۔ جون 1937ء میں جنرل ٹوجو نے جو اس وقت کوان تنگ والی فوج کا چیف آف سٹاف تھا، ٹوکیو کو متنبہ کیا کہ چین پر حملہ اسی وقت ہونا چاہیے ورنہ چین کائی شک اور کمیونسٹ متحد ہو جائیں گے۔ اگر مزید دس سال گزر گئے تو چین اتنا مستحکم ہو جائے گا کہ اسے فتح نہیں کیا جا سکے گا۔

بہر حال 7 جولائی 1937ء کو پھر چین میں اقدامات شروع ہوئے۔ اب کے یہ سلسلہ مارکوپولو کے پُل سے شروع ہوا جو لوکو چیاؤ کے گاؤں سے قریب ہے اور پیپنگ سے بیس میل مغرب میں واقع ہے۔ اس حلقے میں جو جاپانی کمانڈار تھا اس نے اطلاع دی کہ چینی فوجوں نے ہم

پر حملے میں سبقت کی۔ہم چینیوں کو سبق سکھانے آئے تھے۔وہ بڑے دیدہ دلیر ہورہے ہیں۔جاپانی وزیر جنگ نے اصل رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ چین کو عدم اخلاص کی سزا دینی چاہیے۔پرنس کونوئی وزیراعظم جاپان نے اصرار کیا کہ ذرا احتیاط سے قدم اٹھایا جائے لیکن یہ مشورہ بعد از وقت تھا۔جاپانی فوجیں شمالی چین میں داخل ہوگئیں۔یکے بعد دیگرے چین کے بڑے بڑے شہر پامال کر ڈالے گئے۔

پھر 1931ء کی طرح جاپانیوں نے قتل، تہذیب، بے آبروئی، لوٹ اور غارت گری کا ہنگامہ بپا کر دیا، غیر مصافی آبادی کا نقصان جان، بم، قحط اور وبا سے دہشت انگیز حد تک پہنچ گیا۔بدمست جاپانی سپاہی بے دست و پا چینیوں کو سنگینیوں کا ہدف بناتے۔بچے ماؤں کی گودوں سے چھین کر موت کے گھاٹ اتارے جاتے، پھر ماؤں کی آبروریزی کی جاتی۔

بایں ہمہ جاپانیوں کے لیے چینی قومیت کو محو کر دینا لیکن نظر نہ آیا۔جیسے جیسے وہ ملک کے اندر پیش قدمی کرتے گئے ان پر آشکارا ہوتا گیا کہ طویل خطوط رسد پر چھاپہ ماردستوں کے کاری حملے ہورہے ہیں۔جاپانی سپاہی اور سامانِ جنگ تباہ ہوتا رہا۔اب واضح ہوا کہ دیو پیکر چین میں زندگی کی روح باقی ہے۔ایک چینی جرنیل نے صورتِ حال یوں پیش کی کہ اگر ہم اسی طرح مزاحمت جاری رکھیں اور جاپانی ہمارے دس کروڑ پچاس لاکھ آدمی ختم کر دیں، پھر بھی تیس کروڑ باقی رہ جائیں گے۔

چین میں جاپانیوں کی پیش قدمی نہ رُکی۔فروری 1939ء میں انھوں نے بزیرہ ہینان پر قبضہ کرلیا۔قصد یہ تھا کہ اسے مرکز بنا کر فرانسیسی ہند چینی پر حملہ کیا جائے گا۔

حکومتِ جاپان کی طرف سے نو طاقتوں کے معاہدے کی یک طرفہ خلاف ورزی پر حکومت امریکا اور حکومت برطانیہ نے احتجاجی یادداشتیں بھیج دیں، مگر جاپانی پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے۔پھر ایک مرتبہ وہ معاہدے نظر انداز ہوئے، جن پر جاپان اور مغربی طاقتوں کے دستخط ثبت تھے۔جاپانیوں کو اندازہ تھا کہ امریکا یا کوئی یورپی طاقت مشرق بعید میں جنگ نہیں چاہتی، لہٰذا جاپانیوں نے اپنی کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

آخر جاپان و چین کی جنگ دوسری بڑی عالمی جنگ میں جم ہوگئی۔

سقوط آسٹریا 1938ء

ہٹلر نے 1938ء میں آسٹریا اور جرمنی کو متحد کر دیا۔ دوسری عالمی جنگ کی طرف یہ بہت بڑی جست تھی۔

پہلی عالمی جنگ ختم ہوئی تو آسٹریا ایک چھوٹا سا زمین بند ملک رہ گیا تھا، جس میں جمہوریت قائم ہو چکی تھی اور اس کی آبادی صرف پینسٹھ لاکھ تھی۔ ان میں سے ایک تہائی آبادی صرف وی آنا میں تھی۔ پہلے آسٹریا بہت بڑی سلطنت تھا اب وہ دیوالیہ ہو چکا تھا۔ اس کے سکے بے کار تھے، تجارت تباہ ہو چکی تھی۔ لوگ بھوکوں مر رہے تھے۔ جمعیت اقوام نے اس کے لیے قرضے کا انتظام کر کے ایک حد تک بحالی کی کوشش کی اور اس کے سکوں میں استواری پیدا ہوگئی۔ سیاسی اعتبار سے ملک دو مخالف فریقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طرف سرخ پوش تھے جن میں اشتراکیوں کی شرکت تھی۔ یہ لوگ مزدوروں اور ارباب علم پر مشتمل تھے۔ دوسری طرف سیاہ پوش تھے جو فاشزم کے حامی تھے۔ ان میں زراعت پیشہ طبقوں اور پادریوں کے حامی شریک تھے۔ خارجی اعتبار سے آسٹریا، جرمنی، اٹلی اور فرانس کے درمیان ڈپلومیسی کا بازیچہ بنا ہوا تھا۔

معاہدۂ سان جرمین کے مطابق فاتح اتحادیوں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ آسٹریا اور ہنگری کے درمیان قطعاً اتحاد نہ ہونے پائے۔ شروع مین مسولینی بھی اس اتحاد کا مخالف تھا، کیوں کہ وہ نہیں چاہتا تھا، جرمنی طاقت پکڑے اور جنوبی ٹائرول کے جرمنی بولنے والے باشندے قوم پرستی کی تحریک جاری کر دیں۔

جرمنی میں نازی برسرکار آئے تو ساتھ ہی آسٹریا میں بھی نازیوں کی تحریک شروع ہوگئی۔ 1933ء میں ہٹلر نے آسٹروی نازیوں کو اُبھارنا شروع کیا کہ آسٹریا کے چانسلر ڈولفس کا نظام درہم برہم کر دیا جائے۔ نازیوں کی دہشت انگیزی کے تمام عناصر آسٹریا میں موجود تھے۔ مسولینی نے ڈولفس کو یقین دلا دیا کہ آسٹریا جب تک فاشزم اختیار نہ کرے گا، ہٹلر کے مقابلے پر ٹھہر نہ سکے گا

چنانچہ ڈولفس نے جمہوری دستور معطل کر دیا اور اپنی ڈکٹیٹری میں ایک بلدی نظام قائم کر لیا۔

صورت حالات فیوہرر یعنی ہٹلر کے لیے حد درجہ غیر تسلی بخش تھی۔ جولائی 1934ء میں

آسٹروی نازیوں نے اپنے جرمن بھائیوں کے اشتراک سے حکومت پر قبضہ کرنا چاہا۔ کشمکش میں ڈولفس سخت زخمی ہوا۔ نازیوں نے اس کے لیے طبی انتظام نہ ہونے دیا۔ چنانچہ بے طرح خون بہنے سے اس کی موت واقع ہوئی۔ رومہ میں اس پر سخت غم وغصہ کا اظہار کیا گیا۔ جنوری 1935ء میں مسولینی نے فرانس سے معاہدہ کر لیا، جس میں دونوں آسٹریا کی آزادی بحال رکھنے پر متفق ہو گئے۔ اسی ضمن میں فرانس نے خفیہ خفیہ اقرار کر لیا کہ مسولینی حبش میں جو کارروائی چاہے، کر لے۔ 1935ء میں سٹریسا (اٹلی) کے مقام پر ایک کانفرنس ہوئی تا کہ اٹلی، فرانس اور برطانیہ کی کشمکش ختم ہو جائے۔ یہاں مسولینی نے فرانس و برطانیہ کے ساتھ ہو کر ایک اہم اعلان کیا: یعنی تینوں طاقتوں کی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ جمعیت اقوام کے نظام کے تحت امن اجتماعی حیثیت میں قائم رکھا جائے اور تینوں متفق ہو گئی ہیں کہ اگر کسی نے معاہدوں کی یک طرفہ خلاف ورزی کی، جس سے یورپ کا امن خطرے میں پڑا تو تینوں ملک ہر ممکن ذریعے سے اس کی مخالفت کریں گے اور اس مقصد کے لیے ان کا اقدام گہرے اور دوستانہ اشتراک پر مبنی ہو گا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر ہٹلر نے بھی معقول روش اختیار کر لی۔ جولائی 1936ء میں وعدہ کر لیا کہ آسٹریا کے استقلال کا احترام کیا جائے گا، لیکن فیوہرر کانٹے میں پھنسی ہوئی آسٹروی مچھلی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے دوسرے دائروں میں ڈپلومیسی کے ذریعے سے یکے بعد دیگرے کئی حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ 1935ء میں سار کے باشندوں سے استصواب رائے کیا گیا۔ یہ انتظام پہلی عالمی جنگ کے بعد معاہدۂ ورسائی کی بنا پر ہوا تھا۔ نوے فی صد باشندوں نے جرمنی کے حق میں ووٹ دیے۔ یہ رائے شماری جمعیتِ اقوام کی نگرانی میں ہوئی تھی اور سرتاسر دیانت پر مبنی تھی۔ 15 مارچ 1935ء کو ہٹلر نے جرمن ہوائی فوج کی داغ بیل ڈال دی۔ 16 مارچ کو اعلان کر دیا کہ میں ساز و سامان جنگ کی حد بندی کا معاہدہ توڑتا ہوں، ساتھ ہی تمام جرمنوں کو فوج میں بھرتی ہونے کا قانون جاری کر دیا۔

ایک سال اور گزر گیا۔ 7 مارچ 1936ء کو ہٹلر نے حکم دے دیا کہ جرمن فوجیں رہائن لینڈ میں داخل ہو جائیں۔ اسے پہلے ہی غیر مصافی علاقہ قرار دے دیا گیا تھا۔ معاہدۂ ورسائی اور میثاق لوکارنو میں اس کے غیر مصافی ہونے کی تصدیق کر دی گئی تھی۔ مغربی طاقتوں کی طرف سے

کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تھا۔ ہٹلر کے جرنیلوں کو ردِعمل سے متعلق یقین نہ تھا، چنانچہ فوجوں کے نام دو گنا حکم دیا گیا تھا۔ اول یہ کہ پیش قدمی کی جائے، دوم یہ کہ اگر فرانس کی طرف سے مخالفانہ اقدام ہوتو فوجیں واپس آ جائیں۔ جہاں فیلڈ مارشل ولہلم کائٹیل نے کہا:

''فرانسیسی ہمیں بآسانی باہر نکال سکتے تھے، اگر وہ ایسا کرتے تو مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوتا۔''

لیکن ہٹلر جارحانہ اقدام پر تلا بیٹھا تھا، البتہ ضروری تھا کہ وہ پہلے مسلح فوجوں پر پورا نظم و ضبط قائم کر لیتا۔ اکثر بڑے بڑے فوجی افسر طالع آزمائیوں کے مخالف تھے۔ جرنیلوں کو امید تھی کہ نازیوں کے نظامِ حکومت میں اقتدار فوج کو حاصل ہوگا، لیکن یہ رائے بہت جلد غلط ثابت ہوئی۔ 2 اگست 1934ء کو ہٹلر نے اپنے تمام فوجی افسروں سے ذاتی وفاداری کا حلف اٹھوایا، جس کا متن یہ تھا:

''میں خدا کو حاضر ناظر جان کر حلف اٹھاتا ہوں کہ جرمن قوم کی حکومت کے لیڈر ایڈولف ہٹلر کی غیر مشروط اطاعت کروں گا۔ وہی جرمن فوج کے سالار اعلیٰ ہیں۔ میں ایک بہادر سپاہی کی حیثیت میں قول دیتا ہوں کہ جان کا خطرہ برداشت کرتے ہوئے اس حلف پر قائم رہوں گا۔''

یہ غیر مشتبہ حلف تمام جرنیلوں نے اٹھایا، پھر اپنے ماتحتوں سے یہی حلف لیا۔ یہ ایک نفسیاتی حربہ تھا، جو فوجی اربابِ بست وکشاد کے لیے آگے چل کر اخلاقی بے ہمتی کا موجب بن گیا۔

محض اتنی بات سے ہٹلر کے شبہات زائل نہ ہوئے۔ وہ فوج پر ایسا نظم وضبط قائم رکھنا چاہتا تھا، جس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھ سکے۔ چنانچہ اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے جرمن فوج کی دو خامیوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا۔ اول زنا، دوم ہم جنسی کی بدعملی۔

بلوم برگ کی جگہ جنرل فرِش کو وزیر جنگ بنا دیا گیا۔ گوئرنگ وزارتِ جنگ کا عہدہ خود لینا چاہتا تھا۔ اس نے ہٹلر کو اطلاع دی کہ فرِش ہم جنسی کی بداطواری میں خاصا رسوا ہوا ہے۔ ساتھ ہی ''شہادت'' پیش کر دی۔ فرِش نے اس الزام سے انکار کیا اور کہا کہ فوجی ٹربیونل کے ذریعے تحقیقات کرائی جائے۔ آگے چل کر وہ بے جرم ثابت ہوا اور اسے بحال کر دیا گیا۔ جب جنگ

چھڑی تو اس نے درخواست کی کہ مجھے پولینڈ کے محاذ پر کوئی خدمت دے دی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پروشیا کے فوجی ضابطے کے مطابق میدانِ جنگ میں سپاہی کی موت مرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ستمبر 1939ء کے آخری ہفتے میں پولینڈ کی جنگ ختم ہونے سے پیشتر وہ لڑتا ہوا مارا گیا۔

رسوائی کا یہ واقعہ درست تھا یا نہ تھا، ہٹلر کی مراد بہر حال پوری ہوگئی۔ 3 فروری 1938ء کو اس نے وزیرِ جنگ کا منصب خالی ہونے کا اعلان کر دیا اور خود اعلیٰ کمانداری سنبھال لی۔ اس نے سب سے اوپر ایک نیا فوجی اقتدار قائم کر دیا، جسے جرمنی میں او، کے، ڈبلیو کہتے تھے، یعنی مسلح فوجوں کی اعلیٰ کمان۔ یہ سب سے اونچا عہدہ جنرل کائٹیل کو دیا گیا۔ گوئرنگ نے فرِش کے خلاف الزامات کو شہرت دی تھی۔ انعام میں اسے وزیر جنگ کا عہدہ ملنے کی امید تھی۔ یہ عہدہ ہٹلر نے خود سنبھال لیا اور گوئرن کو فیلڈ مارشل بنا دیا۔ یہ اعزاز اس کے لیے بہت تسکین بخش تھا۔

یوں دونا گوار مگر باعتبار مصلحت خوش آئند واقعات سے فائدہ اٹھا کر ہٹلر نے ایک تدبیر سے تین مقصد حاصل کر لیے، اول مسلح فوجوں پر نظم وضبط، دوم ان سرکش افسروں کی برطرفی، جنھوں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ سوم خوشامدیوں کے ایک گروہ کا تقرر، جو جارحانہ اقدامات کے راستے میں اس کی ہر بات ماننے کے لیے تیار تھے۔ میکیاولی بھی موجود ہوتا تو اس سے زیادہ مؤثر تدبیر سوچ نہ سکتا۔

اس اثنا میں آسٹریا کے اندر سازش کی ہنڈیا پکتی رہی۔ ایک غدار قانون دان آرتھر فان سیس ان کوارٹ آسٹروی نازیوں کا لیڈر تھا۔ وہ ہٹلر کے نام پر سرگرمی سے ساز باز میں لگا رہا۔ جب بڑے بڑے جرنیل نکالے جا چکے تو فان پاپن نے جو وی آنا میں جرمنی کا سفیر تھا، آسٹریا کے چند شُشنگ سے ملاقات کی۔ شُشنگ ڈولفس کی جگہ مقرر ہوا تھا اور ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ پیش رو کے طور طریقے قائم رکھے۔ پاپن نے شُشنگ کو برخش کاڈن جانے کی دعوت دی اور کہا کہ فیوہرر ہر قسم کی خیر سگالی کا مزید یقین دلانا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ جن غلط فہمیوں اور تلخیوں نے آسٹریا اور جرمنی کے تعلقات مکدر کر رکھے ہیں، انھیں دور کرنے میں مدد دی جائے۔

شُشنگ پورے اطمینان سے ہٹلر کی پہاڑی قیام گاہ پر پہنچا۔ وہ اس خیر مقدم کے لیے قطعاً تیار نہ تھا، جس سے اچانک سابقہ پڑا۔ فیوہرر نے غیظ وغضب کا کردار اختیار کر لیا۔ یہ ملاقات

حد درجہ رنج افزا تھی۔ ہٹلر چیخ چیخ کر باتیں کرتا تھا۔ کہتا تھا:

"تمہیں کیوں کر جرأت ہوئی کہ سالہا سال سے میرے ہم قوموں، میرے جرمنوں کو آسٹریا میں تکلیفیں دے رہے ہو؟ اب تم سے انتقام کا وقت آ گیا ہے۔ خدا نے مجھے فیوہر بنایا۔ میں روئے زمین کے ہر ملک میں ہر مرد و زن کا حکمران ہوں جس کی رگوں میں جرمن خون دوڑ رہا ہے۔"

پھر فیوہرر نے ڈرامائی انداز میں میز کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں آسٹریا پر حملے کے نقشے پڑے تھے۔ آخر مطالبات کا مسئلہ سامنے آیا۔ ہٹلر نے کہا کہ ہر آسٹروی نازیت کا عقیدہ اختیار کر سکتا ہے۔ تمام آسٹروی نازیوں کو اپنی آئینی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دے دی جائے۔ ڈولفس کے قتل میں جتنے نازی قیدی ہیں، انھیں چھوڑ دیا جائے۔ سیس ان کوارٹ کو وزیر حفاظت مقرر کیا جائے اور آسٹروی فوج میں جرمن فوج کے ایک سو افسر قبول کر لیے جائیں۔

دس گھنٹے کی گفتگو کے بعد ششنگ نے اکثر مطالبات مان لیے۔ جرمن اخباروں میں بڑی ولولہ انگیز روداد یں شائع ہوئیں۔ کہا گیا کہ ہٹلر اور ششنگ کے درمیان "غیر رسمی" ملاقات ہوئی اور "خوشگوار صلح نامے" پر اتفاق ہو گیا۔

ششنگ نے آخری مزاحمت کی کوشش کی۔ وہ اپنے لوگوں میں بہت ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے 9 مارچ 1938ء کو اعلان کر دیا کہ میں آسٹروی آزادی کے مسئلے سے متعلق آئندہ اتوار کو قوم سے استصواب کروں گا۔ اسے یقین تھا کہ پیش آمدہ حالات میں یہ بہترین تدبیر ہوگی۔ اس پر ہٹلر غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ چنانچہ فوراً اسے الٹی میٹم دے دیا گیا کہ استصواب رائے عامہ کی تجویز واپس لے لو، ورنہ فوراً حملہ کر دیا جائے گا۔ ششنگ کے اعصاب جواب دے چکے تھے۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے اور وداعی پیغام نشر کیا:

"صدر مکلاس نے مجھ سے کہا ہے کہ قوم کو بتا دوں، ہم نے قوت کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس خوفناک وقت میں ہم جرمنوں کا خون بہانے کے لیے تیار نہیں۔ ہم نے آسٹروی فوج کو حکم دے دیا ہے کہ کوئی مزاحمت نہ کی جائے اور پسپائی اختیار کر لی جائے۔ میں آسٹرویوں سے رخصت ہوتا ہوں اور رخصت کے وقت

میری زبان پر یہ دعا جاری ہے خدا آسٹریا کی حفاظت کرے!'' ساتھ ہی شُشنگ روتا ہوا گر گیا۔

11 مارچ 1938ء کو آدھی رات کے وقت غدار سیس ان کوارٹ چانسلر مقرر کر دیا گیا۔ جرمن فوجوں کے ابتدائی دستے آسٹریا میں داخل ہو چکے تھے۔ اگلے دن دوپہر تک وی آنا ان کے قبضے میں آچکا تھا۔

دوسرا حصہ

ٹیوٹانی طوفان

ہٹلر کا دورِ عظمت وجلال

3

ہٹلر کی یورش

(1)

سوویت روس اور بہادر فن

3 ستمبر 1939ء کو کروڑوں اہلِ برطانیہ نے نیویل چیمبرلین کی تقریر سنی، جو لندن سے نشر ہوئی تھی۔ یہ پیغام خستگی اور تکان کا نتیجہ تھا:

''آج صبح برطانوی سفیر نے برلن میں جرمنی کی حکومت کو آخری نوٹ پیش کر دیا، جس کا مضمون یہ تھا، اگر گیارہ بجے تک ہمیں اطلاع نہ ملی کہ جرمنی پولینڈ سے اپنی فوجیں لوٹا لینے کے لیے تیار ہے تو برطانیہ اور جرمنی کے خلاف حالت جنگ پیدا ہو جائے گی۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ایسا کوئی وعدہ تا حال ہمیں نہیں ملا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جرمنی سے برطانیہ کی جنگ شروع ہو گئی......''

اس روز فرانس نے نارضامندانہ اعلانِ جنگ کر دیا۔ دولت مشترکۂ برطانیہ کے تمام حصے با استثنائے ایریا (آئرلینڈ) حکومتِ برطانیہ کے ساتھ ہو گئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا میں صدر روزویلٹ نے بھی لوگوں سے بات چیت کی، جب وہ ہفتے کے آخر میں تعطیل سے مستفید ہو رہے تھے:

''میں نے ایک مرتبہ نہیں بارہا کہا کہ میں جنگ دیکھ رہا ہوں اور مجھے جنگ سے نفرت ہے۔ یہ قول بار بار دہراتا ہوں۔ امید ہے کہ امریکا اس جنگ سے باہر رہے گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ یہی صورت پیش آئے گی۔ میں آپ کو پھر یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی حکومت کی ہر کوشش اس مقصد کے لیے وقف رہے گی۔ جب تک جنگ کو روکنا میرے امکان میں ہوگا، ریاست ہائے متحدہ میں امن کے چہرے پر پردہ نہ ڈالا جا سکے گا۔''

پولینڈ کی تقسیم کے بعد واقعات کی رفتار بڑی تیز ہوگئی۔ جارحانہ اقدام کے دوساتھیوں......ہٹلر اور سٹالین...... نے سیاسیاتِ اقتدار کی بساط پر نئی چالیں شروع کردیں۔ دونوں کے درمیان دس سال کے لیے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا لیکن دونوں کو ایک دوسرے پر بہت کم بھروسا تھا۔ ہر ایک نے اپنا اپنا راستہ اختیار کرلیا۔ مگر دونوں کی نظر ایک دوسرے کی حرکات پر جمی ہوئی تھی۔

ہٹلر کے لیے شگون اچھا تھا۔ پولینڈ ختم ہو چکا تھا۔ سوویت روس کی طرف سے کم از کم عارضی طور پر کوئی خطرہ نہیں رہا تھا اور فیوہرر اپنی قوت مغربی اتحادیوں کے خلاف مرتکز کرسکتا تھا۔ فی الوقت وہ جرمنی کی عسکری تاریخ کے کابوس سے نجات پا چکا تھا، یعنی دو محاذوں پر جنگ۔ ہر چیز اسی نقشے کے مطابق جارہی تھی، جو''میری جدوجہد'' میں مستند طریق پر پیش کیا جاچکا تھا۔ ایڈولف ہٹلر دنیا کا سب سے بڑا ماہرِ عسکریت تھا۔ کوئی اسے دو محاذوں پر جنگ کے دام میں نہیں الجھا سکتا تھا۔

سٹالین کے لیے یہ فیصلے کا وقت تھا۔ وہ فرانس و برطانیہ کی ان کوششوں کو ناکام بنا چکا تھا، جو اسے تیسری رائش کے خلاف تباہ کن جنگ میں الجھانے کے لیے کی گئی تھیں لیکن پولینڈ میں نازیوں کی برق رفتار فتوحات نے سٹالین کو حد درجہ پریشان کردیا تھا۔ اسے نازیوں سے ایسی توقع ہرگز نہ تھی۔ یہ امکان برابر جاری تھا کہ جرمن جن کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، پلٹ کر خود اسی پر یورش کردیں۔ وہ بڑا کامل شاطر تھا اور اس کے لیے لازم تھا کہ حریف سے پہلے نقل و حرکت کی مختلف تجاویز سوچ لے اور اپنی شمالی سرحد کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرلے۔ اس سلسلے میں کلیدی حیثیت بحیرۂ بالٹک کی ریاستوں کو حاصل تھی۔ 23 اگست 1939ء کے میثاقِ ماسکو میں

سٹالین نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ایک خفیہ دفعہ شامل کرالی تھی جس کے مطابق ریاست ہائے بالٹک سوویت روس کا حلقۂ اثر قرار پائی تھیں۔ پولینڈ کی تسخیر نے اس کے لیے ایک موقع مہیا کردیا، جس کا انتظار وہ مدت سے کررہا تھا، یعنی حلقۂ بالٹک کے دروازے بند کردے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس حلقے میں سوڈیمن جیسا مسئلہ پیش آئے۔

بالٹک کی ریاستیں چار تھیں...... ایسٹونیا، لٹویا، لتھوانیا اور فن لینڈ۔ 29 نومبر 1939ء کو ادھر مالوٹوف اور ربن ٹراپ نے پولینڈ کی تقسیم کے معاہدے پر دستخط کیے، ادھر سوویت یونین کے سابقہ معاہدوں کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسٹونیا کو ایک معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کردیا، جس کا مقصد تھا کہ ایسٹونیا کی سرزمین میں روس کو فوجی چھاؤنیاں نیز بحری اور ہوائی مرکز قائم کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد اس قسم کے معاہدے لٹویا (5 اکتوبر) اور لتھوانیا (10 اکتوبر) کے ساتھ ہوگئے۔ لتھوانیا کو بدلے میں ولنا اور آس پاس کا علاقہ دے دیا گیا۔

کسی کو بھی شبہ نہ تھا کہ یہ براہ راست الحاق کے لیے ابتدائی اقدامات ہیں۔ مالوٹوف نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہم اعلان کرتے ہیں کہ ریاست ہائے بالٹک کو سوویت بنانے کے لیے جو بکواس کی جارہی ہے، وہ روس کے مشترکہ دشمن کو فائدہ پہنچارہی ہے۔ غرض چار ریاست ہائے بالٹک میں سے تین میں کریملن کامیاب ہوگیا۔ بالٹک کے مشرقی کنارے کے آخری حصے میں ایک آہنی حلقہ بنایا جارہا تھا۔

مگر اب سوال فن لینڈ کا تھا۔ اگرچہ فن لینڈ ریاست ہائے بالٹک میں سب سے شمالی ریاست تھی، لیکن سوویت یونین کے تعلق میں اس کی جنگی حیثیت بہت اہم تھی۔ اگر کوئی دشمن طاقت اس پر نظم وضبط حاصل کرلیتی تو روس کی حفاظت کے لیے بہت بڑا خطرہ پیدا ہوجاتا۔

پہلے ڈپلومیٹک دھمکیاں دی گئیں۔ 5 اکتوبر 1939ء کو سوویت حکومت نے فن لینڈ کی حکومت کو دعوت دی کہ گفت وشنید کے لیے ایک نمائندہ کریملن بھیجا جائے تاکہ مثبت سیاسی نوعیت کے بعض مسائل پر بات چیت کرلی جائے۔ روسی جو کچھ چاہتے تھے، وہ جلد واضح ہوگیا۔ روس کی

خواہش یہ تھی کہ خاکنائے کریمیا کا ایک حصہ حوالے کردیا جائے تاکہ لینن گراڈ توپوں کی زد کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ مزید برآں انتہائے شمال میں ایک خطہ روس کے حوالے کیا جائے۔ سوویٹ اور فن لینڈ کی سرحد پر کوئی فوج نہ رہے اور تیس سال کے لیے فن لینڈ بندرگاہ ہنگو (خلیج فن لینڈ) اجارے پر دے دے تاکہ روس وہاں بحری مرکز بنالے۔ اس کے معاوضے میں روس فن لینڈ کی وسطی سرحد کے ساتھ ساتھ دو ہزار ایک سو چونتیس مربع میل رقبہ دینے کے لیے تیار تھا۔

فن لینڈ کو مشکلات کا پورا احساس تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک کے سوا تمام مطالبات مانے جاسکتے ہیں۔ حکومت فن لینڈ اپنی سرزمین کے کسی حصے کو کسی اجنبی طاقت کے فوجی مرکز کے لیے نہ اجارے پر دے سکتی ہے نہ فروخت کر سکتی ہے۔

یہ سنتے ہی روس اور دنیا بھر کے کمیونسٹ اخباروں نے فن لینڈ کے خلاف سب وشتم کی ایک مہم جاری کردی۔

آئندہ اقدام صاف نظر آرہا تھا۔ اہل فن لینڈ پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے روس کے سرحدی دستوں پر گولی چلائی۔ فن لینڈ نے اس وقت تک سرحدی فوجوں کو پیچھے ہٹانے سے انکار کردیا، جب تک روس بھی فوجیں پیچھے نہ ہٹائے۔ 13 نومبر 1939ء کو گفت وشنید ختم ہوگئی۔ 28 نومبر کو کریملن نے فن لینڈ کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ختم کردیا جو 1932ء میں ہوا تھا۔ دو روز بعد روسی طیارے ہلسنکی (دارالحکومت فن لینڈ) اور وائی پُری پر بم برسانے لگے۔

جمعیتِ اقوام نے حیرت انگیز تیز رفتاری سے قدم اٹھایا۔ اگرچہ کریملن نے 14 دسمبر 1939ء کو جمعیت کے پاس ایک نوٹ بھیج دیا تھا کہ فن لینڈ کے خلاف کوئی جنگ نہیں کی گئی۔ لیکن جمعیت نے سوویت روس کو اس بنا پر رکنیت سے خارج کردیا کہ اس نے جارحانہ اقدام کیا ہے (روس ایک تنہا مملکت تھی، جسے رکنیت کی نااہل قرار دے کر الگ کیا گیا)۔ جمعیت کے دفتر سے تمام رکن اقوام کو اطلاع بھیج دی گئی کہ وہ مظلوم فن لینڈ کو جو بھی مدد دے سکیں، دیں۔ روسیوں پر اس زجر وتوبیخ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

یکم دسمبر 1939ء کو فن لینڈ کی عوامی حکومت سوویت سرحد کے قریب قائم کرلی گئی۔ آٹو کوسینن اس کا بانی قرار پایا۔ یہ فن لینڈ کا ایک باشندہ تھا، جس نے تقریباً بیس سال جلاوطنی میں گزارے اور اس کا زیادہ وقت روس میں گزرا۔ اس حکومت کی وزارت نے روس کے ساتھ وفاداری کا اعلان کردیا، مگر شیر دل اہلِ فن لینڈ روس کی وفاداری کا اقرار کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انھوں نے دفاع کے لیے جس جواں مردی اور صلاحیت کا ثبوت دیا، اس سے پوری دنیا متحیر رہ گئی۔ ایک لاکھ روسی فوج اس چھوٹے سے ملک میں گھس گئی۔ مٹھی بھر مجاہدوں نے اسے شکست دی۔ روسیوں کے کچھ ڈویژن تباہ ہوگئے اور کچھ سرحدوں سے پسپائی کے لیے مجبور ہوئے اور وہیں پہنچ گئے، جہاں سے چلے تھے۔ اہلِ فن لینڈ نے اس وقت تک مدافعت جاری رکھی، جب تک اسے جاری رکھنا خودکشی کے مترادف نہ ہوگیا۔ تاریخ کے صفحات پر جوانمردی کے ایسے چند ہی واقعات ملیں گے۔

سوال یہ ہے کہ روسیوں کی شکست کا پس منظر کیا تھا؟ عموماً خود پرستی اور حالات سے ناواقفیت۔ پہلی سوویت فوجیں فن لینڈ کی سرحد میں داخل ہوئیں تو ان کے ساتھ پروپیگنڈے کے اشتہاروں اور پرچموں کے انبار تھے۔ انھیں یقین تھا کہ فن لینڈ میں داخل ہوتے ہی ان کا خیر مقدم ہوگا اور سمجھا جائے گا کہ وہ سرمایہ دار ظالموں سے نجات دلانے کے لیے آئے ہیں لیکن جلد ہی ان کی یہ خوش فہمی ختم ہوگئی۔ روسی فوجوں کی تربیت ناکافی ہوئی تھی۔ انھیں حالات سے ٹھیک آگاہی نہ تھی۔ وہ موسم سرما کی طویل مہم کے لیے تیار نہ تھے۔ فن لینڈ کی پینسٹھ ہزار جھیلوں اور زبردست دفاعی استحکامات کا انھیں اندازہ نہ تھا۔

اس کے برعکس اہلِ فن لینڈ کو اندرونی دفاعی خطوط کی برتری بھی حاصل تھی۔ وہ یکے بعد دیگرے مختلف لشکروں کے خلاف جوابی حملے کرتے رہے۔ اور ان کے پاس اعلیٰ درجے کے ہتھیار تھے۔ انھوں نے سفید وردیاں پہن رکھی تھیں اور برفانی علاقوں میں چلتے ہوئے وہ نظر ہی نہیں آتے تھے۔ چپ چاپ دشمنوں کے عقب میں پہنچ جاتے۔ حملہ آوروں کی گھات میں بیٹھ بیٹھ کر انھوں نے جگہ جگہ روسی ٹینکوں کے لیے گڑھے کھود لیے اور وہاں ڈائنامنٹ بچھانے کا انتظام کرلیا۔ بہت سے روسی خط منجمد کی تاریکی میں خنجروں سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے:

1939ء کے آواخر تک روسی فوجیں اس غیر مختتم جنگ میں تھک کر چور ہو گئی تھیں۔ پانچوں اقدامات میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہوا۔ سٹالین کو ایسی سخت مزاحمت کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ پھر ایک اور مشکل بھی پریشان کر رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سرکش اہلِ فن لینڈ کی معمولی لڑائیوں میں دنیا پر یہ ظاہر کرے کہ سوویت روس کے پاس کیسی کیسی تدبیریں اور کیسے کیسے اسلحہ موجود ہیں۔

آخر سٹالین کو قدم اٹھانا پڑا۔ اس نے گریگوری سٹرن کو تمام اقدامات کا ذمہ دار بنا دیا۔ وہ بڑا سرگرم کماندار تھا، اس نے بہترین فوجیں، اعلیٰ درجے کا توپ خانہ اور جدید ترین ساز و سامان جنگ استعمال کیا۔ شمالی برفانی علاقوں میں حملے کے خیال کو ترک کر دیا اور براہ راست خط میز ہائیم پر یورش کی۔ جہاں جہاں اہلِ فن لینڈ کی مزاحمت زبردست تھی، وہاں وہاں زیادہ روسی فوجوں، زیادہ توپوں اور طیاروں کے زیادہ حملوں سے کام لیا۔

دنیا کی نظریں چھوٹی سی جمہوریہ بالٹک کے ڈرامے پر جمی ہوئی تھیں۔ اکثر ملکوں سے کھانے پینے کی چیزیں، طبی سامان اور جنگی اسلحہ بھی بہادر اہلِ فن لینڈ کے لیے بھیجے گئے۔ اہلِ امریکا کے دل میں اہلِ فن لینڈ کے لیے بڑا احترام تھا، کیوں کہ وہی ایک ملک تھا، جس نے امریکا کا پورا قرضہ ادا کر دیا تھا۔

برطانیہ اور فرانس کی روش ایک حد تک اہم تھی۔ فروری 1940ء میں یہ دونوں ملک سوویت روس کے خلاف جنگ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ دونوں نے ایک لاکھ آدمیوں کی مہم تیار کی، جو فن لینڈ کی امداد کے لیے جانے والی تھی۔ ناروے اور سویڈن دونوں کو فن لینڈ سے ہمدردی تھی، مگر روسی دھمکیوں سے ڈر کر انھوں نے اتحادی فوجوں کو راستہ دینے سے انکار کر دیا۔

نتیجہ ناگزیر تھا، روس کی فوجی قوت فن لینڈ کے مقابلے میں پچاس گنا تھی۔ فروری 1940ء کے اواخر میں سوویت توپ خانے نے خط میز ہائیم کے استحکامات پر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تین لاکھ گولے برسائے۔ 1916ء میں وردوم کے بعد اتنے مختصر ہدف پر اتنی شدید گولہ باری کبھی نہیں ہوئی تھی۔

11 مارچ 1940ء کو روسیوں نے وائی پوری کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ 12 مارچ کو برطانیہ

اور فرانس، سویڈن اور ناروے سے فوج گزارنے کے لیے گفت و شنید کر رہے تھے۔ عین اس وقت فن لینڈ کا ایک نمائندہ سٹالین سے شرطیں قبول کرنے کے لیے ماسکو پہنچ گیا۔ اہلِ فن لینڈ رنج و غم سے حد درجہ متاثر ہو کر آنسو بہا رہے تھے۔ ایک ہفتہ بعد صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔

سوویت یونین نے ابتدائی مطالبات سے بدرجہا زیادہ سخت شرطیں عائد کیں۔ فن لینڈ پوری خاکنائے کریلیا روس کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں وائی پری بھی شامل تھا جو فن لینڈ کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ مزید برآں فن لینڈ کو جھیل لڈوگا کے شمال اور مغربی کنارے اور ان کے شہر چھوڑنے پڑے۔ لڈوگا یورپ کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ یہ پوری سوویت یونین میں آ گئی۔ خلیج فن لینڈ میں جزیروں کے علاوہ سلا کے علاقے میں زمین کا ایک مثلث ٹکڑا بھی روس نے لے لیا، جو شمال و مشرق میں واقع تھا، نیز رائی باشی کا جزیرہ نما روس کو مل گیا۔ اس طرح ٹیسا مو کی بندرگاہ کے اردگرد کا علاقہ روس کے ماتحت چلا گیا۔ قریب ہی نکل کی کانیں تھیں۔ تیس سال کے لیے ہنگو کا جزیرہ نما بھی اجارے پر دے دیا گیا۔ سب سے آخر میں یہ کہ روس کو فن لینڈ میں سے سویڈن تک ریلوے بنانے کا حق مل گیا۔

غرض فن لینڈ نے سولہ ہزار مربع میل کا علاقہ اور تقریباً پانچ لاکھ آبادی روس کے حوالے کی۔ نئے حاصل کردہ علاقوں میں سوویت جمہوریت بنا دی گئی اور اسے سوویت یونین میں شامل کر لیا گیا۔ اس علاقے کے چار لاکھ باشندوں نے روس کے ماتحت رہنے سے انکار کر دیا۔ انھیں بوریا بستر سمیت اٹھا کر سرحد پار فن لینڈ میں بھیج دیا۔

بہادر اہلِ فن لینڈ کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی لیکن انھیں یہ اطمینان تھا کہ آزادی بحال رکھی۔ روسیوں نے اپنے مطالبات پورے کرا لیے، مگر ان کے لیے سخت قیمت ادا کرنی پڑی۔ تقریباً پچیس ہزار اہلِ فن لینڈ اور دو لاکھ روسی اس جنگ میں مارے گئے۔

ڈنمارک پر حملہ

پولینڈ کی فتح نے ہٹلر کی فوج اور شہری آبادی دونوں میں شادمانی کی لہریں دوڑا دیں۔ وارسا سے جنگجو خوش خوش واپس آئے تا کہ فتح کے ہار وصول کریں۔ ان کے شہری ہم وطن جوش و

خروش میں دیوانے ہو رہے تھے۔ برق رفتار جنگ کے ذریعے سے فیوہرر نے اپنی بالغ نظری ساری دنیا پر آشکارا کر دی تھی۔ یقیناً لندن اور پیرس دونوں کو تقدیر کا نوشتہ دکھا دیا گیا تھا۔ اب صرف یہ باقی رہ گیا تھا کہ جلد سے جلد صلح کا انتظار کیا جائے لیکن اس کا کوئی سراغ نہ تھا۔

ولیم شائیرر برلن میں مقیم تھا۔ اس نے ایک نشری تقریر میں کہا:

''یہاں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنگ سکنڈے نیویا تک پھیل سکتی ہے۔ برلن میں آج یہ اطلاع ملی کہ گزشتہ ہفتے کم از کم نو تباہ کن برطانوی جہازوں کا ایک بیڑا ساحل ناروے کے پاس ٹھہرا ہوا ہے اور جو جرمن بار بردار جہاز لوہا لا رہے تھے ان پر انتہا ہی گولے پھینکے گئے...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر جانبدار، خصوصاً سکنڈے نیویائی ملک بھی اس جنگ میں کھینچ لیے جائیں۔

شمائیرر نے بالکل درست کہا۔ اس وقت تک ہٹلر کی فتوحات بڑی تیز تھیں اور اس کے مسئلے نے نازک صورت اختیار نہیں کی تھی لیکن مغرب کی بڑی طاقتوں کے خلاف جنگ کے لیے اسے رسد کے ایک سے زیادہ مرکز درکار تھے۔ لوہے کی ضرورت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اعلیٰ درجے کا خام لوہا سویڈن سے مغربی جانب بھیجا جاتا تھا اور ریل کے ذریعے سے ناورے کی بندرگاہ ناروِیک پہنچتا تھا، جہاں سے جرمن بار بردار جہازوں میں لاد کر اسے سکاگراک لایا جاتا تھا۔ ناروے کا بیڑا ان جہازوں کی حفاظت کرتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ اصول پیش نظر رکھا گیا کہ ناروے غیر جانبدار ملک ہے اور اس کے پانیوں میں سے متحارب ممالک کے جہازوں کی آمد و رفت برابر جاری رہنی چاہیے اور کسی کو گزند نہ پہنچنا چاہیے۔

ہٹلر کہتا تھا کہ لندن قواعدِ جنگ کا پورا احترام کرے گا لیکن اس کے نزدیک اس معاملے کو حالات پر چھوڑ دینا بہترین طریق عمل نہ تھا۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ ممکن ہے، برطانیہ ناکہ بندی کے حلقے کو توسیع دے کر سویڈن سے لوہے کی رسد ختم کر دے اور ناروے کے پانیوں میں سے جہاز ڈنمارک ہوتے ہوئے جرمنی نہ پہنچ سکیں۔ لہٰذا اس نے 1939ء ہی میں حکم دے دیا تھا کہ ڈنمارک اور ناروے پر حملے کے لیے نقشے تیار کر لیے جائیں۔

لندن نے 8 اپریل 1940ء کو ناروے لکھ بھیجا تھا کہ ہم نے ناروے کے پانیوں میں سے ان جہازوں کا بے مزاحمت گزرنا روک دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جن پر جنگ کا سامان لدا ہوتا

ہے۔ یہ اطلاع بھی دے دی گئی تھی، ساحل کے ساتھ ساتھ بحری سرنگیں بچھائی گئی ہیں کہ خالص ناروے کے جہازوں کی آمدورفت میں کوئی مداخلت نہ ہو اور وہ ساحل کے ساتھ ساتھ جہاں چاہیں ٹھہریں۔ حکومت ناروے نے فوراً مطالبہ کیا کہ بحری سرنگیں اٹھالی جائیں۔ ساتھ ہی برلن سے یہ خوفناک بیان شائع ہوا:

''سردی بہت بڑھ گئی ہے، جرمنی صورت حال دیکھ رہا ہے، سردی بہت بڑھ گئی ہے، جرمنی کی نظر ڈرامے پر ہے۔ سردی بہت بڑھ گئی ہے، جرمنی نے صورتِ حال کے مقابلے کے لیے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا ہے۔''

9 اپریل 1940ء کو پانچ بجے صبح جرمنی کا ایک نوٹ حکومت ڈنمارک کے پاس پہنچا، جس میں بتایا گیا تھا کہ ہمیں پختہ شہادت مل چکی ہے، اتحادی طاقتیں سکنڈے نیویا کو میدانِ جنگ بنانا چاہتی ہیں چوں کہ یہ ملک اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، اس لیے ہٹلر نے ان کی حفاظت کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ نازیوں کی خاص چال تھی۔ اس اثنا مین جرمن ڈنمارک کے تمام وسائل دنیا سے منقطع کر چکے تھے۔ کسی ملک کو امداد ملنے سے پیشتر پامال کرنے کے سلسلے میں نازیوں کی پہلی تدبیر یہی تھی۔ ڈنمارک کو جواب کا موقع بھی نہ دیا گیا ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کو بھی ایک طرف رکھ دیا گیا جو خود ہٹلر کے مطالبے پر ہوا تھا۔ نازی فوجیں غیر مسلح سرحدوں سے گزرتی ہوئی ملک میں داخل ہوگئیں۔ کہیں ان کی مزاحمت نہ ہوئی۔ چند گھنٹوں میں جرمن کوپن ہیگن پہنچ گئے۔ شاہ نے اپنی رعایا سے کہہ دیا کہ مسلمہ واقعے کو قبول کرلو اور نظم وضبط قائم رکھو۔ چوبیس گھنٹے میں ایک اور ملک کی کھوپڑی ہٹلر کی پیٹی میں لگ گئی تھی۔

ناروے کی تسخیر

پانچ بجے صبح جرمنی کے سفیر مقیم اوسلو نے ایک یادداشت وزیر خارجہ کے حوالے کی، جس کا مضمون یہ تھا کہ ناروے کا نظم ونسق فوراً جرمنی کے حوالے کر دیا جائے، کیوں کہ اتحادی اس پر قبضے کی تیاری کر چکے ہیں۔ وزیر خارجہ نے یہ مطالبہ غصے سے ٹھکرا دیا۔

چند گھنٹے کے اندر اندر جرمنوں نے ناروے پر حملے شروع کر دیے۔ جرمن جہاز اوسلو کے

سب سے بڑے ہوائی اڈے پر بم برسانے لگے اور باربردار طیاروں کے جھنڈ ملک کے مختلف حصوں پر چھا گئے۔ اوسلو برگن، ٹرانڈ ہیم، سٹاونجر اور ناروِیک میں چھتریوں کے ذریعے سے آدمی اتر پڑے۔ ساتھ ہی جرمن جنگی جہاز، نقل و حمل کے جہاز اور رسد کے جہاز اوسلو سے مشرقی جانب ناروِیک تک جابجا آنے لگے۔ انھوں نے اپنا سامان، آدمی اور مشینیں ہر جگہ اتار دیں۔ اہلِ ناروے اس کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔ کہیں کہیں سخت مقابلہ ہوا، مثلاً اوسلو میں اور ناروِیک کے اردگرد، لیکن ناروے کی فوج جرمن ہوائی فوج کا مقابلہ کیا کرسکتی تھی؟

چند گھنٹوں کے اندر اندر ہر بندرگاہ، ہر ہوائی اڈا اور پانچ چھ اہم مراکز جرمنوں کے قبضے میں آگئے۔ چار بجے تک سبز پوش جرمن فوجیں بندرگاہ موس سے چل کر پینتیس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اوسلو کے بازاروں میں پہنچ گئیں اور سرکاری عمارتوں پر قبضہ کرلیا۔ یہ فیوہرر کا کوئی اتفاقی خیال نہ تھا، کوئی ایسی حرکت نہ تھی کہ رات کے وقت اچانک ہوگئی ہو۔ اس کے لیے پہلے سے پوری تیاری کرلی گئی تھی اور وقت بھی طے ہو چکا تھا۔

خشکی میں تو فتح و تسخیر فیصلہ کن ثابت ہوئی لیکن سمندر میں جرمنوں کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی، لیکن یہ ضرب ناروے کی تسخیر سے نازیوں کو روک نہ سکی۔ حکومت اوسلو چھوڑ کر شمالی جانب چلی گئی۔ شہر کی نصف آبادی بھی ساتھ ہی نکل گئی۔ بادشاہ ہاکون ہفتم جابجا بھاگتا پھرتا رہا۔ جرمن جہاز اس کا تعاقب کرتے رہے۔ آخر وہ انگلستان پہنچ گیا، جہاں اس نے جلاوطنی میں ایک حکومت قائم کرلی۔

9 اپریل 1940ء کو بعد دوپہر جرمنی کی سرکاری ایجنسی نے اعلان کردیا کہ سابقہ حکومت نے اپنے اختیارات میجر کوئزلنگ کے حوالے کردیے ہیں۔ شام کے ساڑھے آٹھ بجے کوئزلنگ نے ریڈیو سے ایک اعلان نشر کیا، جس میں لوگوں کو ہدایت کردی کہ مزاحمت روک دو، املاک کی مجرمانہ بربادی سے احتراز کرو۔ ساتھ ہی ناروے کی فوج کو ہدایت کی کہ وہ قومی حکومت کا حکم مانے۔ کوئزلنگ کی سرگرمیوں نے نازی حملے کو کامیاب بنانے میں مدد دی۔ کوئزلنگ 1932ء 1933ء تک ناروے کا وزیر جنگ رہا اور اس نے نازیوں کے بعض ہمدردوں کو اقتدار کی اسامیاں

دے دی تھیں۔ان میں سے ایک ناروِیک کا فوجی کمانڈار تھا۔جب نازیوں نے حملہ کیا تو ناروے کے اس کمانڈار نے اپنی فوج کو بندرگاہ کے دفاع کا حکم دینے سے تغافل برتا۔

غدار کوئز لنگ نے دورِ حاضر کی زبان کو ایک نیا لفظ دیا......کوئز لنگ کے معنی ایسے پانچویں کالم کے ہو گئے جو کسی غیر ملک کے لیے اپنے وطن سے غداری کرے۔

ناروے کے نازیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ کوئز لنگ کا پشتیبان تھا۔اس نے جرمن حملہ آوروں سے تعاون کیا اور اسے ناروے کے نظم ونسق کا حاکم اعلیٰ بنا دیا گیا۔1945ء میں ہٹلر کا نظام درہم برہم ہوا تو کوئز لنگ کو موت کی سزا دی گئی اور ناروے کے ایک فوجی دستے نے اسے گولی سے ہلاک کر دیا۔

ناروے کی مزاحمت ختم کرنے کے سلسلے میں نازیوں نے محض کوئز لنگ اور اس کے حامیوں ہی سے کام لیا بلکہ پہلے سے وہاں بہت سے آدمی خفیہ خفیہ بھیج رکھے تھے۔حملے کے دن ناروے کی مختلف بندرگاہوں میں بہت سے ایسے جہاز نمودار ہوئے جو بظاہر کوئلہ لانے لیجانے والے معلوم ہوتے تھے لیکن مقررہ وقت پر ان جہازوں کے اندر سے ایسی نازی فوجیں نکلیں جو ساز وسامان سے پوری طرح لیس تھیں۔یہ واقعہ ناروِیک میں بھی پیش آیا،جو جرمنی سے بہت فاصلے پر تھا۔یوں جرمنی کی یہ دلیل بے اساس رہ گئی کہ اتحادیوں سے بچاؤ کے لیے ناروے کی فوری حفاظت ضروری ہو گئی تھی۔کوئلے کے یہ جہاز جرمنی سے کم از کم ایک ہفتہ پیشتر نکلے ہوں گے اور انھیں ہدایت کر دی ہو گی کہ جہاں جہاں پہنچنا ہے،مقررہ وقت پر پہنچ جائیں۔نازیوں نے اور بھی بہت سے ہتھکنڈے استعمال کیے مثلاً جرمن جنگی جہاز کرسٹین سینڈ کی بندرگاہ میں داخل ہوئے اور ان پر فرانسیسی پرچم لہرا رہے تھے۔بندرگاہ کے کمانڈار کو ان جہازوں کی حفاظت کے لیے جعلی احکام دے دیے گئے تھے۔

برطانیہ کا محکمۂ خبر رسانی نازیوں کی اس اچانک اور زبردست کارروائی کا کوئی سراغ نہ لگا سکا۔ہٹلر کی زبردست ضرب نے محکمے کو آٹھ مہینے کی غنودگی سے بیدار کیا۔برطانیہ کے جنگی لیڈروں نے نمسوس اور اندلس نس میں فوجیں اتاریں۔یہ دونوں بندرگاہیں ٹرانڈہیم کے بازوؤں پر واقع ہیں اور ٹرانڈہیم وسط ناروے کی کلید سمجھا جاتا تھا۔ان فوجوں اور ان کے سامان کا مقصد یہ تھا کہ

ناروے پر جرمنوں کے حملے کو ناکام بنایا جائے۔ یہ اقدام بڑا خطرناک تھا، کیوں کہ علاقہ سکاٹ لینڈ کے مرکزوں سے پانچ سو میل کے فاصلے پر تھا۔ برطانوی جنگی طیاروں کی دسترس سے یہ باہر تھا اور نازی پوری فضا پر چھائے ہوئے تھے۔ نتیجہ تباہی خیز نکلا۔ ان برطانوی دستوں کو...... جو توپوں اور ہوائی جہازوں کی اعانت سے محروم تھے...... زبردست جرمن فوجوں کے مقابلے میں جو کچھ پیش آیا وہ ناقابل یقین حد تک ذلت آمیز تھا۔

ناروِیک میں جو شمالی بندرگاہ ہے، انگریزوں کو ایک حد تک کامیابی ہوئی۔ جنگی جہاز دار سپائٹ خلیج میں بزور داخل ہو گیا اور دشمن کے سات تباہ کن جہاز ڈبو دیے۔ ناروِیک پر قبضہ کر لیا لیکن جب ہٹلر نے زیریں ملکوں میں پیش قدمی کی تو اس قبضہ سے دست بردار ہونا پڑا کیوں کہ تمام فوجیں جزیرۂ برطانیہ کی حفاظت کے لیے واپس بلا لینی پڑی تھیں۔

8 جون 1940ء کو قلیل التعداد اور شکست خوردہ برطانوی فوج ناروے سے ہٹالی گئی جو برطانوی جہاز اس فوج کو واپس لانے کے لیے آئے تھے، ان پر جرمنی کی بحری قوت نے حملہ کیا۔ ایک طیارہ بردار برطانوی جہاز ''گلوریش'' اور دو تباہ کن جہاز ڈبو دیے گئے اور متعدد دوسرے جہازوں کو نقصان پہنچا۔

لندن کے لیے یہ خبر لرزہ خیز تھی۔ چرچل نے کہا:

''تقدیر بری طرح ہمارے خلاف ہے۔''

غالباً وہ اس تباہی کے لیے برطانوی وزارت جنگ کی ذمہ داری کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے مزید کہا کہ برطانیہ کی بہترین فوجیں جن میں سکاٹ اور آئرستانی دونوں شامل تھے، ہٹلر کے جوانوں کی قوت، سرگرمی اور تربیت کی بنا پر شکست کھا گئیں...... ہم سمندروں پر حکمران تھے اور جب چاہتے، کسی غیر محفوظ ساحل پر چھاپہ مار سکتے تھے، لیکن دشمن نے خشکی کے وسیع فاصلے طے کر کے ہمیں پیچھے پھینک دیا، حالاں کہ اس کے راستے میں بڑی مشکلات تھیں۔

ہٹلر کے لیے ناروے کی تسخیر بڑی اطمینان بخش تھی۔ اب اس کے ہاتھ ایسے مرکز آ گئے تھے جو جنگی نقطۂ نگاہ سے بڑے اہم تھے اور وہ اپنے ہوائی بیڑے کے بل پر پورے سکنڈے نیویا کو قابو میں رکھ سکتا تھا، برطانوی جہازوں کے لیے خطرہ پیدا کر سکتا تھا اور برطانیہ پر ضرب لگا سکتا

تھا۔ناروے میں جہازوں اور آبدوزوں کے مرکز ہاتھ آجانے کے بعد اسے اپنے شمالی بازو پر حملے کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ جرمنی کے وزیر خارجہ ربن ٹراپ نے کہا کہ جرمنی نے اس اقدام سے سکنڈے نیویا کے ملکوں اور لوگوں کو ہلاکت سے بچالیا اور اختتام جنگ تک ان ملکوں کی حقیقی غیر جانبداری کی پوری ضمانت دے دی جائے۔

واہ حقیقی غیر جانبداری! جنگ بر خس گارڈن کے آقا کے حق میں جارہی تھی، ہٹلر آٹھ کروڑ جرمنوں کا مطلق العنان حاکم تھا۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ پولستانی اس کے زیر اقتدار تھے۔ ستر لاکھ سے زیادہ چیک رائش کے مقرر کیے ہوئے محافظ فان نیورا سے احکام لے رہے تھے۔ اب اس کی حفاظت کا ہاتھ تیس لاکھ اہلِ ناروے اور ساڑھے سینتیس لاکھ اہلِ ڈنمارک کی طرف بڑھ چکا تھا۔

لیکن برطانیہ اور اتحادیوں کے لیے موسم بہار کی تباہی کے باوجود ہر امید ختم نہیں ہوئی تھی۔ انھیں پے درپے مصیبتوں سے بعض قیمتی سبق مل گئے تھے۔ ناروے کے واقعے نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر واضح ہوگیا کہ جنگ کے بارے میں ان کے تصورات کس درجہ غلط تھے۔ اب تو حد درجہ کند ذہن افراد پر بھی واضح ہوگیا تھا کہ اتحادیوں کی بحری برتری زبردست ہوائی قوت کے بغیر بہت بے حیثیت تھی۔ یہ سبق مزید ڈیڑھ سال بعد دہرایا گیا، جب برطانیہ کے دو زبردست جنگی جہاز ری پلس اور پرنس آف ویلز ساحل ملایا سے آگے صرف اس وجہ سے غرق ہوئے کہ ان کی حفاظت کے لیے ہوائی جہاز موجود نہ تھے۔ برطانیہ کو برق رفتار جنگ کا بھی سبق مل گیا جس کا مظاہرہ نازیوں نے ناروے میں کیا اور معلوم ہوگیا کہ پہاڑی یا برفانی خطوں میں بھی برق رفتار جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے۔

ناروے کے تجارتی بیڑے کا اکثر حصہ نازیوں کے ہاتھ سے نکل کر اتحادی جہازوں میں شامل ہوگیا۔ ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ جہاز تھے اور انھوں نے برطانیہ کے لیے تیل اور غذائی جنسوں کی بہم رسانی جاری رکھی۔ اس کے بغیر برطانیہ لمبی جنگ میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر برطانیہ اور کینیڈا کی فوجوں نے جزائر فیرو، آئس لینڈ اور گرین لینڈ پر قبضہ کرلیا۔ یہ پہلے ڈنمارک سے وابستہ تھے اور خطرہ تھا کہ مبادا ہٹلر ان پر بھی قابض نہ ہوجائے۔

جرمن مورخ برابر کہتے رہے کہ ہٹلر نے ناروے پر حملہ کرکے برطانیہ کا عزم تصرف ناکام

بنایا۔وہ کہتے ہیں کہ اتحادی قطعی طور حملے کا نقشہ تیار کر چکے تھے اور کسی آئینی بہانے کے منتظر بیٹھے تھے۔اتحادیوں اور جرمنوں کی تدبیروں میں یہی بنیادی فرق تھا۔اب برطانیہ کے سرکاری وقائع کی اشاعت سے اس نقطے کو ایک حد تک تقویت پہنچی ہے۔برطانیہ اور فرانس دونوں نے فن لینڈ کے سقوط کے بعد ناروے کے پانیوں میں سرنگیں بچھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔اس حرکت سے یہی توقع ہو سکتی تھی کہ جرمن ناروے پر حملہ کر دیں گے۔اگر حملہ ہوتا تو اتحادی ناروِیک میں فوجیں اتار دیتے۔اس طرح انھیں یہ بندرگاہ مل جاتی اور سویڈن کی طرف جانے والی ریلوے پر قبضہ ہو جاتا۔

4

ہٹلر کی یورش

(2)

ہالینڈ کی آبروریزی

ہٹلر کی تقریر میں مضمون و معنی کے لحاظ سے نپولین کا سا انداز نمایاں تھا۔ اس نے کہا:

''جرمن قوم کے مستقبل کے لیے فیصلہ کن جنگ کی آخری ساعت آ پہنچی۔ تین سو سال سے انگلستان و فرانس کے حکمرانوں کا یہ مقصد رہا کہ یورپ کے حقیقی اتحاد میں رکاوٹیں ڈالتے رہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جرمنی کو کمزور اور بے دست و پا رکھیں۔ آج تمہارا وقت آ گیا۔ آج جو جنگ شروع ہو رہی ہے، وہ ایک ہزار سال کے لیے جرمن تقدیر کا فیصلہ کر دے گی۔ اب اٹھو اور اپنا فرض ادا کرو۔''

مغرب کی تسخیر کے نقشے میں بنیادی حیثیت ممالک زیریں...... ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ...... پر حملے کو حاصل تھی۔ پھر فرانس کو پامال کرنا تھا۔ اس طرح وہاں نازیوں کو جو مرکز حاصل ہوتے، ان سے انگلستان پر ضرب لگانا تھا۔ ہٹلر جانتا تھا کہ دفاعی خط ماجینو پر براہِ راست حملہ سخت نقصان رساں ہوگا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی بکتر بند فوجوں کو خط ماجینو کے اطراف سے تیزی کے ساتھ گزار لے اور تین چھوٹے ملکوں میں سے بلا مزاحمت گزرتے ہوئے براہِ

راست پیرس پر بڑھے۔

متقابل فوجیں تعداد میں تقریباً یکساں تھیں۔ ممالک زیریں پر حملے کے لیے ہٹلر نے نواسی ڈویژن استعمال کیے (جن میں سے دس بکتر بند تھے)۔ سینتالیس ڈویژن محفوظ رکھے۔ اس کے پاس کل ایک سو چھتیس ڈویژن تھے۔ یہ نواسی ڈویژن تین بڑے فوجی گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک کا سالار بوک تھا، دوسرے کا روم سٹاٹ، تیسرے کا لیب۔ فرانس کے پاس ایک سو چھ ڈویژن تھے، بلجیم کے پاس بیس، برطانیہ کے پاس تیرہ، ہالینڈ کے پاس دس، گویا کل اتحادی فوج ایک سو انچاس ڈویژن پر مشتمل تھی لیکن تعداد کی تقریباً یکسانی بے معنی تھی۔ اتحادی فوجیں مختلف قومی فوجوں کا ناآزمودہ کار مجموعہ تھیں۔ ان میں ربط ضبط بہت ڈھیلا تھا۔ مشترکہ فوجی تجربہ کچھ نہ تھا۔ فرانسیسی فوج کی شہرت تو بہت تھی لیکن دراصل وہ معرضِ انحطاط میں تھی، اس کے برعکس جرمن فوج پولینڈ اور سکنڈے نیویا میں شکار کا پہلا خون چکھ چکی تھی۔ اس وقت کمانداری اور ربط ضبط میں اس کا درجہ بہت اونچا تھا۔ اس کے پاس پورا ساز و سامان تھا اور اس نے تربیت نہایت اعلیٰ پائی تھی۔ ولندیزوں کی میدانی فوج مقابلتاً کم درجے کی تھی۔ اس کی چار فوجی کوریں تھیں، جن میں سے ہر ایک میں دو ڈویژن شامل تھے۔ ان کے علاوہ چوبیس سرحدی بٹالین تھے۔ چوبیس بریگیڈ، چودہ رجمنٹیں فوجی توپ خانے کی تھیں۔ بارہ دستے طیاروں کے تھے اور چند طیارہ شکن توپیں۔ اس کمزور دفاعی فوج کے ساتھ ولندیزوں نے جرمن یورش کا پورا زور سنبھالا۔

جرمن نے مہم کا نقشہ روایتی صلاحیت اور ہنرمندی سے تیار کیا تھا۔ اس میں ہر پہلو پر گہری نظر رکھی گئی تھی اور اپنی طرف سے کوئی چیز اتفاقات پر نہیں چھوڑی تھی۔ ہمیں دوسرے مقامات کی طرح اس موقع پر بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے اور جنگ کی شدت میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پانچویں کالم کی سرگرمیوں کا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر لیا گیا تھا۔ جرمن "سیاح" جرمن "بیوپاری" اور جرمن "طلبہ" پوری مستعدی سے تیار کر لیے گئے تھے جو ہالینڈ کے مفصلات میں پھر پھر کر حملے کا راستہ ہموار کرتے رہے۔ جرمن کارندوں نے ولندیزی پولیس، ڈاک کے ملازموں، ریل کے کنڈیکٹروں اور دوسرے سرکاری کارکنوں کی وردیاں چرا کر سرحد پار پہنچا دی تھیں۔ جرمن کارندوں نے کلیدی پلوں، آب رسانی کے نظاموں اور نہروں پر بھی قبضہ کر لیا تھا،

لیکن اگر پورا تجزیہ کرلیا جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ آخر پانچویں کالم نے نہیں بلکہ جرمن فوج کی قوت نے اس حملے کو کامیاب بنایا۔

ولندیز پہلی عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہے تھے اور ایک سو سال سے جنگ انھیں چھو بھی نہیں گئی تھی، تاہم جرمن تیاریوں کی طرف سے ان کی آنکھیں بند نہ تھیں۔ اہلِ بلجیم کی طرح انھوں نے بھی جرمنوں کے لیے حملے کا بہانہ مہیا کرنے سے انتہائی احتراز کیا اور اپنی فوجیں حرکت میں لانے سے الگ رہے۔ ولندیز جو کچھ کر سکتے تھے، صرف اتنا تھا کہ مدد پہنچنے تک دشمن کی تیز رفتاری میں ایک حد تک کمی کر دیتے۔ ولندیزوں کا انحصار اس پر تھا کہ جب دشمن ملک میں داخل ہو جاتا تو وہ مختلف بند توڑ کر اپنے بہت بڑے علاقے کو پانی سے بھر دیتے۔ علاوہ بریں انھوں نے مختلف پلوں کے نیچے سرنگیں بچھا دیں۔ جابجا چھوٹی چھوٹی چوکیاں تعمیر کرلیں اور سڑکوں میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ حملے کی صورت میں ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام سونپ دیا گیا تھا۔

ایک حد تک انتباہ بھی ہو چکا تھا۔ 9 مئی 1940ء کی شام کو ولندیزی خبر رسانوں نے پانچ لفظوں کا ایک پیغام حکومت کو بھیجا:

''صبح بوقت طلوع تیار رہو۔''

لیکن جرمنوں نے حملہ کیا تو اتنا تیز تھا اور اس جوش و خروش اور شدت سے ہوا کہ ولندیزوں کی مدافعت شروع ہی سے بالکل بے حیثیت بن گئی تھی۔ اب پھر برق رفتار جنگ شروع ہو گئی تھی۔ حد درجہ مؤثر، حد درجہ شدید اور سرتاسر بیدردانہ۔ پولینڈ کی ابتدائی برق رفتار جنگ بھی اس کے سامنے ماند پڑ گئی۔

10 مئی 1940ء کو چار بجے صبح کوئی اطلاع دیے بغیر جرمن چھاتا فوج جس کے افراد میں سے بعض نے اتحادیوں کی وردیاں پہن رکھی تھیں، کلدار توپوں اور ریڈیو کے ساتھ اتر آئی۔ نہروں اور پانی سے بھرے ہوئے علاقوں سے گزرنے کے لیے ان کے پاس ربڑ کی کشتیاں تھیں۔ وہ مختلف اڈوں اور ملک کے چھوٹے چھوٹے اہم جنگی مقامات میں پہنچ گئیں۔ وہ ٹڈی دل کی طرح بدستور آتے رہے۔ ساتھ ہی غوطہ خور جہاز خوفناک شور و غوغا کے ساتھ پلوں، ریل کے سٹیشنوں اور قلعوں پر حملے کرنے لگے۔ مختصر سی ولندیزی ہوائی فوج جلد تباہ کر دی گئی۔ نازی ٹینک

گڑگڑاتے ہوئے ہموار میدانوں میں آگے بڑھے، جو چھوٹے موٹے دفاعی استحکامات موجود تھے وہ سب ختم کر دیے۔ حملے سے دو گھنٹے بعد جرمن سفیر مقیم ہیگ نے معمول کے مطابق نازی اقدام کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس ناقابل تردید شہادت موجود تھی۔ جس سے واضح ہوتا تھا کہ برطانیہ اور فرانس ممالک زیریں پر فوراً حملے کے لیے تیار ہیں۔ انھوں نے پہلے سے اس حملے کے نقشے ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ کے مشورے سے تیار کر لیے تھے۔ اس نے مطالبہ کیا کہ تینوں ملکوں کو سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ یہ نہ ہوا تو وہ تباہ ہو جائیں گے۔

آخر ہالینڈ اور بلجیم نے اپنی غیر جانبداری کا خاتمہ ہوتے دیکھا تو جرمنی کے خلاف حالتِ جنگ قبول کر لی۔ برطانیہ اور فرانس سے امداد کے لیے درخواست کر دی۔ یہ سب کچھ انتہائی تاخیر سے ہوا۔ نازیوں کی برق رفتار جنگ ڈاک گاڑی کی تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ ولندیز بڑی بے جگری سے لڑے۔ عورتیں بھی چھریاں، بندوقیں اور ہر وہ ہتھیار جو انھیں مل سکا، لے کر لڑتی رہیں۔ ولندیز اتنے جوش میں آ گئے تھے کہ انھیں پانچویں کالم کا جو بھی فرد ملا، اسے مار ڈالا لیکن جرمنوں کی جنگی مشین کو اس طرح بھی روکا نہ جا سکا۔

ولندیزی سرحد سے گزرنے کے بعد جرمنوں کے لیے پیش قدمی بہت آسان تھی۔ وہاں کوئی طبعی رکاوٹ موجود نہ تھی۔ چند ہی دن میں جرمن وادی اور حصار ہالینڈ کے اندر داخل ہو گئے اور انھوں نے طیارہ بردار فوجوں کے ذریعے سے ہیگ اور راٹرڈم کے ساتھ ربط ضبط پیدا کر لیا۔

ولندیزوں نے راٹرڈم کو کھلا شہر قرار دے دیا، جرمنوں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔ ولندیزی کماندار کو الٹی میٹم مل گیا کہ تین گھنٹے کے اندر اندر حوالگی ہونی چاہیے۔ یہ وقت گزرنے کے تھوڑی دیر بعد اس نے ہتھیار ڈال دیے لیکن جرمنوں نے بم برسانے شروع کر دیے تھے کیوں کہ انھیں ڈر تھا، مبادا برطانیہ کی طرف سے کمک آ جائے۔ 14 مئی 1940ء کو اس بڑے شہر پر نہایت خوفناک بمباری ہوئی۔ ساڑھے سات منٹ کے اندر اندر سٹو کا جہازوں نے کم بلندی پر اُڑتے تباہ کن حملہ کیا۔ اندازہ کیا گیا کہ تیس ہزار سے پچاس ہزار تک شہری مارے گئے اور شہر کے قلب میں سے دو مربع میل رقبہ ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ اٹھائیس ہزار ٹن کا جہاز سٹیٹنڈم، جو ہالینڈ کے بڑے مسافر جہازوں میں شامل تھا، بندرگاہ میں شعلوں کی نذر ہو گیا۔ یہ نہایت بیدردانہ، وحشیانہ اور قطعاً غیر

ضروری حملہ تھا اور اسے جنگ کے ان خوفناک مظالم میں شمار کیا جاتا ہے جن کے لیے کوئی وجہ جواز پیش نہیں کی جاسکتی۔

ولندیزوں کے لیے سخت آزمایش کے اس دور میں وجہ تسکین صرف ایک امر تھا کہ نازی حملے کا بڑا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ ملکہ ولہلمینا، شاہی خاندان کے افراد اور حکومت کے بڑے بڑے کارکنوں کو گرفتار کر لیں اور انھیں بطور یرغمال اپنے پاس رکھیں تا کہ دوسرے ملکوں کے لیے یہ عبرت کا سامان بنا رہے اور وہ جان لیں کہ ہٹلر کے عزم کی مخالفت کا انجام کیا ہوتا ہے۔ پیش قدمی کرتی ہوئی جرمن فوجوں نے شاہی خاندان اور اکابرِ حکومت کا تعاقب کیا۔ وہ سب لوگ مختلف مقامات میں پھرتے پھراتے بحیرۂ شمالی کے راستے برطانوی تباہ کن جہاز میں انگلستان چلے گئے۔ راستے میں بھی ان پر جرمن طیارے بم برساتے رہے مگر وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا۔

بکنگھم پیلس کے ایک ملازم نے ملکۂ ہالینڈ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ وطن سے بچ کر انگلستان پہنچنے کے خوفناک تجربے نے ملکہ کے ہوش وحواس شل کر دیے تھے اور بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اسے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں اور صرف زندہ بچ رہنے پر قانع ہے لیکن جلد ہی ملکہ کا صبر واطمینان بحال ہو گیا وہ اور اس کی حکومت کے ارکان لندن میں بیٹھے ہوئے وسیع ولندیزی نو آبادیوں پر حکومت کرتے رہے۔

15 مئی 1940ء تک یعنی پانچ روز کے اندر اندر ہالینڈ کا قصہ پاک ہو گیا۔ قتل وخونریزی کا پیمانہ اس قدر خوفناک حد تک پہنچ چکا تھا کہ جنرل ہینرک ونکل مان سپہ سالار افواج ہالینڈ کو آتشبازی بند کر دینے کا حکم دینا پڑا، چھوٹی سی ولندیزی فوج کے مجروحین ومقتولین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ یا پوری تعداد کا ایک چوتھائی تھی۔

ہٹلر نے ہالینڈ پر سیس ان کوارٹ کو مسلط کر دیا جو نازی تند خوئی میں رسوائے عام تھا اور دو سال پیشتر اپنے وطن آسٹریا کو جرمنی کے حوالے کر چکا تھا۔ ولندیز بڑے سخت اور متمرد تھے انھوں نے پرامن مزاحمت کی مہم شروع کر دی اور نازیوں کے پہلو میں کانٹا بنے رہے۔

بلجیم کا سقوط

10 مئی 1940ء کو جرمن طوفان ممالک زیریں پر بڑھا اور بحیرۂ شمالی سے لکسمبرگ تک پورا محاذ اس کی زد میں تھا۔ پانچ روز میں ولندیزوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ چھوٹے ملکوں میں سے بلجیم نے بہتر تیاری کر لی تھی اور اٹھارہ دن تک مقابلہ جاری رکھا۔

ہالینڈ کی طرح بلجیم نے بھی انتہائی احتیاط کی تھی کہ جرمنوں کو حملے کا کوئی بہانہ ہاتھ نہ آئے۔ لیوپولڈ سوم شاہ بلجیم نے جلوس سے دو سال بعد یعنی 1936ء میں اعلان کر دیا تھا کہ میرا ملک کاملاً بلجیم کے مفاد کی پالیسی پر کاربند رہے گا۔ میں مغربی طاقتوں سے کوئی ایسا اتحاد نہ کروں گا، جو میرے مشرقی ہمسائے کو جس کی حیثیت ایک دیو کی سی ہے، مشتعل کر دے۔ گویا سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ کی طرح بلجیم بھی غیر جانبدار رہے گا۔ برطانیہ اور فرانس آخر بلجیم کے اس موقف کو مان لینے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے معاہدات لوکارنو کے مطابق بلجیم کو تمام واجبات سے آزاد کر دیا۔ اس کے بدلے میں ہٹلر نے (اواخر 1937ء) قول دے دیا کہ وہ بلجیم کے استقلال اور حدود کا احترام کرے گا اور یہ احترام اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک بلجیم جرمنی کے خلاف کسی فوجی اقدام میں شریک نہ ہوگا۔ لیوپولڈ کو انتہائی مصیبتیں اٹھا کر یہ سیکھنا پڑا کہ ہٹلر کے کسی عہد کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

یہاں بھی وہی حالات پیش آئے جو دوسرے مقامات پر پیش آ چکے تھے یعنی پانچویں کالم نے سرگرمیاں شروع کیں الٹی میٹم دیے بغیر برق رفتار جنگ شروع کر دی گئی۔ پہلے تباہ کن ہوائی حملے ہوئے۔ پھر ہلکی بکتر بند فوج آگے بڑھی۔ اس کے بعد دو ہزار آٹھ سو ٹینک تیزی سے ملک میں پہنچ گئے۔ سب سے آخر میں پیادہ فوج آئی۔

بلجیم کے دفاع کا محور ایبن امائل کا قلعہ تھا جو سرحد کے قریب اردگرد کے علاقے سے خاصی بلندی پر واقع تھا۔ میوز اور نہر البرٹ کے تمام پلوں کی حفاظت اسی قلعے سے ہو رہی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ یہ قلعہ اگر ناقابلِ تسخیر نہیں تو کم از کم دنیا کا سب سے زیادہ مستحکم مقام ضرور ہے یا کم از کم اتنا زبردست یقیناً تھا کہ مغربی جانب سے امداد پہنچنے تک دشمن کو روک سکتا۔ جرمنوں نے یہ قلعہ چھتیس

گھنٹوں میں لے لیا۔

1939-40ء کے موسم سرما میں جرمن بڑی استادی سے حملے کی تیاری کرتے رہے۔ ان کے جاسوس کارندوں نے زیادہ سے زیادہ صحیح اطلاعات بہم پہنچائیں۔ اس بنا پر ایبن امائل کا ایک مکمل ماڈل تیار کرلیا گیا تھا۔ جب وقت آیا، حملہ آوروں نے حملے کا منصوبہ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ ہر پہلو کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جرمنوں کے حملے کی یہ ایک حیرت انگیز مثال تھی۔ 11 مئی 1940ء کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب دنیا کے اس مستحکم ترین قلعے کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔

دو روز بعد (13 مئی 1940ء) جرمن جرنیل فان کلیسٹ نے اتحادیوں کا دفاعی منصوبہ درہم برہم کر ڈالا۔ وہ آردنس میں سے گزرتا ہوا جسے ناقابل گزر سمجھا جاتا تھا۔ انتہائی تیزی سے مزاحمت توڑتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کا یہ کارنامہ یقیناً ایک یادگاری حیثیت رکھتا تھا۔ جرمنوں نے دریائے میوز سے گزر کر نامور اور سیڈان کے درمیان پچاس میل کا رخنہ پیدا کرلیا۔

بلجیم کی فوج فرانسیسیوں اور انگریزوں کی امداد سے لڑتے لڑتے تھک کر چور ہوگئی لیکن صورتِ حال بگڑ گئی۔ سات دن میں جرمنوں کے ٹینک ابی ول کے راستے رودبار پر جا پہنچے اور اتحادی دو حصوں میں بٹ گئے۔ برطانوی فوج، نیز فرانس کی پہلی، ساتویں اور نویں فوج کے باقیات رودبار کی طرف دھکیلے گئے۔ جب جرمنوں نے کیلے اور بولون پر قبضہ کرلیا تو اتحادیوں کے لیے ڈنکرک کی بندرگاہ کے سوا بچاؤ کا کوئی راستہ نہ رہا۔

اس اثنا میں وزارتِ بلجیم کے مختلف ارکان شاہ لیوپولڈ کے پاس پہنچے جو بروجز کے جنوب میں جنگل کے درمیان وین ڈائل نام قلعے میں تھا۔ وہ دیر تک اصرار کرتے رہے کہ شاہ بلجیم سے نکل کر انگلستان چلا جائے اور وہاں جلاوطنی میں اپنی حکومت قائم کرے، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، لیوپولڈ نے صاف انکار کردیا۔ اس نے کہا کہ جرمن حملے کا پورا زور بلجیم کی فوج برداشت کررہی ہے۔ میں کسی بھی حالت میں بلجیم کو نہ چھوڑوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ دوسری جنگ لڑنے کی بجائے میں ہتھیار ڈال دوں۔ اگر دوسری جنگ لڑی گئی تو بلجیم تباہ ہوجائے گا اور اتحادیوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ میں بلجیم ہی میں رہوں گا اور قوم کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کے نام اعلان کردیا کہ کوئی بھی صورت پیش آجائے، میں اس نازک وقت میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔

27 مئی 1940ء کو پانچ بجے صبح لیوپولڈ نے جرمنوں سے متارکے کی درخواست کی۔ 28 مئی کو تقریباً چار لاکھ تھکی ماندی اور شکستہ دل بلجیمی فوج نے بلاشرط جرمنوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ لیوپولڈ کو حفاظت میں لے لیا گیا اور برسلز کے قریب ایک قلعے میں بند کر دیا گیا۔ اس کی وزارت کے ارکان لندن پہنچ گئے۔

لکسمبرگ کی تسخیر

لکسمبرگ کی چھوٹی سی گرانڈ ڈچی صرف نو سو نناوے مربع میل ہے۔ پچپن میل لمبی اور چونتیس میل چوڑی۔ ہٹلر کے ترکتازوں نے اسے چند گھنٹوں میں لے لیا۔ اس کے تین لاکھ جفاکش باشندوں کی غیر جانبداری کی ضمانت عام بڑی طاقتوں نے دے دی تھی لیکن ہٹلر کے نزدیک لکسمبرگ جنگی نقطۂ نگاہ سے بے حد اہم تھا۔ اس کے مشرق میں جرمنی، شمال اور مغرب میں بلجیم اور جنوب میں فرانس واقع تھے۔ گویا یہ ملک ہٹلر کی پیش قدمی کی شاہراہ پر واقع تھا۔ 10 مئی 1940ء کو اس ملک کی تسخیر نازی فوجوں کے لیے کوئی خاص واقعہ نہ تھی۔ گرانڈ ڈچز شارلٹ پہلے فرانس بھاگ گئی پھر امریکا پہنچ گئی۔ اس چھوٹی سی قوم کے ہزاروں باشندے جبری مزدوری کے لیے جرمنی بھیج دیے گئے اور ہٹلر کی فتوحات میں ایک اور ملک کا اضافہ ہو گیا۔

چرچل

چیمبرلین نے، جو میونخ کے معاہدے کا ذمہ دار تھا، اطمینان اور صلح جوئی کی پالیسی پر عمل کیا۔ نتائج تباہ کن تھے۔ انگریز قوم اس سے تنگ آ گئی تھی۔ گویا چیمبرلین ناکام ہو چکا تھا اور کسی زبردست و ہمت ور لیڈر کی شدید ضرورت تھی۔ دارالعوام کے ارکان پر خفگی طاری تھی۔ بحث بڑی تلخ و تیز ہوئی۔ ایک رکن نے کہا: آج ہم اپنی زندگی، آزادی اور جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ہم اس رہنمائی پر مطمئن نہیں رہ سکتے جو اس وقت ہم پر مسلط ہے۔

8 مئی 1940ء کو دارالعوام میں چیمبرلین کی اکثریت صرف اکاسی رہ گئی۔ ایک سو تیس قدامت پسندوں نے حکومت کے لیے اعتماد کے ووٹ سے احتراز کیا۔ جنگ کے بعد ونسٹن چرچل نے اس نازک لمحے کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا:

''برطانوی قوم کی سوئی ہوئی قوت کو بیدار کرنے کے لیے خوفناک مصیبت کی ضرب اور تہلکے کی مہمیز درکار تھی۔''

10 مئی 1940ء کو ادھر ہٹلر غیر جانبدار بلجیم، غیر جانبدار ہالینڈ اور غیر جانبدار لکسمبرگ کے خلاف بلا انتباہ ضربیں لگا رہا تھا، ادھر ایک زرد رُو، شکستہ دل آدمی 10 ڈاؤننگ سٹریٹ سے باہر نکلا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سیدھا بکنگھم کے شاہی محل میں پہنچا۔ اسی رات کو اعلان ہوا:

''رائٹ آنریبل نیویل چیمبرلین نے وزارتِ عظمیٰ اور وزارت خزانہ سے آج شام استعفیٰ دے دیا۔ رائٹ آنریبل ونسٹن چرچل نے ملک معظم کی دعوت پر وزارت عظمیٰ کا منصب قبول کر لیا۔''

پھر ایک مرتبہ برطانوی تاریخ اپنے اصل انداز پر آگئی۔ جب کبھی کوئی بڑا خطرہ پیش آتا رہا، کوئی نہ کوئی سرگرم اور پُرجوش انگریز بروئے کار آ کر مصیبت کے مقابلے کے لیے برطانوی قوم کو یکجا کر دیتا رہا۔ اس مرتبہ قیادت کی دعوت کا جواب ایک ایسی شخصیت نے دیا، جس کا چہرہ کروبیوں کا سا اور دل فولاد کا تھا۔ اس نے برطانیہ کی جنگی مساعی میں تازہ روح پھونک دی۔ دور حاضر کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

ونسٹن لیونارڈ سپنسر چرچل 30 نومبر 1874ء کو پیدا ہوا۔ اپنی طویل اور ممتاز سیاسی زندگی میں یہ ہنگامہ خیز شخص کبھی اس پارٹی میں شامل رہا، کبھی اس پارٹی میں 1911ء میں اسے وزیر بحریات بنا دیا گیا تھا اور اس نے لارڈ فشر کے ساتھ مل کر بحری قوت کو پہلی عالمی جنگ کی بڑی آزمائش کے لیے تیار کیا۔

نئے وزیر اعظم نے بڑی تیزی اور عزم کے ساتھ قدم اٹھایا۔ اس نے تین پارٹیوں کی متحدہ وزارت بنائی، جس میں چیمبرلین کو بھی ایک معمولی سا عہدہ دے دیا گیا اور چیمبرلین کے ممتاز نقطہ چینوں میں سے اینتھنی ایڈن، ایلفرڈ ڈف کوپر اور وائیکونٹ ہیلی فیکس (وزیر خارجہ) اور مزدور پارٹی کے متعدد ارکان مثلاً ایٹلی اور بیون شامل تھے۔ چرچل نے بعد میں اعتراف کیا کہ مجھے یقین تھا میں ناکام نہ رہوں گا، لہٰذا میں خوب گہری نیند سویا اور مجھے خوش آئند خواب دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

چرچل کا پہلا کام یہ تھا کہ ہوائی جہاز بنانے کے لیے ایک مستقل وزارت قائم کردی اور لارڈ بیوربرک کو اس کا صدر بنادیا۔ یہ شخص اخباروں کا مالک تھا۔ چرچل کا مقصد یہ تھا کہ ہوائی جہازوں کی ساخت حد درجہ تیز ہو جائے۔ وزیر اعظم نے تمام انگریزوں سے درخواست کی کہ پرانی ذلتوں کو بھول جاؤ اور کہا کہ اگر ہم نے گزشتہ کل کے متعلق جھگڑا جاری رکھا تو آئندہ کل کو یقیناً شکست کھائیں گے۔

یہ ایک حقیقت پسندانہ اور جنگجویانہ قیادت تھی۔ برطانیہ کو ایسی ہی قیادت کی ضرورت تھی اور اہلِ برطانیہ اسی کے منتظر تھے۔ چرچل بے باک، سرگرم، صاحب عزم شخص تھا، جسے قدرت نے تمام کاموں کے اندر جوش بھر دینے کا خاص جوہر عطا کیا تھا۔ وہ تاریخ کے بڑے بڑے جنگی قائدین میں سے ایک بن گیا۔ باقی اوصاف و کمالات کے علاوہ اسے خطابت کا بھی ایک عجیب جوہر عطا ہوا تھا۔ اس نے وزیر اعظم کی حیثیت میں دارالعوام کے اندر جو پہلی تقریر کی اسی سے اس کی عزیمت اور عظمت آشکارا ہوگئی، اس نے کہا:

''امید ہے، آپ مجھے معاف فرمائیں گے کہ میں اس نازک وقت میں ایوان کے سامنے کوئی لمبی تقریر نہیں کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میرے رفقاء یا سابق رفقاء میں سے جو لوگ سیاسی ترتیب نو کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ اس موقع پر مجھے تہ دل سے معاف فرمائیں گے۔ میں آداب کا لحاظ نہ رکھ سکا اور عمل کا تقاضا یہی تھا۔ میں ایوان سے وہی کہتا ہوں جو اپنے رفقاء سے کہہ چکا ہوں۔ میرے پاس خون، مشقت، آنسوؤں اور پسینے کے سوا اس وقت کوئی پیشکش نہیں۔ ہمارے سامنے شدید ترین آزمائش درپیش ہے۔ ہمیں ''مہینوں'' طویل مہینوں تک جد و جہد اور مشقت وابتلاء میں سے گزرنا ہے۔''

''لیکن میں اپنی ذمہ داری کا بوجھ کامل خوش دلی اور خوشگوار امید کے ساتھ اٹھاتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا نصب العین انسانوں کے درمیان ناکامی سے روشناس نہ ہوگا۔ میں اس وقت ہر فرد کی امداد کا حقدار ہوں اور کہتا ہوں کہ آؤ سب مل کر متحدہ قوت سے آگے بڑھیں۔''

ڈنکرک: بچاؤ کا معجزہ

20 مئی 1940ء کو لیوپولڈ شاہ بلجیم نے ایک حد درجہ ضروری پیغام برطانوی کمانڈار کو بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا کہ بلجیمی فوج شکستہ دل ہو رہی ہے۔ یہ مسلسل چار روز سے نہایت خوفناک بمباری میں لڑ رہی ہے جسے برطانوی طیارے روک نہیں سکتے۔ میں نے سنا کہ اتحادی فوج نرغے میں آ گئی ہے۔ میری فوجوں نے سمجھ لیا ہے کہ حالت بے چارگی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ وہ وقت تیزی سے آ رہا ہے، جب وہ لڑائی جاری رکھنے کے قابل نہ رہیں گی اور بادشاہ بربادی سے بچنے کے لیے حوالگی پر مجبور ہو جائے گا۔

چار گھنٹے میں یہ وقت آ گیا۔ پانچ بجے لیوپولڈ نے متارکے کی درخواست کے لیے ایک سفیر بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسرے روز (28 مئی) بادشاہ نے اپنی فوجوں کو حکم دے دیا کہ بلاشرط ہتھیار ڈال دیں۔

لیوپولڈ کی شکست متوقع تھی، لیکن اس کے اچانک فیصلے نے جہاں اہلِ بلجیم کی جانیں شاید بچالیں وہاں، بہت سی برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کو شدید خطرے میں ڈال دیا۔ اتحادیوں کا بایاں بازو براہِ راست خطرے کی زد میں آ گیا۔ جرمن فوجیں حیرت انگیز تیز رفتاری سے جنوبی و مشرقی بلجیم سے گزر گئی تھیں، پھر وہ ابی وِل پہنچ گئیں، جو رودبار کے فرانسیسی ساحل سے صرف پندرہ میل تھا۔ اب پوری برطانوی فوج ساتھ ہی فرانسیسی، پولستانی اور بلجیمی فوجیں پھندے میں پھنس گئیں۔ فتح کا اندازہ کرتے ہوئے جرمن زدوگشت پر تُل گئے۔ 29 مئی 1940ء کو ایک جرمن خبر میں انتہائی خوشی سے اعلان کیا گیا کہ برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کی تقدیر پر مہر ثبت ہو گئی۔

انگریزوں نے امکانی تباہی کا اندازہ پہلے سے کر لیا تھا۔ 14 مئی کو برطانوی ریڈیو سے بڑے سکون اور توازن کے ساتھ بتایا گیا:

> محکمہ بحریات نے تمام اصحاب سے درخواست کی ہے کہ جن جن کے پاس تیس فٹ سے ایک سو فٹ تک لمبی تفریحی کشتیاں ہیں، وہ ان کے متعلق تمام تفصیلات چودہ دن کے اندر اندر وزارت تک پہنچا دیں۔ دو ہفتے بعد دارالعوام کو بتا دیا گیا

کہ نہایت ناخوشگوار خبروں کے لیے تیار رہے۔

انگلستان سے تاریخ کا ایک نہایت عجیب وغریب بیڑا روانہ ہوا جس میں کل آٹھ سو ستاسی سفینے تھے، غیر مصافی بھی اور بحری بیڑے کے عناصر بھی۔ اس میں قسم قسم کی چیزیں موجود تھیں مثلاً موٹر کشتیاں، وہ کشتیاں جو جہازوں کے ساتھ بچاؤ کے لیے رکھی جاتی ہیں، فرانسیسیوں کی ماہی گیر کشتیاں، ولندیزوں کے شوئٹ، رود بار انگلستان میں آنے والی کشتیاں، ایک مستول والی کشتیاں، سرنگیں اٹھانے والی کشتیاں، پانی کے بہاؤ سے بہنے والی کشتیاں اور تباہ کن جہاز ان کے علاوہ تجارتی جہاز، سواری کے جہاز، نجی تفریحی کشتیاں اور ایسی کشتیاں بھی موجود تھیں، جنھیں کسی دخانی کشتی کے ساتھ لگا کر لیے لیے پھرتے تھے۔ بڑی بڑی تیز رفتار کشتیاں بھی تھیں۔ ٹیمز میں آنے جانے والی کشتیاں، گودیوں کی کشتیاں، ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے والے جہاز، کوئلے والے جہاز، وہ کشتیاں، جنھیں ملاح خود کھینچتے تھے۔ ایک ایسی کشتی بھی تھی جو دراصل موٹر تھی لیکن ضرورت کے وقت اسے پانی میں چلا لیا جاتا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ سمندر میں ڈالی گئی تھی۔ ایک پرانا جہاز بھی تھا، جو جنگ بوئر سے پہلے لوگوں کے بڑے بڑے گروہ تفریحاً تھوڑی دور سمندر میں لے جاتے تھے۔ اسے پہلی عالمی جنگ میں سرنگیں اٹھانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ اس موقع پر اس سے بھی کام لیا گیا تھا۔ بحریات کے تیز رفتار جہاز ان کے علاوہ تھے۔

سرگزشت رزم و پیکار میں ڈنکرک نے تقریباً یگانہ حیثیت اختیار کر لی تھی۔ شہر کی غیر مصافی آبادی بھی نرغے میں آئی ہوئی فوج کو بچانے کے لیے ہر ممکن امداد دے رہی تھی: گویا غیر مصافی کی امداد سے برطانیہ کے محکمۂ بحریہ نے یہ کارنامہ انجام دیا۔

رود بار میں آمد و رفت ایک ہیبت ناک صورت اختیار کر گئی تھی۔ تباہ کن جہاز بڑے بڑے جنگی جہازوں کے درمیان سے تیر کی طرح گزر جاتے اور ان کی تیز رفتاری سے پانی کی جو بوچھاڑ اٹھتی، ان سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں کی غرقابی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا۔ کئی مرتبہ ٹکریں بھی ہوئیں، کیوں کہ درجنوں کشتیوں اور جہازوں پر گولے برس رہے تھے۔ پوری فضا قسمتوں، جھگڑوں اور نعروں سے معمور تھی، لیکن یہ حیرت انگیز بیڑا منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا گیا۔ ڈنکرک پر بہت گھنا بادل چھایا ہوا تھا۔ اس افراتفری میں سحر انگیز طریق پر نظم پیدا ہو گیا۔ بیرونی حصے میں بحریات کے

جہازوں نے ایک حلقہ قائم کر لیا اور طیارہ شکن آتشبازی سے آسمان پر پردہ تان دیا۔ برطانوی طیاروں کے پائلٹ نوجوان تھے، انھیں سونا بھی نصیب نہ ہوا تھا، مگر وہ جرمن بمباروں کو مار بھگانے کے لیے ہر اُس طیارے میں پہنچ گئے جو ان کے ہاتھ آ سکا۔

ڈنکرک کا پورا ساحلی علاقہ تھکی ماندی اور بے خواب فوجوں سے سیاہ نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ ریت کے ٹیلوں سے گھسٹتے گھسٹتے پانی تک پہنچ جاتے اور کشتیوں میں سوار ہو جاتے۔ جو فوجی سب سے آگے تھے وہ کندھوں تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھیں کھینچ کر کشتیوں میں سوار کرا لیا گیا تو دوسری صف آگے بڑھی۔ ان میں سے بعض ٹخنوں تک، بعض گھٹنوں تک اور بعض کمر تک پانی میں تھے۔ انھیں بھی کھینچ کر سوار کرا لیا گیا۔ پھر آدمیوں کو بڑے جہازوں پر سوار کرایا گیا۔ جہازوں کے اردگرد رسوں کے جال بنے ہوئے تھے اور سیڑھیاں لٹک رہی تھیں۔ ان پر بھی لوگ سوار ہو گئے۔ چھوٹی بڑی تمام کشتیاں آدمیوں سے اس درجہ بھر گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا، راستے ہی میں ڈوب جائیں گی لیکن پھر بھی ہزاروں آدمی چلے آ رہے تھے۔

بچاؤ کا یہ سلسلہ نو دن جاری رہا اور اس عجیب و غریب بیڑے نے تین لاکھ اڑتیس ہزار دو سو چھبیس آدمی بچا لیے۔ ان میں ایک لاکھ انتالیس ہزار نو سو گیارہ فرانسیسی اور باقی سب برطانوی تھے۔ انگلستان کے ساحل پر یہ کشتیاں اور جہاز پہنچے تو ان میں سے تھکی ماندی فوج باہر نکلی، جس کے کپڑے میلے ہو چکے تھے اور کھایا پیا کچھ نہ تھا۔ بہت سے خون میں لت پت تھے یا ان کے لباس پر تیل کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ ایک اخباری نمائندے نے دیکھا کہ اس فوج کے ساتھ فرانس اور بلجیم کے تقریباً نصف کتے چلے آئے تھے۔

برطانوی فوج جو قیمتی سامان جنگ فرانس کے لیے یورپ لے گئی تھی۔ وہ سب ساحل پر چھوڑنا پڑا، لندن نے اعتراف کر لیا کہ چھ برطانوی تباہ کن جہاز، سات فرانسیسی تباہ کن جہاز اور تین امدادی کشتیاں اور چوبیس چھوٹی کشتیاں تباہ ہو گئیں۔ 4 جون 1940ء کو وزارت بحریات نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا:

> ”گزشتہ ہفتے میں نہایت وسیع پیمانے پر بحریات کی تاریخ کا نہایت دشوار مشترکہ اقدام عمل میں آیا۔ برطانوی، فرانسیسی اور بلجیمی فوجیں شمالی فرانس اور بلجیم سے

محفوظ واپس لائی گئیں، وہ تعداد میں اتنی زیادہ تھیں کہ جب پوری کہانی سنائی جائے گی تو دنیا متحیر رہ جائے گی۔ یہ تخلیہ نہایت شدید اور تقریباً مسلسل ہوائی حملوں، تیز تر توپوں اور کلدار توپوں کی آتشبازی میں اتمام کو پہنچا۔ اس میں اتحادیوں اور ان کے مختلف شعبوں میں گہرے تعاون، غیر متزلزل عزم اور حوصلہ مندی کی بنا پر کامیابی ہوئی۔"

"یہ مہم اس وجہ سے اور بھی مشکل ہوگئی تھی کہ پانی پایاب تھا۔ جگہ جگہ گزرگاہیں تنگ تھیں اور سمندر کی لہریں بڑی شدید تھیں۔ حالت ایسی تھی کہ اگر کسی ایک گزرگاہ سے کسی سفینے کے گزارنے میں کوئی تھوڑی سے غلطی ہو جاتی تو بچاؤ کا وہ اہم ترین راستہ رک جاتا، جو ڈنکرک کی بندرگاہ تک جاتا تھا۔ دو روز تازہ شمالی و مغربی ہواؤں نے تموج میں تیزی پیدا کر دی، اس وجہ سے ساحلی علاقے پر کام مشکل ہو گیا اور رفتار سست رہی۔ صرف ایک روز قبل دو پہر زمین سے کہر کا طوفان اٹھا اور دشمن کے لیے فضائی سرگرمی جاری رکھنے کا کوئی موقع نہ رہا۔"

"اس نوعیت اور اس وسعت کا کارنامہ جو تقریباً مسلسل اور شدید حملوں کے درمیان عمل میں آیا، حد درجہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس میں کامیابی اتحادیوں کی بحری اور فضائی قوت کی فتح وظفر کا ثبوت ہے۔ واضح رہے کہ دشمن نے حد درجہ طاقت ور ہوائی بیڑا استعمال کیا تھا اور یہ طیارے قریب کے مرکزوں سے اڑ کر آتے رہے۔"

4 جون 1940ء کو جرمنوں نے اعلان کیا کہ ڈنکرک میں ہم نے چالیس ہزار قیدی پکڑ لیے لیکن وہ کامیاب تخلیے کی بنا پر متحیر اور دم بخود رہ گئے۔ وہ پیشتر بڑے اعتماد سے اعلان کر چکے تھے کہ برطانوی فرانسیسی اور بلجیمی فوجوں کے ارد گرد حلقہ مکمل کر لیا گیا ہے۔

برطانیہ بدستور سمندروں پر حکمران تھا۔ جو واقعہ ایک تباہی خیز شکست معلوم ہوتا تھا وہ ایک شاندار اخلاقی فتح کی شکل اختیار کر گیا۔ حفاظتی بیڑے کے رضا کاروں میں سے ایک شخص اے۔ ڈی۔ ڈیوائن بھی تھا، اس نے بتایا: یہ ایک سخت اور حوصلہ آزما کارنامہ تھا جس کے لیے ایک خوفناک تباہی نے ہمیں مجبور کر دیا اور یہ کارنامہ دشمن کی آنکھوں کے سامنے انجام پایا جو فتح کی خوشی

سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ اسے آخری ظفر مندی کا یقین ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ وقت اور حالات کی ناسازگاری میں پورا کیا گیا، بلکہ کسی نے بھی موت کی پرواہ نہ کی۔

چرچل نے قوم کو یاد دلایا کہ لڑائیاں تخلیوں سے فتح نہیں کی جاتیں۔ ساتھ ہی یہ روح افروز پیغام دیا:

> ''ہم چھوٹے اور بڑے سمندروں میں لڑیں گے۔ ہم اپنی روز افزوں فضائی قوت کے ساتھ روز افزوں اعتماد سے لڑیں گے۔ ہم اپنے جزیرے کی حفاظت کریں گے اور اس کے لیے رشتے قربان کر دینے پر آمادہ رہیں گے۔ ہم سمندر کے کناروں پر لڑیں گے۔ فوجیں اترنے کے مقامات پر لڑیں گے، گلیوں اور بازاروں میں لڑیں گے اور پہاڑیوں میں لڑیں گے اور حوالگی کے لیے کبھی تیار نہ ہوں گے۔''

5

فرانس کی شکست

(1)

بے حرکت جنگ

مشرق میں پولینڈ کو ہٹلر کی برق رفتار جنگ مٹا رہی تھی تو پولینڈ کے مغربی حلیف فرانس نے جرمن عساکر کی توجہ ہٹانے کے لیے کوئی حرکت نہ کی۔ ستمبر 1939ء کے اوائل میں فرانسیسی فوجوں نے بڑی احتیاط سے جرمن علاقے کے اندر چند میل پیش قدمی کی لیکن جب بڑی جرمن فوجیں مغرب کی طرف منتقل ہوئیں تو فرانسیسی فوج تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔

1914ء میں فرانسیسی حب وطن کے زبردست جذبے کے ساتھ شریک جنگ ہوئے تھے۔ 1939ء میں انھیں جنگ کی دعوت ملی تو اس طرح ہتھیار اٹھائے گویا سوئے سوئے اٹھ کر چلنا شروع کر دیا۔ ان میں کوئی روح نہ تھی اور بالاتفاق اس جنگ کو ٹھکرا رہے تھے جسے وہ سراسر لغو اور شیطانی قرار دے رہے تھے۔ وہ کہتے تھے، چپ چاپ بیٹھے رہو، کچھ نہ ہوگا، ہمارا خون دوبارہ نہ بہایا جائے گا۔ ان کے دل میں یہ بے سروپا امید قائم رہی کہ کسی نہ کسی طرح تصادم رک جائے گا، یقیناً ''میری جدوجہد'' میں ہٹلر نے فرانس کو جرمنی کا جانی اور اٹل دشمن قرار دیا تھا لیکن فرانسیسی سمجھتے تھے کہ رہائن پار کا یہ بازاری دیوانہ زود یا بہ دیر لغویتوں سے باز آ جائے گا۔

ساتھ ہی وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ طاقت ور فرانسیسی فوج کے مقابلے میں ہٹلر کے لیے کامیابی کا کیا موقع ہے۔ فرانس کی دو کروڑ آبادی میں سے آٹھ لاکھ جنگجو موجود ہیں۔ پچپن لاکھ کو جنگی تربیت دے کر مد محفوظ میں رکھ لیا گیا ہے۔ یہ یورپ کی نہایت طاقتور جنگی مشین ہے۔ ہر شخص ان حقائق سے آگاہ تھا۔ کیا جنرل گامیلاں، جو فرانس کا چیف آف سٹاف تھا، یقین دلا چکا تھا کہ اس کی فوجیں جرمنوں کا قیمہ کر کے رکھ دیں گی؟ یہ اعتراف کیا جاتا تھا کہ فرانس کی پیادہ فوج وردی میں ڈھیلی ڈھالی معلوم ہوتی ہے، تاہم جنگ کی اہم ضروری چیزوں میں اسے مشاقی حاصل ہے اور وہ لڑائی میں بڑی سخت ہے، خصوصاً دفاعی لڑائی میں۔ فرانس کا توپخانہ پرانا تھا۔ اس کے پاس طیارے اور ٹینک کم تھے، مگر اسے جنگ کا فن آتا تھا۔ یقیناً اس پیادہ فوج کو جنگ چھڑنے پر کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی لیکن لڑائی شروع ہو جانے پر وہ جرمنوں کو مار مار کر سرحد کے پار ہی رہنے پر مجبور کر دے گی۔

فرانس کی عسکری نفسیات خالص دفاعی تھیں اور دفاع کے لیے ایک مسلسل اور دائمی مستحکم دیوار بنالی گئی تھی، یعنی خط ماجینو جو یورپ میں اول درجے کی مستقل سرحد تھی اور دنیا کا سب سے زیادہ مستحکم نظام تھا جو فولاد اور کنکریٹ سے بنایا گیا تھا۔ اس کے لیے نقشے بہت پہلے بن چکے تھے مگر تعمیر 1929ء میں شروع ہوئی جب آنڈرے ماجینو وزیر جنگ تھا یہ دفاعی نظام سوئٹزرلینڈ سے مونٹ میدی تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ دفاعی چوکیوں کا ایک وسیع سلسلہ تھا، جس میں فرانس کے پرانے استحکامات کے علاوہ دو بڑے نئے قلعے شامل کر دیے گئے تھے ایک ہیکن برگ دوسرا ہوش والڈ۔ اس طرح لورین کے صنعتی خطے اور خام لوہے کی پیداوار کے مرکز کو محفوظ کر لیا گیا تھا۔

خط ماجینو پر نصف ارب ڈالر خرچ ہوئے اور آگے چل کر تین لاکھ فوج اس میں جا بیٹھی۔ یہ ایک عجیب وغریب تعمیر تھی۔ زمین دوز قلعوں کا ایک وسیع سلسلہ تھا، جو چھ سطحوں پر قائم تھا۔ اس میں افسروں اور فوجیوں کے لیے قیامگاہیں، گولی بارود کے ذخیرے، رسد کی عام چیزیں، پانی کے ٹینک، باورچی خانے، بارکیں، بجلی کے مرکز، تار، ٹیلیفون، ریل کی چھوٹی چھوٹی سڑکیں، بدرروؤں کا وسیع نظام، ہسپتال اور آرام کے کمرے موجود تھے۔ پھٹنے والے گولوں یا بموں سے یہ سب چیزیں بالکل محفوظ تھیں۔ زمین کے اوپر جنگلے بنا دیے گئے تھے۔ جن میں اوپر اٹھانے والی مشینوں

کے ذریعے سے توپیں پہنچائی جاسکتی تھیں اوران کا رخ مشرق کی طرف رہتا تھا لیکن خطِ ماجینو میں کمزوری کا بھی ایک پہلو تھا۔ جن لوگوں نے اس کے نقشے تیار کیے تھے، وہ اسے جزوی حفاظت کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے مگر فرانسیسی عوام نے اسے کامل حفاظت کا ذریعہ قرار دے لیا۔ میوز کے پاس داکیلے کے حلقے تک کا علاقہ زمانہ سابق سے جرمن حملے کا عام راستہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ علاقہ بالکل کھلا تھا اور وہاں حفاظت کا کوئی خاص سامان نہ تھا۔ یہ سب کچھ حد درجہ کوتاہ نظرانہ دفاعی عقیدے کا ثبوت تھا۔ تیز رفتار جرمن سیلِ فولاد، ناقابل تسخیر خط ماجینو کے اطراف سے بے تکلف گزر سکتا تھا۔

ہٹلر نے خط ماجینو کے جواب میں وسیع پیمانے پر ایک خط دفاع بنایا، جس کا نام خط سیگ فریڈ رکھا۔ یہ استحکامات کا ایک سہ گونہ خط تھا، جو سوئٹزرلینڈ سے لکسمبرگ تک جاتا تھا اور اس کا کلیدی مقام لستن کا نوتعمیر قلعہ تھا، جو فرانسیسیوں کے مُل ہاؤس کے مقابل واقع تھا۔ یہ خط ڈاکٹر فرٹز ٹوٹ کے زیر اہتمام بنا، جس نے سڑکوں کی تعمیر میں شہرت حاصل کی۔ اس کی سرکردگی میں پانچ لاکھ آدمی دے دیے گئے اور جلد سے جلد یہ خط کنکریٹ سے تعمیر کر دیا گیا۔ کہا جاتا تھا کہ اس پر حملہ نہیں ہوسکتا تھا لیکن اس خط میں فرانسیسیوں جتنا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ ہٹلر کا یہ ارادہ قطعاً نہ تھا کہ کوئی مستقل خط دفاع بنا کر جنگ کرے لیکن اس نے زمین کی سطح پر کنکریٹ کا ایک دندانہ دار خط تعمیر کر لیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو اس وقت تک روکا جاسکے۔ جب تک محفوظ فوج نقطۂ یورش پر نہ پہنچ جائے۔

فرانس پر یورش

فلانڈرس کی خوفناک جنگ ختم ہوئی تو جرمن فوجیں جنوبی جانب مڑ کر فرانس کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے آزاد ہو گئیں۔ فرانس کے ارباب بست وکشاد کو علم تھا کہ جرمنوں کی برق رفتار جنگ روکنے کے لیے زبردست تدبیریں اختیار کرنی پڑیں گی۔

18 مئی 1940ء کو فرانس کے وزیراعظم پال ریناڈ نے وزارت میں ردو بدل کیا۔ وزارتِ دفاع خود سنبھال لی۔ مارشل ہینری پیتاں کو نائب وزیراعظم بنادیا۔ وہ وردون کے معرکے میں ناموری حاصل کر چکا تھا۔ 19 مئی کو جنرل گامیلاں سپہ سالار اعظم کے عہدے سے ہٹادیا گیا۔ اس کی جگہ جنرل ویگاں کو سپہ سالار اعظم بنادیا گیا۔ اس کی عمر بہتر سال تھی۔

ڈنکرک میں جنگ جاری ہی تھی، جب ویگاں نے حکم دے دیا کہ دریائے سومے اور دریائے ایسنے کے جنوب میں ابیی دل سے مونٹ میدی تک ایک خط دفاع بنالیا جائے۔اس کے لیے سرگرمی سے تیاریاں شروع ہوگئیں تاکہ نازیوں کی یورش کا سیل روکا جاسکے۔فوج کے سینتیس ڈویژن اس نئے خط پر بٹھادیے گئے، جو جلدی میں بنادیا گیا تھا اور اس کا نام خط ویگاں رکھا گیا تھا لیکن یہ تمام انتظامات وقت گزر جانے کے بعد کیے گئے۔

3 جون 1940ء کو پیرس پر پہلا ہوائی حملہ ہوا۔دوروز بعد ہٹلر نے ایک سوڈویژن الگ کر دیے جنھوں نے چار مقامات سے نہایت خوفناک حملہ کیا۔

جرمن طیارے فضا پر چھائے ہوئے تھے اور ان کی مخالفت کرنے والے بہت کم تھے۔ انھوں نے فرانسیسی فوجوں پر ہلاکت برسائی۔جرمن ٹینک سوسو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑی تعداد میں ملک کے اندر پھر نکلے۔فرانسیسی فوج بکھر گئی اور جو چیز سامنے آئی تباہ کردی گئی۔6 جون کو فرانسیسیوں نے بتایا کہ دشمن نے دوہزار ٹینکوں کے ساتھ حملہ کیا ہے اور یہ حملہ سمندر سے شمین دادیمز تک جاری ہے۔

بہت جلد ''یورپ کی بہترین فوج'' بروبگاں کا نظم وضبط ٹوٹ گیا۔جرمن ٹینکوں نے پہلے دفاعی مورچے درہم برہم کرڈالے ویگاں نے کوشش کی کہ خطِ مدافعت کے عقب میں خفیہ کمین گاہیں بنا کر انھیں تباہ کرڈالے لیکن وہ کچھ نہ کرسکا اور اس لیے ناکام رہا کہ فرانسیسی فوج شکست کھا چکی تھی۔نیز دوسرے فرانسیسی کمانداروں نے دفاع کے وہی طریقے دور دور تک استعمال نہیں کیے تھے۔

جرمن پیش قدمی کی رفتار نے کسی جوابی حملے کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔وہ انتہا کی تیزی سے آگے بڑھے اور خط ویگاں میں جو عارضی انتظامات کیے گئے تھے، وہ بیووائی اور ریمز کے اوپر اوپر توڑ ڈالے۔فرانسیسی فوج یکایک پیچھے کی طرف بھاگی اور جرمنوں کی ضربوں سے لڑکھڑاتی ہوئی جنوب کی طرف چلی گئی۔پورا فرانس ہراس، خوف، ہسٹریا اور ابتری کا شکار ہوگیا۔

سڑکوں پر افراتفری پھیل گئی تھی۔سیل کی طرح آگے بڑھنے والے جرمنوں کا مقصد یہ تھا کہ پسپا ہوتی ہوئی فوج کا سلسلہ نظم درہم برہم کرڈالیں اور اس کے لیے کسی جنگی کارروائی کی

گنجائش نہ چھوڑیں۔ چنانچہ انھوں نے دانستہ غیر مصافی آبادی کو جگہ جگہ سے اٹھا کر پناہ گزیں بنادیا۔ لاکھوں باشندے بے چارگی کی حالت میں بچاؤ کے لیے پیرس سے نکل پڑے۔ بوردو تک جو جنوب میں ہے، چار سو میل کا فاصلہ تھا۔ اس طرف سے تمام سڑکیں پناہ گزینوں سے اس طرح اَٹ گئی تھیں کہ نقل و حرکت ممکن نہیں رہی تھی۔ پناہ گزینوں کے پاس ہر قسم کی سواریاں تھیں۔ ان سب میں آدمی بھرے ہوئے تھے ماتم بپا تھے حالات پر لعنت بھیجی جا رہی تھی۔ ہٹلر کے نوجوانوں کے لیے یہ ہنگامہ آرائی کا دن تھا۔ جرمن پائلٹ تیز رفتار طیارے لے کر نکلے اور درختوں کی بلندی تک نیچے اتر آئے۔ پناہ گزینوں پر بم پھینکتے، گولیاں برساتے، موٹریں، گاڑیاں، چھکڑے، بائیسکل سب پر تباہی آتی۔ انسان اور گھوڑے بھی آگ اور شعلوں کی نذر ہوتے۔ پیرس کے جنوب میں سڑکوں کے کنارے کنارے ہزاروں لاشیں نہایت خوفناک حالت میں بچھی ہوئی تھیں۔

ایک عینی شاہد ور جینیا کاؤلس نے لکھا:

”یقین کرنا مشکل تھا کہ یہ لوگ پیرس کے شہری تھے، جن کے آباؤ اجداد اپنی آزادی کے لیے شیروں کی طرح لڑے تھے اور انھوں نے آلات و اسلحہ کے بغیر بیسٹیل پر حملہ کر دیا تھا۔“

11 جون 1940ء کو فرانسیسی فوجیں دریائے مارنے سے گزر کر پیچھے ہٹ رہی تھیں۔ حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ پیرس کا دفاع خودکشی کے مترادف ہوگا۔ خوف پیدا ہوا کہ اگر شہر میں مقابلہ کیا گیا تو اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو وارسا اور ایمسٹرڈم کا ہوا لہٰذا وہ پیرس چھوڑ کر تورز چلی گئی۔

گیدڑ میدان جنگ میں

10 جون 1940ء کو فرانسیسیوں تک یہ خبر پہنچی کہ مسولینی نے ان کی پشت میں خنجر گھونپ دیا۔ جرمن فوجیں پیرس سے پینتیس میل رہ گئی تھیں، جب چار لاکھ اطالویوں نے رویرا میں سے فرانس پر حملہ بول دیا۔ نازیوں کی پے در پے فتوحات نے مسولینی کو جنگجوئی کی طرف زیادہ مائل کر دیا تھا۔ وہ جرمن فوجوں کی فتوحات پر بڑا خوش تھا لیکن ساتھ ہی اسے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا اٹلی عظمت و وقار کی اس دوڑ میں پیچھے رہ جائے۔

اطالوی ڈکٹیٹر دغابازی میں مشاق تھا۔ ستمبر 1939ء میں اس نے برطانوی سفیر مقیم رومہ

تک کسی نہ کسی طرح یہ بات پہنچادی تھی کہ رومہ اور برلن کے درمیان محوری رشتہ قائم ہو جانے کے باوجود اٹلی جنگ میں شامل نہ ہوگا۔ اسی یقین کی بنا پر لندن نے حوصلہ پاکر ہٹلر کے مقابلے کی ٹھانی تھی۔ اب 1940ء میں فرانس بظاہر ختم ہو چکا تھا اور جرمنی یورپ جنگ میں کامیابی حاصل کر چکا تھا۔ عین اس حالت میں مسولینی نے فاشسٹ لشکروں کو جنگ کا حکم دے دیا تاکہ فتح کے بعد مالِ غنیمت میں حصہ دار بن جائیں۔ 18 مارچ 1940ء کو ہٹلر اور مسولینی کے درمیان درہ بریز میں ملاقات ہوئی جس میں باہم مشورہ ہوا اور ایک دوسرے کی مدح وستائش کی گئی۔ اسی ملاقات میں راستہ بھی ہموار کرلیا گیا تھا۔ اس وقت سے اطالوی اخباروں اور ریڈیو نے جنگ چھیڑنے کے لیے حالات سازگار بنانے شروع کیے۔ اطالویوں میں اس جنگ کے لیے کوئی جوش وخروش نہ تھا مگر مسولینی جنگ کا ارادہ کر چکا تھا۔

10 جون 1940ء کو ساڑھے چار بجے بعد سہ پہر اٹلی کے وزیر خارجہ کاؤنٹ گیلیازو چیانو نے فرانسیسی سفیر کو دفتر میں بلایا اور حکومت کی طرف سے یہ پیغام دے دیا: اعلیٰحضرت شہنشاہ اعلان کرتے ہیں کہ کل یعنی 11 جون سے اٹلی اور فرانس کے درمیان حالتِ جنگ پیدا ہو جائے گی۔ پون گھنٹہ بعد یہی پیغام برطانوی سفیر کے حوالے کر دیا گیا۔ اطالوی فوجیں نقل وحرکت شروع کر چکی تھیں۔

اسی روز پانچ بجے کے قریب بہت بڑا ہجوم مسولینی کی تقریر سننے کے لیے پیازا ویزیا (روسہ) کے سامنے جمع ہوگیا۔ شور مچ رہا تھا۔ مسولینی نے اطالویوں کی تمام شکایات پیش کرتے ہوئے لوگوں سے التجا کی کہ وہ فتح کے لیے لڑیں۔ بلقانی ملکوں اور بجیرۂ روم کی قوموں کو انتباہ کر دیا گیا کہ اگر غیر جانبداری کی خلاف ورزی کی گئی تو نتائج بڑے خوفناک ہوں گے۔ مسولینی نے کہا:

> "خشکی، ندی اور فضا میں لڑنے والو! انقلاب کے سیاہ پوشو! اٹلی، سلطنت اور البانیہ کے مردو اور عورتو! سنو، تقدیر نے ہمارے لیے جو ساعت مقرر کردی تھیں، وہ سر پر آ پہنچی۔ قطعی فیصلے کا وقت آگیا۔ جنگ کا اعلان برطانیہ اور فرانس کے سفیروں کو دیا جا چکا ہے۔

ہم دولت مند اور قدامت پسند جمہوریتوں کے خلاف میدانِ جنگ میں اتر رہے ہیں، جنھوں نے ہماری پیش قدمی میں ہمیشہ رکاوٹیں پیدا کیں اور اطالوی قوم کی بقاء کے خلاف اکثر سازشیں کرتی رہیں۔ زمانہ قدیم کے چند عشروں کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے، خوش آئند الفاظ، خوشگوار وعدے، دغا بازی کی دھمکیاں اور سب سے آخر میں وہ شرمناک نظام، جسے باون قوموں کی جمعیت اقوام کہا جاتا ہے۔ ہمارا ضمیر بالکل پاک ہے۔ تمہارے ساتھ پوری دنیا اس حقیقت کی شاہد ہے کہ فاشزم کی اٹلی نے اس طوفان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، جس نے آج یورپ کو لپیٹ میں لے لیا ہے لیکن ہماری کوششیں بے نتیجہ رہیں......"

مسولینی نے بتا دیا کہ اٹلی ہتھیار اٹھا رہا ہے۔ اس نے بری سرحدوں کے مسائل طے کر لیے، اب بحری سرحدوں کا معاملہ طے کرنا منظور ہے۔ ان تمام علاقائی اور جنگی زنجیروں کو توڑ ڈالو جو اٹلی کو اس کے سمندر میں پابند کیے ہوئے ہیں۔ ساڑھے چار کروڑ نفوس کا ملک اس وقت تک آزاد نہیں سمجھا جا سکتا، جب تک اسے بڑے سمندروں میں رسائی حاصل نہ ہو۔

مسولینی نے کہا کہ فاشسٹ انقلاب سے جو نشو و ارتقاء ظہور میں آیا، یورپی جنگ اس کا صرف ایک پہلو ہے۔ یہ غریبوں اور بے شمار مزدوروں کی جنگ ہے اور یہ اُن فرسودہ اور دولت مند سامراجیوں کے خلاف لڑی جا رہی ہے، جو ساری ارضی ثروت کو اپنا اجارہ سمجھے بیٹھے ہیں اور مضبوطی کے ساتھ ان سے چمٹے ہوئے ہیں۔ یہ بار آور مفید قوموں اور زوال پذیر قوموں کے درمیان جنگ ہے۔ دو دوروں اور دو فکروں کے درمیان جنگ ہے۔ پھر مسولینی نے سامعین کو یاد دلایا کہ ہم اپنے محوری رفیق کے وفادار ہیں:

"اطالویو! میں نے برلن کے ایک یادگاری مجمع عام میں کہا تھا کہ فاشسٹ اخلاقی ضوابط کے مطابق ہر شخص کو اپنے دوست اور رفیق کا ساتھ آخری وقت تک دینا چاہیے۔ ہم اسی پر کاربند رہے اور ہم جرمنی اس کے باشندوں اور اس کے فاتح فوجوں کی رفاقت جاری رکھیں گے۔"

اتحادی دنیا سے اس پر نفرت، تضحیک اور غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا۔ چرچل نے اٹلی کے

فعل کو صرف ایک لفظ کہہ کر حقارت سے ٹھکرا دیا، یعنی ''بزدل''۔ صدر روز ویلٹ نے ورجینیا یونیورسٹی کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''جس ہاتھ نے خنجر اٹھا رکھا تھا، اس نے آج جون 1940ء کی دسویں تاریخ کو وہ خنجر اپنے ہمسائے کی پشت میں گھونپ دیا۔''

اٹلی کے شامل جنگ ہونے کے بعد اتحادیوں کے خلاف دس لاکھ آدمیوں کی فوج سات لاکھ ٹن سے بڑا بیڑا اور چار ہزار طیارے صف آراء ہو گئے۔ فرانس پر اس سے کوئی خاص اثر نہ پڑا، کیوں کہ ہٹلر فتح حاصل کر چکا تھا۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہو سکتا تھا کہ جنگ ناگزیر طور پر ممالک بلقان، بحیرۂ روم، سویز اور شمالی افریقہ تک پھیل جائے۔ مسولینی کے لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا غلط اندازہ سلطنت کی تباہی کا موجب بن گیا۔

6

فرانس کی شکست

(2)

برطانیہ اور فرانس کے درمیان وحدت کی پیشکش

12 جون 1940ء کو چرچل ہوائی جہاز میں تورز پہنچا۔ یہ ایک آخری کوشش تھی کہ فرانسیسی کابینہ کو وعدے کے احترام پر آمادہ کیا جائے۔ جداگانہ صلح سے روکا جائے اور شمالی افریقہ میں جنگ جاری رکھنے کے لیے کہا جائے۔ ریناؤ نے اس سے اتفاق کیا لیکن اس وقت تک ریناؤ کے رفیقوں کو یقین ہو چکا تھا کہ صورت حال حد درجہ یاس افزا ہے۔ جنرل ویگاں کی ذہنیت شکست خوردہ تھی۔ اس نے پیش گوئی کر دی کہ انگلستان کی گردن بھی ایک چوزے کی طرح مروڑ لی جائے گی۔

16 جون 1940ء کو واضح ہو گیا کہ فرانسیسی محاذ معرض شکست میں ہے۔ جرمن فوجیں شیمپین میں سے گزرتی ہوئی آگے بڑھیں اور اعلان ہو گیا کہ انھوں نے خط ماجینو توڑ ڈالا ہے اور فرانسیسی فوجوں کو دریائے لوائر کے پار دھکیلا جا رہا ہے۔ گویا صورت حال تیزی سے بگڑ رہی تھی۔ اسی روز چرچل نے یہ تجویز پیش کی کہ فرانس اور برطانیہ متحد ہو کر ایک یونین بنا لیں۔ یہ تجویز بڑی حیرت انگیز تھی خصوصاً اس لیے کہ برطانیہ ہمیشہ براعظم سے بے تعلقی کی طرف مائل رہا۔ گویا چرچل کے نزدیک سقوط فرانس نہایت نازک اور اہم واقعہ تھا۔

مجوزہ یونین کے اعلان کا مطلب یہ تھا کہ دفاع امور خارجہ، مالیات اور اقتصادیات کے لیے دستور میں مشترک دفعات رکھی جائیں۔ ہر فرانسیسی شہری کو فوراً برطانوی شہریت اور ہر برطانوی شہری کو فرانسیسی شہریت کے حقوق حاصل ہو جائیں۔ دونوں ملک جنگ کی تباہ کاریوں کو درست کرنے کی ذمہ داری میں شریک رہیں اور دونوں کے وسائل یکساں اس مقصد کے لیے صرف ہوں۔

اس عمدہ تجویز کی تہ میں سیاسی مقصد بھی تھا۔ امید کی جا رہی تھی کہ اس تجویز کے ذریعے سے وزیراعظم ریناؤ کی حیثیت مستحکم ہو جائے گی اور فرانسیسی کابینہ کا اجلاس 16 جون کو شام کے پانچ بجے ہو رہا تھا۔ اگرچہ فرانسیسی فوج کی حالت بڑی ابتر تھی لیکن ریناؤ کی وزارت کے ارکان نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اس پیشکش میں برطانیہ کا خفیہ مقصد کیا ہے۔ ریناؤ کے رفیقوں نے پوچھا، اسے کیا فائدہ پہنچے گا؟ فرانس ہٹلر کی جنگی مشین کے دباؤ سے لڑکھڑا رہا ہے۔ اس کے بعد انگلستان کی باری ہے۔ ہر طرف سے حواگی کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ پیتاں اور لاوال ہی نہیں، ریناؤ کے گہرے دوستوں کا حلقہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔ چنانچہ برطانیہ کی پیشکش ٹھکرا دی گئی اور اس غیر معمولی تجویز کا نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ چند گھنٹے بعد ریناؤ نے استعفیٰ دے دیا۔ مارشل پیتاں اس کا جانشین بنا۔ اس نے فی الفور فرانس کو فاشزم کے راستے پر ڈال دیا یعنی ہٹلر پھر ایک مرتبہ کامیاب ہوا۔

17 جون 1940ء کو جرمنوں نے اعلان کر دیا کہ اورلیانز اور میٹز قبضے میں آ چکے ہیں اور جرمن فرانس کی طرف سوئٹزرلینڈ کی حد پر پہنچ چکے ہیں۔ اسی روز بوڑھے پیتاں نے ریڈیو پر لوگوں کو بتایا کہ میں نے سیاسی نظم و ضبط سنبھال لیا ہے جو دشمن تعداد اور ساز و سامان میں بہت بڑھا ہوا ہے، اس کے خلاف رزم و پیکار بے کار ہے۔ میں بڑے رنج و غم سے کہتا ہوں کہ ہمیں جنگ ختم کر دینی چاہیے۔ میں نے مدمقابل سے درخواست کی ہے کہ آیا وہ ہمارے ساتھ جنگ ختم کرنے کے لیے ایسا معاہدہ کر سکتا ہے جو سپاہیوں کے درمیان جنگ کے بعد ہوتا ہے اور جس میں ایک دوسرے کی عزت بحال رکھی جاتی ہے۔

بوڑھا مارشل بھول گیا کہ جنگ کے متعلق قدیم اخلاقی ضوابط اور رسمیات ختم ہو چکی تھیں۔ بیسویں صدی میں مردانگی کم رہ گئی تھی خونریزی اور حسابیات میں اضافہ ہو چکا تھا۔ یہ کتنی

عبث خواہش تھی کہ ہٹلر اس طرح پیتاں کے پاس بیٹھنے کے لیے تیار ہوگا، جیسے سپاہی سپاہی کے پاس بیٹھتا ہے۔ پیتاں متارکے کی شرطیں طلب کرنے سے پیشتر ہی حوالگی پر عمل کر چکا تھا۔ اس روز جرمن فوجیں فرانس کے ایک چوتھائی حصے پر قابض ہو چکی تھیں۔ برلن کے بازاروں میں شادیانے بج رہے تھے۔ بے مثال فیوہرر نے پھر ایک شاندار کارنامہ کر دکھایا۔ دس مہینے میں نازی سٹیم رولر سات ملک کچل چکا تھا اور ان میں ''ناقابلِ شکست'' فرانس بھی شامل تھا۔

جرمنی کے وزیر نشر و اشاعت گوئبلز نے فاتح جرمن فوجوں کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا:

''صرف ایک اور لڑائی تمہیں فتح کرنی ہے پھر صلح کے گھنٹے بجنے لگیں گے۔ ساتھ ہی بتایا کہ اتحادیوں سے لندن میں صلح نامہ لکھوایا جائے گا۔''

انتقام کا شاہکار

کمپیگنے سے چار میل اور پیرس سے پینتالیس میل شمال میں جنگل کے اندر تھوڑا سا حصہ سرسری طور پر صاف کر لیا گیا تھا۔ اس مقام پر 11 نومبر 1918ء کو پانچ بجے صبح مارشل فوش نے اپنے ریلوے ڈبے میں جرمنوں کو حوالگی کی شرطیں لکھوائی تھیں اور پہلی عالمی جنگ ختم ہوئی تھی۔ فرانسیسیوں نے یہ تاریخی ڈبا بڑے اہتمام سے محفوظ رکھا اور اس کے اردگرد ایک عمارت تعمیر کر دی جس کے اختتام پر الساس ولورین کے متعلق ایک یادگار بنا دی گئی تھی۔ اس یادگار میں اتحادیوں کی نمائندگی ایک بڑی تلوار کر رہی تھی، جو جرمن سلطنت کے لنگڑے عقاب کا جسم چھید رہی تھی، اس پر یہ عبارت درج تھی:

''فرانس کے بہادر سپاہیوں، ہمارے ملک اور حق کے محافظوں، الساس ولورین کے شاندار نجات دہندوں کی یادگار میں۔''

بوس گاڈن کے فرانس دشمن یعنی ہٹلر کے لیے یہ جنگجویانہ الفاظ ناقابلِ برداشت تھے۔ جب فرانس نے شکست کھائی تو فیوہرر بادۂ انتقام کے نشے سے چور ہو کر رقص کرنے لگا۔ اب اس نے ڈرامائی انتقام گیری کے ساتھ فرانسیسیوں کی حوالگی کے لیے سٹیج آراستہ کیا۔ پہلی عالمی جنگ کے کارپورل (دفعدار) نے فیصلہ کیا کہ وہ فرانسیسیوں سے کمپیگنے کی اسی جگہ خاک پر ناک رگڑوائے گا جہاں 1918ء میں جرمنی کی تذلیل ہوئی تھی۔ اس طرح وہ یعنی ہٹلر اعظم ایک

تاریخی توہین کی تلافی کرائے گا۔

21 جون 1940ء کو سوا تین بجے بعد سہ پہر ہٹلر الساس ولورین کی یادگار کے سامنے موٹر سے اترا۔ اس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ بائیں جانب بالائی جیب کے نیچے فولادی صلیب آویزاں تھی۔ اس کے پیچھے فیلڈ مارشل گوئرنگ تمغے لگائے کھڑا تھا اور فیلڈ مارشل کا مرضع عصا اس کے ہاتھ میں تھا۔ جرمن آہستہ آہستہ اس صاف جگہ میں پھر پھر کر کتبے پڑھتے رہے۔

جس ڈبے میں متارکے پر دستخط ہوئے تھے، وہ تقریباً پچھتر گز کے فاصلے پر لے جا کر عجائب خانے کے پاس کھڑا کر دیا گیا تھا لیکن جرمن انجینئروں نے اسے دوبارہ اصل مقام پر لا ٹھہرایا تھا۔ جرمن اس ڈبے میں داخل ہوئے۔ ہٹلر اسی جگہ بیٹھا، جہاں 1918ء میں مارشل فوش بیٹھا تھا۔ چند منٹ بعد فرانسیسی وفد اس مقام پر پہنچا تھا۔ اعزازی دستہ کھڑا رہا لیکن اس نے پیشکش کی رسم ادا نہ کی۔ جرمن اور فرانسیسی افسروں میں رسمی سلام کا مبادلہ ہوا، مگر مصافحہ نہ کیا گیا۔ فرانسیسی ڈبے میں داخل ہو گئے۔ ہٹلر اور اس کے ساتھی ان کے داخل ہوتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اس سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ فرانسیسیوں نے 1918ء میں اتنی شائستگی اور تواضع میں بھی بخل سے کام لیا تھا۔ ہٹلر نے نازیوں کے انداز میں سلام کیا۔ جرمن اور فرانسیسی افسروں کے درمیان فوجی سلام کا مبادلہ ہوا۔ ہٹلر کے اشارے پر جنرل کائٹیل نے شرائط متارکہ کا تمہیدی حصہ پڑھا، جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> ''امریکا کے صدر ولسن نے جرمن رائش کو یقین دلایا۔ اتحادی طاقتوں نے اس کی توثیق کی۔ اس پر بھروسا کرتے ہوئے جرمن فوجوں نے نومبر 1918ء میں ہتھیار ڈالے تھے۔ یوں وہ جنگ ختم ہوئی، جس کی خواہاں نہ جرمن قوم تھی اور نہ جرمن حکومت تھی۔ اس جنگ میں دشمن بے اندازہ برتری کے باوجود جرمن فوج، جرمن بحریات اور جرمن ہوائی قوت کو کسی بھی اعتبار سے کامیابی کے ساتھ مسخر نہ کر سکا لیکن جب متارکے کے لیے جرمن وفد پہنچا تو باقاعدہ عہد کی خلاف ورزی شروع ہو گئی۔ 11 نومبر 1918ء کو اسی ڈبے میں جرمن قوم کی تکلیفیں اور اذیتیں شروع ہوئیں کیا کہا جا سکتا ہے کہ کیسی کیسی بے عزتیوں، توہینوں، انسانی اور مادی

تکلیفوں نے اسی مقام پر جنم لیا تھا۔ وعدہ شکنی اور بدعہدی نے اس قوم کے خلاف سازش کی جو چار سال سے زیادہ عرصہ تک بہادرانہ طریق پر مزاحمت کرتی رہی مگر اس میں صرف ایک کمزوری تھی اور وہ یہ کہ جمہوریت پرور مدبروں کے وعدوں پر اس نے اعتبار کر لیا۔"

پہلی عالمی جنگ سے پچیس سال بعد 3 ستمبر 1939ء کو انگلستان اور فرانس نے پھر جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا حالاں کہ اس کے لیے کوئی بنیاد موجود نہ تھی۔ اب اسلحہ کے بل پر فیصلہ ہو چکا ہے۔ فرانس مسخر ہو گیا۔ حکومتِ فرانس نے حکومتِ جرمنی سے درخواست کی کہ متارکے کے لیے جرمن شرطیں بتا دی جائیں۔

کمپیگنے کا تاریخی جنگل وہ شرطیں وصول کرنے کے لیے تجویز ہوا۔ اب عمل انصاف سے وہ تلخ یاد ہمیشہ کے لیے مٹائی جاتی ہے، جو فرانس کی تاریخ کا کوئی شاندار باب نہ تھی لیکن اس کی وجہ سے جرمن قوم ہمیشہ انتہائی توہین وتذلیل محسوس کرتی رہی۔ بہادرانہ مزاحمت کے بعد فرانس نے شکست کھائی اور مختلف خونریز جنگوں نے اس کی کمر توڑ ڈالی۔ جرمنی کا ارادہ ہرگز یہ نہیں کہ متارکے کی ایسی شرطیں پیش کرے یا ایسی گفت وشنید کا آغاز ہو، جو بہادر دشمن کے لیے باعث ننگ ہو۔

"جرمن مطالبات کا مدعا یہ ہے:

1- فرانس کو دوبارہ جنگ شروع کرنے سے روکا جا سکے۔

2- جرمنی کو وہ تمام ضمانتیں دے دی جائیں جو برطانیہ کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لیے ضروری ہوں۔

3- نئی صلح کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا جن میں بنیادی حیثیت ان نقصانوں کی تلافی کو حاصل ہو جو بزور جرمنی کو پہنچائے گئے۔"

شگفتہ جبیں ہٹلر کے لیے یہ کافی تھا۔ وہ باقی تفصیلات پر بحث میں اپنا قیمتی وقت صرف نہیں کر سکتا تھا۔ فرانسیسی نمائندے اس کے سامنے بت بنے بیٹھے تھے۔ ہٹلر نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ یکا یک اٹھا۔ نازی طریق سلام کے مطابق بازو اٹھایا اور اپنے رفیقوں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ ایک فوجی بینڈ نے قومی جرمن ترانے گائے۔ اس کے بعد فرانسیسی وفد بھی اٹھ کر پاس کے

ایک خیمے میں چلا گیا تا کہ ٹیلیفون کے ذریعے سے اپنی حکومت کے ساتھ بات چیت کرے جو بوردو میں بیٹھی تھی۔

پوری کارروائی میں کل ستائیس منٹ صرف ہوئے۔ پھر ستائیس گھنٹے تک شرائط متارکہ کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ ہٹلر کی شرطیں بڑی سخت تھیں مثلاً تمام جرمن قیدی فوراً چھوڑ دیے جائیں۔ فرانسیسی غیر مسلح کر دیے جائیں اور فوجیں رخصت کر دی جائیں۔ تمام فرانسیسی جنگی جہاز بندرگاہوں میں رہیں اور محوریوں کے نظم وضبط میں دے دیے جائیں۔ نصف سے زیادہ فرانس جرمن فوجوں کے قبضے میں رہے گا اور اس میں اوقیانوس کا ساحلی علاقہ بھی ہسپانیہ کی سرحد تک شامل ہوگا۔ فوجی تصرف کا پورا خرچ فرانس ادا کرے گا۔ غیر متصرف فرانسیسی علاقے کا انتظام ایسی حکومت کے ہاتھ میں رہے گا جو جرمنی کی دوست ہوگی۔

22 جون 1940ء کو متارکے پر دونوں فریقوں نے باقاعدہ دستخط کر دیے۔ فرانسیسیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ہٹلر نے حکم دے دیا کہ ریلوے کا تاریخی ڈبہ برلن پہنچا دیا جائے۔ یوں فرانس پر تاریخ کی نہایت ذلت خیز شکست عائد کی گئی۔ دور حاضر کی کوئی بڑی طاقت ایسی تیزی سے اتنی پستی میں نہ گری، جس طرح فرانس اس جنگ میں اپنی نااہلی کے باعث ہٹلر کے سامنے گر گیا۔ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

فیوہرر عظمت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ اس کی فوجیں فاتحانہ تاریخ کے سب سے بڑے محاذ کے ساتھ ساتھ کھڑی تھیں۔ نازیوں کا بے پناہ سیل یورپ بھر میں پھر نکلا تھا۔ پولینڈ چھبیس دن میں فتح ہوا، ناروے اٹھائیس دن میں، ڈنمارک چوبیس گھنٹے میں، ہالینڈ پانچ دن میں، بلجیم اٹھارہ دن میں، فرانس پینتیس دن میں۔ نیا یورپ عین اسی نمونے پر لایا جا رہا تھا جس کی کیفیت ہٹلر نے ''میری جدوجہد'' میں پیش کی تھی۔

7

برطانیہ تنہا میدان میں

برطانیہ کے لیے جنگ

جنرل ویگاں نے جسے فرانس کی جنگ قرار دیا تھا، وہ ختم ہوگئی۔نازیوں نے فتح پائی۔برطانیہ کے لیے جنگ شروع ہونے والی تھی۔

سقوط فرانس کے بعد برطانیہ کو سب سے بڑھ کر تشویش اس امر کی تھی کہ فرانسیسی بیڑے کا کیا انتظام ہو۔متارکے کی شرطوں کے مطابق طے ہو چکا تھا کہ بیڑا بندرگاہوں میں بند رہے گا۔ہٹلر نے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ اس سے کام نہ لے گا لیکن ہٹلر کے وعدے کا کیا اعتبار ہوسکتا تھا۔مزید برآں فرانس کے بڑے بڑے بحری افسر انگریزوں کے سخت مخالف تھے اور وہ فیوہرر کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوسکتے تھے۔اس صورت میں ممکن تھا کہ جرمنی، اٹلی اور فرانس کے بیڑے متحد ہوکر برطانیہ کی بحری قوت کو اپاہج بنادیتے اور برطانیہ جنگ میں ہار جاتا۔

تاہم فرانس کے بیڑے کا بڑا حصہ فرانسیسی شمالی افریقہ کی بندرگاہ وہران (الجزائر) میں تھا۔3 جولائی کو تین عظیم ترین برطانوی جنگی جہاز سر جیمز سمرول نائب امیرالبحر کی سرکردگی میں وہران پہنچ گئے۔سمرول نے فرانسیسی بیڑے کے کماندار مارشل جنسول کو الٹی میٹم دے دیا، جس میں ایک سے زیادہ راستے بتادیے گئے مثلاً:

1- جرمنوں کے خلاف برطانیہ سے مل جائیے۔

2- کسی برطانوی بندرگاہ میں چلے جائیے۔ وہاں ملاحوں اور کارکنوں کو فرانس بھیج دیا جائے گا اور جنگ کے بعد جہاز فرانس کو لوٹا دیے جائیں گے یا ان کا معاوضہ دے دیا جائے گا۔

3- فرانسیسی غرب الہند میں پہنچ جائیے، جہاں جہازوں کو بند کر دیا جائے گا یا جنگ کے اختتام تک جمہوریہ امریکا کو سونپ دیا جائے گا۔

ساتھ ہی کہہ دیا گیا کہ اگر چھ گھنٹے کے اندر اندر ان تین راستوں میں سے کوئی ایک اختیار نہ کیا گیا تو اسے اعلانِ جنگ سمجھا جائے گا اور فرانسیسی بیڑے کو غرق کر دیا جائے گا تا کہ وہ جرمنوں یا اطالویوں کے ہاتھ نہ پڑ سکے۔

جنسول نے جنگ کا فیصلہ کیا۔ برطانوی جہازوں نے بادل نخواستہ آتشبازی شروع کی۔ تین فرانسیسی جنگی جہاز ایک بحری طیارہ بردار جہاز اور دو تباہ کن جہاز ڈوب گئے یا اپاہج رہ گئے۔ ایک جنگی جہاز سٹراسبورگ کو سخت نقصان پہنچا۔ متعدد چھوٹے چھوٹے جہاز بچ نکلے اور فرانس کی بندرگاہ ٹولون پہنچ گئے۔ ایک اور بڑا فرانسیسی جہاز ڈکر میں ٹھہرا ہوا تھا، اسے بھی اچانک حملہ کر کے بند کر دیا گیا۔ ان خبروں کے بعد فرانسیسی وزارت بحریات کو تھوڑی دیر کے لیے اطمینان کا موقع مل گیا۔

جرمنی سے ہٹلر کی آواز بلند ہوئی:

> ''میں مفتوح فریق نہیں جو کسی سے رعایات کا طلب گار ہوں۔ میں فاتح ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر عقل سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ میں برطانیہ کو کامل تباہی سے پیشتر حواسگی کا آخری موقع دیتا ہوں۔ جرمن عساکر کو کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ میں اس بات پر آمادہ ہوں کہ گفت و شنید کے ذریعے سے معقول صلح کا انتظام کر لیا جائے، بلکہ فیوہرر رحم و شفقت کی بنا پر فیاضی کی طرف بھی راغب تھا۔ وہ صرف اتنا چاہتا تھا کہ اس کی فتوحات تسلیم کر لی جائیں۔ جرمنی کی نو آبادیاں واپس دے دی جائیں۔ یورپ میں اس کی ثالثی تسلیم کر لی جائے اور ونسٹن چرچل کو وزارت سے الگ کر دیا جائے۔ انگریزوں کے لیے بہتری اسی

میں ہے کہ یہ نصیحت مان لیں اور کیا میں نے اپنی کتاب ''میری جدوجہد'' میں انگریزوں کی جنگی خصوصیتوں کو خراجِ تحسین ادا نہیں کیا اور کیا یہ سب سے بڑا خراج نہیں؟ نیز کیا اینگلوسیکسن اسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، جس سے ان کے جرمن بھائیوں کا تعلق ہے؟''

برطانوی مؤرخ ڈھیلر بینٹ نے خوب کہا کہ برطانیہ کے متعلق نفرت ومحبت کے ملغوبے کی یہ نہایت نمایاں مثال تھی جس میں ہر دور کے بہت سے جرمن شریک رہے۔

انگریزوں کے لیے شاید منطق اور عقل سلیم کا فیصلہ یہی تھا کہ ہٹلر کی پیشکش مان لیتے اور اس تباہی خیز مخمصے سے اپنے آپ کو نکال لیتے۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ ان کے اتحادی یکے بعد دیگرے نازی قوت کے چنگل میں پھنستے گئے۔ ان کی فوجیں ناروے اور براعظم یورپ سے باہر پھینکی جا چکی تھیں۔ ڈنکرک ان کی شاندار پسپائی کا نشان تھا۔ برطانوی فوجیں سارا بھاری سامان جنگ وہیں چھوڑ آئی تھیں۔ اس پسپائی کے بعد انگلستان میں صرف ایک سوٹینک باقی رہ گئے تھے۔ جنگ جاری رکھنے کے لیے کوئی قابل ذکر تیاری نہ تھی، تاہم وہ 1940ء میں تنہا ہٹلر سے برسرِ جنگ رہے جو یورپ کو فتح کر چکا تھا۔ اسی طرح 1807ء میں نپولین کا اقتدار سارے یورپ پر چھا گیا تھا۔ بایں ہمہ انگریز اس وقت بھی تنہا نپولین سے برسرِ جنگ رہے۔

انگریز نے فیوہرر کی اس پیشکش کو حقارت آمیز خاموشی سے ٹھکرا دیا لیکن چرچل کی سنہری زبان خاموش نہیں رہ سکتی تھی جو انگریز قوم کے ساتھ ہٹلر اور اس کے عظیم الشان مقاصد کی تکمیل میں تنہا حائل رہ گیا تھا۔ چرچل نے متوازن الفاظ میں جواب دیا:

''اس جنگ پر مسیحی تہذیب کی بقاء موقوف ہے۔ اسی پر برطانیہ کی زندگی، نیز ہماری سلطنت اور اس کے اداروں کے طویل سلسلے کا انحصار ہے۔ دشمن کی پوری قوت اور تیزی وتندی بہت جلد ہماری طرف متوجہ ہو جائے گی۔ ہٹلر جانتا ہے کہ یا تو وہ اس جزیرے میں ہمیں برباد کر کے رکھ دے گا یا جنگ ہار جائے گا۔ اگر ہم اس کا مقابلہ کر سکے تو پورا یورپ آزاد ہو جائے گا اور دنیا کی زندگی وسیع بلندیوں پر، جو سورج کی روشنی سے منور ہیں بڑھی چلی جائے گی۔ اگر ہم ہار گئے تو پوری دنیا...... جس میں جمہوریۂ امریکا بھی شامل ہو گی اور وہ سب کچھ شامل ہو گا جس سے ہم

متعارف ہیں اور جو ہمارے نزدیک معزز و محترم ہے...... ایک نئے تاریک دور کے غار میں ڈوب جائے گی اور یہ غار مکروہ سائنس کی روشنی سے زیادہ خوفناک بن گیا ہے اور اس کی تاریکی زیادہ گھنی ہوگی، لہٰذا اٹھو، ادائے فرض کے لیے کمر ہمت باندھ لو اور عمل کا ایسا نمونہ دکھاؤ کہ اگر سلطنت برطانیہ اور دولت مشترکہ مزید ایک ہزار سال زندہ رہیں گی تو لوگ ہمیشہ کہیں گے کہ یہ ان کی زندگی کی بہترین ساعت تھی۔"

تمام انگریز امیروں سے ماہی گیروں تک، بیگمات سے خادماؤں تک، زمین کے آخری گوشے سے شٹلینڈ تک اس مقصد کے لیے متحد ہو گئے۔

سقوطِ فرانس کے بعد ہٹلر چھ ہفتے سستا تا رہا۔ اس اثنا میں اس نے رود بار کو عبور کرنے کے لیے کوئی تیاری نہ کی۔ غالباً فتح وظفر نے اسے معطل کر دیا تھا۔ ان چھ ہفتوں میں انگریزوں نے اس چھوٹے سے جزیرے کو ایک زبردست حصار کی شکل دینے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ ملک کے ہر فرد نے اپنے آپ کو اور اپنے ہر شلنگ کو حکومت کے سپرد کر دیا۔ جن جن لوگوں پر خفیف سا بھی شبہ ہو سکتا تھا انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح پانچویں کالم کے لیے کوئی گنجایش باقی نہ چھوڑی گئی۔ شہری دفاع کے علاوہ آتشبازی کا مقابلہ کرنے کے لیے جیش منظم ہو گئے۔ یہ فیصلہ بھی کر لیا گیا کہ جہاں کہیں نقصان پہنچے، جلد سے جلد اس کی تلافی کر لی جائے۔ پانی، بدر روؤں، بجلی، گیس اور ٹیلیفون کی حفاظت کے لیے کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا گیا۔ تمام شہریوں سے کہہ دیا گیا کہ وہ آتش ریز بم گرنے پر آگ کے مقابلے کے لیے چوکس رہیں۔ بوڑھوں کو ایسے دستوں میں منظم کر لیا گیا جن کا کام صرف حراست اور پہرہ داری تھا۔ یہ دستے بھی دس لاکھ تک پہنچ گئے۔ کارخانے رات دن کام کرنے لگے تاکہ ہوائی جہاز، توپیں اور گولے تیار ہوتے رہیں۔ ساتھ ہی امریکا سے ساز و سامان جنگ کے وہ بیش بہا ذخیرے پہنچنے لگے جو پہلی عالمی جنگ کے وقت سے محفوظ چلے آتے تھے مثلاً سپرنگ فیلڈ رائفلیں، براؤننگ کلدار توپیں، بڑی بڑی آتشباز توپیں۔ ان سے اس وقت تک کام لیا گیا، جب تک برطانیہ کا سامان تیار ہو جائے۔

انگریزوں کا یہ خیال بالکل درست تھا کہ دفاع کا بار سب سے بڑھ کر برطانیہ کی فضائی قوت پر پڑے گا۔ برطانیہ کے پاس اول درجے کے جنگی جہاز صرف پونے پندرہ سو تھے۔ ان کے

مقابلے میں ہٹلر نے دو ہزار چھ سو ستر جنگی جہاز برطانیہ کے لیے الگ کر دیے تھے۔ برطانوی، انجینئروں اور ماہرین طبیعیات نے ریڈار ایجاد کر لیا تھا۔ یہ ایک معجزہ نما آلہ تھا جو ٹھیک بتا دیتا تھا کہ کدھر سے ہوائی حملہ ہو رہا ہے، اس لیے ہوائی حملوں کے مقابلے میں بہت کارگر تھا۔ ساتھ ہی انھوں نے ایسی چیزیں ایجاد کر لیں جن کے ذریعے سے ممالک زیریں اور فرانس کی ریڈیائی لہریں منجمد کر دی جاتیں۔ انھیں ریڈیائی لہروں کے ذریعے سے جرمنی کے بلند پرواز جنگی جہاز انگلستان پہنچتے تھے۔

غرض کوئی بھی پہلو بے حفاظت اور بے انتظام نہ چھوڑا گیا۔ خندقیں کھودی گئیں۔ جہاں جہاں ہوائی جہاز اتر سکتے تھے۔ کنکریٹ کے ستون کھڑے کر دیے گئے۔ مقام ہدف پر فولادی تاروں کے ذریعے سے غباروں کا جال پھیلا دیا گیا۔ جو جہاز ذرا نیچے اُڑتا ہوا آتا، وہ ان میں پھنس جاتا۔ چھاتہ فوج کے مقابلے کے لیے جگہ جگہ چوکیاں بنا دی گئیں۔ سڑکوں پر سے وہ تمام نشان محو کر دیے گئے جن سے مختلف مقامات کی سمت معلوم ہو سکتی تھی۔ جن لوگوں کے پاس موٹریں تھیں، انھیں ہدایت کر دی گئی کہ رات کو موٹریں بند کرتے وقت انھیں اس قابل بنا دیں کہ کوئی استعمال نہ کر سکے۔ سب سے بڑا حربہ انگریزوں کا عزم تھا کہ وہ آخری وقت تک جنگ جاری رکھیں گے۔

6 اگست 1940ء کو فیلڈ مارشل گوئرنگ نے ہال سے انگلستان پر پہلے بڑے ہوائی حملے کے لیے احکام جاری کیے۔ چند روز بعد جرمن ہوائی قوت کا جوش و خروش جنوبی انگلستان کے شہروں، ہوائی جہاز کے کارخانوں اور جنگی ہوائی جہازوں کے مرکزوں کے خلاف دکھایا گیا۔ ایک ہزار جہازوں کا بڑا بیڑا ایک ایک سو یا زیادہ جہازوں کی تعداد میں قطار در قطار انگلستان پر پے در پے ضربیں لگاتا۔

برطانیہ کے نوجوان جنگجوؤں نے ہنرمندی اور مردانگی کے غیر معمولی کارنامے انجام دیے۔ ان میں چند کوڑی پولستانی، چیک، فرانسیسی اور بلجیمی بھی شامل تھے۔ یہ نہایت تیز رفتار سپٹ فائر اور ہری کین جہازوں میں ہٹلر کے ہلاکت بار طیاروں کا مقابلہ کرتے۔ یہ جنگ بڑی شاندار تھی۔ لڑائیاں ایسی شدید ہوتیں جن کا یقین نہیں آ سکتا۔ ہوائی جہاز آگ اگلتے، مڑتے، اوپر

اٹھتے، نیچے آتے اور دماغ پریشان کرنے والے شور سے فضا معمور رہتی، کلدار توپوں کی آتشباری ان کے علاوہ تھی۔ طیارہ شکن گولوں اور دھوئیں کے بادلوں سے آسمان پر تاریکی چھا جاتی۔ حملہ آوروں کے ہجوم غباروں پر یورش کرتے۔ بعض آگے نکل جاتے اور اپنا ہلاکت بار بوجھ نیچے مختلف نشانوں پر پھینک جاتے۔ جرمن جہاز بار بار آتے۔ بعض دھوئیں میں تباہ ہو جاتے، بعض رودبار میں گر جاتے۔

پہلے روز کم از کم ترپین نازی ہواباز جلتی ہوئی آگ میں ختم ہو گئے۔ یہ تعداد آئندہ دو ہفتے میں روزانہ بڑھتی رہی۔ اگست کے ایک ہفتے میں جرمنی کے دو سو چھپن جہاز اور برطانیہ کے ایک سو تیس جہاز تباہ ہوئے۔ گویا ہٹلر برطانوی ہوابازوں کو فضا سے باہر نکال دینے کی پہلی کوشش میں ناکام ہو گیا۔ برطانیہ پر حملے کی طرف یہ پہلے اقدام کی ناکامی تھی۔ چرچل نے اپنے مٹھی بھر ہوابازوں کو شاندار خراج تحسین ادا کیا۔ ان میں سے اکثر بیس سال سے کم عمر کے تھے۔

جرمنی میں از سر نو جنگ کے لیے مشورے شروع ہو گئے۔ ہٹلر براہ راست حملے میں ناکام رہا تو اس نے وہ حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا جو جرمنوں کا عام حربہ تھا اور کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ فیصلہ یہ کیا کہ جو دشمن مقابلے پر مصر ہے، اسے دہشت زدہ بنانے کے لیے لندن کو اسی طرح تباہ کر دیا جائے جس طرح وارسا اور راٹرڈم کو تباہ کیا جا چکا تھا۔ برطانوی دارالحکومت پر پہلے بھی حملے کیے جا چکے تھے۔ جرمن ہوابازوں کو یقین تھا کہ وہ لندن کو روئے زمین سے محو کر ڈالیں گے۔

فیوہرر نے موت کا حکم صادر کر دیا۔ پہلا بڑا ہوائی حملہ 7 ستمبر 1940ء کو ہوا جس میں بڑے بڑے طیارے شامل تھے۔

گوئرنگ کا اخبار اعلان کرتا رہا کہ لندن غیر معمولی تیز رفتاری سے اپنے انجام پر پہنچ رہا ہے۔ جرمنی کی سرکاری خبر رساں ایجنسی نے جرمنی کی کمان اعلیٰ کا یہ بیان شائع کیا:

"اگرچہ مطلع ابر آلود تھا لیکن جرمن ہوائی فوج نے کل انتقامی حملے جاری رکھے۔ گزشتہ شب وسطی اور جنوبی انگلستان میں فوجی نشانوں پر بم برسائے۔ لندن پر خاص توجہ کی گئی۔ برطانوی دارالحکومت میں گودیوں اور بندرگاہ کی سہولتوں پر سخت ضربیں لگیں۔ ہمارے جنگی جہاز لندن پر جنگ میں کامیاب

رہے۔"

لندن پر ضربیں یقیناً بڑی سخت تھیں لیکن اس کی مزاحمت پر کوئی اثر نہ پڑا۔انگریزوں نے ہر حملے کا مقابلہ کیا۔ہوائی حملوں کے موقع پر بچاؤ کا انتظام کرنے والے دستوں نے بڑی ہوشیاری اور سرگرمی سے کام کیا۔برطانوی ہوائی جہازوں نے حملہ آوروں کو سخت نقصان پہنچایا۔بیرونی ملکوں کے نامہ نگار ایک آہنگ ہو کر تیز ہوائی حملوں میں برطانیہ کے عزم کی ستائش کر رہے تھے۔مولی پینٹر ڈاؤنز نے اپنے ہفت روزہ اخبار میں لندن کا ایک خط چھاپا، جو 8 ستمبر 1940ء کا لکھا ہوا تھا۔اس میں حالات کا صحیح نقشہ پیش کیا گیا تھا:

"عام لوگوں کی پرسکون روش حیرت انگیز ہے۔مفصلات کے باشندے کل تک وسط لندن کے لوگوں سے بدر جہا زیادہ بمباری کا ہدف بنے تھے لیکن وہ صبح کو ریل میں بیٹھ کر ہمسفروں سے بموں کے گڑھوں کا ذکر اس طرح کر رہے تھے جس طرح گرما کی کسی پرسکون صبح کو اپنے گلاب اور مشروب کا ذکر کرتے ہیں...... عام لوگوں کا حوصلہ، خوش مزاجی اور مہربانی بدستور حیرت انگیز ہے حالاں کہ حالات ایسے ہیں جنھیں کابوس کے مشابہ قرار دینا چاہیے۔"

اہلِ برطانیہ کو اپنے بچوں کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ان میں سے اکثر لوگوں کو یہ تشویش تھی کہ شہر اور آس پاس کے علاقوں میں جو پرندے رہتے ہیں بمباری سے ان پر ضرب لگے گی۔لندن کے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ چڑیا گھر میں مونکی ہل پر براہ راست بم گرا لیکن بندروں کے حوصلے پر کوئی اثر نہ پڑا۔غذائی جنسیں کم رہ گئی تھیں مگر انگریزوں نے اپنے پالتو جانوروں کو مناسب غذائیں دینے میں خاص کوششیں کیں۔حقیقت یہ ہے کہ ہٹلر کو اس قوم کی حقیقی حیثیت کا کوئی علم نہ تھا، جسے وہ گھٹنوں کے بل جھکا دینے کے لیے کوشاں تھا۔

جرمنوں نے ایک نیا حربہ ایجاد کیا یعنی ایک بم جو کچھ دیر بعد پھٹتا تھا۔انگریزوں نے اس کا نام یو ایکس بی رکھ دیا یعنی وہ بم جو پھٹا نہ ہو۔اس کا سرا زمین میں دھنس جاتا اور یہ کچھ دیر کے بعد پھٹتا جو لوگ شہری دفاع کے کام پر معمور تھے، ان کے پاس کوئی ایسا موثر حربہ موجود نہ تھا جس سے وہ اندازہ کر سکتے کہ زمین میں دھنسا ہوا بم یو ایکس بی ہے یا عام بم ہے جو پھٹا نہیں۔انجینئروں میں سے جن افسروں اور آدمیوں کو اس کام پر لگا دیا گیا تھا کہ یو ایکس بی کو بے ضرر بنا دیں، انھوں

نے غیر معمولی ہمت وحوصلہ سے کام لیا کیوں کہ یہ شیطانی مشینیں کسی بھی لمحے ان لوگوں کے ٹکڑے اڑا سکتی تھیں۔

ہٹلر پر بھاری نقصانوں کے باعث تذبذب طاری ہوگیا۔ اکتوبر 1940ء میں اس نے دن کی بجائے رات کو بمباری شروع کرادی یہ اس حقیقت کا واضح اعتراف تھا کہ وہ ہوائی حملوں میں ناکام رہا۔ اب اس نے فیصلہ کرلیا کہ انگریزوں کو سونے نہ دے گا اور ان کا عزم مقابلہ توڑ کر رکھ دے گا۔ ساتھ ہی اس کے نقصانوں میں تخفیف ہوجائے گی۔ چنانچہ اس کے بعد جرمن طیارے تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے آتے۔ اب انھوں نے لندن کی بجائے وسط انگلستان کے صنعتی شہروں مثلاً برمنگھم اور مانچسٹر پر بمباری شروع کردی۔ اواخر اکتوبر تک نازیوں کے ہوائی حملے خود بخود کم ہوتے گئے۔ گویا برطانیہ کے لیے جنگ کا پہلا دور ختم ہوگیا۔

تاہم جنگ ختم نہیں ہوئی تھی اور ہوائی حملوں کا سلسلہ جون 1941ء تک جاری رہا۔ پھر ہوائی قوت کا بڑا حصہ روسی محاذ کی طرف منتقل ہوگیا۔ 14 اور 15 نومبر کی درمیانی رات کو جرمن بمبار شام سے صبح تک مصروف کار رہے۔ انھوں نے کروینٹری کے قلب کو تباہ کیا جو وسط انگلستان میں برطانیہ کا ایک شہر ہے اور اس کی فضا پر دھواں چھایا رہتا ہے۔ آگ لگانے والے اور دوسرے پھٹنے والے بموں نے پوری عمارتیں اُڑادیں۔ چودھویں صدی کا بنا ہوا مشہور گرجا ملبے اور اینٹ پتھر کا ڈھیر رہ گیا۔ صرف ایک مینار بچا جو تین سو تین فٹ اونچا تھا۔ ایک ہزار سے زیادہ افراد مقتول و مجروح ہوئے۔ جو لوگ پتھروں میں دب گئے یا جلتی ہوئی لکڑی میں ختم ہوگئے ان کا شمار نہیں ہوسکا۔ یہ بڑی ہولناک رات تھی۔ اسی طرح 29 اور 30 دسمبر کی درمیانی شب کو لندن پر ایک خوفناک حملہ ہوا۔ اس میں بھی آگ لگانے والے بم بیدردی سے پھینکے گئے۔ شہر کے ڈیڑھ ہزار مختلف مقامات پر آگ بھڑک اُٹھی۔ بعض تاریخی مقامات بھی اس کی لپیٹ میں آگئے مثلاً گلڈ ہال اور کرسٹوفر دین کے بنائے ہوئے آٹھ گرجے۔

1941ء کے موسم بہار میں جرمن طیاروں نے زیادہ تر بندرگاہوں پر حملے شروع کیے مثلاً ہل، پلمتھ، برسٹل مگر لورپول، مانچسٹر اور برمنگھم بھی خالی نہ رہے۔ پلمتھ پر پے در پے آٹھ حملے ہوئے اور یہ کوونٹری سے بھی زیادہ تباہ ہوگیا۔ مدافعین جرمنوں کو ہر ممکن چال سے حیران کرتے

رہے مثلاً خاص نشانوں سے جا بجا آگ لگا دیتے۔

پہلے تین مہینوں کے حملوں میں لندن کے اندر بارہ ہزار چھ سو چھیانوے جانیں تلف ہوئیں۔ جرمنوں نے دوران جنگ میں لندن پر بارہ ہزار دو سو بائیس ٹن کے بم گرائے۔ انتیس ہزار آٹھ سو نوے آدمی مارے گئے۔ ایک لاکھ بیس ہزار زخمی ہوئے۔ مادی نقصان بہت زیادہ تھا لیکن وہ برطانیہ کی صنعتی پیداوار نہ روک سکے اور سمندر پار سے جہازوں کے سامان لانے کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہا۔ پیداوار کے نقصان کی تلافی امریکا اور کینیڈا سے ہوائی جہاز، گولہ بارود، اسلحہ اور رسد کے ذریعے سے کی جاتی رہی۔

برطانیہ کے لیے جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کا...... باعتبار عدد جرمن فضائی فوج کی برتری کے باوجود...... ایک بڑا سبب یہ تھا کہ برمنگھم یونیورسٹی کے انگریز ماہرین طبیعیات نے گونجنے والے مقناطیسی پاروں سے ایک زبردست چیز پیدا کرلی، جسے ریڈار کے سازوسامان میں قلب کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جیمز بیکسٹر صدر ولیم کالج نے آگے چل کر اس ایجاد کے اہم کردار پر روشنی ڈالی۔ ریڈار کی امداد سے نہ محض برطانیہ کی جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی بلکہ اوقیانوس کی جنگ میں فتح پانا، نارمنڈی کے ساحل پر فوجیں اتارنا اور جرمن نشانوں پر ٹھیک ٹھیک بم پھینک کر انھیں تباہ کرنا ریڈار ہی کی بدولت ممکن ہوا۔ جرمن فضائی فوج کو حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کے باعث سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

ہٹلر اس جنگ میں ناکام رہا کیوں کہ وہ بار بار ہدف بدلتا رہا اور ہر موقع پر اس نے یہ بنیادی غلطی کی کہ وہ جا بجا متفرق مقامات پر بم پھینکنے کے لیے زیادہ سے زیادہ قوت استعمال کرتا رہا لیکن ایک وقت میں کسی ایک ہدف پر پوری قوت مرتکز نہ کی اور اس پر یہ پریشان کن حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اس کے طیارے برطانوی ہوائی جہازوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نیز برطانیہ کا عزم توڑا نہیں جا سکتا اور شدید سے شدید ضربوں نے اسے نرم کرنے کی بجائے زیادہ سخت کر دیا۔

برطانیہ نے کسی بھی موقع پر کمزوری نہ دکھائی۔ دسمبر 1940ء میں پارلیمنٹ کے سامنے صلح پر غور کی ایک قرارداد پیش ہوئی تھی، لیکن چار ووٹوں کے مقابلے میں تین سو اکتالیس ووٹوں سے یہ رد کر دی گئی۔ بہر حال فیوہرر کو آخر ایک ایسی قوم سے پالا پڑ گیا جو نہ تو اس کی مجنونانہ خطابت سے

مرعوب ہوئی اور نہ بے پناہ بمباری سے بلکہ وہ برابر لڑنے مرنے کے لیے تیار رہی۔

بحری حملہ

22 جون 1940ء کو فرانس نے متارکے پر دستخط کیے۔اس کے فوراً بعد جرمنوں نے ابتدائی سرگرمی سے ایک منصوبے کے لیے تیاری شروع کر دی جو تاریخ کا نیا باب بننے والا تھا یعنی نارمنوں کی فتح (1066) کے بعد پہلی مرتبہ برطانیہ پر بحری حملہ فلپ دوم شاہ ہسپانیہ نے اپنے ناقابل شکست بیڑے کے ساتھ 1588ء میں ایک کوشش کی تھی۔نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ایک سو اٹھائیس جہازوں میں سے ترپسٹھ ڈوب گئے۔نپولین بونا پارٹ مدت تک ڈوور کی چٹانوں پر حریصانہ نگاہیں ڈالتا رہا پھر یہ خیال ہوا کہ سمندر میں دوران سر اور امتلا کا شکار ہو جاؤں گا۔اس نے ٹریفالگر کی بحری شکست کے اعادے کا خطرہ مول نہ لیا لیکن برخس گارڈن کے آقا (ہٹلر) اور اس کے نجومیوں کو یقین تھا کہ اب کے نتیجہ بالکل مختلف ہوگا۔انھوں نے کہا کہ کوئی بھی چیز......سب سے بڑے جرمن اور تاریخِ رزم و پیکار کے نادر روزگار ماہر کا راستہ روک نہیں سکتی۔اس ضدی قوم کو آبدوزوں کی ناکہ بندی، بندرگاہوں، شہروں اور صنعتی مرکزوں پر تباہ کن بمباری سے ختم کر دیا جائے گا۔اس وقت انھیں پتہ چلے گا کہ نازیوں کی قوت بازو ان کے چھوٹے سے بیش قیمت جزیرے پر کیا کیا نیرنگیاں دکھاتی ہے۔اس حملے کا مرموز نام "بحری مشیر کا اقدام" رکھا گیا۔

تیاریاں ایسی تھیں جو ساری دنیا کو نظر آرہی تھیں، یعنی فرانس، بلجیم اور ہالینڈ کے سواحل پر ہر قسم کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں جمع کر لی گئیں۔کنارے پر کارکنوں کا ہجوم چوبیس گھنٹے مصروف عمل رہتا تھا۔جرمن فوجیں بڑی سرگرمی سے مشق میں لگی ہوئی تھیں۔

انگریز بھی ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھے ہوئے تھے اور جرمنوں کو یہ اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ جب چاہیں کاری ضرب لگا دیں۔برطانوی طیارے روزانہ دشمن کی بندرگاہوں پر بم برساتے۔

ایڈولف ہٹلر نے 16 جولائی 1940ء کو مسلح فوجوں کے کماندار اعلیٰ کے نام جو ایک ہدایت نامہ بھیجا جس کا نمبر 16 تھا، اس میں لکھا تھا:

''چوں کہ انگلستان حد درجہ یاس خیز فوجی حالت کے باوجود اب تک صلح پر آمادہ نہیں ہوا، لہٰذا میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ انگلستان پر حملے کی تیاری شروع کردی جائے اور اگر ضرورت پڑے تو حملہ کیا جائے۔ یہ اقدام اس وجہ سے ضروری ہوگیا ہے کہ برطانیہ کو ایک ایسے مرکز کی حیثیت میں ختم کردیا جائے، جہاں سے جرمنی کے خلاف جنگ کی جاسکتی ہے اور اگر ضروری سمجھا جائے تو برطانیہ پر قبضہ کرلیا جائے۔ لہٰذا میں مندرجہ ذیل احکام صادر کرتا ہوں......''

ہٹلر کے ہدایت نامے میں یہ بھی واضح کردیا گیا تھا کہ پورے اقدام کی تیاریاں وسط اگست سے پیشتر مکمل ہوجانی چاہئیں۔

10 اگست 1940ء کو ہٹلر نے برطانیہ پر حملے کی تاریخ ستمبر کے اواخر تک ملتوی کردی۔ 4 ستمبر کو ایک تقریر میں کہا کہ اگر اہل انگلستان متحیر ہوکر پوچھ رہے ہیں کہ ہٹلر کیوں نہیں آتا تو میں آپ کو مطمئن کردینا چاہتا ہوں کہ وہ آرہا ہے۔ 15 ستمبر کا دن گوئرنگ اور جرمن فضائی فوج کے لیے تاریک دن تھا۔ برطانوی ہوائی فوج نے چھبیس نازی طیارے مار گرائے۔ اب واضح ہوگیا کہ برطانیہ کو زیر کرنے کے لیے جو منصوبے تیار کیے گئے تھے ان میں کوئی نہ کوئی بنیادی خرابی تھی۔ دو روز بعد ہٹلر نے پھر بحری حملے کی تاریخ میں التوا کردیا۔ 21 اکتوبر 1940ء کو یہ حملہ اواخر سال تک کے لیے ملتوی ہوگیا۔ پھر 1941ء کے موسم بہار کا وقت مقرر رہا۔ یہ فیصلہ حد درجہ اہم تھا اور جنگ کا نتیجہ اسی پر موقوف تھا۔ جو کچھ پیش آیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ برطانیہ نے پہلی بازی جیت لی تھی اور یہی جیت فیصلہ کن ثابت ہوئی۔

22 جون 1941ء کو ہٹلر نے سوویت روس پر حملہ کردیا۔ ''بحری شیر'' کا اقدام بالکل بھلا دیا گیا کیوں کہ فیوہرر کی آرزو تھی اقدام بار بروسا کو روس کے خلاف کامیابی کی منزل پر پہنچائے۔ فیوہرر کو مزید کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن آخری شکست کا ذمہ دار بھی وہی تھا۔

8

بحری جنگیں

(1)

بحری قوت کی حقیقت ٹھیک ٹھیک ذہن نشین کر لی جائے تو یہ عجیب و غریب چیز معلوم ہوگی۔

(چرچل، ان کی بہترین ساعت)

سمندر کے متعلق جو کچھ بھی ہے، وہ حد درجہ گہرا اور قطعی ہے۔

(ہیلئر بیلاک)

ایتھینیا کی غرقابی

1939ء کے اواخر گرما میں نازی پولینڈ کی سرحد کے جھگڑے میں الجھے ہوئے تھے۔ انگلستان اور یورپ سے ہزاروں مسافر امریکا اور کینیڈا جانے کے لیے جہازوں میں نشستوں کے طلب گار تھے۔ اس سفر کے لیے جو جہاز استعمال کیے گئے، ان میں سے ایک ایتھینیا بھی تھا۔ اس جہاز نے پہلے گلاسگو سے، پھر بلفاسٹ سے اور آخر میں لور پول سے مسافر لیے اور 2 ستمبر 1939ء کو یہ کوبیک اور مونٹ (کینیڈا) روانہ ہو گیا...... گیارہ سو دو مرد، عورتیں اور بچے اس میں سوار تھے جن میں اکثریت کینیڈا اور امریکا کے شہریوں کی تھی۔ جہاز کے کارکن تین سو پندرہ تھے۔ جہاز چھوٹا

تھا اور مسافر کسی قدر مضطرب تھے لیکن کسی کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ جرمن ایک غیر مسلح مسافر جہاز پر حملے کی حماقت کے مرتکب ہوں گے، مگر یہ ان کی غلطی تھی۔ دوسرے روز شام کو...... اتوار، جس روز برطانیہ شامل جنگ ہوا...... ایتھینیا کو اوقیانوس کی تہ میں پہنچا دیا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ جلد سے جلد بچاؤ کے لیے تگ ودو شروع ہو گئی۔ خود ایتھینیا میں بھی بچاؤ کی کشتیاں موجود تھیں اور کشتیاں بھی موقع پر بھی پہنچ گئیں اور مسافروں کو گلاسگو، بیلفاسٹ اور ہیلی فیکس لے گئیں۔ ایک ہزار چار سو سترہ سواریوں میں سے ایک سو بارہ جانیں تلف ہوئیں۔ ان میں سے انہتر عورتیں تھیں اور سولہ بچے۔

آبدوز کے کماندار نے بعد میں کہا کہ میں نے غلطی سے تجارتی جہاز سمجھ لیا، کیوں کہ وہ جہازوں کے عام راستے سے الگ ہو کر پیچ وخم کھاتا ہوا جا رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا یہ دعویٰ صحیح تھا یا نہیں یا اس نے جنگ کے جوش میں اس فعل کا ارتکاب کیا۔ اغلب امکان یہ ہے کہ لیمپ نے جھوٹ بولا۔ اگر واقعی اس نے ایتھینیا کو ایک تجارتی جہاز پر کروزر سمجھا تھا تو وہ محفوظ مقام پر پہنچتے ہی اپنے وطن اطلاع پہنچا دیتا لیکن اس نے اپنا ریڈیو بند رکھا۔ 3 ستمبر 1939ء کو وہ مرکز میں پہنچا تو امیر البحر ڈوئینٹز (جو جرمن آبدوزوں کے محکمے کا رئیس تھا) کو زبانی اطلاع دی کہ میں نے ایتھینیا جہاز ڈبو دیا۔

نازی حکومت اس قسم کی غلطیوں کے اعتراف کی عادی نہ تھی اور اس واقعے پر اظہار افسوس کا اسے کوئی خیال نہ آیا۔ ڈوئینٹز سے کہہ دیا گیا کہ وہ ہر ذمہ داری سے انکار کر دے اور معاملہ مخفی رکھے۔ اس نے لیمپ کو حکم دے دیا کہ آبدوز نمبر 30 کے روزنامچۂ جنگ سے ایتھینیا کے ڈبوئے جانے کا واقعہ حذف کر دے اور جس صفحے پر حملے کی کیفیت درج ہے اس کی جگہ دوسرا صفحہ لگا لے۔ مقصد یہ تھا کہ جب آبدوزوں میں کام کرنے والوں کی تربیت کے لیے جنگی روزنامچوں کی آٹھ آٹھ نقلیں تیار کی جائیں گی، ان میں ایتھینیا کی غرقابی کا واقعہ شامل نہ ہو سکے۔ خود لیمپ چند سال بعد ایک جوابی حملے میں مارا گیا، لہٰذا جنگ کے بعد ایتھینیا کی غرقابی کے متعلق اسکے ذریعے سے حقائق کی توثیق نہ ہو سکی۔

ناکہ بندی اور جوابی ناکہ بندی

معاہدۂ ورسائی کا مدعا یہ تھا کہ جرمنی کو مزید علاقے لینے کی کوششوں سے روک دیا جائے۔ معاہدے میں بحری پابندیوں کے متعلق سخت شرطیں شامل کردی گئی تھیں۔ ان کے رو سے جرمنی صرف چھ جنگی جہاز، چھ ہلکے کروزر اور بارہ تارپیڈو کشتیاں رکھ سکتا تھا۔ اسے کوئی آبدوز رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ کوئی نیا جنگی جہاز نہیں بنا سکتا تھا۔ صرف یہ اجازت تھی کہ کسی پرانے جہاز کی جگہ نیا جہاز رکھ لے۔ اس کے لیے بحری کارکنوں کی تعداد پندرہ ہزار مقرر کردی گئی تھی اور ان میں سے پندرہ سو افسر تھے۔

جنگ کے بعد جمہوریۂ ویمر کے عہد میں جرمنوں نے تین چھوٹے جنگی جہاز تعمیر کرلیے۔ "ڈیوش لینڈ"، "ایڈمرل شیئر" اور "ایڈمرل گریف سپی"۔ اس پر دنیا کے بحری ماہرین متحیر رہ گئے۔ یہ تعمیر کا ایک معجزہ نما نمونہ تھے۔ ان کی جسامت کروزوں کے برابر تھی لیکن سازوسامان جنگی جہازوں کا سا تھا۔ ان جہازوں کا وزن زیادہ نہ تھا کیوں کہ مختلف ٹکڑوں کو میخوں سے جوڑنے کے بجائے انھیں پگھلا کو جوڑ دیا گیا تھا۔ اسلحہ ہلکے وزن کے رکھے گئے۔ نئی قسم کی توپیں تیار کرلی گئیں جن کی مار بڑی توپوں کے برابر تھی مگر وزن بہت کم تھا۔

18 جون 1935ء کو ہٹلر نے برطانیہ کے ساتھ بحری معاہدے پر دستخط کیے۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ جرمنی کی بحری قوت برطانیہ کی بحری قوت کا پینتیس فی صد ہوگی۔ جرمنوں کو پینتالیس فی صد تک آبدوزیں بنانے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ 1938ء کے بعد انھیں آبدوزوں میں وزن کے اعتبار سے برطانیہ کے ساتھ مساوات کا حق مل گیا۔ ہٹلر نے جنگ کے بعد تین آبدوزیں بنائیں۔ پھر حکم دے دیا کہ سمندر کہ تہ میں چلنے والی جتنی کشتیاں بنائی جاسکیں، بنالی جائیں۔

برطانیہ کے عوام پہلی عالمی جنگ میں جرمن آبدوزوں کے خطرے کو فراموش کرچکے تھے لیکن وزارتِ بحریات نے یہ خطرہ فراموش نہیں کیا تھا۔ دورانِ جنگ میں برطانیہ کی بقا کا انحصار باہر سے غذائی جنسیں، خام مال اور سامانِ جنگ کی درآمد پر تھا۔ ہزاروں میل سمندری راستے محفوظ رکھنے لازم تھے۔ پھر برطانیہ کے پہلو میں ایک نیا نازک مسئلہ رونما ہوگیا تھا۔ آئرلینڈ پہلی عالمی

جنگ میں معاون رہا تھا۔ اب یقین تھا کہ نئی آزاد آئرستانی مملکت انگلستان کو آئرستانی بندرگاہوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دے گی۔

چرچل کو بحری جنگ کے اسرار ورموز سے ایک حد تک آگاہی تھی۔ اس نے آگاہ کر دیا کہ سمندروں پر برطانیہ کی قوت زیادہ سے زیادہ مستحکم رہنی چاہیے۔ 16 مارچ 1939ء کو دارالعلوم میں تقریر کرتے ہوئے اس نے انتہائی خطرے کا اظہار کیا کہ پندرہ انچ کی توپوں والے پانچ جنگی جہاز اڑا دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ایک 1942ء میں، دوسرا 1943ء میں اور باقی 1944ء میں۔ چرچل نے کہا:

''میں کہا کرتا تھا کہ جب یکہ مارا جائے تو بادشاہ بہترین پتا رہ جاتا تھا۔ پرانے جہاز بھی اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں...... اگر آئندہ چند سال میں نئی جنگ پیش آئی تو ہم یقیناً سروسامان کے جہازوں کے لیے حفاظتی نظام اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ جن پانچ جہازوں کو آپ ختم کر رہے ہیں یہی سمندر میں ہمارے سب سے بڑے حفاظتی جہاز ہوں گے...... سمجھ میں نہیں آتا کہ ان بڑے جہازوں کو قتل گاہ کی گودیوں میں بھیجنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟...... کل لارڈ چیٹفیلڈ کی زبان سے یہ محکم اصول سن کر میں بہت خوش ہوا کہ ہمارے جہازوں کا فرض یہ ہے دشمن کے بیڑے کی تلاش کریں اور اسے تباہ کر ڈالیں۔''

برطانیہ کے بیڑے کا وزن جرمنی سے نو گنا تھا، یعنی دو لاکھ پینتیس ہزار ٹن کے مقابلے میں تقریباً بیس لاکھ ٹن۔

ہٹلر کو علم تھا کہ برطانیہ اور فرانس کی مجموعی بحری قوت سے قطع نظر اگر تنہا برطانیہ کی قوت کو سطح بحر پر دعوت مقابلہ دے دی گئی تو یہ امر خودکشی کے مترادف ہوگا۔ فریقین جانتے تھے کہ 1914ء کی تدبیروں سے دوبارہ کام لینا پڑے گا یعنی دشمن کی ناکہ بندی بھی کرنی ہوگی اور خود کو بھی ایسی ہی مصیبت سے سابقہ پڑے گا۔ ہر فریق کی کوشش یہ ہوگی کہ دوسرے کا گلا گھونٹے، بھوکوں مارے اور جنگ سے باہر نکال دے۔ گویا یہ لڑائی بھی پہلے کی طرح رسد کی لڑائی ہوگی۔ جنگ کے ابتدائی مہینوں میں 1914ء کے بحری طور طریقوں کا اعادہ ہوا۔ چند ہی روز میں برطانوی بیڑے نے

جرمنی کے تمام تجارتی جہازوں کو یا تو جرمنی کی بندرگاہوں میں پہنچا دیا یا وہ غیر جانبدار ملکوں کی بندرگاہوں میں پہنچ گئے، جہاں وہ دورانِ جنگ کے لیے نظر بند کر دیے گئے۔ وزارتِ بحریات برطانیہ نے تمام برطانوی تجارتی جہاز اپنی تحویل میں لے لیے۔ جلد ہی دونوں متحارب فریقوں نے ان اشیاء کی ایک طویل فہرست تیار کر لی، جسے قبضے میں لیا جا سکتا تھا اور جیسا کہ توقع تھی، برطانیہ دشمن کو ایسے سامان سے محروم کرنے میں بہت کامیاب ہوا۔

27 نومبر 1939ء کو برطانیہ نے ناکہ بندی میں توسیع کر لی اور جرمنی کے بنے ہوئے سامان کی درآمد غیر جانبدار ملکوں میں روک دی۔ جو برطانوی قونصل مختلف بندرگاہوں میں موجود تھے، وہ ناقابل اعتراض سامان کے لیے جہازوں کی سرٹیفکیٹ دینے لگے اور غیر جانبدار ملکوں کی بندرگاہوں میں اس سامان کا نظم وضبط برطانیہ نے سنبھال لیا۔

چرچل ناروے کے علاقائی پانیوں کے آزادانہ استعمال کا حق دینے کو جرمنی کی موثر ناکہ بندی کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس نے کہا:

> ''یہ قانونی اعتبار سے محفوظ راستہ جرمنی کے لیے حددرجہ نفع کا باعث ہے۔ اس طرح وہ ناکہ بندی کی ان تمام کوششوں کو ناکام بنا سکتا ہے جو ہماری طرف سے کی جا رہی ہیں۔''

سطح بحر اور زیر بحر کی ناکہ بندی کے علاوہ بحری سرنگوں کے ذریعے سے بھی ناکہ بندی جاری تھی۔ پہلی عالمی جنگ کی طرح برطانیہ نے سکاٹ لینڈ سے ناروے تک بحری سرنگیں بچھا دیں، نیز رود بار انگلستان میں۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن کے جنگی اور تجارتی جہاز بند رہیں۔ جرمنوں نے اس کے جواب میں مقناطیسی سرنگیں جابجا بکھیر دیں۔ وہ جوں ہی لوہے کی کسی بھاری چیز کے قرب میں آتیں تو پھٹ جاتیں۔ اس سے جہازوں کے لیے سخت خطرہ تھا اور یہ سرنگیں برطانوی بندرگاہوں کے باہر بکھری ہوئی تھیں۔ متعدد جہاز ان سرنگوں کے باعث سمندر کی تہ میں پہنچ گئے۔ پھر برطانوی ماہرین نے ایک ایسا آلہ ایجاد کر لیا، جس نے مقناطیسی سرنگوں کو بالکل بے کار بنا دیا۔

جرمنوں کو پہلی عالمی جنگ کی تدریجی، مگر تباہ کن ناکہ بندی بخوبی یاد تھی۔ ان کے لیے صرف ایک راستہ باقی رہ گیا تھا یعنی آبدوزیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں تیار کی جائیں جو ناکہ بندی کا

حصار توڑ کر رکھ دیں۔

آبدوزوں کی مہم

جرمنی کے امیر البحر رائیڈر کو ان دلائل کی قطعاً خواہش نہ تھی جو پہلی عالمی جنگ میں کار فرمایانِ جرمنی کو پریشان کرتے رہے تھے۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ آبدوزوں کی لامحدود جنگ فوراً شروع کر دی جائے تاکہ برطانیہ کا رشتۂ حیات کٹ جائے۔ جرمن بیڑا برطانوی بیڑے کے مقابلے میں یقیناً کمزور تھا۔ لہٰذا جرمنی سطح بحر کی بجائے سمندر کی تہ میں سے اور فضا سے حملوں پر مجبور ہوا۔ آبدوزیں اوقیانوس کے مختلف مرکزوں میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ انھیں حکم دے دیا گیا کہ فوراً حملے شروع کر دیں۔ سخت ضربیں لگائیں اور ان کا سلسلہ برابر جاری رکھیں۔ برطانیہ میں خام مال کی درآمد رُک جائے گی۔ اس کے کارخانے بند ہو جائیں گے۔ آبادی بھوکوں مرنے لگے گی اور آخر انگریز جرمنی کے سامنے جھک جائیں گے۔

لیکن آبدوزوں کے معاملے میں بعض خاص پہلو بھی موجود تھے۔ دوسری عالمی جنگ کے آغاز پر جرمنی کے پاس صرف ستاون آبدوزیں تھیں جن میں سے صرف بائیس اوقیانوس کے اندر سرگرم عمل رہ سکتی تھیں۔

ان آبدوزوں کے ابتدائی حملے بڑے مہلک تھے۔ جنگ کے پہلے ہفتے میں کم و بیش ایک درجن برطانوی تجارتی جہاز سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے۔ ابتدائی دو مہینوں میں آبدوزوں نے تقریباً سڑسٹھ اتحادی جہاز تباہ کیے لیکن خود جرمنوں کی بھی بیس آبدوزیں تباہ ہو گئیں۔ اتحادیوں نے جلد ہی جہازوں کے لیے محافظ دستوں کا انتظام کر لیا، جس کے ساتھ جہاز قافلوں کی صورت میں چلتے۔ 1917-18ء میں یہ تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوا تھا۔ تجارتی جہازوں کا ایک بڑا بیڑا پہلے سے طے کردہ منصوبے کے مطابق روانہ ہوتا۔ ساحل کے آس پاس ہوائی جہاز قافلے کی حفاظت کرتے۔ تباہ کن جہاز اور بڑے جنگی جہاز کھلے سمندر میں قافلے کے ساتھ رہتے۔ تباہ کن جہازوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ برابر قافلے کے اردگرد تیزی سے چکر لگاتے رہتے۔ جب کوئی آبدوز نظر آ جاتی تو تباہ کن جہاز اس پر حملہ شروع کر دیتے۔ قافلے کے جہازوں کو منتشر ہو جانے کا حکم دے دیا جاتا۔

ساتھ ہی بتا دیا جاتا کہ فلاں مقام پر پھر اکٹھے ہو جائیں۔

اس تدبیر کو توڑنے کے لیے جرمنی کے اعلیٰ امیر البحر ڈوینٹز نے جون 1941ء میں ایک نئی چال کا انتظام کر لیا۔ اس وقت تک بڑی آبدوزوں کی تعداد بتیس ہو گئی تھی۔ یہ آبدوزیں اکٹھی نکلتیں اور بھیڑیوں کے گروہوں کی طرح اکٹھی رہتیں۔ جب کسی آبدوز کے کمانڈار کو دشمن کا تجارتی قافلہ نظر آ جاتا تو وہ آس پاس کی تمام آبدوزوں کو قافلے کے جہازوں کی تعداد، موقع اور محل، نیز رفتار اور منزل مقصود سے آگاہ کر دیتا۔ اس اطلاع پر تمام آبدوزیں حملے کے لیے اکٹھی ہو جاتیں۔ ان آبدوزوں کے لیے ضرورت کی چیزیں بہم پہنچانے یا ان کی مرمت کرنے کی غرض سے مختلف جہاز جا بجا مقرر کر دیے گئے تھے۔

1942ء کے ابتدائی چھ ہفتوں میں جرمن آبدوزوں کی تعداد ایک سو ایک ہو گئی۔ ان میں سے بالا وسط انیس آبدوزوں مرکز میں رہتیں۔ اس زمانے میں جرمنوں نے پانچ سو پچاسی جہاز ڈبوئے جن کا مجموعی وزن تیس لاکھ ٹن سے بھی زیادہ تھا۔ 1943ء کے اوائل میں آبدوزوں کا سب سے بڑھ کر خطرناک دور تھا اور انھوں نے بیس دن میں چھیانوے جہاز غرق کر دیے۔ پھر اتحادیوں نے آبدوزوں کی مہم ناکام ہو گئی۔ ڈوینٹز نے 14 دسمبر 1943ء کو اتحادیوں کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

> ''دشمن نے آبدوزوں کی جنگ بے اثر بنا دی اور اسے یہ کامیابی چالوں کی برتری کی بنا پر نہیں بلکہ سائنس کے دائرے میں برتری کی بنا پر حاصل ہوئی یعنی اس نے آبدوزوں کا سراغ لگانے کے لیے اعلیٰ درجے کے آلے تیار کر لیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف جنگ میں ہمارے پاس جو جارحانہ حربہ تھا، وہ چھن گیا۔''

آگے چل کر آبدوزیں اتنی تعداد میں تباہ ہونے لگیں کہ ان کی کمی پوری کرنے کے لیے نئی بنائی نہیں جا سکتی تھیں۔ پھر اتحادیوں کو آبدوزوں کا سراغ لگانے کے لیے بہترین طریقے معلوم ہو گئے اور آبدوزوں نے جنگ میں شکست کھائی۔

چھ سال کی جنگ میں جرمنوں نے بحیرۂ روم، اوقیانوس اور بحر ہند میں انگریزوں، اتحادیوں

اور غیر جانبدار ملکوں کے کل دو ہزار سات سو جہاز غرق کیے اور خود ان کا بیان یہ ہے کہ اس اثنا میں سات سو اسی آبدوزیں تباہ ہوئیں اور بتیس ہزار آدمی مارے گئے۔ ڈوئینٹز نے حکم دے دیا کہ زیادہ سے زیادہ نقصانات کے باوجود آبدوزوں کی کارفرمائی جاری رہنی چاہیے۔ اس نے اپنی سرگزشت ''دس سال اور بیس دن'' (1959) میں فخریہ بتایا ہے کہ آبدوزوں کے کارکن کس طرح بے تامل جانیں دیتے رہے۔ ان میں خود اس کا داماد اور دو بیٹے بھی شامل تھے۔ اگرچہ جرمن بحری آنکھ مچولی کے اس زبردست کھیل میں ہار گئے لیکن انھوں نے مہینوں برطانوی وزارت بحریات کو چین کی نیند نہ سونے دیا۔ خود چرچل نے بھی اعتراف کیا کہ دوران جنگ میں جس چیز نے مجھے سب سے بڑھ کر خوفزدہ کیا وہ آبدوزوں کا خطرہ تھا۔ یہ بدترین مصیبت تھی۔

''رائل اوک'' کی غرقابی

''اِتھینیا'' کی غرقابی سے جرمن آبدوزوں کے کمانداروں کو کوئی خاص عزت حاصل نہ ہوئی، وہ کسی بڑے شکار کی تلاش میں تھے۔ 16 ستمبر 1939ء کو جرمنوں کے ایک جنگی جہاز شوہارت نے ساڑھے بائیس ہزار ٹن کا ایک طیارہ بردار جہاز کرّیجس ساحلِ آئرلینڈ سے آگے اوقیانوس کی تہ میں پہنچا دیا۔ اس سے برطانوی بحریات پر براہِ راست ضرب لگی اور بحری جنگ میں تیزی پیدا ہوئی۔ ایک مہینہ بعد (14 اکتوبر 1939ء) ایک اور بڑے کارنامے سے جرمنی میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔ پرائن نام ایک لفٹیننٹ آبدوز نمبر 47 کا کماندار تھا۔ وہ بندرگاہ کے دفاعی استحکامات سے آبدوز کو گزارتا ہوا سکاپا فلو میں داخل ہو گیا جو برطانیہ کا بڑا بحری مرکز جنوبی آرکنیز (سکاٹ لینڈ) میں تھا اور اُنتیس ہزار ایک سو پچاس ٹن کا بڑا جنگی جہاز رائل اوک غرق کر دیا۔ یہ برطانیہ کے بارہ بڑے جنگی جہازوں میں سے ایک تھا۔ انگریزوں نے سکاپا فلو کی حفاظت کے لیے دو قسم کے دفاعی استحکامات کر رکھے تھے۔ بیرونی حلقے میں داخلے کے ساتھ راستے تھے اور ان کی حفاظت بڑے اعلیٰ پیمانے پر کی جاتی تھی۔ اس کے اندر مختلف قسم کے حفاظتی انتظامات تھے۔ کسی آبدوز کے لیے وہاں تک پہنچنے کا امکان نہایت کم تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے اواخر میں جرمن آبدوزوں نے دو مرتبہ اندر پہنچنے کی کوشش کی لیکن وہ تباہ کر دی گئیں۔

گراف پسی کی تباہی

اتحادیوں کو مونٹی ودیو سے بڑی ولولہ انگیز خبر ملی۔ جرمنوں کا جہاز گراف پسی نازیت کا سرمایۂ افتخار تھا اور اسے ہٹلر کی روز افزوں بحری قوت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ ان جہازوں کی تیاری میں جرمن کاریگروں نے بڑی ہنرمندی سے کام لیا تھا اور معاہدہ ورسائی کی دفعات کی بظاہر پابندی کرتے ہوئے معناً خلاف ورزی کی اور طاقتور جنگی جہاز بنا لیے۔ اسے بحری تعمیر کا ایک نادر کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ بڑا تیز رفتار، بہت ہلکا، بھاری ساز و سامان سے لیس اور اس وضع و جسامت کا کوئی جہاز آتشباری اور تیز رفتاری میں اس پر سبقت نہ لے جا سکتا تھا۔ وہ صرف اتنا لمبا تھا جتنے نیویارک شہر کی عمارتوں کے تین بلاک ہوں اور بڑی شاہراہ سے تقریباً چار گنا چوڑا تھا۔ پورے جہاز پر فولاد کی حفاظتی چادریں چڑھی ہوئی تھیں اور اس میں حفاظت کے دو عرشے تھے۔ چھ گیارہ انچ کے دہانے کی توپیں تھیں، آٹھ چھ انچ کے دہانے کی اور آٹھ تارپیڈو کی نالیاں تھیں۔ وہ چھبیس بحری میل چل سکتا تھا۔

زمانۂ امن میں وہ واقعی ملاحوں کے لیے ایک حسین منظر ہوگا لیکن برطانوی ملاح اسے جنگ میں ایک خوفناک شے اور تباہی کا شیطانی کارکانہ سمجھتے تھے۔ جب لڑائی چھڑی تو گراف پسی کپتان ہینس لینگس ڈاروف کے زیر کمان گیارہ سو سات آدمیوں کے ساتھ جنوبی سمندروں کی طرف نکل گیا تاکہ اتحادیوں کے تجارتی بیڑے کو ٹھکانے لگائے۔ امریکا کی قوموں نے حفاظت کے لیے تین سو میل چوڑا ایک بحری حلقہ قائم کر لیا تھا، جس کے اندر متحارب فریقوں کا کوئی جنگی جہاز جا نہیں سکتا تھا۔ نازیوں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، گراف پسی دو مہینے تک جنوبی اوقیانوس میں پھرتا رہا اور کم از کم نو جہاز غرق کیے۔ برطانوی وزارت بحریات کے لیے یہ بڑا نازک مسئلہ بن گیا۔

13 دسمبر 1939ء کی صبح کو گراف پسی اوقیانوس کے پانیوں کو بہت بڑے چاقو کی طرح کاٹتا ہوا یوروگوے کے ساحل سے ذرا ہٹ کر نمودار ہوا۔ اس وقت تک کسی کمزور اور اکا دکا مخالفت کے بجائے تین برطانوی کروزروں سے مقابلہ آ پڑا جو اس کی تلاش میں روانہ ہوئے تھے۔ کپتان

لینگس ڈارف کو ایسے مقابلے کی کوئی امید نہ تھی، مگر اس نے حملے میں کوتاہی نہ کی۔ علی الصباح پہلے، جاکس نمودار ہوا، پھر جرمن جہاز پر واضح ہو گیا کہ تین برطانوی جنگی جہازوں نے اسے نرغے میں لے لیا ہے۔ تینوں برطانوی جہازوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ جب گراف پسی کو نظر آیا کہ ایکسٹر کی توپیں سخت تباہ کن ہیں تو اس نے بھی اپنی توپوں کا رخ ایکسٹر ہی کی طرف پھیر دیا۔ چار گھنٹے میں برطانیہ کا سب سے بڑا جنگی جہاز بے کار ہو گیا۔

گراف پسی کی نچلی تہہ میں برطانوی بحریات کے ساٹھ آدمی بند تھے۔ یہ ان تجارتی جہازوں سے لیے گئے تھے جنھیں گراف پسی ڈبو چکا تھا۔ جرمن جہاز برطانوی گولوں کی ضربوں سے متزلزل ہونے لگا تو ان اسیروں نے زور شور سے خوشی کے نعرے لگائے اور گانا شروع کر دیا۔ یہ متحرک بحری جنگ چودہ گھنٹے جاری رہی اگرچہ گراف پسی نے اپنی قوت کے مظاہرے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن ایکی لیز اور اجاکس کے گولوں نے اسے بری طرح شل کر ڈالا۔ چنانچہ وہ دھوئیں کا ایک پردہ تان کر پناہ گاہ کی تلاش میں جنوبی و مغربی جانب روانہ ہو گیا۔ برطانوی جہازوں نے تعاقب نہ چھوڑا، یہاں تک کہ گراف پسی مونٹی وڈیو کی بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے غیر جانبدار پانیوں میں پناہ لینی چاہی۔ اس کے بیس آدمی مارے جا چکے تھے اور ساٹھ مجروح ہو چکے تھے۔ جنگ کا آخری مرحلہ ساحل یوروگوے کے سامنے پیش آیا۔ عوام نے بڑی توپوں کی گونج سنی اور دھوئیں کے بادل اٹھتے ہوئے دیکھے۔

حکومتِ برطانیہ نے صورت حالات کے متعلق دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ریڈیو میں غلط خبریں پھیلانی شروع کر دیں اور کہا کہ بہت بڑی بحری قوت عرصۂ جنگ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ خیال ہے، لینگس ڈاروف نے سمجھ لیا ہو گا کہ پورا برطانوی بیڑا اسے احاطے میں لے لینے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ پانچ روز تک بے یقینی کی حالت قائم رہی۔ سوال یہ تھا کہ گراف پسی اور اس کے آدمیوں کا کیا بنے گا؟ اس وقت تک ساری دنیا اس سنسنی پیدا کر دینے والے ڈرامے کے نتیجے کی منتظر تھی۔ پوچھا جا رہا تھا کہ آیا گراف پسی سمندر سے نکل کر برطانیہ کی بحری قوت کو دعوت مقابلہ دے گا؟ 17 دسمبر 1939ء کو بروز یکشنبہ چھ بجے شام اس سوال کا جواب مل گیا۔ گراف پسی نے لنگر اٹھایا اور ریو دالا پلاٹا کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ کنارے پر کوئی تین لاکھ آدمی یہ نظارہ دیکھ

رہے تھے۔دن کی روشنی ناپید ہو رہی تھی۔ ہر شخص کو توقع تھی کہ بحری جنگ ہو گی۔ یکا یک جرمن جہاز کی رفتار کم ہو گئی اور وہ ٹھہر گیا۔اس پر بچاؤ کی جو کشتیاں موجود تھیں، وہ سمندر میں اتار دی گئیں۔ بعدازاں جہاز کے وسط میں سے سیاہ دھوئیں کا ایک بادل آسمان کی طرف اٹھا۔شعلے نکلنے لگے۔دھماکوں کی پے در پے آوازیں سمندر میں گونجنے لگیں۔آگ پھیل گئی۔معلوم ہو رہا تھا کہ جہاز میں پانی آ رہا ہے۔تین منٹ کے اندر اندر اس کا ڈھانچا سمندر کی تہہ میں پہنچ گیا۔

کپتان لینگس ڈارف اور اس کے تمام ساتھی صحیح سلامت کشتیوں پر سوار ہو گئے۔جہاز چھوڑنے والوں میں سے لینگس ڈارف آخری آدمی تھا۔اس نے لاسلکی کے ذریعے سے نہایت تلخ پیغام حکومت یوروگوے کو بھیجا۔احتجاج کیا کہ اسے بندرگاہ میں ٹھہرنے نہیں دیا گیا اور ناگزیر ہو گیا کہ میں جہاز کو ساحل کے قریب ڈبو کر اپنے آدمیوں کو بچالوں۔خود وہ اور اس کے ساتھی نظر بند کردیے گئے۔20 دسمبر 1939ء کی صبح کو لینگس ڈارف، جو ڈچ لینڈ کی لڑائی میں لڑ چکا تھا، بیونس آئرس کے بحری اسلحہ خانے میں بیٹھا تھا۔اس نے پرانی شاہی جرمن بحریات کا پرچم اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا (یہ اس امر کی علامت تھی کہ وہ نازیوں کی بحریات سے الگ ہو چکا ہے، پھر اس نے گولی مار کر خودکشی کرلی۔اس کی ابتدائی غلطی یہ تھی کہ دریائے پلاٹا میں پناہ لی۔پھر لڑ کر فیصلہ کرنے کے بجائے خود کو اور جہاز کو سیاست دانوں کے فیصلے کے حوالے کر دیا۔کو دہٹلر نے حکم دے دیا تھا کہ بحریات کے اس شاہکار کو شکست کی ذلت سے بچانے کے لیے برباد کر دیا جائے۔

گراف پی کے مختصر تباہی خیز کردار کا یہ ڈرامائی اختتام تھا۔بحری ماہرین اور فنونِ حرب کے رازدانوں نے جہاز کی تباہی کے حکم پر ہٹلر کو بہت برا بھلا کہا۔اتحادی اقوام کے لیے گراف پی کا انجام جنگی محاذوں سے روز افزوں بری خبروں کی تاریکی میں روشنی کی ایک کرن تھا۔

9

بحری جنگیں

(2)

بسمارک کی غرقابی

جرمن چھاپہ مار جہاز برطانیہ کے تجارتی بیڑے کو سخت نقصان پہنچاتے رہے۔ مئی 1941ء کے اختتام پر جرمنوں کو شدید نقصان سے سابقہ پڑا کیوں کہ ان کا سب سے بڑا جنگی جہاز بحری مقابلے میں تباہ ہوگیا۔ یہ بسمارک تھا جو بڑا اڈ ریڈ ناٹ جہاز تھا۔ اسے جرمن بحریات کا سرمایۂ افتخار مانا جاتا تھا۔ یہ نیز پرنس یوجین اور متعدد چھوٹے چھوٹے جنگی جہاز برگن کے نزدیک ایک معقول کھاڑی کی پناہ گاہ سے نکلے تاکہ برطانوی جہازوں کے ان دستوں پر چھاپے ماریں جو تجارتی جہازوں کی حفاظت کرتے تھے۔ جو برطانوی طیارے دیکھ بھال کے لیے مامور تھے، انھوں نے جرمن جہازوں کا فوراً سراغ لگالیا۔ برطانوی بیڑے کا ایک حصہ ان کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ برطانیہ کا بڑا جنگی کروزر ہڈ اوقیانوس میں حفاظت کی غرض سے متعین تھا۔ وہ جرمن جہازوں کے مقام سے قریب تھا اور اسے لڑائی کا حکم دے دیا گیا۔ 24 مئی 1941ء کی صبح کو ساحل گرین لینڈ سے آگے یہ بڑے جہاز آمنے سامنے ہوئے۔ جلد ہی لڑائی شروع ہوگئی۔ ہڈ پر براہ راست ضرب لگی اور وہ سمندر کی تہ میں پہنچ گیا۔

لندن میں اس پر ہنگامہ سا رونما ہوا، مگر اس پر ضبط رکھا گیا۔ برطانوی وزارتِ بحریات ریڈیو کے ذریعے سے لڑائی کے حالات سن رہی تھی۔ اس نے نیو فاؤنڈ لینڈ اور جبرالٹر تک برطانوی بیڑے کے تمام جہازوں کے نام حکم جاری کر دیا کہ وہ بسمارک کے دور و گردش کے حلقہ میں پہنچ جائیں اور اس کی تلاش جاری رکھیں۔ اس اثنا میں جرمن جہاز نے ایک اور جہاز غرق کر دیا۔ دو روز بعد ایک طیارے نے بھاگتے ہوئے بسمارک کا سراغ لگایا۔ بس اسی سراغ کی بنا پر ہٹلر کے بحری بیڑے کا سرمایہ ناز جہاز موت سے دو چار ہوا۔ طیارے، تباہ کن جہاز اور بیڑے کے دیو پیکر جہاز ہر طرف سے اس کے گرد جمع ہو گئے۔

برطانوی طیارہ بردار جہاز آرک رائل کے آدمی بے حد خوش تھے۔ جرمن اخباروں نے کئی مرتبہ آرک رائل کی غرقابی کی خبریں شائع کی تھیں۔ اب اس کے ملاحوں اور کارکنوں کو خداداد موقع مل گیا تھا کہ دنیا پر ثابت کر دیں، ان کے جہاز کی تباہی کی خبر سراسر مبالغہ آمیز تھی۔ 26 مئی 1941ء کو آرک رائل سے طیارے تارپیڈو لے کر اڑے۔ انھوں نے بسمارک کو اس وقت تک ہراساں رکھا، جب تک برطانوی جنگی جہاز نہ پہنچ گئے۔ طیاروں نے تارپیڈو گرائے۔ ایک تارپیڈو بسمارک کے عین وسط میں لگا۔ دوسرے کی زد بسمارک کے اگلے حصے پر پڑی۔ ایک اور تارپیڈو نے مزید نقصان پہنچایا اور جہاز بے قابو ہو کر چکر کھانے لگا۔ اس کی رفتار بھی کم ہو گئی اور حملہ آوروں سے بچنے کی کوشش بھی ممکن نہ رہی۔ اس وقت بسمارک فرانسیسی ساحل سے کوئی چار سو میل کے فاصلے پر تھا۔ رات کو برطانوی بیڑے کے تباہ کن جہاز موقع پر پہنچ گئے۔ کاسک سب سے آگے تھا اور بسمارک پر ہر طرف سے گولوں کی بارش شروع ہو گئی۔

اس بڑے جرمن جنگی جہاز کی تباہی کی خبر ایک صحیح نفسیاتی موقع پر وصول ہوئی، جب برطانوی فوجیں کریٹ سے نکالی جا رہی تھیں۔ انگریز خوش تھے کہ کم از کم ہڈ کا بدلا لیا گیا۔ اس جنگ میں برطانیہ کا نقصان (ہڈ کے علاوہ) بہت معمولی تھا یعنی پچیس آدمی مارے گئے، تیرہ زخمی ہوئے۔ برطانوی وزارت بحریات، انگریز قوم اور پوری دنیا کو معلوم ہو گیا کہ فضائی قوت بحری جنگ کے لیے بھی کتنی ضروری ہے۔

نئے حربوں کے لیے مسابقت

جرمنوں نے دوسری عالمی جنگ چھڑتے ہی مقناطیسی سرنگیں استعمال کیں۔ یہ ان کا پہلا خفیہ حربہ تھا۔ پہلے چند ہفتوں میں کئی جہاز غرق ہوئے، مگر ان کے قرب و جوار میں آبدوز کے ہونے کی کوئی شہادت نہ مل سکی اور پتا نہ چل سکا کہ وہ کیوں کر غرق ہوئے۔ بظاہر سمجھا گیا کہ جرمنوں نے کوئی نیا پُر اسرار حربہ استعمال کیا ہے جس کے مقابلے میں پرانے سُرنگ بردار جہازوں کے سرنگیں کاٹ دینے والے آلے بیکار تھے۔ لندن میں اس پر بڑی تشویش پھیلی، کیوں کہ ہر برطانوی جہاز خطرے میں تھا اور غرقابیاں بڑھتے بڑھتے تشویشناک حد پر پہنچ چکی تھیں۔

ایک اسیرِ جنگ سے معلوم ہوا کہ جرمنوں نے نئے نمونے کی مقناطیسی سرنگ تیار کرلی ہے۔ چھوٹی چھوٹی اڑھائی اڑھائی سوٹن کی آبدوزیں جو ساحل کے ساتھ ساتھ پھرتی رہتی تھیں، تار پیڈو کی جگہ یہ سرنگیں لے جاتی تھیں اور جابجا ڈال آتی تھیں۔ انھیں طیاروں سے چھتریوں کے ذریعے بھی پھینکا جاسکتا تھا۔ شکل میں وہ اسطوانہ نما تھیں، تقریباً سات فٹ لمبی ایلومینیم کو دوسری دھاتوں سے ملا کر بنائی گئی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کا وزن ایک سو پاؤنڈ کے قریب تھا اور ہر ایک میں چھ سو ساٹھ پاؤنڈ کے قریب آتشگیر مادے بھرے جاتے تھے۔ یہ سرنگیں سمندر کی تہ میں رہتی تھیں اور ان میں کوئی تار نہیں لگایا جاسکتا تھا، اس لیے سرنگیں کاٹنے والے آلے ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جب آہنی پیندے والا جہاز پاس سے گزرتا تو سرنگ کے اندر بجلی کا جو چکر موجود تھا، وہ حرکت میں آجاتا۔ یہ شیطانی حربے جہازوں کے راستے میں ڈال دیے جاتے تھے۔ خصوصاً نارتھ چینل سینٹ جارجز چینل، رودبار انگلستان کے دہانوں کے آس پاس اور ٹیمز کے دہانے میں واضح ہوگیا کہ جب تک کوئی زبردست قدم نہ اٹھایا جائے گا، مقناطیسی سرنگیں انگلستان تک آمد و رفت کے تمام راستے بند کردیں گی۔ انگریزوں نے یہ مسئلہ جس طریق پر حل کیا، اس کی داستان اول نظر میں ناقابل یقین معلوم ہوگی۔ سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ کوئی مناطیسی سرنگ حاصل کی جاتی اور اس کا ایک ایک جزو اصل حالت میں دیکھ لیا جاتا۔ 23 ستمبر 1941ء کو وزارتِ بحریات کے پاس خبر پہنچی کہ جو لوگ رات کے وقت ٹیمز کے دہانے کی دیکھ بھال کے لیے مامور تھے، انھوں نے

دیکھا، جرمن طیارے کوئی پُراسرار چیز کنارے پر پھینک گئے ہیں۔ دوسرے روز صبح کو ایک اور سرنگ مل گئی۔ فوراً بحری سرنگوں کے ماہرین بلا لیے گئے اور انھوں نے بڑی احتیاط سے دونوں سرنگوں کا جائزہ لیا۔ ہر نقطہ نگاہ سے ان کی تصویریں لے لی گئیں اور جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آتشگیر مادہ ان سے الگ کرلیا گیا۔ چرچل نے حکم دے دیا کہ رات دن کام کر کے اس کا توڑ مہیا کردو۔ توڑ فوراً مہیا کرلیا گیا۔ سائنسدانوں نے سرنگ کا ایک ایک ٹکڑا الگ کرایا اور بارہ گھنٹے کے اندر اندر نہ صرف سرنگ کا راز، بلکہ اسے بیکار بنانے کا یقینی ذریعہ بھی وزارتِ بحریات کے حوالے کردیا۔ عجیب امر یہ ہے کہ ان سائنسدانوں نے وہی اصول استعمال کیا جو جرمنی کے ایک سائنسدان کارل فریڈرک گاس (1777-1855) نے وضع کیا تھا۔ اسی ذریعے سے نیا حربہ بیکار ہوگیا۔ ایک تار جہاز کے ساتھ باندھ لیا جاتا اور اس سے وقتاً فوقتاً ایسی لہریں چھوڑی جاتیں، جو مقناطیسی قوت کو ختم کردیتیں۔ بہت جلد کارخانوں سے ایسے تار بندرگاہوں میں پہنچ گئے اور انھیں تمام تجارتی اور جنگی جہازوں میں لگادیا گیا۔ یوں اتحادی جہاز جرمنی کے اس پہلے بڑے خفیہ حربے سے محفوظ ہوگئے لیکن مزید دریافتوں کا سلسلہ فریقین نے بدستور جاری رکھا۔ پھر جرمنوں نے مقناطیسی سرنگ کو بدل کر ایک آواز سن لینے والا تارپیڈو ایجاد کیا جو جہاز کے انجنوں کی آواز سنتے ہی اس کی طرف حرکت میں آجاتا۔ اس کے جواب میں اتحادیوں نے ایک شور مچانے والا آلہ ایجاد کرلیا۔ وہ جہاز کے پیچھے پیچھے آتا اور تارپیڈو کو اپنی طرف کھینچ لیتا۔

ریڈار کی اصلاح کے لیے فریقین نے بڑی کوششیں کیں۔ تمام ملکوں کے سائنسدان اس کے اصول سے آگاہ تھے اور انھوں نے جلد سے جلد اسے مکمل کرلیا۔ یہ نہایت عجیب آلہ تھا، جس سے ریڈیائی لہریں نکلتیں اور ان لہروں کے راستے میں جو بھی چیز ہوتی، اس کا رخ اور فاصلہ متعین کیا جاسکتا۔ اس آلے کے ذریعے سے تاریکی میں بادلوں میں نیز پانی یا کُہر میں بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ بیڑے کے جہازوں اور تجارتی جہازوں پر بڑے بڑے بھاری آلے نصب کردیے جاتے تھے جن میں ہوائی پردے لگے ہوتے۔ کناروں پر جو آلے نصب تھے، ان کی بھی یہی کیفیت تھی۔ 1939ء کے موسم بہار میں انگریزوں نے ڈنڈی سے پورٹ سمتھ تک ریڈار کے

اٹھارہ مرکز قائم کردیے۔ چھ سال تک ان مرکزوں سے چھان بین کا کام متواتر جاری رہا۔ انھیں کے ذریعے سے حملہ آور طیاروں کے متعلق سب کو آگاہ کردیا جاتا۔ دورانِ جنگ میں ان آلوں نے برطانیہ کی بڑی خدمت انجام دی۔

جولائی 1942ء میں کوئی ایک درجن آبدوزیں ڈبو دی گئیں۔ اگست میں پندرہ مزید آبدوزیں سمندر کی تہ میں پہنچیں اور زیادہ تر یہ کارنامہ طیاروں کے اچانک حملوں سے انجام پایا۔ جرمنوں نے جلد ہی معلوم کرلیا کہ طیارے ہدف کی تلاش میں جابجا برقی روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ سب کچھ ریڈار کے استعمال کا نتیجہ تھا، مگر وہ اس امر کا اندازہ نہ کرسکے کہ طیاروں میں اتنے بھاری آلے نصب کرنے کی گنجائش کہاں تھی، جن کے ساتھ بڑے بڑے پردے لگے ہوئے تھے۔

جرمنوں نے اس کے جواب میں چھوٹے چھوٹے ریسیور لگانے شروع کردیے، جنھیں میٹاکس کہتے تھے۔ یہ اس فرم کا نام تھا، جس میں یہ آلے بنتے تھے۔ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے صلیب نما اریل ہوتے تھے۔ انھیں بسکے کی صلیبیں کہا جاتا تھا۔ جب کوئی آبدوز سطح پر آتی تو اریل تمام اطراف میں گھومنے لگتا۔ نیچے ایک آدمی میٹاکس کے پاس بیٹھ جاتا اور قریب آنے والے طیارے کی گونج کا منتظر رہتا۔ ساتھ ہی آبدوز تیزی سے غوطہ لگا جاتی۔ کچھ وقت کے لیے اس ایجاد نے خوب کام دیا۔

پھر وہ ماتمی وقت آگیا، جسے جرمنوں نے 1943ء کا سیاہ مئی قرار دیا۔ اس مہینے میں تینتالیس آبدوزیں ڈبوئی گئیں۔ میٹاکس کے باوجود ان کا سراغ لگا کر انھیں تباہ کردیا جاتا۔ غالباً اتحادیوں کے ہوائی جہاز میٹاکس کی لہروں کا پتا لگا لیتے اور نشانے پر پہنچ جاتے۔ چنانچہ جرمنوں کے بحری مرکز کیل میں حکم پہنچ گیا کہ آئندہ کے لیے میٹاکس نصب کرنے کا سلسلہ ختم کردیا جائے۔

بہرحال تباہی جاری رہی۔ آخر جرمن سائنسدانوں، انجینئروں اور فنکاروں نے توڑ مہیا کرلیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک برطانوی طیارہ مل گیا، جو صرف آدھا تباہ ہوا تھا۔ اس میں سے ایک چھوٹا سا بے حقیقت آلہ الگ کرلیا گیا۔ یہ میکانکی عجوبہ تھا یعنی ایک چھوٹا سا ریڈار 9 سنٹی میٹر کی لہروں سے کام لیتا تھا اور یہ امر بظاہر ناقابلِ یقین تھا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ آلہ خود ایک

جرمن سائنسدان کی ایجاد سے تیار کیا گیا تھا اور اسی سے انگریزوں نے جرمن آبدوزوں کی کمر توڑی تھی۔

جب جرمنوں کے نہایت موثر آلے کی اہمیت ختم ہوگئی تو انھوں نے بہتر آبدوزیں بنانے کی کوشش کی۔ اس میں ایک ایسا مستول لگایا جو پانی سے باہر رہتا۔ اس کے اندر دو نلکیاں لگائی گئیں، ایک سے تازہ ہوا اندر داخل ہوتی اور دوسری سے انجنوں کی گندی ہوا باہر نکلتی۔ اس طرح آبدوزوں کو اپنی بیٹریاں نئے سرے سے بھر لینے اور ہفتوں سطح پر آئے بغیر تازہ ہوا سے مستفید ہونے کا موقع مل گیا لیکن اس ایجاد سے جرمن کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے کیوں کہ وقت گزر چکا تھا اور اتحادی بحری جنگ میں کامیاب ہو چکے تھے۔

دو جرمن جہازوں کا فرار

بسمارک کی تباہی نے جرمنوں کو یقین دلا دیا کہ باقی بڑے جہازوں کی اوقیانوس کی جنگ میں دھکیلنا بالکل بے معنی ہوگا۔ برطانیہ کی فضائی اور بحری قوت بہت مضبوط تھی اور برطانیہ کی رسد کی نہایت اہم شاہراہوں پر آبدوزوں کے ذریعے سے حملہ کرنا چاہیے۔

جنوری 1942ء میں جرمنوں کے سرنگ بردار جہازوں نے جن پر بڑے کمال سے پردہ داری کا انتظام کر لیا گیا تھا، بریسٹ سے آگے فرانس، بلجیئم اور ہالینڈ کے ساتھ ساتھ تمام سرنگیں صاف کر دیں۔ یہ کام انتہائی خفیہ طریق پر بدرجۂ کمال انجام پایا۔ 2 فروری 1942ء کو شارن ہورسٹ، نیزنا اور پرنس یوجین بندرگاہ سے نکلے۔ ان کے اردگرد تباہ کن جہازوں اور تارپیڈو کشتیوں نے حلقہ قائم کر رکھا تھا اور بڑی تیز رفتاری سے رودبار کی جانب بڑھے۔ اس تیاری کے سلسلے میں جرمنوں نے برطانیہ کا نظام ریڈار کا ملاً معطل کر دیا۔ انگریزوں کو خیال ہوا کہ یہ بڑے زبردست ہوائی حملے کی تیاری ہے، چنانچہ جرمن بیڑا برطانوی بندرگاہوں، ساحلی توپوں اور ہوائی اڈوں سے بالکل صحیح سلامت گزر کر رودبار کے تنگ ترین حصے میں پہنچ گیا۔ کہیں سے ایک گولی کی بھی آواز نہ آئی۔

جب برطانوی ساحل سے الارم ہوا تو جرمن بیڑا ساحل بلجیئم سے بھی آگے جا چکا تھا۔ چھ

برطانوی تارپیڈو طیارے حملے کے لیے بڑھے، مگر جرمن جہازوں نے، جو بیڑے کی حفاظت پر مامور تھے، انھیں مار گرایا۔ جرمن جنگی جہاز پیچ وخم کھاتے ہوئے برطانوی تباہ کن جہازوں اور تارپیڈو طیاروں سے بچ کر نکل گئے۔ شارن ہورسٹ ایک سرنگ سے ٹکرایا اور کئی گھنٹے تک اس کی رفتار سست رہی لیکن وہ بچ گیا اور بندرگاہ میں محفوظ پہنچ گیا۔ ہوائی جنگ میں برطانیہ کے بیس بمبار جہاز اور سولہ لڑاکے جہاز، جرمنوں کے پندرہ لڑاکے جہاز تباہ ہوئے۔ غیر متوقع واقعہ پیش آ گیا۔ برلن میں بڑے جوش کا مظاہرہ ہوا کیوں کہ جرمنوں نے برطانوی پانیوں میں سے گزرتے ہوئے وزارتِ بحریہ کو ناکام بنایا لیکن ہٹلر کو بھی علم تھا کہ لڑائیاں دشمن سے دور بھاگ کر فتح نہیں کی جاسکتیں۔

شارن ہورسٹ کی غرقابی

1942ء میں ہٹلر نے اپنی بحری قوت کا بڑا حصہ ناروے میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ مقصد یہ تھا کہ اتحادیوں کی طرف سے جو سامان جہازی قافلوں کی شکل میں روس بھیجا جاتا ہے، اس کا راستہ منقطع کر دیا جائے۔ چنانچہ ناروے کی کھاڑیوں میں جرمنی کے نو بڑے بڑے جہاز جمع ہو گئے۔ ان میں شارن ہورسٹ، نیز نا، ٹرپز اور یوجین بھی شامل تھے۔ یہ جرمنی کی بحری قوت کا سرجوش تھے اور عزم کیے بیٹھے تھے کہ شمالی اوقیانوس میں ہر طرف بربادی پھیلا دیں۔ یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔ جنوری اور مارچ 1943ء کے درمیان اڑتالیس برطانوی اور امریکی تجارتی جہازوں نے دو قافلوں میں سامان مورمنسک بھیجا۔ سفر بڑا خطرناک تھا۔ چالیس جہاز بحفاظت پہنچ سکے اور برطانوی بحری قوت کو حفاظت کے لیے بڑی جانفشانی سے کام لینا پڑا۔

جب کوئی تجارتی قافلہ روس بھیجا جاتا تو حفاظت کے لیے بحری قوت ساتھ جاتی۔ علاوہ بریں جرمن چھاپہ ماروں کو پھندے میں پھانسنے کی غرض سے بحری قوت کا خاصا بڑا حصہ بھی اصل قافلے کے ساتھ روانہ ہوتا لیکن تجارتی جہازوں سے کچھ پیچھے رہتا۔ دسمبر 1943ء میں تجارتی قافلہ بھیجا گیا، وہ بڑے اچھے نتائج کا موجب ہوا۔ اس قافلے کے ساتھ تین کروزر، چودہ تباہ کن جہاز غراب نام سفینوں کا ایک حلقہ اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں ساتھ تھیں۔ ان سے تھوڑے فاصلے پر

جنوب مشرق میں جنگی جہاز ''ڈیوک آف یارک''، کروزر ''جمیکا'' اور چار تباہ کن جہاز تھے۔ وطنی جنگی بیڑے کا کمانداربروس فریزران جہازوں کا کماندار اعظم تھا۔

جرمن کارندے نے اس قافلے کی روانگی کے متعلق خبر کیل بھیج دی۔ جرمن امیر البحر ڈوینٹز پھندے میں پھنس گیا۔ بڑے دن کو بعد دو پہر شارن ہورسٹ پانچ تباہ کن جہازوں کی حفاظت میں آلٹن کھاڑی سے باہر نکلا۔ اس کا اندازہ تھا کہ بڑے اطمینان سے دشمن کے جہازوں کا شکار کھیلے گا۔ قافلے میں پانچ لاکھ ٹن کے جہاز تھے۔ شارن ہیورسٹ چھبیس ہزار ٹن کا جنگی کروزر تھا اور گیارہ گیارہ انچ کی نو توپیں اس پر نصب تھیں اور انیس بحری میل کی رفتار تھی۔ گویا کوئی برطانوی جنگی جہاز اس سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ ڈوینٹز کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی فیوہرر کو انتہائی خوشی کی خبر سنا سکے گا۔

نارتھ کیپ کے شمال میں تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر متقابل بیڑے آمنے سامنے آئے۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق قافلے کے جہاز ایک طرف ہو گئے اور برطانوی کروزروں نے آگے بڑھ کر شارن ہورسٹ پر حملہ کر دیا، اگر چہ وہ جانتے تھے کہ شارن ہورسٹ بیک وقت تین جنگی کروزروں کے برابر گولے پھینک سکے گا۔ شدید گولہ باری میں شارن ہورسٹ اور نارفوک دونوں کو نقصان پہنچا۔ فوراً بڑے برطانوی بیڑے کو پیغام بھیج دیا گیا کہ لڑائی شروع ہو چکی ہے، جلد پہنچ جاؤ۔ یکایک شارن ہورسٹ میدان چھوڑ کر شام کی تاریکی میں غائب ہو گیا اور جنوب کا رخ کر لیا۔ برطانوی کروزروں پر ریڈار کا انتظام تھا۔ انھوں نے شارن ہورسٹ کا تعاقب کیا۔ امیر البحر فریزر بھی بڑی بحری قوت کے ساتھ میدانِ مقابلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

شام کو چار بج کر سترہ منٹ پر ''ڈیوک آف یارک'' نے بیس میل پر شارن ہورسٹ کا سراغ لگا لیا۔ فریزر نے بیلفاسٹ کو حکم دے دیا کہ روشنی والے گولے کے ذریعے سے دشمن جہاز پر روشنی کا انتظام کر دے۔ چار بج کر پچاس منٹ پر نازی جہاز کا سایہ نظر آیا۔ ''ڈیوک آف یارک'' نے بارہ ہزار گز کے فاصلے سے آتشبازی شروع کر دی اور چودہ چودہ انچ کی پانچ توپوں نے تقریباً تین ٹن کے گولے اس پر پھینک دیے۔ عینی شاہد کا بیان ہے یہ کہ گولے ایکسپریس ٹرین کی طرح دنادن

جا رہے تھے۔ ساتھ ہی برطانوی فوج تباہ کن جہاز حلقہ بنا کر آگے بڑھے۔ شارن ہورسٹ مشرق کی طرف مڑا۔ اس کی توپیں چل رہی تھیں لیکن وہ تیز رفتاری سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا۔ سات بجے اس پر مہلک ضرب لگی اور رفتار کم ہوگئی۔ اب تمام برطانوی جہازوں نے اسے نشانہ بنا کر ریزہ ریزہ کر دینے کی ٹھان لی۔ تباہ کن جہازوں کے بہادر کمانداروں نے دو ہزار گز کے فاصلے سے اسے نشانہ بنالیا اور تارپیڈو پر تارپیڈو چھوڑتے گئے، حالاں کہ شارن ہورسٹ پہلے ہی سے شعلہ زار بنا ہوا تھا۔ آخر شارن ہورسٹ ایک طرف کو الٹ گیا۔ آگ اور دھوئیں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح سمندر کی تہہ میں پہنچ گیا۔ برطانوی تباہ کن جہازوں نے بچے کھچے جرمنوں کو بچانے کا کام شروع کر دیا لیکن ایک ہزار نو سو ستر افسروں اور آدمیوں میں سے صرف چھتیس بچائے جا سکے۔

ٹرٹیز کا خاتمہ

ٹرٹیز بیالیس ہزار ٹن کا جہاز تھا۔ اس کی رفتار اکتیس بحری میل تھی۔ پندرہ انچ کی آٹھ توپیں اس پر نصب تھیں۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی بیڑیوں کی کمی نہ تھی۔ دو ہزار دو سو آدمی اس پر سوار تھے۔ یہ جرمنوں کا آخری جنگی جہاز تھا۔ اس کا ساتھی جہاز بسمارک مئی 1941ء میں ڈبویا جا چکا تھا۔ 1942ء کے اوائل میں اسے ناروے کے پانیوں میں بھیجا گیا تھا۔ برطانوی شیر کے پہلو میں یہ ایک اور کانٹا رہ گیا تھا۔

12 نومبر 1944ء کو تقریباً ساٹھ برطانوی طیارے سکاٹ لینڈ سے ٹروموسو کی کھاڑی کی طرف گئے۔ ان میں سے نصف طیاروں پر چھ چھ ٹن کے بم لگے ہوئے تھے۔ جرمنوں نے لڑاکا جہازوں کا ایک دستہ حملہ آوروں کے مقابلے کو بھیجا۔ برطانوی ہوابازوں نے ایک عجیب چال چلی، جس نے دشمن کو مبہوت کر دیا۔ ہدف کے قریب پہنچ کر نصف برطانوی طیارے، جن پر بم نہیں تھے، تیزی سے بار دونوس کی طرف مڑ گئے۔ یہ ایک جرمن ہوائی اڈا تھا۔ جرمن طیارے بھی انھیں

کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ باقی انتیس برطانوی بمباروں نے اپنی تباہ کن قوت کے ساتھ ٹرومسو کا رخ کر لیا اور ٹرٹیز پر بم جا گرائے۔ جہاز بری طرح تباہ ہوا۔ اس کے چودہ سو افسر اور ملاح مارے گئے یا ڈوب گئے۔ صرف تین سو ستانوے بچائے جا سکے، چار سو رخصت پر تھے۔ محض وہی اس ہولناک کہانی کے بیان کے لیے باقی رہ گئے۔ برطانوی وزارتِ بحریات مطمئن ہو گئی اور اس نے اپنے بعض بڑے جنگی جہاز مشرق بعید کی طرف بھیج دیے، جہاں ان کی اشد ضرورت تھی۔

10

بحیرۂ روم کے لیے جنگ
(1)

جنگ میں توسیع

جنگ کے پہلے سال میں بحیرۂ روم کا طاس ایک گمنام اور خاموش دائرہ تھا۔ خبر رساں ایجنسیوں کو اس پر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن تمام متحارب فریقوں کو شمالی و مشرقی افریقہ ممالک میں مشرق وسطیٰ اور بحیرۂ روم کی حد درجہ اہم حیثیت سے بخوبی آگاہی تھی۔

برطانیہ کے لیے جس کے کندھوں پر کرۂ ارض کی ذمہ داریاں تھا بحیرۂ روم...... اور اس کے اہم جنگی مرکز یعنی جبل طارق مالٹا اور سویز...... ہندوستان اور مشرق بعید کے لیے شاہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ 1939ء میں یہاں کے دفاعی استحکامات بہت معمولی تھے۔ جبل طارق اور سویز میں تھوڑی تھوڑی فوج تھی۔ چند ڈویژن فوج مصر میں تھی اور اس کے ساتھ اڑھائی سو پرانے طیارے تھے۔ دو بیڑے تھے، ایک کا مرکز سکندریہ تھا اور دوسرے کا مالٹا، زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ بحیرۂ روم برطانوی تجارتی جہازوں کے لیے بند کر دیا گیا اور انھیں افریقہ کے جنوبی گوشے کا چکر لگانے کا طویل سفر اختیار کرنا پڑا۔ سقوط فرانس کے بعد برطانیہ کی پوزیشن اور بھی نازک ہوگئی۔ فرانسیسی فوجیں شرق اوسط سے ہٹالی گئی تھیں اور تیل کے نہایت قیمتی چشمے محوریوں کے حملے

کے لیے غیر محفوظ رہ گئے تھے۔ بحیرۂ روم میں فرانسیسیوں کے بحری مرکز برطانوی جنگی جہازوں کے لیے بند کردیے گئے۔ مالٹا ایک الگ تھلگ مرکز تھا اور وہاں اس پر مسلسل بم برستے رہتے تھے۔ برطانیہ کو اس وقت تک صبر و ہمت سے کام لینا ناگزیر تھا یہاں تک کہ اس علاقے میں کمک بھیجی جا سکتی۔

سر آرچی بالڈ ویول اس حلقے میں برطانوی فوجوں کا کماندار تھا۔ اس کے ماتحت چھتیس ہزار فوج مصر میں تھی، ستائیس ہزار فلسطین میں، نو ہزار سوڈان میں، ساڑھے آٹھ ہزار کینیا میں اور ڈیڑھ ہزار برطانوی صومالیہ میں۔ ان میں سے کسی کے پاس بھاری سامانِ جنگ نہ تھا اور ''ٹینک شکن'' اسلحہ بہت کم تھا۔

1940ء کے موسم خزاں میں حالات نازک تھے۔ حکومتِ برطانیہ وطن کی حفاظت کے لیے سخت پریشانی میں مبتلا تھی۔ چرچل نے تمام فوجی ذخیرے کھنگال ڈالے۔ انگلستان، ہندوستان، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے ویول کے لیے کمک کا انتظام کر دیا۔ ساتھ ہی مٹیلڈا ٹینکوں کی ایک تعداد بھیج دی تاکہ اس فوج کی تنظیم کی جائے جس کا نام فوجِ نیل رکھا گیا۔

جب اٹلی فرانس کے خلاف میدانِ جنگ میں اتر آیا تو بحیرۂ روم کا پورا نقشہ بدل گیا۔ مسولینی خود اٹلی کی تمام بری، بحری اور فضائی فوجوں کا سالارِ اعظم بن گیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد فتوحات کا انتظام کرے۔ اس نے ارادہ کرلیا کہ اٹلی کو بحیرۂ روم کی اسیری سے نجات دلائے اور افریقہ میں برطانیہ کو شکست دے کر ایک سلطنت پیدا کرلے۔ نپولین کی طرح مسولینی بھی برطانیہ کی شاہ رگ پر ضرب لگا کر اسے ذلیل کرنا چاہتا تھا۔

اس مقصد کے لیے مسولینی کے پاس پانچ لاکھ فوج تھی۔ ایک بیڑا، جس میں دس بڑے جنگی جہاز تھے۔ یہ تمام اہم مرکزوں سے جنگی کارروائی کرسکتے تھے۔ ہوائی بیڑے کے مرکز لیبیا میں تھے۔ برطانیہ کے برعکس اس کے خطوطِ رسد بہت مختصر تھے۔

جنگ افریقہ: پہلا دور

ڈیوک آف آؤسٹا شاہی خاندان میں سے تھا۔ اریٹریا، اطالوی صومالیہ اور مشرقی افریقہ

میں اس کے زیر کمان دولاکھ اطالوی تھے۔ان کے علاوہ دیسی فوجیں تھیں۔یہ فوجیں جنوبی سمت سے انگریزی و مصری سوڈان اور مصر پر پیش قدمی کے لیے تیار تھیں۔ان میں سے اکثر فوجی ایسے تھے جو پیشتر حبشہ کی مہم میں حصہ لے چکے تھے۔اس بڑی فوج کے مقابلے کے لیے صرف ڈیڑھ ہزار برطانوی اور دیسی فوج تھی۔

4 اگست 1940ء کو اطالوی فوجیں تین دستوں میں برطانوی اور فرانسیسی صومالیہ پر بڑھیں۔یہ علاقے بحیرۂ قلزم کے دہانے پر واقع تھے۔چنانچہ انھوں نے زیلع اور ہر جیزا پر قبضہ کرلیا۔ایک روز بعد وہ اودوینا پہنچ گئیں۔11 اگست کو انھوں نے برطانیہ کے اہم مورچوں پر حملہ کیا جو ہر جیزا اور بربرہ کی سڑک پر تھے۔15 اور 16 اگست کی درمیانی شب کو برطانوی فوج پسپا ہوگئی۔اس کی تعداد بھی کم تھی، توپیں بھی کم تھیں اور شمال و جنوب سے دوطرفہ دباؤ بڑھ رہا تھا۔ایک روز بعد یہ برطانوی فوج بربرہ سے جہازوں پر سوار ہوئی اور 19 اگست کی شب کو صومالیہ کا مکمل تخلیہ ہوگیا۔رومہ سے مشرقی افریقہ میں ''شاندار فتح'' کا اعلان ہوا۔کو مسولینی کے لیے یہ بڑی اہم خبر تھی۔سقوط فرانس نے تیونس کی طرف سے اطالوی فوجوں کا عقب مخلوط کردیا تھا اور انگریز اپنے جزیرے میں موت و حیات کی جنگ لڑ رہے تھے۔20 اگست 1940ء مسولینی نے اعلان کردیا کہ بحیرۂ روم اور اریقہ میں تمام برطانوی مقبوضات کی مکمل ناکہ بندی شروع ہوگئی ہے اور ہمارا اگلا اقدام مصر پر ہوگا۔

14 ستمبر 1940ء کو اڑھائی لاکھ اطالویوں کی ایک اور فوج مارشل گریزیانی کی سرکردگی میں بردویہ اور فورٹ کیپوزد (لیبیا) سے حرکت میں آئی اور مصر کی سرحد میں داخل ہوگئی۔جلد ہی حملہ آور ساٹھ میل اندر چلے آئے۔اطالویوں کو صحرائی علاقے کا بڑا خوف تھا اور وہ ساحل کے ساتھ ساتھ ہی رہے۔برطانوی بیڑے نے انھیں سخت آتشباری کا نشانہ بنالیا۔آخر اطالوی سدی برانی پہنچ کر ٹھہر گئے تاکہ مزید کمک اور رسد پہنچ جائے تو سکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں۔انگریز مرسامطروح کی طرف پسپا ہوگئے۔یہ سکندریہ کی لائن پر ایک سٹیشن ہے۔

اس اثنا میں برطانوی بیڑا مسولینی توقع کے مطابق برطانیہ نہ گیا بلکہ بحیرۂ روم ہی میں چکر

لگا تار رہا۔ جب موقع ملتا گریزیانی کے خطوط رسد پر حملے کرتا یا اطالوی بیڑے کو ختم کرنے کے لیے چھاپہ مارتا۔ برطانوی جہازوں نے فیصلہ کر لیا کہ انتظار نہیں کریں گے۔ چنانچہ 11 نومبر 1940ء کی شام کو خلیج ٹورنٹو پر حملہ کر دیا گیا۔ السٹریس نام ایک طیارہ بردار جہاز سے نو طیارے دو قطاروں میں اڑے اور اطالوی بیڑے کے درمیان تارپیڈو پھینکے۔ یہ بالکل ابتدائی فضائی حملہ تھا، جس میں تارپیڈو استعمال کیے گئے اور بہت کامیاب رہا۔ چھ بڑے اطالوی جہازوں میں سے تین اس جوانمردانہ حملے میں تباہ ہو گئے۔ ان کے علاوہ دو کروزر اور دو معاون جہاز بھی برباد کر دیے گئے۔ باقی اطالوی بیڑا محفوظ تر پانیوں میں چلا گیا اور برطانیہ کو بحیرۂ روم میں پورا اقتدار حاصل رہا۔

بلقان: پہلا دور

اب محوریوں کی نگاہیں بلقان کی طرف پلٹیں، جو یورپ کی اُبلتی ہوئی ہنڈیا تھی، یعنی تیل، غلے، مکھن کا سرچشمہ۔ اگر بلقان محوریوں کے قبضے میں آجاتا تو مشرق اوسط تک اتحادیوں کا بری راستہ کٹ جاتا۔ بلقان میں مدت سے متصادم مفادوں اور رقابتوں نے تفرقہ ڈال رکھا تھا۔

مسولینی اور ہٹلر توسیع کے سلسلے میں پہلا قدم یہ سمجھتے تھے کہ لامتناہی بلقانی جھگڑوں کو ختم کر دیں۔ شروع میں دونوں نے ڈپلومیسی کے ذریعے سے سب کچھ طے کرنا چاہا تاکہ قوت استعمال کیے بغیر بلقان پر نظم و ضبط کا انتظام ہو جائے۔ ہر وہ تدبیر استعمال کی گئی، جو بارہا آزمائی جا چکی تھی۔ یعنی پروپیگنڈا، دھمکیاں، اقتصادی دباؤ۔ آخر میں چیلنج دے دیا گیا کہ تعاون کرو یا تباہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ 30 اگست 1940ء کو ہٹلر اور مسولینی کے درمیان ''فیصلۂ دی آنا'' کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ ایک معاہدہ تھا، جس پر جرمنی، اٹلی، ہنگری اور رومانیہ نے دستخط کیے۔ بظاہر مقصد یہ تھا کہ بلقانی ممالک سے کشمکش کے اسباب دور کیے جائیں اور انھیں اکٹھا رکھا جائے۔ چنانچہ رومانیہ سے جنوبی ڈیروجا کا تین ہزار مربع میل علاقہ بلغاریہ کو اور ٹرنسلوانیا کا شمالی حصہ جو سولہ ہزار مربع میل تھا ہنگری کو دلا دیا گیا۔

کیروں دوم شاہ رومانیہ نے یہ تصرف اس لیے قبول کر لیا کہ روس کی طرف سے کوئی مخالف قدم نہ اٹھایا جائے۔ اہل رومانیہ جوش میں آ گئے۔ انھوں نے دھمکیوں کے مقابلے میں بادشاہ پر بزدلی کا الزام لگایا اور 3 ستمبر 1940ء کو اسے تاج و تخت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ کیروں نے تخت

بیٹے کے حوالے کیا۔ وہ باقی ماندہ ملک ایک فاشسٹ ڈکٹیٹر کے حوالے کر دینے پر مجبور ہوا، جس کا نام جنرل اینٹونیسکو تھا۔ 5 ستمبر کو دستور معطل کر دیا گیا اور پارلیمنٹ توڑ دی گئی۔ 7 اکتوبر 1940ء کو جرمن فوجیں رومانیہ میں داخل ہو گئیں تاکہ وہاں کی فوجیں از سرِ نو منظم کریں۔ ساتھ ہی 14 اکتوبر کو اطالوی پہنچ گئے اور ملک کو نئے محوری نظام کے تابع لایا گیا۔

اسی طرح محوریوں کی ڈپلومیٹک کارروائیاں جاری تھیں۔ ہنگری بربادی سے ڈر کر پہلے ہی محوریوں سے مل گیا تھا۔ 14 نومبر 1940ء کو سلواکیہ بھی محوریوں کے ساتھ ہو گیا، جو 1939ء سے جرمنوں کے زیرِ حفاظت چلا آتا تھا۔ اسی دور میں یوگوسلاویا اور بلغاریہ پر بھی محوری دباؤ پڑتا رہا۔ صرف یونانی بلقان میں محوریوں کے دعاوی کی مخالفت کرتے رہے۔

یونان میں اٹلی کی سخت تذلیل

15 اکتوبر 1940ء کو روما میں ایک جنگی کونسل منعقد ہوئی۔ بحیرۂ روم کی کارروائیوں میں تین تباہ کن جہاز ڈوبنے کا اعلان برطانوی وزارتِ بحریات کی طرف سے ہو چکا تھا۔ لیکن جنگی کونسل میں مسولینی کے تمام جرنیل یکے بعد دیگرے لڑائی پر آمادگی کی ڈینگیں مارتے رہے۔ اگر جرنیل حقیقتِ حال مسولینی کو بتاتے تو اس کے عزائم پر اوس پڑ جاتی۔ حقیقتاً اطالوی فوجوں میں جنگ کے لیے کوئی جذبہ نہ تھا۔ ان کی تیاری اچھی نہ تھی۔ سالار بہت نکمے تھے۔ ہزاروں البانیہ اور یونان کے پہاڑوں میں منجمد ہو کر مر گئے اور مسولینی کے لیے قربانی کے بکرے بنے۔

مسولینی فاشزم کے لیے ارزاں فتح کا متقاضی تھا۔ نازیوں نے زبردست فتوحات حاصل کی تھیں اور وہ ایک کے بعد دوسری فتح پے در پے حاصل کرتے رہے۔ اطالویوں کا وقار برابر گھٹتا جا رہا تھا۔ یہ امر خاصا ہراس انگیز تھا، لہٰذا مسولینی نے دنیا کو فاشزم کی طاقت و قوت دکھانے کی ایک نئی تجویز سوچی، یعنی افریقی مہم کے علاوہ یورپ کی سرزمین پر جلد سے جلد فتح حاصل کرے۔ اس نے یونان کی طرف توجہ کی اور سوچا کہ چار کروڑ تیس لاکھ اطالویوں کے لیے جن کے پاس دورِ حاضر کے میکانکی سامان موجود ہیں وہ نوے لاکھ یونانیوں کو، جن کے ہتھیار اچھے نہیں، ایک رات میں ختم کر دیں گے۔ یوں فاشسٹوں کی عظمت و شوکت ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گی

اور اٹلی میں ایک گوری محرابہائے فتح تعمیر کی جائیں گی۔

چنانچہ محوریوں کے خاص انداز کے مطابق زمین ہموار کی گئی۔ اگست 1940ء میں مسولینی نے یونان سے گفتگو شروع کی۔ اس کا مطالبہ یہ تھا کہ 1939ء میں برطانیہ نے یونان کو آزادی کی جو ضمانت دی ہے، وہ واپس کردی جائے۔ شاہ جارج سوم اور وزیراعظم میٹکساس نے غصے سے یہ مطالبہ ٹھکرا دیا۔ اس پر مسولینی نے اعلان کر دیا کہ یونان غیر جانبدار ملک نہیں بلکہ برطانیہ کو خفیہ امداد دے رہا ہے اور اس نے البانیا کی سرحد پر دہشت انگیزی شروع کر دی ہے۔ ساتھ ہی سرحد پر فوجیں جمع کرلیں۔ 28 اکتوبر 1940ء کو تین بجے اطالوی سفیر مقیم ایتھنز نے تین گھنٹے کا الٹی میٹم دے دیا۔ دو لاکھ فاشٹ فوجیں البانیہ سے یونان میں داخل ہو گئیں۔ اطالویوں نے پتراس پر بمباری کی۔ برطانیہ نے یونان کو امداد کا وعدہ دے دیا۔ دو روز بعد اعلان ہو گیا کہ یونانی پانیوں میں سرنگیں بچھا دی گئی ہیں۔ 6 نومبر 1940ء کو چرچل اور ہیلی فیکس نے یونان کے لیے پچاس لاکھ پونڈ کے برطانوی قرضے کا اعلان کر دیا۔ برطانوی فوجیں ہرنائی کے ساحل پر اترنی شروع ہو گئیں۔

اطالویوں کے نزدیک اس جنگ میں کامیابی حد درجہ آسان سمجھی جاتی تھی۔ یونانیوں کے پاس صرف چند سو پرانے ہوائی جہاز تھے۔ کوئی میکانکی سروسامان نہ تھا اور چند سو بھاری اسلحہ تھے۔ مزید مشکل یہ پیش آئی کہ یونانیوں نے جو دفاعی استحکامات قائم کیے تھے۔ وہ بلغاریہ کی سرحد کے ساتھ ساتھ تھے، نہ کہ البانیہ کی سرحد کے ساتھ ساتھ۔ ان استحکامات کو خط میٹکساس کہا جاتا تھا۔ اطالوی فوجیں چند ہفتے فاشٹ ترانہ گاتی اور بادۂ فتح کے لطف اڑاتی ہوئی یونان کی شمالی وادیوں میں بڑھی چلی گئیں۔ یہاں بھی مسولینی کا فیصلہ غلط ثابت ہوا، یعنی اس نے اپنی فوج کو غلط موسم میں پہاڑی علاقوں کے اندر بڑھنے کا حکم دے دیا۔

یونانیوں نے پہاڑی باشندوں سے منتخب پیادے بھرتی کیے تھے، جنھیں ''ایوزنز'' کہتے تھے۔ وہ دشمن کے ساتھ برادرانہ روابط پیدا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کی وادیاں بالکل سفید تھیں اور سامان بھی سفید رنگ کا تھا۔ وہ پہاڑیوں اور پہاڑوں پر جابجا جم گئے۔ جنرل میٹکساس اعلیٰ درجے کا ماہر فن حرب تھا۔ وہ انتظار میں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اطالوی لشکر تنگ وادیوں میں

دور دور تک پھیل گئے اور رسد کے مرکزوں سے خاصے دور ہو گئے۔ پھر میٹکساس نے ضرب لگائی۔ اس کے تجربہ کار اور باراں دیدہ پہاڑی جنگجوؤں نے اطالوی ہجوم پر گولے برسانے شروع کر دیے۔ اس طرح موت و ہلاکت کا بازار گرم ہو گیا۔ ایک ایک اطالوی لشکر نیست و نابود کر ڈالا گیا۔ اس کے بعد یونانیوں نے متحد ہو کر جوابی حملہ شروع کیا۔ اطالوی ہمت ہار چکے تھے، سڑکیں خراب تھیں، بارش کثرت سے ہو رہی تھی۔ ایسی جنگ ان کے مذاق کے مطابق نہ تھی، لہٰذا پسپائی پر کمر باندھ لی۔ رومہ کے لیے یہ خبر حد درجہ بڑی تھی۔

سال ختم ہونے تک البانیہ کا ایک چوتھائی حصہ یونانیوں کے قبضے میں آ گیا۔ اطالویوں کو سالہا سال تک فاشسٹوں کے ناقابلِ شکست ہونے کی تلقین کی جا رہی تھی۔ یہ خبریں ان پر بجلی بن کر گریں۔ اس نے کہا:

''ہم یونانیوں کی کمر توڑیں گے اور ہمیں کسی مدد کی ضرورت نہیں۔''

لیکن اس سے مدد ملی، خواہ وہ لینا چاہتا تھا یا نہیں۔

افریقہ میں برطانیہ کا اقدام

اطالویوں کے لیے مزید بڑی خبروں کا انتظام ہو گیا۔ جس اطالوی فوج نے ستمبر 1940ء میں سدی برانی پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ سکندریہ پر پیش قدمی کے لیے کمک کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اس کا مقابلہ جنرل ویول سے تھا، جس نے چھوٹی سی فوج نیل کی قوت، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہندوستان، پولینڈ اور آزاد فرانسیسی علاقوں کی تھوڑی سی کمک سے بڑھا لی تھی۔ ویول نے پہلی عالمی جنگ میں صحرائی طریق جنگ لارڈ ایلنبی کے ماتحت سیکھا تھا۔ اب اس نے مشکلات کے باوجود چالیس ہزار آدمی حملے کے لیے تیار کر لیے۔ انھیں متحدہ صحرائی جنگ کی نہایت عمدہ تربیت دے دی گئی تھی۔ 9 دسمبر 1940ء کو ٹینک مرسا مطروح سے نکلے اور اس وقت محض ایک زبردست چھاپہ مارنا مقصود تھا، مگر یہ چھاپہ بہت اہمیت اختیار کر گیا۔ اطالویوں پر سخت ضرب لگی۔ دو روز میں ویول نے سدی برانی لے لیا۔ وہاں کی پوری یورپی اور دیسی فوج قید کر لی گئی۔

اب برطانوی پیش قدمی تیز تر ہو گئی۔ وسط دسمبر تک حیرت زدہ اطالوی مصر سے باہر نکال دیے گئے۔ 23 دسمبر کو لندن سے اعلان ہوا کہ افریقی مہم میں پینتیس ہزار نو سو انچاس اطالوی قیدی

پکڑے گئے۔ بردیہ لیبیا میں اطالویوں کا زبردست حصار تھا۔ 5 جنوری 1941ء کو یہ مقام بھی فتح ہو گیا اور تیس ہزار اطالوی قید ہوئے۔ اگلا قدم طبرق پر پڑا جسے آسٹریلیائی فوج نے زبردست بحری، فضائی اور بری حملے کے بعد لے لیا (22 جنوری) اس مقام سے پچیس ہزار قیدی اور پچاس ٹینک ہاتھ آئے۔

یہ بڑی شاندار مہم تھی۔ دو مہینے میں فوج نیل نے سدی برانی سے بنغازی تک پورا شمالی ساحلی علاقہ فتح کر لیا۔ ایک لاکھ تیس ہزار قیدی پکڑے گئے۔ تیرہ سو توپیں اور وسیع ذخائر ہاتھ آئے۔ اس برق رفتار مہم میں برطانیہ نے دس اطالوی ڈویژن ختم کر دیے۔ خود ان کے مقتولین و مجروحین کی تعداد ایک ہزار سات سو چوہتر تھی (مقتولین 438)۔ دوسری عالمی جنگ میں خشکی پر برطانیہ کی یہ پہلی فتح تھی۔

مشرقی افریقہ میں مسولینی کو مزید تحیر خیز واقعات سے سابقہ پڑا۔ اطالویوں نے ابتدائی جنگ میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اس کامیابی سے انھیں زیادہ عرصے تک تمتع کا موقع نہ مل سکا۔

اس اثنا میں برطانوی بحری قوت نے اٹلی پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا اور اطالوی بیڑا رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا۔ 9 فروری 1941ء کو ایک برطانوی فوج نے روز روشن میں جنیوا پر گولہ باری کی۔ بجلی کے کارخانے، ریل کے سٹیشن اور گودیوں پر جمع کیے ہوئے ذخیرے تباہ کر ڈالے، اسی روز چرچل نے امریکا کے نام پیغام نشر کیا:

"ہمیں اسلحہ دیجیے اور ہم کام کو اتمام پر پہنچا دیں گے۔"

27 مارچ 1941ء کو اطالوی بحری قوت نے سوچے سمجھے بغیر ایک برطانوی بیڑے کو روکنا چاہا جس میں فوج اور سامانِ رسد یونان بھیجا جا رہا تھا۔ بحری قوت اس بیڑے کی محافظ تھی۔ مسولینی کے ملاح بیٹھے بٹھائے آفت مول لینے کے خواہاں تھے، ان کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ برطانیہ کے دیکھ بھال والے طیاروں نے سراغ لگا لیا کہ اطالوی جہاز راس متاپن کے پاس ہیں اور وہ یونان کے جنوبی حصے کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ چنانچہ برطانیہ کی بحری قوت ان پر ضرب لگانے

کے لیے روانہ ہوگئی۔تاریکی میں ان توپوں سے کام لیا گیا، جن کی رہنمائی ریڈار کے ذریعے سے ہوتی تھی اور برطانوی بحری قوت نے اٹلی کے تین کروزر اور تین تباہ کن جہاز ڈبو دیے۔ایک نئے جنگی جہاز کو سخت نقصان پہنچایا اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی بری طرح ہدف بنیں۔ برطانوی طیاروں نے بھی جن کے اڈے یونان میں تھے، لڑائی میں حصہ لیا۔صرف دو طیاروں کو نقصان پہنچا۔

11

بحیرۂ روم کے لیے جنگ
(2)

بلقان: دوسرا دور

روس پر حملے سے پیشتر ہٹلر یقین حاصل کر لینا چاہتا تھا کہ کوئی حریف قوت بلقان کی جانب سے خطرے کا باعث نہ بنے گی۔ گویا اس کے لیے جنوبی بازو کو مستحکم کر لینا حد درجہ ضروری تھا۔

طبعاً پہلے اعصابی جنگ شروع ہوئی۔ رومانیہ اور ہنگری پہلے سے محوریوں کے زیرِ اقتدار آ چکے تھے۔ باقی بلقانی ممالک بھی یکے بعد دیگرے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیے گئے۔ یکم مارچ 1941ء کو بلغاریہ نے محوریوں کے ساتھ ایک رسمی معاہدہ کر لیا۔ اگلے روز جرمن فوجیں صوفیا اور وارنا میں داخل ہو گئیں۔ صرف یوگوسلاویا اور یونان باقی رہ گئے۔

یوگوسلاویا سب سے بڑی بلقانی مملکت تھی۔ رقبہ پچانوے ہزار پانچ سو چھہتر مربع میل (اٹلی کا تین چوتھائی) اور آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ۔ یوگوسلاویا کو ساتھ ملانے کے لیے ہٹلر نے ان جرمن فوجوں کو دھمکی کے لیے استعمال کیا جو بلغاریہ اور ہنگری میں موجود تھیں۔ 25 مارچ 1941ء کو یوگوسلاویا کو ایک سہ گانہ معاہدے پر دستخط کے لیے مجبور کر دیا گیا جس کے مطابق وہ ہٹلر کے نظامِ نو کا تازہ ترین رکن بن گیا۔ جرمنی نے اقرار کر لیا کہ یوگوسلاویا کی برتری اور اس کے حدود کے استقلال کا احترام کیا جائے گا اور اس کے علاقوں میں سے جرمن فوج گزارنے کا

کبھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

اس معاہدے پر یوگوسلاویا کے عوام کا غصہ آخری حد پر پہنچ گیا۔دو روز بعد (27 مارچ 1941ء) 2 بجے شب انقلاب برپا ہوا۔فوجی افسروں کے ایک حلقے نے جنرل سموک کی سرکردگی میں قدم اٹھایا۔حکومت کے تمام ممتاز ارکان کو گرفتار کرلیا۔نائب السلطنت شہزادہ پال تخت چھوڑنے پر مجبور ہوا اور 18 سالہ ولی عہد شہزادہ پیٹر بادشاہ بنادیا گیا۔ایک مشترک حکومت منظم کی گئی۔اس میں تمام پارٹیوں کے نمائندے شریک تھے۔صرف وہ گروہ باہر رکھے گئے جو جرمنی کے ساتھ مفاہمت کے حامی تھے۔

ہٹلر اس بے عزتی کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔جرمن اخباروں نے شور مچادیا کہ یوگوسلافیا کے اندر جرمنی کے خلاف جو مظاہرے ہوئے ان کے پس پردہ روس کارفرما ہے اور یوگوسلاویا کے باشندے جرمن باشندوں کو زدوکوب کررہے ہیں اور ان کے گھر جلا رہے ہیں۔حملے سے پیشتر نازی اسی طرح کے اقدامات کیا کرتے تھے۔6 اپریل 1941ء کو سوا پانچ بجے صبح حملہ ہوا جو حد درجہ تیز تھا۔ایک ہزار نازی جہاز اور بیس ڈویژن فوج (تقریباً ساڑھے چھ لاکھ) بھیجی گئی۔ایک نئی برق رفتار جنگ شروع ہوئی۔فضائی اڈے، پل، وسائل نقل وحمل، خدمتِ عوام کے دوسرے ادارے تباہ کردیے گئے۔چند گھنٹوں کے اندر اندر یوگوسلاویا میں بجلی، ٹیلیفون اور ریڈیو کا کوئی سلسلہ باقی نہ رہا۔

گیارہ روز میں جنگ ختم ہوگئی۔ملک کے ٹکڑے کردیے گئے۔یوگوسلاویوں کی حالت اس درجہ نازک تھی کہ انھیں ہتھیار ڈال دینے کے سوا چارہ نہ رہا۔17 اپریل 1941ء کو جرمنوں نے اعلان کردیا کہ یوگوسلاویا کی پوری فوج حوالے ہوچکی ہے۔اسی روز ایک برطانوی جہاز نے شاہ پیٹر کو کوٹور سے نکال لیا۔پھر یوگوسلاویا کے حصے بخرے کرلیے گئے۔کچھ علاقے جرمنی، اٹلی، ہنگری اور بلغاریہ کو دے دیے گئے، باقی علاقوں کی ایک ماتحت مملکت بنادی گئی لیکن یوگوسلاویا پر قبضے کا مطلب یہ نہ تھا کہ اسے فتح کرلیا گیا۔چھاپہ مار دستے پہاڑوں میں جا بیٹھے اور انھوں نے پہاڑوں، جنگلوں اور دیہات میں مزاحمت جاری رکھی۔

دوسرا ڈنکرک: یونان

6 اپریل 1941ء کو یوگوسلاویا پر حملہ ہوا تھا۔ اسی روز ہٹلر نے شمال اور مشرق سے متعدد جیش یونان پر دھکیل دیے۔ ایک جیش کو درہ روپل میں خونریز جنگ پیش آئی، پھر وہ دررور کی وسیع وادی میں داخل ہو گیا اور خط میٹکساس کے اوپر سے گزرتے ہوئے اس نے تین یونانی ڈویژن باقی فوج سے منقطع کر دیے۔ سالونیکا پر قبضہ کر لیا، جہاں دریائے دررور سمندر میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں صرف دو روز صرف ہوئے۔

جرمن بکتر بند دستوں کے اچانک حملے نے یونانیوں پر سخت ضرب لگائی۔ یونانی فوج کے بارہ ڈویژن ملک کی دوسری جانب البانیہ کی ہلالی سرحد کے ساتھ ساتھ اطالویوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ جب انھیں خبر ملی کہ جرمنوں نے عقب سے حملہ کر دیا ہے تو یونانی کمانداروں نے اپنے پہلے جنگی نقشے پھاڑ ڈالے اور یہ کہتے ہوئے پلٹے کہ ہم جرمن کو بحیرۂ بالٹک میں دھکیل دیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ کیا صدر روزویلٹ نے یہ اعلان نہیں کیا کہ یوگوسلاویا اور یونان کو ہر ممکن مدد دی جائے گی۔ یقیناً یونانیوں کے حوصلے بڑے بلند تھے لیکن جرمنوں کے پاس بکتر بند دستے تھے اور وہ جانتے تھے کہ ان سے کیوں کر کام لینا چاہیے۔

انگریزوں کو فوجی نقطۂ نگاہ سے نہیں، صرف سیاسی نقطۂ نگاہ سے مداخلت کرنی پڑی۔ انھوں نے چھپن ہزار چھ سو ستاون جوان مرد یونان میں پہنچا دیے، جن میں سے زیادہ تر آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے افراد تھے جو لیبیا سے لائے گئے تھے۔ انھیں پانچ لاکھ جرمن فوج سے مقابلہ درپیش تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل بے سود کارروائی تھی۔ اس سے یونان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ لیبیا میں برطانوی فوج اتنی کمزور ہو گئی کہ اسے مزید پسپائی پر مجبور ہونا پڑا۔

ہٹلر کا منصوبہ یہ تھا کہ برطانوی فوجوں کو مشرق کی جانب سے پامال کرے اور اطالوی ان پر مغرب کی طرف سے حملہ آور ہوں۔ شدید مزاحمت کے باوجود یہ حملہ کامیاب رہا۔ نازیوں نے مناستر کے خلاء سے جنوبی جانب فلورینا پر پیش قدمی کی۔ اس طرح یونانی اور برطانوی فوجیں دو حصوں میں بٹ گئیں۔ آسٹریا اور نیوزی لینڈ کے دستے آہستہ آہستہ سالونیکا کے میدان کی طرف

پسپا ہوئے۔ جرمنی کے طیارے ان پر بم برساتے رہے۔ برطانوی طیاروں کی طرف سے بہت کم امداد مل سکی، کیوں کہ ایک ایک ہوائی اڈا پیش قدمی کرنے والے جرمنوں کے لیے چھوڑنا پڑا۔

اب ظاہر تھا کہ برطانوی فوج کو جلد از جلد یونان سے باہر نکل جانا چاہیے۔ حکومتِ یونان نے بڑی فراخدلی سے انگریزوں کو پیغام بھیج دیا:

''آپ نے ہمارے بچاؤ کے لیے انتہائی کوشش کی۔ ہم ختم ہو چکے ہیں لیکن جنگ ابھی تک ہاری نہیں۔ آپ اپنی فوج کا جتنا زیادہ سے زیادہ حصہ بچا کر لے جا سکتے ہیں، بچا کر لے جائیں تاکہ کسی دوسری جگہ فتح حاصل کرنے میں مدد ملے۔''

یونان کے لیے یہ دل شکن المیہ تھا۔ اگرچہ وہ اطالوی حملہ آوروں پر شاندار فتح حاصل کر چکے تھے لیکن جرمنوں کی مداخلت نے انھیں آزادی سے محروم کر دیا۔ برطانیہ کی کوشش یہ تھی کہ جرمنوں کو سویز سے دور رکھیں۔ یہاں انھوں نے ایک اور شکست کھائی۔ واشنگٹن نے فوراً اعلان کر دیا کہ یونانیوں کا جو نقد روپیہ اور قرضہ امریکا میں موجود ہے (مقدار تقریباً ساڑھے چار کروڑ ڈالر) کاروبار سے خارج کر دیا گیا۔ ہٹلر کے لیے یہ بہت بڑی فتح تھی مثلاً اس نے اٹلی کی قوت کا افسانہ قائم رکھا اور مسولینی کو یونان کے بعض حصوں پر قبضے کا موقع دے دیا، مگر یہ محض ایک علامتی چیز تھی کیوں کہ جلد ہی اس نے پورے بدنصیب ملک کو اپنے انتظام میں لے لیا۔

تیسرا ڈنکرک: کریٹ

یونان کی شکست اتحادیوں کے لیے سخت ضرب تھی۔ اس کے بعد مزید بری خبریں ملنے والی تھیں۔ نازیوں کی قوت پورے زور سے جزیرۂ کریٹ پر حملہ کرنے والی تھی۔ طیاروں کے ذریعے سے بڑی فوج دوسری جگہ پہنچانے کا تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا۔ اس سے قبل کبھی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ کریٹ کو اطالوی کنیڈیا، عرب قندہ اور ترک کبرداداسی کہتے تھے۔ یہ جزیروں کے ایک سلسلے کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جو مجمع الجزائر یونان کو مشرقی بحیرۂ روم کے طاس سے الگ کرتا ہے۔ یہ تقریباً ایک سو ساٹھ میل لمبا ہے اور اس کا عرض پینتیس میل سے ساڑھے سات میل تک ہے۔ جنوبی ساحل پہاڑی ہے۔ ادھر سے داخلہ مشکل ہے لیکن شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ وسیع

ہموار علاقے موجود ہیں۔ 1894ء میں یہاں منظم اکتشافات شروع ہوئے۔ ماہرین آثارِ قدیمہ نے بہت سے مقامات پر کھدائی کی اور نوسوس کا مشہور محل بھی اسی کھدائی میں نمایاں ہوا۔ افسانوں میں بتایا گیا ہے کہ یونانیوں کا سب سے بڑا دیوتا زیوس کریٹ ہی میں پیدا ہوا تھا۔

دورِ حاضر کے انگریزوں کے نزدیک کریٹ کی اہمیت محض اتنی نہ تھی کہ یہ آثارِ قدیمہ کا ایک اہم مقام تھا۔ یہ ہندوستان کے راستے کا ایک نہایت اہم مقام تھا۔ اس سے فلسطین اور مصر دونوں کی حفاظت ہوتی تھی۔ اٹلی اور جزائر دراز دہ گانہ کے درمیان آمدورفت روکی جا سکتی تھی اور اس کی بڑی طبعی بندرگاہ میں جو خلیج سوڈان میں ہے، برطانوی بیڑے کے بعض جہاز پناہ لے سکتے تھے۔ کریٹ میں صرف تین بٹالین فوج موجود تھی، اس کے پاس بہت سی بھاری اور ہلکی طیارہ شکن بیڑیاں، ساحلی حفاظت کا توپخانہ اور سرچ لائٹ کا انتظام موجود تھا۔

میجر جنرل فرائی برگ اس فوج کا کماندار تھا۔ وہ نیوزی لینڈ کا ایک جوان مرد فرد تھا، جس نے پہلی عالمی جنگ میں بہادری کی بنا پر وکٹوریا کراس حاصل کیا تھا۔ چرچل اسی وقت سے فرائی برگ کو ایک زبردست جوان مرد مانتا تھا اور اسی بنا پر کریٹ کی حفاظت کا انتظام اسے سونپا تھا۔

حملے کی امید پر انگریزوں نے جزیرے میں کمک بھیجنے کی کوشش کی لیکن وقت گزر چکا تھا۔ مئی 1941ء کے پہلے دو ہفتوں میں وہ صرف چند ہزار ٹن رسد پہنچا سکے۔ جرمن طیاروں کے حملوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ پھر 20 مئی 1941ء کو 8 بجے صبح تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوائی جہازوں سے فوج وہاں پہنچائی گئی جس کے ساتھ تھوڑے سے بھاری اسلحہ بھی تھے وہ بری فوج پر غالب آ گئی۔ پہلے جرمنوں نے جو چیز ہوائی اڈوں یا سڑکوں پر متحرک دیکھی، اسے گولیوں اور بموں کا نشانہ بنا لیا۔ فوراً طیارہ شکن بیڑیاں خاموش کر دی گئیں۔ اس کے بعد سنسنی پیدا کرنے والی یکجہتی سے انتہائی باقاعدگی کے ساتھ چھاتا فوج اتاری گئی۔

شروع میں برطانیہ، نیوزی لینڈ اور یونان کے مدافعین نے ایسا سمجھا کہ مرغابیوں کا شکار کھیلنے کا وقت آ گیا جو اوپر سے اترتا، زمین پر پہنچنے سے پیشتر ہی گولی کا نشانہ بن جاتا۔ غرض ابتدائی اترنے والوں میں سے، جن کی تعداد ساڑھے تین ہزار تھی، اکثر مارے گئے۔ بہت سے سمندر میں گرے اور چھتریوں میں الجھ کر رہ گئے اور وہ ڈوب گئے۔ دوسرے درختوں میں پھنس گئے۔ گولی

چلانے والوں نے انھیں وہیں ختم کر دیا۔ اہل کریٹ کے پاس زنگ خوردہ خنجر تھے۔ انھوں نے جرمنوں کو ندیوں اور سواحلِ بحر پر ذبح کر ڈالا لیکن وہ نقصان سے بے پرواہ ہو کر آتے گئے۔ جب انھوں نے فضائی اڈوں پر قبضہ کر لیا تو انھیں کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی۔ گلائیڈروں کی قطاریں اور طیارے آتے رہے۔ طیارے ایک گھنٹے میں کم از کم بیس آتے تھے۔ اڈوں پر ٹوٹے پھوٹے طیارے پڑے ہوئے تھے، انھیں میں اترتے جاتے۔ جب فضا پر ان کا پورا قبضہ ہو گیا (برطانوی ہوائی فوج ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر جنوب یعنی افریقہ میں تھی اور اتنی دور تھی کہ مدد نہیں دے سکتی تھی) تو جرمن کریٹ کے مغرب سے مشرق کی سمت بڑھے۔ اطالویوں نے مشرق سے مغرب کی طرف پیش قدمی کی۔ یوں سنسی کی طرح انھوں نے دشمن کو بھینچ لیا۔ ہوائی حملے کے ساتھ ہی جرمن اور اطالوی فوجی جہاز، تارپیڈو کشتیاں اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں لے کر یونانی بندرگاہوں سے کریٹ کی طرف چلے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسیوں نے امیر البحر کنگھم کو اطلاع دے دی۔ اس نے ہلکی بحری فوج ان قافلوں کی روک تھام کے لیے بھیج دی۔ 21 مئی 1941ء کو ساڑھے گیارہ بجے شب برطانیہ کی بحری قوت نے جرمنوں اور اطالویوں کو جا لیا۔ اس وقت وہ کریٹ سے تقریباً اٹھارہ میل شمال کو تھے۔ تین برطانوی کروزروں اور چار تباہ کن جہازوں نے حملہ کر دیا۔ پہلے قافلے میں سے چار سو آدمی سمندر کی تہ میں پہنچ گئے۔ دوسرے قافلے کی پانچ ہزار فوج واپس چلی گئی۔

اواخر مئی تک جزیرے پر قابض رہنے کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں۔ چنانچہ باقی دفاعی فوجوں کو آہستہ آہستہ دوسرے مقامات پر منتقل کیا گیا اور ایک مرتبہ پھر برطانیہ نے مظاہرہ کر دیا کہ وہ کسی فوج کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ کریٹ کے مدافعین بری طرح پھندے میں پھنس گئے تھے، مگر وہ دن کے وقت غاروں میں چھپے رہتے۔ رات کو تباہ کن جہازوں میں سوار ہو کر ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر مصر پہنچائے جاتے۔ دشمنوں کی طرف سے بم اولوں کی طرح برستے۔ نصف کے قریب برطانوی فوج بچالی گئی۔ بعد میں چھاپہ ماروں نے ایک ہزار مزید آدمی نکال لیے۔ یہ بھی برطانیہ کی شکست ہی تھی۔ فوجی نقصان کے علاوہ دو ہزار کے قریب بحری فوج کا بھی نقصان ہوا۔ علاوہ بریں تین کروزر، چھ تباہ کن جہاز اور انتیس چھوٹے سفینے سمندر کی نذر ہوئے۔ ایک جنگی جہاز، چار کروزروں اور سات تباہ کن جہازوں کو نقصان پہنچا۔ یہ نقصان بہت

زیادہ تھا، برطانیہ کا وقار متزلزل ہو گیا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اگر کریٹ کو ہوائی حملے سے نہ بچایا جاسکا جو یونان سے ایک سو میل کے فاصلے پر تھا اگر ہٹلر نے انگلستان پر حملہ کیا تو اس کا کیا حشر ہوگا اور انگلستان کیلیے سے صرف بیس میل پر تھا۔

شرق اوسط میں جنگ

شرق اوسط میں جنگ ایک ضمنی نمایش تھی مگر بڑی اہم تھی۔ ہٹلر کو شرق اوسط کے تیل کے چشموں نیز سویز پر حملے کے اہم جنگی مرکز نے اپنی طرف کھینچا تھا۔ چوں کہ عربوں کے متعلق خیال تھا کہ وہ صرف قوت کا احترام کرتے ہیں اس لیے قوت کی زیادہ سے زیادہ نمایش کی گئی تا کہ یقین ہو جائے ان کا مستقبل نازی جرمنی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اتحادیوں کو بھی شرق اوسط کی اشد ضرورت تھی۔ اول اس لیے کہ وہاں تیل تھا، دوم روس تک رسد پہنچانے کا بری راستہ صرف شرق اوسط میں سے جاتا تھا۔ جرمنی کی طرف سے حملے کے بعد اسی راستے سامان بھیجا جاسکتا تھا۔ 1941ء کے موسم بہار میں اتحادیوں نے اس حصے میں حلیف مملکتیں پیدا کرنے کی غرض سے کئی اقدامات کیے۔ اگر ہٹلر قسطنطنیہ اور آبناؤں پر قابض ہو جاتا تو پھر بھی بحیرۂ قلزم سے خلیج فارس تک کے علاقے اتحادیوں کے زیر اثر تھے۔

جب رشید علی گیلانی نے انگریزوں کو عراق سے نکل جانے کا حکم دے دیا (رشید علی نازیوں کا حامی تھا) تو انگریزوں نے اپریل 1941ء میں رشید علی کو باہر نکال کر اتحادیوں کی حامی حکومت قائم کر لی۔ مئی 1941ء میں نازی کارندوں نے ایسی بدنظمی پیدا کی جس سے حیفا کی پائپ لائن اور موصل و کرکوک کے چشمہ ہائے نفت خطرے میں پڑ گئے۔ یہ چیزیں برطانیہ کے بحیرۂ روم والے بیڑے کے لیے بے حد ضروری تھیں۔ ویول نے مسلح موٹروں کی ایک فوج چار سو میل کے صحرائی علاقے میں سے بھیج دی اور یکم جون تک بغاوت فرو کر دی گئی۔ اسی روز برطانوی فوجیں بغداد میں داخل ہوئیں اور تیل کی بہم رسانی کا سلسلہ محفوظ ہو گیا۔

سقوط فرانس کے فوراً بعد فرانس کے اُن افسروں نے جو حکومت وشی کے حامی تھے، جرمنوں کے زیر اثر سازش کی کہ شام و لبنان ...... جو فرانس کے زیر انتداب تھے اور مصر و نہر سویز کے تعلق

میں انھیں کلیدی حیثیت حاصل تھی...... محوریوں کے حوالے کر دیے گئے۔ 8 جون 1941ء کو انگریزی اور فرانسیسی فوجیں فلسطین و عراق سے شام و لبنان میں داخل ہو گئیں۔ برطانوی بیڑا اور برطانوی طیارے ان کے معاون تھے۔ شام میں کوئی مزاحمت نہ ہوئی اور برج، عیون، جبل یرمون کے خط تک فوج پہنچ گئی۔ 21 جون کو دمشق آزاد فرانسیسی فوج کے ہاتھوں فتح ہو گیا جو جنرل ڈیگال کی وفادار تھی۔ تین ہفتے بعد فرانس کی وشی حکومت نے متارکے کی درخواست کی۔ برطانیہ نے محوریوں کے حامی دونوں ملکوں سے نکال دیے اور حلیف حکومتیں قائم کر دیں۔ اس طرح شرق اوسط کا ایک بازو محفوظ ہو گیا۔

اب اتحادیوں کی توجہ ایران پر ہوئی جس کا حکمران رضا شاہ پہلوی محوری مقاصد سے ہمدردی رکھتا تھا۔ ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو اگست 1941ء میں برطانیہ اور روس کی فوجیں ایران میں داخل ہو گئیں تاکہ اسے جرمنوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بچایا جا سکے۔ جنوری 1942ء میں برطانیہ اور روس نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے مطابق ایران کے علاقائی استقلال، برتری اور سیاسی آزادی کے احترام کا وعدہ کیا۔ دونوں ملکوں نے اقرار کر لیا کہ وہ جنگ ختم ہونے پر زیادہ سے زیادہ چھ مہینے کے اندر فوجیں ایران سے نکال لیں گے۔ دسمبر 1943ء میں تہران کے اندر کانفرنس ہوئی تو وہاں امریکا نے بھی محولۂ بالا انتظام سے اتفاق کر لیا۔

12

جرمنی کا حملہ روس پر

(1)

ہٹلر نپولین کی حیثیت میں: پہلا مرحلہ، حملہ

یورپی ملک یکے بعد دیگرے فتح ہو چکے تھے۔ 21 جون 1912ء کو نپولین نے اپنی فوجوں کے نام ایک زبردست حکم جاری کیا۔ دوسرے روز یعنی 22 جون کو نپولین کی فوجیں دریائے نیمن سے گزرتی ہوئی پُرزور طریق پر آگے بڑھیں۔ روسیوں کے دو غیر مادی حلیف تھے۔...... مکان و زماں...... یہ حلیف حملہ آوروں کو ملک کے اندر سے دور تک کھینچ لے گئے۔ فاتح نے ماسکو پر قبضہ کر لیا لیکن اسے جلتے ہوئے شہر میں بند ہونا پڑا۔ پھر روس کے سرمانے اسے معطل کر دیا۔ چنانچہ واپسی میں برف باری نے اس کی عظیم الشان فوج تباہ کر ڈالی۔

تاریخ میں مماثل واقعات کی کوئی خاص حیثیت نہیں لیکن ہم ان کے متعلق خیال آرائی ضرور کر سکتے ہیں۔ ذیل میں چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں ہر جگہ نپولین کے بجائے ہٹلر نام رکھا جا سکتا ہے:

1- نپولین کو اپنی غیر معمولی عسکری صلاحیتوں پر پورا بھروسا تھا۔ وہ اپنے اکثر مارشلوں اور جرنیلوں کے مشورے کے خلاف روس میں طالع آزمائی کے لیے تیار ہو گیا۔ ان کے

مشورے رد کرتا رہا۔

2- نپولین جنگ کے لیے روانہ ہوا تو اس کی تیاری مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ قطعاً اندازہ نہ کر سکا کہ طویل خط رسد کے ساتھ ساتھ اتنی بڑی فوج کے لیے ضروری چیزیں بہم پہنچانے میں کتنی مشکلات پیش آئیں گی۔

3- نپولین نے حریفوں کے جنگی اوصاف کا اندازہ اصل سے کم کیا اور وہ ان چالوں کا صحیح تصور نہ کر سکا، جن سے حریفوں کو لازماً کام لینا تھا۔

4- نپولین کو یقین تھا کہ وہ روسیوں کو بھی اسی آسانی سے شکست دے دے گا، جس آسانی سے باقی یورپ کو شکست دے چکا تھا۔ پھر اطمینان سے انتظار میں بیٹھ جائے گا کہ ناکہ بندی انگلستان کو کیوں کر جھکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

22 جون 1941ء کو بروز یکشنبہ نازیوں کی زبردست جنگی مشین انتباہ کے بغیر یکا یک سرحدوں سے سیل کی طرح نکلی اور روس کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔ اسے رزم و پیکار کی سرگزشتوں میں حددرجہ وحشیانہ جنگ قرار دینا چاہیے۔ انسانوں کے دو بے اندازہ گروہ پوری قوت سے ٹکرائے۔ اٹھارہ سو میل لمبا محاذ روئے زمین پر سچ مچ ایک دوزخ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ہوائی جہاز جنگی میدانوں کے اوپر شور مچا رہے تھے۔ توپوں کے گولے نہایت مکروہ چیخوں کے ساتھ ہلاکت برسا رہے تھے۔ بھاری ٹینک دشمن کی صفوں میں شگاف ڈال رہے تھے۔ ہموار میدانوں میں فوجوں کی تیز نقل و حرکت جاری تھی۔ شہروں کی شکستہ عمارتوں اور برباد بازاروں سے موت و حیات کی کشمکش بپا تھی۔ فوجیں سنسنی خیز کی شکل میں آگے بڑھتیں۔ دشمن کی فوجوں کو نرغے میں لیتیں۔ پھندے کیے جاتے اور دشمن کے جسم پر گھاؤ ڈالے جاتے۔

جرمنوں نے توقع کے عین مطابق منصوبہ بندی کے بعد جنگ شروع کی تھی۔ منصوبہ تجویز و عمل دونوں کے اعتبار سے نہایت عمدہ تھا۔ برق رفتار جنگ کے نمونے پولینڈ، ناروے، فرانس اور ممالک بلقان میں پیش کیے جا چکے تھے۔ جرمنوں کا منصوبہ یہ تھا کہ اسی طریق جنگ سے کام لے کر روسی فوجوں کو سینکڑوں گوشوں میں منتشر کر دیں۔ پھر بڑے اہتمام سے ان کا خون چوستے جائیں۔ انھیں یقین تھا کہ دیو پیکر روس، جس کے پاؤں مٹی کے تھے، جلد سے جلد بے دست و پا

ہو جائے گا اور ہٹلر کٹے ہوئے سروں کا جو بھاری مجموعہ فراہم کر چکا تھا، اس میں ایک سرخ کھوپڑی کا اضافہ ہو جائے گا۔ توقع یہ تھی کہ چھ ہفتے میں بالشوزم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

اس جنگی منصوبے کا نام باربروسا رکھا گیا تھا۔ فیصلہ یہ تھا کہ براہ راست حملہ کیا جائے۔ محاذ اتنا وسیع تھا کہ اس میں کسی ایسے اقدام کو قابل عمل نہیں سمجھا جا سکتا تھا جس کا مقصد دوسرے کو نرغے میں لے لینا ہو یا بازوؤں کی طرف سے کوئی حرکت کی جائے۔ پیش قدمی تین منزلیں قرار دے لی گئیں: شمال میں لینن گراڈ، وسط میں ماسکو، جنوب میں سٹالین گراڈ اور قفقاز۔ فیصلہ یہ تھا کہ پہلے گھن کی طرح ایک شدید ضرب لگا کر جرمنی کے لیے یوکرائن کا اناج گھر ڈونٹیز کے طاس کی صنعت گاہیں اور قفقاز کے تیل کے چشمے حاصل کر لیے جائیں۔ سٹالین نے ہٹلر کے حملے کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جنوری 1941ء میں اس نے جرمنی کو خوراک اور خام مال بہم پہنچانے کا ذمہ اٹھایا تھا۔ اس معاہدے کی ایک ایک شرط حملے سے کچھ مدت پیشتر تک حرف بہ حرف پوری کی گئی۔ بلاشبہ جرمنی کا جارحانہ اقدام اس کے لیے ایک زبردست ضرب تھا، مگر وہ سمجھے بیٹھے تھا کہ جلد یا بدیر نازیوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے پاس باقاعدہ اور محفوظ فوج ملا کر ایک کروڑ بیس لاکھ افراد تھے۔ ایک سو ساٹھ ڈویژن پیادہ فوج، تیس ڈویژن رسالے کے، پینتیس ڈویژن بکتر فوج کے، لیکن اس زبردست فوج کو بھی ان جرمنوں کے خلاف لڑانا خطرے سے خالی نہ تھا، جو میکانیکی جنگ میں درجۂ کمال حاصل کر چکے تھے۔

روسیوں کو یقین تھا کہ آخر ان کے قدیم حلیف یعنی مکان و زماں اور سرما اعتماد کا حق ادا کریں گے۔ انھیں کوئنٹس فیبیس میکسیمس کی چالوں کے بارے میں پورا علم تھا، جسے "کنکٹیٹر" (دشمن کو روکنے والا) کا لقب دیا گیا تھا۔ اس نے 217ء ق، م میں ہینی بال کی رسد کا راستہ کاٹ دیا تھا۔ اس کے لیے مسلسل ہراس پیدا کرتا رہا۔ لڑائی کے سوا وہ تمام حربے استعمال کرتا رہا، جس سے دشمن کو نقصان پہنچ سکتا۔ روسیوں نے ان چالوں کا نام "گہرائی میں مدافعت" رکھ لیا تھا، یعنی دشمن کو سرحد کے اندر آنے دیا، پھر اس کے خطوط رسد پر ضربیں لگانا، بازوؤں پر حملے کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شکست کے باوجود صابر و مستقل مزاج رہنا۔ یہ چالیں اٹھارہویں صدی میں اہلِ سویڈن کے خلاف اور انیسویں صدی میں نپولین کے خلاف حیرت انگیز حد تک کامیاب

ہو چکی تھیں۔

حملے کی ابتدائی ضرب کے بعد روسی اس قسم کی جنگ کے لیے نفسیاتی اعتبار سے بالکل تیار تھے۔ وہ مشکلات کے تحمل کی غیر معمولی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ انھیں اپنے لامتناہی جنگلات اور کنکھنی سردی کا کوئی خوف نہ تھا۔ موت وحیات کے باب میں وہ بالکل مطمئن تھے۔ ان کا عزم تھا کہ صرف مرد نہیں، عورتیں اور بچے بھی لڑیں گے۔ گھروں اور کارخانوں کو آگ کی نذر کر دیں گے، پُل اڑا دیں گے۔ آبپاری کے بندوں کو ڈائنامیٹ سے توڑ دیں گے اور حملہ آور کے راستے کی ہر چیز برباد کر ڈالیں گے۔ جب بے طرح نرغے میں آ جائیں گے تو زیادہ شدت سے مزاحمت کرتے رہیں گے۔ غرض جرمنوں کو بعض حیرت انگیز حالات سے سابقہ پڑنے والا تھا۔ یقیناً روسیوں نے فن لینڈ کی چھوٹی سی ریاست کے خلاف جنگجوئی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کیا تھا مگر ہٹلر کے خلاف جنگ کے مقابلے میں وہ ایک معمولی سا واقعہ تھا۔

روسی مہم کے آغاز ہی سے ہٹلر کے عساکر کو مشکلات سے پالا پڑا، جن میں سے اکثر واضح ہی نہ تھیں۔ جرمن روسیوں کی قوتِ مزاحمت کو حقیر سمجھتے تھے۔ اپنی بے پناہی کا انھیں یقین تھا، لہٰذا چند اہم مقامات کے لیے اپنی قوت مرتکز کر دینے کے بجائے انھوں نے محاذ زیادہ سے زیادہ وسیع کر لیا۔ مزید برآں روس میں انھیں کسی غدار داخلی پانچویں کالم سے کوئی مدد نہ مل سکی، جو حملے کے راستے میں ہمواری پیدا کر دیتا۔ انھوں نے ابتدا میں نفسیاتی جنگ کے ذریعے سے بھی تسہیل طریق کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا کہ معمول کے مطابق روسیوں کو شکست دیتے ہوئے فاتحانہ آگے بڑھیں گے مگر یہاں انھیں دور دور تک پسپائی نظر آئی۔ راستے کی ہر چیز برباد کر ڈالی گئی تھی۔ سیال مزاحمت یا چھاپہ مار طریقے جاری تھے۔ نازی جنگجوؤں کے لیے یہ طریقہ حد درجہ غیر تسلی بخش تھا۔

سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ ابتدائی فتوحات کے باوجود جرمنوں کی قیادت اچھی نہ رہی۔ یقیناً ان کے ایک سو پینتیس ڈویژنوں کے کماندار دنیا کے بہترین پیشہ ور جنگجو تھے، مثلاً فان براخش، ہالڈر، فان رونسٹاٹ، فان بوک، گڈیرین، فان کلیسٹ، کیسل رنگ، فان لیو، ہوپز، سٹراس، بلومن ٹرٹ اور متعدد ایسے ہی اصحاب، لیکن ان سب کا رئیس اعلیٰ وہ شخص تھا جو بالکل ناخواندہ اور ناتربیت یافتہ تھا، البتہ پہلی عالمی جنگ میں کارپورل رہ چکا تھا۔ ہٹلر کے پاس ہر فوجی

صورت حال کے لیے ایک نسخہ تھا اور وہ یہ کہ اپنی جگہ ڈٹے رہو اور کبھی قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔ جرمن جرنیل تمام کمالات کے باوجود اس شخص کے سامنے بے دست و پا تھے جس کا تصور جنگ سراسر طفلانہ تھا۔ دوسری مشکلات کے علاوہ جرمن جرنیلوں کو ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ انھیں پیچھے نہ ہٹنے کے متعلق ہٹلر کے جنون سے سابقہ پڑ گیا تھا۔

جرمن ہوائی فوج کو چند ہفتوں تک روس میں برتری حاصل رہی۔ روسی ہوائی بیڑے کا بڑا حصہ زمین ہی پر تباہ کر دیا گیا۔ جرمنوں کے موٹر سوار دستے سرحدی استحکامات توڑ کر نکل گئے۔ 2 جولائی 1941ء تک ڈیڑھ لاکھ روسی قید کر لیے گئے۔ بارہ سو ٹینکوں کے علاوہ چھ سو بڑی توپیں جرمنوں کے ہاتھ آئیں۔ منسک پر قبضہ ہو گیا اور جرمن فوجیں دریائے نیپر و دریائے ڈوینا کی طرف بڑھیں۔ سٹالین نے جو دفاعی خط بنایا تھا اس میں شگاف پڑ گیا اور روس کا راستہ صاف ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر روسیوں کی مزاحمت شدت اختیار کر گئی تاہم دفاعی خط پر قبضہ روکا نہ جا سکا۔ 10 جولائی 1941ء کو سمولنسک پر جرمن فوج نے حملہ کر دیا، جو ماسکو سے صرف دو سو میل تھا۔ گویا اٹھارہ دن میں حملہ آور نازی لشکر روسی دارالحکومت کا دو تہائی فاصلہ طے کر گئے تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے لڑائیاں فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے (اگرچہ سڑکیں اچھی نہ تھیں) اور سرحد سے ماسکو کے قرب و جوار میں پہنچ گئے۔ ہٹلر نے پکار کر دنیا کو بتا دیا کہ روسی قوت توڑی جا چکی ہے اب روس دوبارہ نہ اٹھ سکے گا۔

روسی محاذ سے شاندار فتوحات کی خبریں برلن پہنچتی رہیں۔ وزارتِ نشر و اشاعت نے اعلان کر دیا کہ سات دن کی مختصری مدت میں فیوہرر کے جارحانہ اقدام نے روسی فوج کے پرخچے اُڑا دیے، فیصلہ ہو چکا ہے۔ مشرقی براعظم ایک لچکیلی دوشیزہ کی طرح جرمنی جنگی دیوتا کی آغوش میں آ گیا ہے۔ جرمنوں کے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ انھیں یقین ہو گیا کہ فیوہرر پھر حق بجانب ثابت ہوا۔ بیس کروڑ مزدور جلد جرمنی کی زبردست جنگی مشین کے لیے اسلحہ بنانے لگیں گے اور جرمن فوج پھر ایک مرتبہ آزادانہ مغرب کا رخ کرے گی تاکہ انگلستان کو برباد کر دیا جائے، جو سرکشی پر تُلا بیٹھا تھا۔

جس روز ہٹلر نے روس پر حملہ کیا اسی روز برطانیہ سے چرچل کی آواز بلند ہوئی، اس نے کہا:

"جو فرد اور جو ملک نازیت کے خلاف لڑے گا اسے ہم امداد دیں گے...... مطلب یہ کہ ہماری طرف سے روس کو ہر ممکن امداد دی جائے گی۔"

روسیوں کو یقیناً امداد کی ضرورت تھی۔ 8 جولائی 1941ء کو لٹوینوف نے ماسکو سے انگریزی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اب برطانیہ اور روس کو متحد ہو کر ضرب لگانی چاہیے، مسلسل اور متواتر جنگ کرنی چاہیے اور دشمن کو ہرگز مہلت نہیں دینی چاہیے۔"

لٹوینوف کو مئی 1939ء میں وزارتِ خارجہ سے الگ کیا گیا تھا اور ہٹلر و سٹالین کے درمیان میثاق ہو گیا تھا۔ اب پھر اسے سٹالین نے اپنا رفیق بنا لیا۔

جنوب میں یوکرینی آزادی کے خواہاں تھے۔ وہ سٹالین کی آہنی ڈکٹیٹری سے بیزار چلے آتے تھے۔ انھوں نے جرمن حملہ آوروں کا خیر مقدم خوشی کے نعروں سے کیا۔ ہزاروں نے اس یقین کی بنا پر ہتھیار ڈال دیے کہ ہٹلر انھیں نجات دلانے کے لیے آیا ہے۔ یہاں نازی فیوہرر نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔ یوکرینیوں کو اچھے برتاؤ سے اتحاد کا یقین دلا دینے کی بجائے اس نے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور باقی سب کو غلام بنا لیا۔ اس پر پریشان اور ذلیل ہو کر یوکرینی اپنے وطن کی حفاظت کے لیے اکٹھے ہو گئے۔

13

جرمنی کا حملہ روس پر

(2)

روسی مہم کے اسباب کی توضیح

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہٹلر کیوں یکا یک روس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے برطانیہ پر فیصلہ کن حملہ شروع کرنے سے پیشتر تباہ کرنے کی کوشش کی؟ جرمنی کی وزارتِ خارجہ کے محافظ خانے میں ایک غیر معمولی خط ہے جو ہٹلر نے مسولینی کے نام بھیجا تھا اور اس میں یکا یک روس پر پل پڑنے کی وجوہ بیان کی تھیں۔ ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اس میں فیوہرر نے اپنی صوابدید کے مطابق سچائی کے کم از کم چند عناصر ضرور پیش کر دیے تھے۔ مزید برآں اس میں حملے کے وقت جرمنی کی حالتِ جنگ کا خاکہ نظر آ سکتا ہے۔ یہ خط 21 جون 1941ء کو لکھا گیا تھا:

"ڈوچے!

میں یہ خط آپ کو اس وقت لکھ رہا ہوں جب مہینوں کا گہرا غور و خوض اور مسلسل اعصاب شکن انتظار ختم ہو رہا ہے اور میری زندگی کا نہایت سخت فیصلہ ہو چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ...... روسی حالت کے آخری نقشے کی کیفیت اور متعدد روددادوں کے جائزے کے بعد...... میں زیادہ انتظار کی ذمہ داری نہیں لے سکتا

اور سب سے بڑھ کر مجھے یقین ہے کہ خطرے سے بچاؤ کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔مزید انتظار کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ اس سال یا زیادہ سے زیادہ آئندہ سال سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔

صورت حال یہ ہے: انگلستان یہ جنگ ہار چکا ہے۔ڈوبتے ہوئے فرد کی طرح اپنے حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ہر تنکے کا سہارا لے رہا ہے اور اپنے خیال کے مطابق اسے حقیقی سہارا سمجھ رہا ہے، تاہم اس کی بعض امیدیں طبعاً منطق سے خالی نہیں۔انگلستان اس وقت تک برابر براعظم یورپ کی امداد سے لڑائیاں کرتا رہا۔فرانس کی تباہی......دراصل مغربی یورپ کے ہر ملک کی علیحدگی......کے بعد برطانوی جنگجوؤں کی نظریں برابر اس مقام کی طرف لوٹتی رہیں، جس کی مدد سے انھوں نے جنگ شروع کرنے کی کوشش کی تھی، یعنی روس کی طرف۔

روس اور برطانیہ دونوں یکساں یورپ کی تباہی میں دلچسپی لیتے ہیں۔اب طویل جنگ نے انھیں بے دست و پا کر کے رکھ دیا ہے۔ان دونوں ملکوں کے پس پردہ شمالی امریکا کی یونین استادہ ہے اور انھیں کچوکے دے دے کر جنگ کے لیے ابھار رہی ہے۔خود بڑی توجہ سے صورت حال کو دیکھ رہی ہے۔پولینڈ کے خاتمے کے بعد روس میں ایسے رجحانات رونما ہوئے، جن سے واضح ہوتا تھا کہ قدیم بالشوزم بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے، لیکن محکم طریق پر سوویت روس کی توسیع چاہتی ہے۔اس مقصد کے لیے جنگ کو طول دینا ضروری ہے اور اسے یوں پورا کیا جا رہا ہے کہ جرمن فوجیں مشرقی حصے میں بندھی رہیں......خصوصاً ہوائی قوت......اس حالت میں جرمن کماندار مغرب پر کسی بڑے حملے کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے۔میں نے حال ہی میں آپ کو بتا دیا تھا اور کریٹ کے تجربے میں کامیابی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ انگلستان پر بدرجہا بڑے حملے کے لیے ہر ہوائی جہاز سے کام لینا کس قدر ضروری تھا۔ایسا بھی ممکن ہے کہ اس فیصلہ کن جنگ میں ہم صرف چند فضائی دستوں کی برتری کی بنا پر کامیاب ہو سکیں۔میں اس قسم کی

ذمہ داری اٹھانے کے لیے لحہ بھر بھی تأمل نہ کروں گا، اگر دوسری شرطوں کی طرح کم از کم یہ یقین مجھے حاصل ہو کہ مشرق کی طرف سے اچانک مجھ پر کوئی حملہ نہ ہو جائے گا یا ایسا خطرہ باقی نہ رہے گا۔ روسی فوجوں کی تعداد...... بہت زیادہ ہے اور ہر فوج ہماری سرحد پر کھڑی ہے۔ جب سے گرما شروع ہوا ہے، بے شمار استحکامات کے لیے سرگرمی سے کام جاری ہے۔ اگر حالات نے اجازت دی اور میں جرمن ہوائی قوت کو انگلستان کے خلاف استعمال کر سکا تو روس کی طرف سے سخت خطرہ ہے۔ وہ اس وقت جنوب اور شمال میں مزید علاقے لینے کا مطالبہ کر دے گا اور مجھے خاموشی سے تسلیم کر لینے کے سوا چارہ نہ رہے گا وہ بھی محض اس وجہ سے کہ میری ہوائی قوت مقابلتاً کم درجے کی رہ جائے گی۔ اس وقت میرے لیے ممکن نہ رہے گا کہ زبردست فضائی قوت کے بغیر روسی استحکامات پر حملہ کروں اور ان افواج سے کام لے سکوں، جو مشرقی جانب ٹھہری ہوئی ہیں۔ میں یہ خطرہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر ایسا کروں تو غالباً 1941ء کا پورا سال گزر جائے گا اور عام حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ اس کے برعکس انگلستان صلح سے اور بھی گریز اختیار کرے گا اور اس کی امیدوں کا سہارا روسی رفیق بن جائے گا۔ یقیناً ان امیدوں میں روسی فوجی قوت کی تیاری میں ترقی کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جائے گا اور امریکا کی طرف سے وسیع پیمانے پر جنگی سامان کی بہم رسانی سب پر مستزاد ہے۔ امید ہے کہ یہ بہم رسانی 1942ء میں کمال پر پہنچ جائے گی......"

"ڈوچے! آپ کی کوئی خواہش، کوئی تجویز، کوئی امداد ہو تو مجھے اس نازک وقت میں مطلع کر دیجیے۔ میری درخواست ہے کہ یا تو براہ راست مجھے اطلاع دیں یا فریقین کے ذمہ داران جنگ کو اس پر متفق کرا دیجیے۔ مخلصانہ اور رفیقانہ سلام قبول فرمائیں"۔

آپ کا

ہٹلر

ماسکو کا پھندا

2 اکتوبر 1941ء کو ہٹلر نے اپنی فوجوں کو تازہ حملے کا حکم دیتے ہوئے بتایا: آج سال رواں کی آخری فیصلہ کن لڑائی شروع ہو رہی ہے۔ ابتدائی پیش قدمی میں اس کی فوجیں چار سو میل روس کے اندر چلی گئی تھیں۔ ان کی منزل مقصود دو سو میل پر تھی یعنی ماسکو جو بالشویکی قوت کا نشان اور روس کے تمام وسائل نقل و حمل کا مرکز تھا۔ ہٹلر کا فیصلہ یہ تھا کہ بارش، برف، آگ، طوفان کوئی بھی شے اس کی پیش قدمی روک نہ سکے گی۔ اس کے جرنیل...... براخش۔ ہالڈر اور بوک...... صرف ماسکو پر حملے کے حق میں تھے اور جرمن قوت کا ذرہ ذرہ اسی حملے کے لیے وقف کر دینا چاہتے تھے لیکن ہٹلر اپنی مرضی کے مطابق کارروائیوں کا خواہاں تھا۔ اس کے پیش نظر ایک بہت بڑی نقل و حرکت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ شمال میں لینن گراڈ اور جنوب میں یوکرین لے کر دونوں فوجوں کا رُخ ماسکو کی طرف موڑ دیا جائے اور دونوں ایک مرکز پر جمع ہو جائیں۔ جرمن افواج کے اعلیٰ کمانداروں میں اس منصوبے کے خلاف شدید اعتراضات کیے گئے۔ ہٹلر نے اپنی بات منوائی۔ فیلڈ مارشل فان نیب کو حکم ملا کہ وہ شمال میں لینن گراڈ پر حملہ جاری رکھے۔ فیلڈ مارشل فان رونشاٹ بدستور جنوبی جانب آڈیسا اور کیو پر بڑھے۔ مرکز میں فان بوک پیادہ فوج کے سترہ ڈویژنوں، دو بکتر بند ڈویژنوں، ایک ہزار ٹینکوں اور نو سو طیاروں کے ساتھ دشمن کے خطوط مدافعت کو موڑتا ہوا ماسکو پہنچ جائے۔ فان بوک کو یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ وہ بڑے ہلالی مرکز کے اندر چھوٹے پیمانے پر دشمن کو نرغے میں لے لینے کے لیے نقل و حرکت جاری رکھے۔ ایک فوج شمال مشرق میں سمولنسک سے کلینن کی طرف بڑھے اور ماسکو کے شمال میں پہنچ جائے۔ دوسری فوج اورل اور ٹولا کو فتح کرتی ہوئی ماسکو کے جنوب میں چلی جائے۔ تیسری فوج براہ راست مشرق کا رخ کرے اور ویازما ہوتی ہوئی ماسکو پر حملہ کر دے۔

یہ کلیدی فیصلہ تھا اور غلط تھا۔ فان بوک کی طاقتور فوج کے اس طرح ٹکڑے کر دیے گئے کہ اس کا بہترین حصہ شمال اور جنوب میں لینن گراڈ اور کیو کی طرف چلا گیا۔ زیادہ تر پیادہ فوج ماسکو پر حملے کے لیے باقی رہ گئی۔ پروشیا کا مشہور جنگی فلاسفر کلازوٹز زندہ ہوتا تو ہٹلر کی غلط چال درست

کر دیتا۔

ابتدا میں تمام حالات منصوبے کے مطابق نظر آتے رہے۔ تین ہفتوں میں بوک کے بکتر بند دستوں نے ایک سو تیس میل کا فاصلہ طے کر لیا اور ستر میل سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا۔ روسی مدافعین نے بڑے عزم سے اس سیل کو روکا، مگر نازیوں کی بے پناہ جنگی مشین ان کے جسم کچلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ زمین سے ہر سمت موت کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ روس کی سطح پر پھٹنے والے گولوں پر جابجا بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے۔ اکتوبر کے اواخر تک ماسکو پر بڑھنے والی فوجیں شمال میں کلینن جنوب میں ٹولا اور وسط میں دیازما پہنچ گئی تھیں۔ جرمنوں نے محض تعداد کی کثرت سے دشمن کے پہلے خطوطِ مدافعت توڑ ڈالے تھے۔ ماسکو تقریباً نرغے میں آ چکا تھا۔ اس اثنا میں رونسٹاٹ کی فوجوں نے کریمیا کو تباہ کر ڈالا۔ صرف سباسٹوپول باقی رہ گیا، جس کا محاصرہ ہو چکا تھا۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ روسی دارالحکومت جلد فتح ہو جائے گا۔ جب جرمنوں نے شہر کے اردگرد اپنا خط سیدھا کیا تو سوویت حکومت اور سفارتخانے نکل کر کوبی شیف چلے گئے جو پانسو میل مشرق کو تھا۔ سٹالین کریملن ہی میں ٹھہرا رہا، جس کے برج سرج رنگ کے تھے۔ روسیوں کا فیصلہ یہ تھا کہ تمام محفوظ فوجیں ماسکو کے سامنے جمع کر دی جائیں۔ انھیں نرغے کے حلقے سے باہر رکھا جائے اور زبردست جوابی حملہ کیا جائے۔ نومبر 1941ء میں ماسکو ریڈیو نے اعلان کر دیا کہ نپولین کا موسم شروع ہو گیا۔ جرمنوں کا جارحانہ اقدام بھی رک گیا۔ ہٹلر کے لیے یہ فیصلے کا نازک وقت تھا۔ سوال یہ تھا کہ آیا اسے سرما کی مہم روک کر آئندہ موسم بہار میں زبردست حملے کی تیاری کر لینی چاہیے؟ ہٹلر کے نزدیک اس کا جواب نفی میں تھا۔ اس نے حکم دے دیا کہ حملہ جاری رکھا جائے۔ دلیل یہ دی کہ فریقین تھک چکے ہیں۔ جس میں قوتِ عزم زیادہ ہوگی، وہ فتح حاصل کر لے گا۔ ایک زبردست اقدام ضرور کیا جائے اور ماسکو ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔

جرمن جرنیلوں نے پھر اعتراض کیا، لیکن ہٹلر کا عزم جرمنی کا فوجی قانون تھا۔ 15 نومبر 1941ء کو ماسکو کے خلاف دوسرا حملہ شروع ہو گیا۔ ہٹلر کا منصوبہ یہ تھا کہ شمالی جانب کی فوج ماسکو سے آگے بڑھ کر ریل کے اس جنکشن پر قابض ہو جائے، جو ماسکو کے عقب میں تھا۔ چار روز بعد سرما پوری شدت سے شروع ہو گیا، جو روس کا نہایت قوی حلیف تھا۔ اس کی پوری تندی بجلی کی

طرح جرمنوں پر گری۔ برف، کُہر اور بارش کے باوجود جرمن فوجیں میل بہ میل دارالحکومت سے قریب تو ہوتی گئیں۔ ڈیمٹرو وو ماسکو سے چالیس میل دور تھا۔ گورکی انتیس میل، کبوشکی بائیس میل۔ 2 دسمبر 1941ء کو بوک کی افواج کے بعض عناصر ماسکو کے مفصلات میں داخل ہو گئے۔ کریملن کے طمع شدہ برج اُن کے سامنے چمک دمک رہے تھے۔

وہ اتنے قریب آ گئے تھے، پھر بھی دور تھے۔ درجہ حرارت صفر سے بھی نیچے چلا گیا۔ اردگرد دور دور تک برف کی سفید چادر بچھ گئی۔ جرمن اس پر بڑے ہراساں ہوئے کیوں کہ وہ زیادہ معتدل ہوا کے عادی تھی۔ اس شدید سرما میں ہٹلر کی طرف سے رسد کا انتظام فوجوں کی ضرورت کا ساتھ نہ دے سکا اور نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔ پانی جرمن انجنوں کے بائلروں میں جم گیا۔ توپوں میں ہچکچاہٹ کی غرض سے جو چیزیں استعمال کی جاتی تھیں، وہ جم کر تکلیف دہ ہو گئیں۔ ان کی وجہ سے توپیں، کلدار توپیں اور رائفلیں بھی کارآمد نہ رہیں۔ جرمنوں کے لیے ناگزیر ہو گیا کہ ٹینکوں کے نیچے برابر جلائے رکھیں، ورنہ ان کے انجن منجمد ہو کر پھٹ جاتے۔ اگرچہ جرمنی میں بڑے بڑے انجینئر پیدا ہوئے مگر وہ کوئی ایسا انجن تیار نہ کر سکے جس میں تیل محفوظ رہ سکتا۔ کھانے پینے کی چیزیں نہ مل سکیں تو بھوکی فوج نے برف میں جم کر مرے ہوئے گھوڑے کھانے شروع کر دیے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ روس کے شدید سرد موسم کے لیے فوج کے پاس لباس کافی نہ تھا۔ شروع میں چند افراد کے سوا کسی کو تشویش نہ تھی۔ سب سمجھے بیٹھے تھے کہ فیوہرر نے سرما سے پیشتر جرمنوں کے لیے کریملن لے لینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اب آشکارا ہوا کہ ہلکی وردیوں والی جرمن فوجیں ماسکو کے عین سامنے برفباری اور شدید سردی کا ہدف بن گئی تھیں جو لوگ جرمن فوج کے نظم ونسق کے ذمہ دار تھے، انھوں نے فوجیوں کو جرابوں کا صرف ایک ایک جوڑا دیا تھا۔ روس کی سردی میں یہ نہایت خطرناک واقعہ تھا یا تو ہٹلر کو اس کا صحیح احساس نہ تھا یا نظم ونسق کے ذمہ داروں سے سخت غفلت ہوئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں جرمنوں کے پاؤں منجمد ہو گئے۔ برلن اپیلیں بھیجی گئیں۔ ڈاکٹر گوبلز وزیر نشرواشاعت نے چیسٹروں اور سمور کے کوٹوں کے لیے اپیلیں کیں کہ ذخیرے جمع کر کے روسی محاذ پر بھیجے جائیں۔ شہری آبادی نے تو حب وطن کے ثبوت میں کوئی کوتاہی نہ کی لیکن فوجوں تک گرم لباس پہنچنے میں مہینے صرف ہو گئے۔

اس کے برعکس روسیوں نے سمور کی واسکٹیں، نمدے کے کوٹ، سمور کی ٹوپیاں، جو کانوں کو بھی ڈھانپ لیتی تھیں پہن رکھی تھیں۔ اندرونی لباس تھے۔ وہ جرمن حملہ آوروں پر بے تکلف ضربیں لگاتے جن کی حالت نازک تھی اور ہاتھ پاؤں اکڑے ہوئے تھے۔

انقلاب روس کے محصور مقدس شہر (ماسکو) کے اندر اور باہر نقل و حرکت برابر جاری تھی۔ محفوظ فوجیں روزانہ محاذ پر پہنچ رہی تھیں۔ مشرقی جانب عورتیں بچے اور بوڑھے آہستہ آہستہ نکل کر خطرے کے حلقے سے باہر جا رہے تھے تاکہ جرمنوں سے محفوظ رہیں۔ ایک غیر ملکی نامہ نگار نے حالات کا نقشہ یوں پیش کیا:

''ہزاروں عورتیں، جنھیں خاص کمیٹیوں نے باہر نکالا تھا، شہری لباس پہنے ہوئے ریلوں، بسوں اور ٹرکوں میں سوار کیچڑ، برف اور سردی میں ماسکو کے مغرب کی طرف جا رہی تھیں تاکہ بڑی بڑی خندقیں کھودیں، جن سے ٹینک گزر نہ سکیں۔ استحکامات شہر تک برابر جاری تھے۔ جابجا مورچے بنالیے گئے تھے جن میں سے بعض میں فولاد استعمال کیا گیا بعض میں ریت کے بورے رکھ لیے گئے بعض میں صرف مٹی کے پشتے بنالیے گئے۔ روسیوں نے سوویت کی یادگار میں ایک خاص عمارت بنانی شروع کی تھی، جس میں صرف فولاد کا ڈھانچا کھڑا کیا گیا تھا۔ یہ عمارت دنیا بھر میں بلند ترین بننے والی تھی۔ اب اس کے گرڈر اتار اتار کر دفاع کے لیے استعمال کیے گئے۔ ماسکو میٹرو زیر زمین دنیا کا بہترین راستہ تھا۔ اس میں سے فوجی نقل و حرکت شروع ہوگئی اور رسد بھیجی جانے لگی۔ جن چھوٹی چھوٹی دکانوں کا تخلیہ عمل میں نہیں آیا تھا، انھیں صرف فوجی کام کی تعمیل کے لیے وقف کر دیا گیا۔ ایک کارخانے میں پتلیاں اور طاس بنتے تھے۔ اب وہاں دستی گولے بننے لگے۔ ایک اور کارخانے میں بھی کھاتے تیار ہوتے تھے، وہاں رائفلیں بننے لگیں۔''

برلن کو اب بھی کامیابی کا یقین تھا۔ 2 دسمبر 1941ء کو وزارت نشر و اشاعت نے تمام اخباروں کے ایڈیٹروں کو مشورہ دیا کہ سقوط ماسکو کی خبر کے لیے پہلے صفحے پر جگہ خالی رکھی جائے

لیکن یہ خبر کبھی نہ آئی۔ چار روز بعد (پرل ہاربر کے واقعے سے صرف ایک دن پیشتر) مارشل زوکوف نے...... جو محفوظ فوج سے بہت کم کام لے رہا تھا...... پوری محفوظ فوج کو نیم منجمد جرمن ٹینکوں پر آتشیں جوابی حملے کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ ماسکو کے شمال اور جنوب دونوں طرف سے ہوا۔ جرمن ٹینک برف میں پھنس کر اٹکے رہ گئے۔ کمانداروں نے فوراً ہٹلر سے اجازت طلب کی کہ فوج کو منظم طریق پر پیچھے ہٹنے کی اجازت دے دی جائے۔ فیوہرر شیر کی طرح گرجا:

''واپسی کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ ایک گز بھی پیچھے ہٹنا ممنوع ہے۔''

اس نے دھمکی دے دی کہ جو کماندار میرے احکام کی تعمیل میں قاصر رہے گا، اسے عوام کے روبرو ذلیل کر کے موت کی سزا دی جائے گی۔

بایں ہمہ 8 دسمبر 1941ء کو برلن اس اعلان پر مجبور ہو گیا کہ موسم کی خرابی کے باعث مشرق میں پیش قدمی معطل کر دی گئی۔ عذر یہ پیش کیا گیا کہ سردی توقع کے خلاف تین ہفتے پیشتر شروع ہو گئی۔ یہ دراصل اعترافِ شکست تھا۔ خود جرمنوں کی سرکاری اطلاعات کے مطابق چھ مہینے میں جرمن فوج کے ایک لاکھ باسٹھ ہزار تین سو چودہ آدمی مارے گئے، پانچ لاکھ ستتر ہزار سات سو اٹھ زخمی ہوئے اور تینتیس ہزار تین سو چونتیس لاپتہ تھے۔ جرمنوں نے کریملن کے برج ضرور دیکھ لیے تھے پھر انھیں پورے محاذ پر پیچھے دھکیل دیا گیا، بعض مقامات پر دو سو میل تک پسپا ہونا پڑا۔ روسیوں کی شدید مزاحمت اور روسی سرمانے کامیابی حاصل کی۔ پھر ہٹلر کسی ایک حلقے کے سوا روس پر حملے کا انتظام نہ کر سکا۔ گویا تاریخ ستم ظریفی کے ساتھ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ پچیس سال پیشتر پہلی عالمی جنگ کے دوران میں فیلڈ مارشل ہنڈنبرگ نے روس کے اندر زیادہ دور تک پیش قدمی سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ روس کے پاس دل ہی نہیں کہ اس پر کاری ضرب لگائی جاسکے۔ ہٹلر نے انتہائی مصیبتیں اور نقصانات برداشت کرتے ہوئے یہ سبق سیکھا۔

لینن گراڈ پر ہجوم

دریائے نیوا کے دہانے اور خلیج فن لینڈ کے سرے پر ماسکو کے شمال مغرب میں لینن گراڈ واقع ہے جو یورپ کے بہت بڑے اور نہایت اہم شہروں میں سے ہے۔ پہلی عالمی جنگ چھڑنے سے تھوڑا عرصہ بعد اس کا پہلا نام سینٹ پیٹرانبرگ بدل کر پیٹرو گراڈ رکھ دیا گیا تھا کیوں کہ پہلا

نام جرمنی الاصل تھا۔ مارچ 1924ء میں 1917ء کے بالشویک انقلاب کے بانی نکولائی لینن کے نام پر اس کا نام لینن گراڈ قرار پایا۔ لینن گراڈ اور سٹالین گراڈ دونوں میں سے ایک بالشویک انقلاب کے بانی کا شہر تھا اور دوسرا لینن کے سب سے بڑے بالشویک پیرو سٹالین کا شہر تھا۔ ان دونوں ناموں کو اوہام پرست فیوہرر نے خاص پراسرار اہمیت دے رکھی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ انقلابی روس کے ان دو شہروں پر قبضہ کر لیا گیا تو بالشویک حکومت تاش کے پتوں کے گھر کی طرح درہم برہم ہو جائے گی اور خود ہٹلر کا نام فاتح کی حیثیت میں تاریخ کے صفحات پر نپولین کے نام سے بھی درخشاں تر ہو جائے گا۔

ہٹلر کے لیے جنگی ہنرمندی کے علاوہ اس اقدام میں نفسیاتی مصلحتیں بھی شامل تھیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ لینن گراڈ پر جرمنوں کا قبضہ ہو جائے گا تو اردگرد کا پورا علاقہ خلیج فن لینڈ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ محوریوں کے ہاتھ آ جائے گا۔ فن لینڈ بھی محوریوں کا ساتھی بن چکا تھا۔ گویا لینن گراڈ شمالی روس میں ایک زبردست جنگی قوت کا محور بن جائے گا اور بالشوزم کو کچل دیا جائے گا۔ روس پر جرمن حملے کے ساتھ ہی جنوبی و وسطی محاذوں کے علاوہ ایک زبردست نازی فوج لینن گراد کی طرف بھیج دی گئی تھی۔ اس کے بائیں بازو نے سٹونیا میں سے ہو کر تمام روسیوں کو نرغے میں لے لیا اور دایاں بازو گھوم کر لینن گراد کی طرف مڑ گیا، جہاں یہ فوج اگست 1939ء کے اختتام پر پہنچ گئی۔

وہاں پہنچتے ہی برق رفتار جنگ شروع کر دی گئی۔ یعنی پہلے ہوائی حملوں سے پورا علاقہ تباہ کیا گیا۔ پھر سبک رفتار فوجیں آگے بڑھیں۔ پیچھے پیچھے توپ خانے اور پیادہ لشکر تیزی سے آگے بڑھے۔ فن لینڈ کے باشندوں اور ان کے سالار فیلڈ مارشل فان میز ہائم نے جرمنوں کی اعانت کی۔ اسے روسیوں کی بدسلوکی پر سخت غصہ آیا ہوا تھا۔ ستمبر اور اکتوبر 1939ء سے حملہ آوروں نے لینن گراڈ کو پوری طرح نرغے میں لے لیا۔ شہر بیشک نرغے میں آ چکا تھا لیکن کاملاً نہیں۔ زبردست کاوشوں کے باوجود جرمن لینن گراڈ نہ لے سکے۔ یکم ستمبر 1941ء کو محاصرہ شروع ہو گیا، جو سولہ مہینے جاری رہا۔ یہ تاریخ کے نہایت غیر معمولی محاصروں میں سے ایک ہے۔ یہاں بھی جرمنوں نے بنیادی غلطی کی۔ انھوں نے محاصرے کے لیے توپ خانے سے کام نہیں لیا تھا، کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر ہی شہر فتح کر لیں گے۔

ہٹلر کی رائے یہ تھی کہ شہر کی تیس لاکھ آبادی بھوکوں مر جائے گی۔ جرمن فوجوں نے شہر تک آمد و رفت کے تمام ذریعے ختم کر دیے تھے جن میں تین شاہراہیں، بارہ ریلوے لائنیں، نہری نظام اور بندرگاہ سب شامل تھے۔ روسیوں نے جھیل لڈوگا کے آبی راستے سے رسد پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب جھیل پر برف جم گئی تو ٹرکوں کے لیے ایک شاہراہ بنا لی گئی۔ طویل راتوں کی تاریکی میں اسی شاہراہ سے گولی بارود، اسلحہ اور خوراک پہنچتی رہی۔ لینن گراڈ میں جا بجا مقابلے کے لیے مورچے تیار کر لیے گئے۔ مزدوروں نے اپنے اوزار چھوڑ دیے اور بندوقیں اٹھالیں اور مورچوں میں جا بیٹھے۔ کارخانوں میں ان کی جگہیں عورتوں اور بچوں نے سنبھال لیں۔ کھانے پکانے کے لیے ایندھن نہ تھا۔ پانی دریا، کنوؤں اور نہروں سے لایا جاتا تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں انتہائی حد تک کم ہو گئیں۔ ہٹلر کو اس ناقابل تسخیر عزم کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ 1942ء کے موسم بہار میں چار لاکھ کمزور اور تھکے ماندے روسی بیلچے اٹھا کر شہر کے بازاروں کی صفائی میں مصروف ہو گئے۔ سرما میں بدروئیں اور نالیاں جرمنوں کی گولہ باری سے تباہ ہو چکی تھیں اور وباء پھیلنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا لیکن چند روز میں ان حد درجہ تھکے ماندے لوگوں نے، جن میں بوڑھے اور جوان سب شامل تھے، برف اور کوڑے کرکٹ کے انبار اٹھا اٹھا کر دریاؤں اور نہروں میں پھینک دیے۔ اس طرح لینن گراڈ کی فضا کو زہر آلود ہونے سے محفوظ رکھا گیا۔

اپریل 1942ء میں برف پگھلی تو جرمنوں نے محاصرہ زیادہ زور شور سے شروع کر دیا، مگر مزاحمت کی چٹان سے سر ٹکرا ٹکرا کا ناکام ہوتے رہے۔ جرمن طیاروں نے ماسکو اور مرمنسک کے درمیان دونوں ریلوے لائنیں تباہ کر دیں اور جرمن توپیں شب و روز شہر کے ایک ایک حصے کو اڑاتی رہیں، لیکن لینن گراڈ کے باشندے جھکنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بمباری اور گولہ باری کے باوجود انھوں نے تمام کام جاری رکھے۔ بھوک ان کے لیے مصیبت خیز تھی۔ بایں ہمہ وہ شہر کے استحکامات کی مرمت کرتے رہے۔ جہاں جہاں انھیں جگہ ملی حفاظت کے انتظامات کر لیے۔ کام سے فارغ ہو کر گھٹنوں کے بل ان حفاظت گاہوں میں پہنچ جاتے تاکہ اڑتے ہوئے آہنی ٹکڑوں سے محفوظ رہیں۔ آخر جرمنوں کے حملے کا جوش و خروش پلٹ گیا اور جرمن نہ پہلے لینن گراڈ پر قبضہ کر سکے اور نہ بعد میں ان کے لیے کوئی گنجائش پیدا ہو سکی۔

14

جمہوریۂ امریکا: جمہوریت کا اسلحہ خانہ

(1)

تمہید

1914ء میں پہلی عالمی جنگ کے آغاز نے اہل امریکا پر صاعقے کا سا اثر ڈالا۔ ابتدا میں بہت بڑی اکثریت نہ ایک فریق کی طرفدار تھی، نہ دوسرے کی۔ اگر امریکی رائے کے متعلق کچھ کہا جا سکتا ہے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ انگریزوں کے خلاف تھی اور جرمنوں کے حق میں۔ پھر حالات نے ایسی صورت اختیار کی کہ جمہوریۂ امریکا کو جنگ میں شامل ہونا پڑا۔ امریکی اسلحہ اور اس کی صلاحیت پیداوار نے جنگ کا پانسا اتحادیوں کے حق میں پلٹ دیا۔

1918ء کے بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ جمہوریۂ امریکا کو فریب سے جنگ میں الجھا لیا گیا۔ یہ احساس قومی اعصاب پر چھا گیا۔ جب معاہدۂ ورسائی میں ترمیم شروع ہوئی تو یہ احساس شدید تر ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا نے رفتہ رفتہ علیحدگی کی روش اختیار کر لی جو 1918ء سے 1939ء تک جاری رہی۔ کہا جاتا تھا کہ براعظم یورپ مین جابجا رنج افزا حالات موجود ہیں۔ مختلف گروہوں کے درمیان نفرت دور نہیں ہو سکتی۔ لامتناہی جھگڑے جاری ہیں۔ ان آتش

خیز سوراخوں سے دور ہی رہنا چاہیے۔ اگر یورپی ملک ایک دوسرے کو برباد کر دینا چاہتے ہیں تو وہ خود آپس میں لڑتے رہیں، امریکیوں کو ان میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ وہ اوقیانوس کی وسیع خندق کے پیچھے محفوظ ہیں اور انھیں جارج واشنگٹن کے مشورے پر کاربند رہنا چاہیے اور یورپی معاملات میں الجھنے سے دور ہی رہنا ان کے لیے بہتر ہے۔ آخر خونریزی کی حماقت کب تک جاری رہے گی؟ لیکن ساتھ ساتھ الجھاؤ پیدا کرنے والے عوامل بھی موجود تھے۔ ہٹلر کے عروج کے بعد یورپ میں امن کا سلسلہ تدریجاً درہم برہم ہونے لگا تھا۔ اس وجہ سے اہل امریکا اپنے عزم کے خلاف مجبور ہو گئے کہ سوچیں، اگر دوبارہ جنگ چھڑ گئی تو ان کے لیے کون سی روش مناسب ہوگی۔ اکثر کا عقیدہ تھا کہ غیر جانبداری ہی معقول راہِ عمل ہے، خواہ کوئی صورت پیش آئے۔ اس جذبے کو ایک حد تک سینٹ کی ایک کمیٹی کی روداد سے تقویت پہنچی، جس کا رئیس سینٹر جیرالڈنائی (ریاست شمالی ڈکوٹا) تھا۔ اس کمیٹی نے 1934ء میں پہلی عالمی جنگ کی صنعتِ اسلحہ کے کاغذات کا جائزہ شروع کیا تھا۔

ایک طرف علیحدگی پسندوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ کانگرس کو غیر جانبداری کے ایسے کڑے قوانین بنا دینے چاہئیں، جس کے بعد اہل امریکا کے لیے دوسری یورپی جنگ میں شمول ناممکن ہو جائے۔ دوسری طرف اجتماعی تحفظ کے معتقدین کا اصرار تھا کہ دنیا بہت چھوٹی ہو گئی ہے اور جمہوریۂ امریکا جیسی بڑی اور طاقتور مملکت کسی بڑی جنگ سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتی۔ اگر جنگ ہوئی تو غیر جانبداری کے قوانین اور لوگوں کی مرضی کے خلاف جمہوریۂ امریکا اس کی لپیٹ میں آ سکتی ہے، لہٰذا معقول راہِ عمل یہ ہے کہ جمہوریۂ امریکا کی پوری قوت امن پرور قوموں کی طرفداری میں استعمال کی جائے اور جابروں کو روکا جائے۔ گویا غیر جانبداری کافی نہیں۔ ضروری ہے کہ سرگرمی سے جنگ کی روک تھام کے لیے کام کیا جائے۔

1933ء میں روزویلٹ کی صدارت کا آغاز ہوا۔ اس نے شروع ہی میں واضح کر دیا تھا کہ میں اجتماعی تحفظ کا وکیل ہوں۔ ہٹلر جنگ کے راستے پر بڑھا چلا جا رہا تھا۔ روزویلٹ نے بار بار اعلان کیا کہ میں نے اجتماعی تحفظ کے متعلق رائے نہیں بدلی۔ 5 اکتوبر 1937ء کو اس نے شکاگو میں اپنی مشہور تقریر کی، جو ''جابروں کا قرنطینہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں کہا:

"بدقسمتی سے حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عالمی بے آئینی کی وبا پھیل رہی ہے۔ جب دنیا میں کوئی وبا پھیلنے لگتی ہے تو قومیں بیماروں کے لیے قرنطینہ منظور کر کے اس کا انتظام کردیتی ہیں تاکہ صحت مند لوگوں کو وبا سے محفوظ رکھا جائے...... جنگ ایک متعدی وبا ہے، خواہ یہ اعلانِ جنگ کے بعد شروع ہو یا بے اعلانِ جنگ چھڑ جائے۔ یہ وبا ان مملکتوں اور قوموں کو بھی لپیٹ میں لے سکتی ہے، جو رزم و پیکار کے ابتدائی مراکز سے دور ہوں۔ ہم عزم کیے بیٹھے ہیں کہ جنگ سے باہر رہیں گے، لیکن ہم اپنے آپ کو جنگ کے تباہی خیز اثرات یا اس میں الجھنے کے خطرات سے یقینی طور پر محفوظ نہیں رکھ سکتے...... امن قائم رکھنے کے لیے مثبت کوششیں لازم ہیں۔ امریکا جنگ سے نفور ہے۔ اسے امید ہے کہ امن قائم رہے گا، اس لیے امریکا امن ہی کی تلاش میں سرگرمی سے مصروف ہے۔"

اگر 1941ء میں اہلِ امریکا یک شمول پر حیران تھے تو 1939ء میں انھیں اس امر پر حیرت تھی کہ اتنی مدت تک کیوں جنگ سے محفوظ رہے۔ اس مرتبہ عوام کو حالات کا بہتر علم تھا۔ جبر کی ذمہ داری کے بارے میں انھیں کوئی غلط فہمی نہ تھی اور ان کی اکثریت ابتدا ہی سے واضح طور پر ہٹلر کے خلاف تھی۔ ایک چھوٹی سی اور قابل اعتراض اقلیت کے سوا، جسے صحیح حالات کا علم نہ تھا اور وہ متعصب یا عقل سے عاری تھی، اکثر امریکی نازی فیوہرر اور اس کی تمام باتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے...... مثلاً اس کا جنون، اس کی وحشیانہ ہمدردی، جابرانہ اقدام پر آمادگی اور ساری دنیا پر اقتدار قائم کر لینے کی ہوس۔

امریکی ایک اضطراب انگیز مغلطے میں مبتلا تھا۔ اکثر کا عزم یہ تھا کہ رزم و پیکار سے دور رہیں گے۔ ساتھ ہی وہ جانتے تھے کہ جرمنی کی فتح سے اہلِ امریکا کے طریق حیات کو ناقابل تصور نقصان پہنچے گا، بلکہ اس کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ مسائل فوری حل کے محتاج تھے اور ان کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مثلاً کیا جمہوریۂ امریکا کو کامل علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے اور اتحادی فتح کے لیے صرف دعا پر اکتفا کافی ہے یا کیا جمہوریۂ امریکا کو اتحادیوں کے لیے ہر ممکن امداد کا انتظام کردینا چاہیے اور خود جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ کیا جمہوریۂ امریکا کو ابھی سے شمولِ جنگ

کے لیے تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں؟

پولینڈ پر حملے سے چند روز بعد 5 ستمبر 1939ء کو روزویلٹ نے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا، جس میں 1937ء کے قانونِ غیر جانبداری کی شرطیں ازسرِ نو دہرا دیں۔ اس اعلان کی بنا پر متحاربین کے لیے اسلحہ اور گولہ بارود کے جہاز بھیجنے کی ممانعت کر دی گئی۔ عملی نقطۂ نگاہ سے اس اعلان کی زد سب سے بڑھ کر انگریزوں پر پڑی۔ سمندروں پر ان کا قبضہ تھا اور وہ جرمنوں کو امریکی سامان لینے سے روک سکتے تھے، مگر ساتھ ہی خود بھی سامانِ جنگ سے محروم ہو گئے تھے جس کی انھیں سخت ضرورت تھی۔ انھوں نے الزام لگایا۔ ان کی رائے کے مطابق امریکا کے قانونِ غیر جانبداری کا مطلب یہ تھا کہ جرمنی کے لیے ایک اوقیانوسی بیڑا مہیا کر دیا گیا۔

پہلی عالمی جنگ کی طرح برطانیہ نے کوشش کی کہ جنگی سامان دشمن تک نہ پہنچ سکے۔ اس غرض سے امریکی بندرگاہوں میں ان تمام تجارتی جہازوں کی تلاشی لی جاتی، جو یورپ کی طرف جاتے تھے۔ علاوہ بریں امریکی جہازوں کو سمندر میں ٹھہرا کر خوب چھان بین کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی عالمی جنگ کی طرح واشنگٹن اور لندن کے درمیان تیز خط و کتابت ہونے لگی۔ روزویلٹ محوریوں کے جابرانہ اقدامات سے بیزار تھا اور ابتدا ہی سے اس کی ہمدردی اتحادی مقاصد کے لیے وقف تھی۔ جنگ شروع ہونے سے دو دن بعد یعنی 30 ستمبر 1939ء کو اس نے اعلان کیا:

"ہم غیر جانبدار رہیں گے لیکن میں یہ نہیں کہوں گا کہ ہر امریکی شہری کو فکر و خیال میں بھی غیر جانبدار رہنا چاہیے۔"

8 ستمبر 1939ء کو اس نے محدود قومی ضرورت کا اعلان کر دیا۔

روزویلٹ کو یقین تھا کہ 1937ء کے قانون غیر جانبداری میں کچھ خامیاں ہیں، لہٰذا اس نے کانگرس کا اجلاس بلایا تاکہ قانون پر نظرِ ثانی کر کے سے زیادہ معقول بنا دیا جائے۔ 4 نومبر 1939ء کو کانگرس نے اسلحہ پر پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دے دیا کہ متحارب طاقتیں اسلحہ اور گولہ بارود برآمد کر سکتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نقد قیمت ادا کریں اور سامان خود لے جائیں۔ یہ مسودۂ قانون سینٹ نے تیس ووٹوں کے خلاف تریسٹھ ووٹوں سے منظور کر لیا۔ (27 اکتوبر 1939ء) پھر کانگرس میں یہ ایک سو اکیاسی ووٹوں کے مقابلے میں دو سو تینتالیس ووٹوں

سے منظور ہوگیا (2 نومبر 1939ء) صدر کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ متحارب مملکتوں کا اعلان کردے اور جمہوریۂ امریکا کا کوئی جہاز مسافر یا سامان کسی متحارب ملک میں نہ لے جائے۔ امریکی شہریوں کے لیے متحارب فریقوں کے جہازوں میں سفر کی سخت ممانعت کردی گئی۔ بظاہر مقصد یہ تھا کہ لوسی تانیا (یا ایتھینیا) جیسا کوئی واقعہ پیش نہ آئے۔ قیمت دے کر سامان اٹھانے کے قانون نے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو امریکا سے سامان خریدنے کا موقع بہم پہنچادیا۔ ساتھ ہی جمہوریۂ امریکا کے شہریوں کے لیے خطرہ نہ رہا کہ جرمن آبدوزیں ان کے جہازوں پر حملہ کریں گی۔ اسی موقع پر انتظامیہ نے جاپان کے خلاف ''اخلاقی ممانعت'' کی درخواست کی کیوں کہ اس نے کھلے شہروں پر بم برسائے تھے۔

جون 1940ء میں فرانس کے ناگہانی سقوط اور برطانیہ کی زار حالی نے جمہوریۂ امریکا میں شدید خطرے پیدا کردیے۔ 1914ء سے 1917ء تک کی طرح (جب جمہوریۂ امریکا پہلی عالمی جنگ میں شریک ہوئی تھی) اس مرتبہ بھی امریکیوں کا خیال تھا کہ برطانیہ کی بحری قوت تباہ نہیں ہوسکتی۔ وہ سمجھتے تھے کہ براعظم یورپ میں کوئی بھی صورت پیش آجائے، اوقیانوس پر اقتدار برطانوی دوستوں ہی کے ہاتھ میں رہے گا اور اس سمندر کو امریکا کے لیے ایک بڑی دفاعی خندق کی حیثیت حاصل تھی، مگر اب ہٹلر مغربی یورپ میں دندنا رہا تھا اور امریکیوں کو صاف نظر آنے لگا کہ ممکن ہے جرمن کامل فتح حاصل کرلیں۔ وہ کہتے تھے، اگر فرض کیا جائے جرمنی کا بلند بانگ فیوہرر انگلستان پر حملہ کرکے وہاں نیا نظام قائم کردیتا ہے تو کیا وہ اوقیانوس کی دوسری جانب یورپ ہی میں ٹھہرے رہنے پر قانع رہے گا؟ لاطینی امریکا کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے، جہاں نازی پروپیگنڈے کی لہریں پہلے سے موجود ہیں؟ جو ہٹلر دوسرے معاہدوں کو کاغذ کے ردی پُرزے قرار دے چکا ہے، کیا وہ ''اصول منرو'' کا احترام جاری رکھے گا؟ اگر اس نے اپنے لشکر مغربی کرہ ارض (امریکا) نہ بھیجے تو جمہوریۂ امریکا کے لیے اس دنیا میں اپنا وظیفہ ادا کرنے کی کوئی صورت باقی رہ جائے گی، جس پر آتش خوار ڈکٹیٹروں کا اقتدار قائم ہوجائے گا؟ سب سے آخر میں یہ کہ اگر جمہوریہ امریکا کو تنہا ڈکٹیٹروں سے جنگ کی نوبت آجائے گی تو کیا حالت پیش آئے گی؟ یہ تمام سوالات خاصے اضطراب انگیز تھے اور ان سب میں باشندگانِ جمہوریۂ امریکا کے خطرات و

اضطرابات منعکس تھے۔

اس اثنا میں علیحدگی پسندوں اور حامیانِ جنگ کے درمیان کانگرس کے ایوانوں، اخباروں، ریڈیو، بازاروں کے گوشوں اور چھوٹے چھوٹے دیہات کے گوداموں میں بحث بڑے زور سے جاری تھی۔ دونوں کے نقطۂ نگاہ میں صریح تضاد موجود تھا۔ حامیانِ جنگ کے نزدیک یہ جنگ ڈکٹیٹروں اور جمہوری طریقِ حیات کے داعیوں کے درمیان موت و حیات کی کشمکش تھی۔ وہ کہتے تھے کہ محوری قوت ساری دنیا پر اقتدار قائم کر لینے کی خواہاں ہے۔ اگر یورپ اس کے قبضے میں آ گیا اور برطانوی بیڑے نے شکست کھائی تو لاطینی امریکا ان کی آئندہ قدم گاہ بن جائے گا۔ جمہوریۂ امریکا پسند کرے یا نہ کرے، مگر زود یا بدیر اسے محوری خطرے کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس دوران میں بہترین طریق کار یہی ہو سکتا ہے کہ برطانیہ کو زندہ رکھا جائے۔ یہ لوگ نازی ڈاکوؤں اور جاپانی جنگجوؤں، دونوں کے طرزِ عمل سے نفور تھے اور کہتے تھے کہ اس جہاد میں ساری دنیا کے اندر تہذیب اور آزاد اداروں کی خاطر برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ امداد دینی چاہیے۔

حقیقتاً حامیانِ جنگ میں سے بہت کم امریکی تھے جو اسی وقت فوجی قوت کے ساتھ شریک جنگ ہونا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک حمایتِ جنگ کا مطلب یہ تھا کہ نفس شرکت جنگ کو چھوڑ کر اتحادیوں کو ہر ممکن امداد دی جائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہٹلر اور اس کے طور طریقوں سے نفرت کے اظہار کی صحیح تدبیر یہی ہے۔ اس تحریک کے حامیوں کو امید تھی کہ اس طرح جنگ اوقیانوس کے دوسرے کنارے تک محفوظ رکھی جا سکے گی۔ انھیں سب سے بڑھ کر فائدہ یوں پہنچا کہ جمہوریۂ امریکا کا صدر اس موقف کا حامی تھا۔

علیحدگی پسند تصویر کا دوسرا رخ پیش کر رہے تھے۔ امریکیوں کی حیرت انگیز حد تک بڑی تعداد تیار تھی کہ نازیوں کی فتح کا انجام دیکھ لیا جائے۔ ان کی صرف ایک خواہش تھی اور وہ یہ کہ امریکا جنگ سے باہر رہے۔ حامیانِ جنگ کے دلائل ان کے نزدیک ناقابلِ عمل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اہل یورپ کے جھگڑوں سے باہر رہو۔ کیا پہلی عالمی جنگ میں ثابت نہیں ہو چکا کہ دوسروں کے کاروبار میں شامل ہونا بے نتیجہ ہے؟ یقیناً جب تک جنگ جاری رہے گی، ہمیں مالی نقصان پہنچے گا مگر غیر جانبدار رہ کر مالی نقصان بہت معمولی ہوگا۔ اگر ہم جنگ میں شریک ہو گئے تو نقصان تصور و اندازہ سے بہت بڑھ جائے گا۔

15

جمہوریہ امریکا: جمہوریت کا اسلحہ خانہ

(2)

روزویلٹ کا پہلا نقطہ: دفاع پر زور

جون 1940ء کے اختتام تک ہٹلر نے فتوحات کا نقشہ تیار کر لیا تھا...... ڈنمارک اور ناروے پر حملہ، ممالک زیریں کی تسخیر اور فرانس کی شکست۔ حالات کی تیز رفتار خصوصاً سقوطِ فرانس نے جمہوریہ امریکا کو سرگرمیِ عمل پر آمادہ کر دیا۔

3 جنوری 1940ء کو صدر روزویلٹ نے سالانہ بجٹ کا تخمینہ پیش کرتے ہوئے قومی دفاع کے لیے ایک ارب اسی کروڑ ڈالر اور نئے تصرفات کے لیے ایک ارب اٹھارہ کروڑ بیس لاکھ ڈالر کی درخواست کی تھی۔ 16 مئی 1940ء کو اس نے کانگرس کے نام پیغام بھیجا، جس میں ہر سال پچاس ہزار ہوائی جہاز بنا لینے کے پروگرام کی درخواست کی۔

اس پر جرمنی کے اندز فوراً زبردست دلچسپی پیدا ہوئی۔ پچاس ہزار ہوائی جہاز سالانہ؟ ناممکن، ناقابلِ یقین۔ فیلڈ مارشل گوئرنگ کو ہوابازی میں ماہر مانا جاتا تھا۔ اس نے یہ پورا معاملہ ایک قہقہہ لگا کر ختم کر دیا۔ ڈاکٹر گوئبلز وزیر نشر و اشاعت نے اسے صدر روزویلٹ کی لاف زنی قرار دیا۔ ایڈولف ہٹلر نے طبی رائے دیتے ہوئے کہا: قطعاً شبہ نہیں کہ روز ویلٹ کا دماغ

ماؤف ہے۔ پچاس ہزار ہوائی جہاز ہر سال؟ بالکل ناممکن، (حقیقت یہ ہے کہ تقریباً 1940ء سے اختتام جنگ تک امریکا کے کارخانوں نے دو لاکھ چھیانوے ہزار چھ سو ایک جنگی جہاز تیار کیے، جن کا سالانہ اوسط ساٹھ ہزار ہوتا ہے۔)

31 مئی 1940ء کو فرانس سقوط کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ اس وقت روز ویلٹ نے مزید ایک ارب ستائیس کروڑ ستتر لاکھ اکتالیس ہزار ایک سو ستر ڈالر کی درخواست کی تا کہ فوجی اور بحری ضرورتیں زیادہ تیزی سے پوری کی جائیں۔ اس وقت تک روز ویلٹ کے چار نکاتی پروگرام کا خاکہ واضح ہو چکا تھا یعنی دفاعی استحکامات میں اضافہ داخلی تیاریاں، براعظم امریکا کا اتحاد اور ادھار پٹے کا قانون۔

سرمائے کے مصارف کا درجہ بہت اونچا ہو گیا۔ 20 جولائی 1940ء کو روز ویلٹ نے ایک مسودۂ قانون منظور کیا جس میں دو سمندروں کے لیے یکساں الگ الگ بیڑے رکھنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور دو سو جنگی جہاز بنانے کا انتظام کر دیا گیا جن میں پچپن پچپن ہزار ٹن کے سات بڑے جہاز بھی شامل تھے۔ تاریخ میں اس زبردست بحری توسیع کی کوئی مثال موجود نہ تھی۔

18 اگست 1940ء کو صدر روز ویلٹ اور کینیڈا کے وزیر اعظم میکنیزی کنگ کے درمیان میں ملاقات ہوئی اور دونوں دفاع کے لیے ایک دوامی مشترکہ بورڈ قائم کرنے پر متفق ہو گئے۔ کینیڈا میں فوجوں اور ہوابازوں کی تربیت کے لیے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔

دفاع کے لیے روپیہ بے حد اہم تھا لیکن آدمی کچھ کم اہم نہ تھے۔ 27 اگست 1940ء کو امریکی کانگرس نے اختیار دے دیا کہ قومی گارڈ کو وفاقی (فیڈرل) خدمات کے لیے تیار کر لیا جائے۔ چار روز بعد ابتدائی دستے طلب کر لیے گئے۔ پھر جبری فوجی بھرتی کا قانون منظور ہوا۔ 16 ستمبر 1940ء کو سیلیکٹو سروس ٹریننگ اور سروس ایکٹ کا قانون کانگرس نے منظور کر لیا۔ امریکا کی تاریخ میں یہ پہلا قانون تھا، جس کے مطابق زمانۂ امن کے لیے جبری فوجی خدمت کا انتظام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق اکیس سال سے چھتیس سال کی عمر کے تمام لوگوں کو اپنے نام رجسٹر کرا لینے کی دعوت دے دی گئی۔ بارہ لاکھ افواج کو ایک سال کے لیے تربیت دی گئی اور آٹھ لاکھ مد محفوظ میں رکھے گئے۔

پہلی مرتبہ نام 16 اکتوبر 1940ء کو رجسٹر کرائے گئے۔ ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ آدمیوں کے نام رجسٹر ہوئے۔ دو ہفتے بعد یعنی 29 اکتوبر کو واشنگٹن میں قرعہ ڈال کر پہلا گروہ چُن لیا گیا۔ 18 اگست 1941ء کو خدمت کی مدت ایک سال سے تیس مہینے کر دی گئی۔

3 ستمبر 1940ء کو روزویلٹ نے برطانیہ کے ساتھ دفاع کے معاملے پر بات چیت کی اور کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ صدر کی ہمدردی کس طرف ہے۔ برطانیہ کو تباہ کن جہازوں کی سخت ضرورت تھی۔ اس کے دس جہاز ڈنکرک میں برباد ہو چکے تھے۔ جو معاہدہ ہوا اس کی رو سے پچاس تباہ کن امریکی جہاز برطانیہ کو دے دیے گئے۔ اس کے بدلے میں نیو فاؤنڈ لینڈ، برموڈا، بہاماز، جمیکا، سینٹ لوسیا، ٹرینڈاڈ، اینگلو برطانوی گائنا میں بحری اور ہوائی اڈے ننانوے سال کے لیے بلا رقم اجارے پر لے لیے گئے۔ تباہ کن جہاز فوراً برطانیہ کے حوالے کر دیے گئے۔ ساتھ ہی امریکا نے نئے اڈوں میں اپنی فوج پہنچا دی اور تیزی سے ان کا استحکام شروع کر دیا۔ صدر نے یہ سب کچھ کانگرس سے مشورہ لیے بغیر کیا۔ یہ بڑی جسارت کا کام تھا اور اس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ تھی۔ گویا اس نے بھاری خطرہ قبول کیا۔ اس نے برطانوی دفاع کو اوقیانوس کی جنگ میں بیش بہا فائدہ پہنچایا اور اہل برطانیہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

روزویلٹ اور چرچل دونوں کو یقین تھا کہ 1940ء میں ڈنمارک لے لینے کے بعد ہٹلر گرین لینڈ پر قبضہ کر لے گا۔ 9 اپریل 1941ء کو جمہوریۂ امریکا نے ڈنمارک کی جلاوطن حکومت کے ساتھ معاہدہ کر کے امریکی بحری فوج گرین لینڈ بھیج دی۔ ساتھ ہی عہد کیا کہ امریکا ہر حملے کے خلاف گرین لینڈ کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بدلے میں امریکا کو گرین لینڈ سے بحری اور فضائی کارروائیوں، نیز ریڈیو اور دوسرے دفاعی انتظامات کی اجازت دے دی جائے۔ 7 جولائی 1941ء کو اس قسم کا ایک معاہدہ آئس لینڈ کے متعلق بھی ہو گیا۔ ان علاقوں، نیز براعظم امریکا سے فضائی فوج اوقیانوس کے مغربی حصے کی نگرانی کر سکتی تھی۔ برطانیہ نے اپنی قوت مشرقی حصے کی حفاظت کے لیے مرتکز کر دی۔

دوسرا نقطہ: داخلی تیاریاں

اس دوران میں داخلی تیاریاں بڑی تیزی سے آگے بڑھتی رہیں۔ فیڈرل بیورو کے محکمۂ تفتیش نے ایسی مستعدی سے پانچویں کالم کے خلاف کارروائیاں کیں کہ اس کی سرگرمیاں زیادہ سے زیادہ گھٹ گئیں۔ 28 جون 1941ء کو اجنبیوں کے رجسٹریشن کا قانون جاری ہوا۔ جسے عموماً قانون سمتھ کہا جاتا تھا۔ اس کے رو سے اجنبیوں کے داخلے اور جلاوطنی کے مروجہ قانون کو تقویت پہنچی۔

فوری ضرورتیں اس درجہ بڑھ گئی تھیں کہ دونوں پارٹیوں کو حکومت میں شامل کرنا ضروری ہوگیا۔ چنانچہ روز ویلٹ نے ریپبلکن پارٹی میں سے دو لیڈروں کو پارلیمنٹ کے رکن بنالیا اور یہ دونوں برطانیہ کی امداد کے زبردست حامی تھے۔

5 نومبر 1940ء کو صدر کا انتخاب ہوا اور روز ویلٹ کو تیسری مرتبہ صدر چن لیا گیا۔ یہ واقعہ بھی بالکل بے مثال تھا۔ اڑتیں ریاستوں نے چار سو انچاس ووٹ روز ویلٹ کو اور دس ریاستوں نے بیاسی ووٹ ولکی کو دیے۔ اس کامیابی سے روز ویلٹ نے امریکی تاریخ کی ایک ایسی رسم توڑ دی، جو رگوں میں گہری رچی ہوئی تھی۔ روز ویلٹ نے انتخابی مہم میں تمام امریکی والدین کو یقین دلایا کہ آپ کے بیٹے کسی اجنبی جنگ میں نہیں دھکیلے جائیں گے۔ اس کامیابی کو روز ویلٹ نے اپنی خارجہ پالیسی کی قومی تائید تصور کیا۔

20 دسمبر 1940ء کو روز ویلٹ نے سامان تیار کرنے کے لیے انتظامات کا ایک محکمہ قائم کیا جس کا ڈائریکٹر نڈسن کو مقرر کیا۔ وہ ایک بڑا صنعتی لیڈر تھا۔ اس محکمے کا کام یہ تھا کہ دفاع کے لیے جو کچھ بنتا ہے، وہ نظم وضبط کے ساتھ تیار ہو اور جلد سے جلد تیار کیا جائے تاکہ شمول جنگ کو چھوڑ کر ان قوموں کو پوری امداد پہنچائی جا سکے جو محوریوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔

تیسرا نقطہ: براعظم امریکا کا اتحاد

روز ویلٹ کے پروگرام کا تیسرا نقطہ یہ تھا کہ ہمسایوں سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ براعظم امریکا کی تمام قومیں محوریوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرلیں۔ اس پروگرام کی ابتدا

جنگ چھڑنے کے ابتدائی دور ہی میں ہو چکی تھی۔ جب 3 اکتوبر 1939ء کو امریکی نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی اور اعلان پاناما کے مطابق دنیا کو بتا دیا گیا کہ کینیڈا کے جنوب میں جو سمندر ہیں، ان کے حفاظتی حلقے کہاں تک ہیں۔ تمام متحارب فریقوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ ان حلقوں میں کوئی بحری کارروائی نہ کریں۔

16 جون 1940ء کو پٹمین نے قرارداد پیش کی، جس کا مدعا یہ تھا کہ لاطینی امریکا کی جمہوریتوں کے عسکری دفاع کو تقویت پہنچائی جائے اور ان کے ہاتھ سامانِ جنگ فروخت کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ پھر سیکرٹری کارڈہل نے اٹلی اور جرمنی کو نوٹس دے دیا کہ جمہوریۂ امریکا امریکی براعظم کے کسی خطے کے متعلق کسی غیر امریکی طاقت کی منتقلی کسی دوسری طاقت کے ہاتھ تسلیم نہ کرے گی۔

چوتھا نقطہ: اُدھار اور پٹا

جمہوریۂ امریکا کی امداد کے بغیر برطانیہ آغازِ جنگ ہی میں بے دست و پا رہ جاتا۔ جنگ چھڑتے ہی لندن نے امریکی فرموں کو اسلحہ کے لیے فرمائشیں بھیج دیں۔ ستمبر 1939ء سے اگست 1940ء تک برطانوی دولت مشترکہ نے امریکی طیاروں اور طیاروں کے پرزوں کا پچانوے فی صد حصہ، آتشبار اسلحہ، گولہ بارود اور آتشگیر مادوں کا نوے فی صد حصہ برآمد کیا۔ ستمبر 1939ء سے 1940ء کے اواخر تک جمہوریۂ امریکا نے ایک سو بتیس تجارتی جہاز برطانیہ کے ہاتھ اور تینتالیس کینیڈا کے ہاتھ فروخت کیے۔

انگریزوں کا بہت سا جنگی سامان ڈنکرک میں ضائع ہو گیا تھا۔ اس پر چرچل نے اپیل کی تو اس کے جواب میں محکمۂ جنگ نے بہت سا فالتو سامان برطانیہ کے حوالے کر دیا مثلاً چھ لاکھ رائفلیں، اسی ہزار کلدار توپیں، تین سو سولہ خندقوں میں گولے پھینکنے والی توپیں، نو سو میدانی توپیں۔ چار کروڑ تیس لاکھ ڈالر کا سامان صرف جون 1940ء میں بھیجا گیا۔ امریکی توپیں، ٹینک، پھٹنے والے گولے اور طیارے اوقیانوس سے گزر کر برطانیہ پہنچتے رہے، جہاں ان کی سخت ضرورت تھی لیکن جنگ کا آتش خوار دیوتا گولہ بارود، اسلحہ، کلدار توپیں، ایندھن اور دورِ حاضر کا پورا جنگی

سامان محاذ پر پہنچتے ہی تیزی سے ہضم کر جاتا تھا۔ ایک سال کی جنگ کے بعد برطانیہ پر واضح ہو گیا کہ اس نے جو سرمایہ مد محفوظ میں رکھ چھوڑا تھا، وہ صرف کے آخری نقطے پر پہنچ رہا ہے۔ اگر سامان کی خرید کے لیے سونا نہ ہوتا تو نقد روپیہ دے کر سامان اٹھا لینے کے امریکی قانون کے تحت برطانیہ بالکل بے دست و پا رہ جاتا۔ اس اثنا میں ہٹلر کے کارخانے نادرے سے ہسپانیہ تک زور و شور کے ساتھ سامان تیار کر رہے تھے۔ برطانیہ کی شکست کو صرف جمہوریۂ امریکا ہی کی قوت روک سکتی تھی۔

اس نازک حالت میں نئی دنیا سے ایک حیرت انگیز خبر شائع ہوئی۔ روز ویلٹ نے 6 جنوری 1941ء کو کانگرس کے نام جو سالانہ پیغام بھیجا، اس میں چار مشہور آزادیوں کا اعلان کیا..... آزادی تقریر و اظہار، آزادی عبادت، احتیاج سے آزادی اور خوف سے آزادی۔ الفاظ کی جنگ میں یہ دونالی بندوق تھی۔ اس سے نہ محض امریکا کے مقاصد کا اظہار ہو گیا، بلکہ التزاماً اس سے ہٹلر، مسولینی، ٹوجو اور پورے محوری نظریات کی مذمت بھی ہو گئی ہے۔

دو مہینے تک کانگرس میں اس معاملے پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں۔ رفتہ رفتہ یہ نقطۂ نگاہ کامیاب ہوا کہ روز ویلٹ سچ کہتا ہے۔ جمہوریۂ امریکا کو چاہیے کہ اتحادیوں کو سامان اور رسد میں جو کچھ پہنچائے، اس کی قیمت اپنے دفاع میں شمار کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُدھار پٹے کا قانون مرتب ہو گیا، جسے سینٹ نے 8 مارچ 1941ء کو اور ایوان نے 11 مارچ 1941ء کو منظور کر لیا۔ اس قانون کی رو سے صدر کو اختیار دے دیا گیا کہ ہر سامان جنگ تیار کرائے، فروخت کرے، ادھار دے، منتقل کر دے، پٹے پر دے دے یا مبادلہ کرے۔ یہ سب کچھ ہر اس حکومت کے لیے کیا جائے، جس کا دفاع صدر کے نزدیک جمہوریۂ امریکا کے دفاع کے لیے ضروری ہو۔ گویا صدر کو کاملاً اختیارات دے دیے گئے۔ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ جس سے قیمت وصول نہیں کرنی چاہیے، نہ کرے۔

ونسٹن چرچل کے نزدیک ادھار پٹے کا قانون ایک ولولہ انگیز عمل تھا۔ اس نے اسے فیاض اور دور از تدبر کا ایک یادگاری مینار قرار دیا اور کہا کہ یہ تاریخ کا ایسا کارنامہ ہے، جو بُخل سے بالکل پاک ہے۔ اس مدح و ستائش کے لیے یقیناً معقول وجوہ موجود تھے۔ یہ قانون جنگ فتح کرنے

کے لیے غالباً سب سے اہم تھا۔صرف ایٹمی بم کی ایجاد کو مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔امریکا سے توپیں، ٹینک، پھٹنے والے گولے اور طیارے سیل کی طرح اتحادیوں کو پہنچنے لگے اور ان کی وجہ سے محوریوں کے خلاف جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔

منشور اوقیانوس

25 جولائی 1941ء کو ونسٹن چرچل نے روز ویلٹ کو بحری پیغام بھیجا کہ میں 4 اگست کو انگلستان سے چل کر ایک خفیہ ملاقات کے لیے پہنچ رہا ہوں۔ چرچل اور اس کے ساتھی ''پرنس آف ویلز'' جہاز میں روانہ ہوئے۔تباہ کن جہاز حفاظت کے لیے ساتھ تھے۔یہ خبر بالکل مخفی رکھی گئی تاکہ جرمن آگاہ ہو کر اس بڑے ہدف کو آبدوزوں کا تختہ مشق نہ بنالیں۔اس اثنا میں روز ویلٹ نے بھی معاملہ اخفا میں رکھا۔اپنی خاص کشتی پیچھے چھوڑ دی تاکہ کسی کو پتا نہ چل سکے کہ کہاں گیا۔ چرچل اور روز ویلٹ کے درمیان 9 اگست 1941ء کو خلیج پلاسنٹیا (نیو فاؤنڈ لینڈ) میں ملاقات ہوئی۔فوجی مشیر اور اقتصادی ماہرین باہم دلچسپی کے معاملات پر باتیں کرتے رہے۔ چرچل اور روز ویلٹ نے ایک جنگی اعلان کا خاکہ تیار کرایا، جس میں وہ اصول بیان کر دیے گئے، جن کے لیے لڑائی جاری تھی۔زیادہ تر ایسی تحریرات کے مسودے چرچل نے تیار کیے۔روز ویلٹ نے ایک ایک لفظ کا وزن کیا اور مناسب تبدیلیاں اور اضافے کر دیے۔12 اگست 1941ء کو منشور اوقیانوس شائع ہوا، جس نے جنگ کے سلسلے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔اس کا متن درج ذیل ہے:

> ''صدر جمہوریۂ امریکا اور وزیر اعظم مسٹر چرچل (بحیثیت نمائندہ حکومت ملک معظم) نے ملاقات کی اور مناسب سمجھا کہ اپنے اپنے ملکوں کی قومی پالیسی کے بعض مشترکہ اصول واضح کر دیں، جن پر مستقبل کی بہتر دنیا کی امیدیں قائم کی جاسکتی ہیں:

1- دونوں ملک کسی اضافے کے خواہاں نہیں، خواہ وہ علاقائی ہو یا کسی اور قسم کا۔

2- کسی علاقے میں ایسی تبدیلی نہیں کرنا چاہتے، جس کے لیے متعلقہ افراد کی آزادانہ خواہشات کا اظہار نہ ہو جائے۔

3- دونوں قوموں کے اس حق کا احترام کرتے ہیں کہ وہ حکومت کی ہر وضع وہیئت اختیار کر لینے کے مجاز ہیں، جس کے تحت وہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور جن قوموں کو جبراً حقوقِ سیادت اور حقوقِ خود اختیاری سے محروم کیا گیا ہے، ان کے یہ حقوق بحال کر دینا چاہتے ہیں۔

4- اپنے موجودہ واجبات کا احترام کرتے ہوئے ان کی کوشش یہ ہوگی کہ ہر مملکت کے لیے......خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی فاتح ہو یا مفتوح......آمدورفت، مساوات، تجارت اور دنیا کے خام مال سے استفادے کا زیادہ موقع بہم پہنچائیں، جس کی ضرورت انھیں اقتصادی بہتری کے لیے ہے۔

5- ان کی خواہش ہے کہ اقتصادی دائرے میں تمام قوموں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ارتباط پیدا کر دیں اور سب کے لیے مزدوروں کے اصلاح یافتہ معیار، اقتصادی ترقی اور عمرانی تحفظ کا انتظام ہو جائے۔

6- نازی استبداد کی تباہی کے بعد انھیں ایسے امن کے قیام کی امید ہے جو تمام قوموں کے لیے اپنے اپنے حدود میں تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع بہم پہنچا دے گا اور انھیں ملا دے گا کہ تمام انسان اپنے اپنے وطنوں میں خوف واحتیاج سے فارغ البالی کی زندگیاں بسر کریں۔

7- ایسا امن تمام انسانوں کو بے روک ٹوک سمندروں میں آجانے کا موقع بہم پہنچا دے گا۔

8- انھیں یقین ہے کہ دنیا کی تمام قومیں روحانی اور حقیقت پسندی کے وجوہ سے قوت کا استعمال ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔ اگر بری، بحری اور ہوائی اسلحہ کا استعمال قومیں جاری رکھیں گی، جن سے حدود میں بیرونی مداخلت کے خطرے پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں تو کوئی امن قائم نہ رہ سکے گا۔ انھیں یقین ہے کہ تحفظ عامہ کے لیے ایک وسیع تر اور مستقل نظام کے قیام تک ایسی قوموں کو غیر مسلح کر دینا ضروری ہے۔ وہ تمام ایسے عملی وسائل کے معاون رہیں گے اور ان کی حوصلہ افزائی کریں گے جن کے ذریعے سے امن پسند اقوام کے تباہی خیز بارِ اسلحہ میں تخفیف ہو جائے۔"

منشورِ اوقیانوس نہ کوئی میثاقِ اتحاد تھا اور نہ واجب تھا۔ یہ محض ان مقاصد کا اظہار تھا، جن کے لیے وہ بڑی جمہوریتیں ساعی رہنا چاہتی تھیں۔ مختلف صورتوں میں یہ صدر ولسن کے چودہ نکات کی یاد تازہ کرتا تھا جو پہلی عالمی جنگ کے آخری سال میں (8 جنوری 1918ء) جاری ہوئے تھے۔ یہ نکات امریکا کے جنگی مقاصد کا اظہار تھے۔ اس کے برعکس منشورِ اوقیانوس دو بڑی طاقتوں کی طرف سے اعلان تھا۔ چرچل نے بعد میں لکھا کہ جمہوریۂ امریکا اس وقت تک رسماً غیر جانبدار تھی۔ اس کی طرف سے محض یہی حرکت کہ اس نے ایک متحارب قوت سے مل کر ایسا اعلان کیا، یقیناً حیرت انگیز تھی۔ آخری پیراگراف میں واضح طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ جمہوریۂ امریکا جنگ کے بعد دنیا کی نگرانی میں برطانیہ کے ساتھ شامل ہو جائے گا یہاں تک کہ قوموں کی عالمی جمعیت وجود میں آ جائے۔

نیوفاؤنڈ لینڈ کی ملاقات نے صرف منشورِ اوقیانوس ہی تیار نہ کیا، بلکہ روس کے لیے ہٹلر کے حملے سے بچ نکلنے کا انتظام بھی کر دیا۔ اس وقت تک حملے پر ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ روزویلٹ اور چرچل نے جو انتظام کیا، اس میں امریکا اور برطانیہ کے بہت سے جہاز اور سینکڑوں بحر پیماؤں کی زندگیاں ناروے کے شمال میں مورمنسک کی طرف جاتے ہوئے تباہ ہوئیں۔

سوویت یونین نہیں چاہتی تھی کہ الگ تھلگ رہ جائے۔ اس نے بھی منشورِ اوقیانوس کی حمایت کر دی اور یہ بھی مان لیا کہ تمام قوموں کو اپنی اپنی حدود میں حفاظت کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے۔ تمام لوگ اپنے اپنے وطنوں میں خوف و احتیاج سے فارغ البالی کی زندگیاں بسر کر سکیں۔ یہ دفعہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔ ہنگری میں بوڈاپسٹ بھی اس سے بے خبر نہ رہا۔ نو جلاوطن حکومتیں منشورِ اوقیانوس کی تائید میں شامل ہو گئیں۔

تیسرا حصہ

اتحادیوں کا دورِ دفاع

16

جاپانی آفتاب کا عروج

(1)

"جاپان جرمن افکار میں شرابور ہے اور جنگ کو ایک صنعت سمجھتا ہے، کیوں کہ اسی کی بدولت اس نے اپنی سلطنت وسیع کی...... وہ چین کو اپنی اغراض کے لیے استعمال کر کے اپنی تعمیر کے درپے ہے تاکہ ساری دنیا کے لیے خوفناک قوت بن جائے۔ وہ دنیا کے امن کے لیے خطرہ پیدا کرے گا...... لیکن اس کی طرف سے عظیم ترین خطرہ خود ہمیں ہوگا، بشرطیکہ ہم احتیاط سے کام لیتے ہوئے بحرالکاہل میں نہایت بھاری بیڑا مہیا نہ کرلیں۔ وہ دن ضرور آئے گا، جب جمہوریہ امریکا کو تہذیب کی حفاظت کے لیے ایک اور بڑی جنگ میں فرانس کا مقام حاصل ہوگا۔"

(کیبٹ لاج 1919ء)

ستمبر 1941ء کے پہلے دو ہفتوں میں جاپان کے بڑے بڑے بحری افسر ٹوکیو کے بحری کالج میں جمع ہوئے تاکہ جزائر ہوائی پر حملے کی تدابیر کے متعلق گفتگو کرلیں۔ 5 اکتوبر کو جاپان کا منصوبہ منتخب طیاروں کے پائلٹوں کو بتا دیا گیا۔ 5 نومبر کو متحدہ بیڑے کی طرف سے ایک حکم جاری

ہوا، جسے پہلا حکم سمجھنا چاہیے۔ اس میں حد درجہ خفیہ کارروائی کے لیے تیار رہنے کا ذکر تھا۔ دو روز بعد دوسرا حکم پہنچا کہ پرل ہاربر پر حملہ منظور ہے۔

بہتر جنگی جہازوں کا ایک بیڑا نائب امیرالبحر چوئچی ناگوموکے زیر سرکردگی بھیجا گیا۔ اس بیڑے میں دو بڑے جنگی جہاز، دو بھاری کروزر، ایک ہلکا کروزر، چھے طیارہ بردار جہاز، پچیس آبدوزیں، سولہ تباہ کن جہاز اور بہت سے چھوٹے سفینے شامل تھے۔ یہ طاقتور بیڑا خلیج تنکان (جزائر کوریل) سے 25 نومبر 1941ء کو روانہ ہوا اور اسے حکم دے دیا گیا کہ جو بھی جہاز راستے میں ملے، اسے ڈبو دیا جائے۔ 3 دسمبر کو اس بیڑے نے سمندر ہی میں کوئلہ اور پٹرول لیا۔ یہ خفیہ پیغام نشر کیا گیا:

''مشرقی ہوائیں، بارش ہو رہی ہے۔''

اس کا مطلب یہ تھا کہ جمہوریۂ امریکا میں جاپانی سفارت خانے یا قونصل خانوں کے جتنے آدمی اور کارندے موجود ہیں، وہ اپنے تمام کاغذات تباہ کر ڈالیں۔ بیڑے کے مختلف اجزا کو پرل ہاربر کے شمال مغرب میں چودہ سو ساٹھ میل پر ملنا تھا۔ چنانچہ 4 دسمبر کو یہ کام پورا ہو گیا۔ 5 دسمبر کو ریڈیو کے ذریعے سے پیغام آیا:

''نائی ٹاکا پہاڑی پر چڑھ جاؤ۔''

یہ پیغام حملہ آور جاپانی بیڑے کے لیے تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پرل ہاربر پر حملے کا حکم آخری و قطعی اور غیر متبدل ہے۔ چنانچہ یہ بیڑا پوری تیزی سے پرل ہاربر کی طرف بڑھا۔ دیکھ بھال کے لیے طیارے اِدھر اُدھر پرواز کرنے لگے۔ آبدوزوں کو حکم مل گیا کہ جہاں کوئی امریکی جہاز بیڑے سے باہر نکلتا ہوا پائیں، اسے روک لیں۔ چھوٹی آبدوزوں کو بھی یہی حکم دے دیا گیا۔

اس اثنا میں تیرہ امریکی طیارے (B-17) ہیملٹن فیلڈ (کیلیفورنیا) سے 6 دسمبر کو اڑے تھے اور ہوائی کے شمال مشرق میں تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔ عین اسی وقت جاپانی طیارہ برداروں سے دو سو ساٹھ طیاروں کا پہلا جھنڈ اڑا۔ سات بجے سے کچھ ہی پہلے دو امریکی اپنے ریڈار کو اوآہو کی شمالی ڈھلان کی طرف حرکت دے چکے تھے۔ پردے پر طیاروں کا ایک بہت بڑا جھنڈ معلوم ہوا، جو تقریباً ایک سو سینتیس میل کے فاصلے پر تھا۔ نصف گھنٹے بعد ان بادلوں

میں سے ایک سونواسی جاپانی بمبار گرجتے ہوئے نمودار ہوئے۔

اس حیرت انگیز حملے کے پس منظر میں جاپان اور جمہوریۂ امریکا کے درمیان تعلقات رفتہ رفتہ بگڑتے جا رہے تھے۔ جاپان پہلا ملک تھا جس نے عذر ناداری کی بنا پر توسیع کے پروگرام پر عمل شروع کیا۔ 1931ء میں منچوریا پر جاپانی حملے سے جابرانہ اقدامات کا وہ سلسلہ حرکت میں آیا، جو دوسری عالمی جنگ کا موجب بنا۔ 25 نومبر 1936ء کو جاپان نے جرمنی اور اٹلی کے ساتھ کمیونسٹوں کی مخالفت کے معاہدے پر دستخط کیے۔ آئندہ موسم گرما میں چین کے اندر وسیع فوجی کارروائیاں شروع کر دیں۔ اگرچہ متعدد بڑے بڑے چینی شہر قبضے میں لے لیے لیکن جاپان چینی دلدل میں پھنس چکا تھا اور پورا ملک مسخر کر لینے میں ناکام رہا۔ اس بے اعلان جنگ سے عزت مندانہ طریق پر باہر نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کرنا ضروری تھا۔

1939ء میں یورپ کے اندر جنگ چھڑ گئی تو جاپان کو زریں موقع ہاتھ آ گیا کہ نہ محض چین ہی کے معاملے کو کسی اجنبی طاقت کی مداخلت کے بغیر ختم کر دے، بلکہ اس نے جنوب کی جانب توسیع کا سلسلہ بھی شروع کرنے کی ٹھان لی۔ جاپان کے سامنے دو بڑے انعام تھے، ایک فرانسیسی ہند چینی، جو، چاول، کوئلے، ٹین اور قلعی کا مرکز تھا۔ دوم ولندیزی شرق الہند، جہاں سے تیل، ٹین اور ربڑ ہاتھ آ سکتے تھے۔ برطانیہ مشرق بعید کا روایتی نگہبان تھا لیکن اسے نازی فیوہرر سے خوفناک مقابلہ پیش آ گیا تھا۔ ولندیز اور فرانسیسی جلد سے جلد نازیوں کے زیر اقتدار چلے گئے۔ وہ ایشیا میں اپنے علاقوں کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ امریکا زیادہ تر یورپی معاملات میں الجھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ جاپانی عسکریت پسندوں کے لیے یہ نہایت مبارک موقع تھا جس سے کام لے کر وہ ''کلاں تر'' مشرقی ایشیاء میں ایک ''دائرہ خوشحالی'' پیدا کر سکتے تھے۔

یقیناً جاپان کے اندر وسیع اقتصادی بدحالی پھیلی ہوئی تھی۔ عسکریت پسند کہتے تھے کہ چین میں جنگ کے بار اور بڑھتی آبادی کی ضرورتوں کا مسئلہ حل کرنے کی صرف ایک صورت ہے کہ احوال عالم سے فائدہ اٹھایا جائے اور توسیع کے پروگرام پر عمل شروع کر دیا جائے۔

جمہوریۂ امریکا اس پروگرام کو اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے چین میں کھلے دروازے کا اصول قائم رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا اور 1922ء میں نو طاقتوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں

بھی طے ہو چکا تھا کہ چین میں برتری، آزادی نیز اس کا انتظامی اور علاقائی استقلال قائم رکھا جائے گا۔ مزید برآں امریکا کو جاپان کی بحری اور فضائی قوت کا نشوو ارتقا ناپسند تھا اور چین کے خلاف جو وحشیانہ جنگ شروع کی گئی تھی، اس سے نفرت تھی۔

رفتہ رفتہ امریکا اور جاپان کے درمیان اقتصادی جنگ کی سرگرمی بڑھ گئی اور آپس میں رنج و غصہ پیدا ہو گیا۔ 1938ء میں حکومت نے صنعت کاروں کو امریکی ہوائی جہاز جاپان کے ہاتھ فروخت کرنے کی ممانعت کر دی۔ جولائی 1939ء میں واشنگٹن نے 1911ء کا امریکی و جاپانی معاہدہ منسوخ کر دیا اور تجارت یومیہ تصفیے کی بنیاد پر آ گئی۔ 26 جولائی 1940ء میں روز ویلٹ نے امریکا میں جاپان کا پورا راس المال کاروبار سے خارج کر دیا۔ برطانوی دولت مشترکہ کی قوموں نے بھی اسی کی پیروی کی۔ پھر صدر روز ویلٹ نے برآمد پر نظم وضبط کا قانون منظور کرایا اور جاپان کو مشینوں کے اوزار، کیمیائی چیزیں اور جنگی سامان دینے کی ممانعت کر دی۔ پھر اے، بی، سی، ڈی (امریکا، برطانیہ، چین اور ولندیزی شرق الہند) طاقتوں نے ناکہ بندی قائم کر لی اور جاپان جو جنسیں درآمد کرتا تھا، ان میں پچھتر فی صد کمی واقع ہو گئی۔

جاپانی عسکریت پسندوں نے غیظ وغضب سے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ بڑی سرگرمی سے جنگی تیاریوں کا آغاز ہو گیا۔ تمام سیاسی جماعتوں کو ملا کر ایک جماعت بنا دیا گیا۔ وزیر اعظم کونوی امریکا سے کوئی نہ کوئی تصفیہ کر لینا چاہتا تھا۔ وزیر جنگ جنرل ٹوجو نے اسے انتباہ کر دیا کہ ایسی گفت وشنید جاری رکھنا، جس سے کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ برے نتائج کا موجب ہو گا۔ اس طرح جنگ کا وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

وسط اکتوبر 1941ء میں پرنس کونوی نے اعتدال کی پالیسی کے لیے کوششیں ترک کر دیں اور وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کی جگہ جنرل ٹوجو نے اپنے نئے کابینے میں بحری اور فوجی افسر شامل کر لیے۔ اس سے صاف بارود کی بو آ رہی تھی۔ امریکا کے خلاف زبردست مہم شروع کر دی گئی۔ 10 نومبر 1941ء کو چرچل نے ایک تقریر میں وعدہ کر لیا کہ اگر امریکا کو جاپان سے جنگ پیش آئی تو ایک گھنٹے کے اندر اندر برطانیہ بھی جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا۔ ساتھ ہی واضح کر دیا کہ برطانوی بیڑے کا ایک طاقتور حصہ اب مشرق بعید بھیجا جا سکتا ہے۔

دوسرے روز امریکی بحریات کے سیکرٹری فرینک نوکس نے انتباہ کر دیا کہ اصل خطرہ صرف اوقیانوس تک محدود نہیں، بلکہ امریکا کے لیے دنیا کے دوسرے حصے یعنی بحرالکاہل میں بھی بڑے خطرناک ممکنات ہیں۔ اس وقت امریکا کی طرف سے جوزف گریو ٹوکیو میں سفیر تھا۔ اس نے اطلاع بھیج دی کہ حکومت امریکا کو چوکس رہنا چاہیے۔ ممکن ہے، جاپان کسی ایسے مقام پر اچانک حملہ کر دے، جو فی الحال چین و جاپان کے دائرہ جنگ میں شامل نہیں۔ پھر جاپانی عسکریت پسندوں نے بڑی محنت سے ایک کھیل تیار کیا۔ مدعا یہ تھا کہ جاپان کے بحری بیڑے کو پرل ہاربر پہنچ کر ناگہانی حملے کی مہلت مل جائے۔ کھیل یہ تھا کہ 14 نومبر 1941ء کو ٹوجو کا خاص نمائندہ سان فرانسسکو پہنچا۔ وہاں سے واشنگٹن گیا تاکہ جاپانی سفیر کو جو امریکا میں مامور تھا، امن قائم رکھنے کے لیے آخری کوشش میں مدد دے۔ نمائندے نے اخباروں کو بتایا کہ میں نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اغلب ہے، اس نمائندے اور جاپانی سفیر کو علم ہی نہ ہو کہ انھیں ایک بڑے کھیل میں محض کرداروں کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

17 نومبر 1941ء کو ابتدائی گفتگو ہوئی اور جاپانی نمائندوں نے سیکرٹری آف سٹیٹ کارڈل ہل کے سامنے اقل مطالبات کی فہرست پیش کر دی یعنی امریکا کی طرف سے مالی و اقتصادی پابندی ختم کر دی جائے۔ چین کو جو فوجی و اقتصادی امداد دی جا رہی ہے، اسے روک دیا جائے۔ چین سے بے تعلقی کی پالیسی اختیار کر لی جائے۔ مان چوکو کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔ جاپان کو ولندیزی شرق الہند سے سامان لینے کی پوری آزادی ہو۔ جاپان نے ''کلاں تر مشرقی ایشیاء میں خوشحالی کا جو دائرہ تجویز کر رکھا ہے، اسے تسلیم کر لیا جائے۔ نمائندوں نے ہل سے درخواست کی کہ یہ مطالبات صدر روزویلٹ کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔ اگر جواب میں تاخیر ہوئی تو ہم لوگ اپنی حکومت کی روش کے متعلق ذمہ دار نہیں سمجھے جائیں گے۔

25 نومبر 1941ء کو حکومت امریکا نے ایک سخت جواب دے دیا جس میں اپنی طرف سے مطالبات پیش کر دیے۔ یعنی جاپان، ہند چینی اور چین سے فوجیں ہٹا لے۔ چین کے علاقائی استقلال کی مشترکہ ضمانت دی جائے۔ جاپان چین میں چیانگ کائی شک کی قومی حکومت تسلیم کر لے۔ بحرالکاہل کی طاقتوں کے درمیان عدم جارحیت کا میثاق ہو جائے۔ آئندہ کے لیے جاپان

دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات میں قانون ونظم کے قواعد کا پابند رہے۔ جاپان محوری طاقتوں سے اشتراک ختم کر دے۔ گویا جاپانیوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنا رخ پیچھے کی طرف پھیر لیں۔ اس اثنا میں امریکا کی فوج اور بحریات کا جو شعبہ خفیہ اطلاعات فراہم کرنے کے لیے وقف تھا، اس نے جاپان کے ریڈیو کوڈ (مرموز رسم الخط) کی کلید دریافت کر لی اور ٹوکیو سے جو پیغام آتے تھے، وہ پڑھنے شروع کر دیے۔ ان سے واضح ہو گیا کہ صلح کی اس گفتگو میں حکومت جاپان کو واشنگٹن پر کوئی اعتبار نہیں۔ صرف ایک اہم اطلاع امریکیوں کے ہاتھ آئی۔ 5 نومبر 1940ء کو مشترکہ بیڑے کے نام خفیہ کارروائی کا پہلا حکم جاری ہوا۔ یہ اطلاع اسی کے متعلق تھی۔ 25 نومبر کو جاپانی بیڑا یاماموٹو کے زیر سرکردگی ہوائی کی طرف روانہ ہوا۔ عین اسی موقع پر جاپانی وزارت خارجہ نے اپنا نمائندہ امریکا بھیج دیا تا کہ یہ ظاہر نہ ہو، جاپان گفت وشنید ختم کر رہا ہے۔

یکم دسمبر 1941ء کو ٹوکیو میں ایک امپیریل کانفرنس ہوئی، جس میں حملے کا رسمی فیصلہ کر لیا گیا۔ ایک بیڑا خلیج سیام میں بھیج دیا گیا تا کہ امریکا کی فوج اور بحری محکمۂ اطلاعات کو ضغطے میں رکھا جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جاپان شرق الہند یا سنگاپور پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے۔ واشنگٹن سے پوچھا گیا کہ جاپان کے ارادے کیا ہیں۔ گویا ٹوکیو اپنے ارادے ظاہر کر دے گا۔ 6 دسمبر کو جاپانی فوجیں ہند چینی میں داخل ہوئیں۔ ساتھ ہی ٹوکیو کا وہ پیغام پڑھ لیا گیا جس میں امریکی مطالبات ٹھکرا دیے گئے تھے۔ اسی روز جنرل مارشل نے پرل ہاربر کو اطلاع دے دی۔

ہل کے پاس یہ خبر پہنچی کہ جاپانیوں نے پرل ہاربر پر حملہ کر دیا۔ نمائندوں کو دفتر میں بلایا گیا۔ جاپانی سفیر نے بحرالکاہل میں امریکی تجاویز صلح کا آخری جواب پیش کر دیا۔ ہل نے بڑی متانت سے جواب پڑھا، جو ہتک اور غلط بیانیوں کا مجموعہ تھا۔ دوسرے امور کے علاوہ یہ تہمت بھی لگائی گئی تھی کہ امریکہ دائرہ جنگ کی توسیع کے لیے منصوبہ بندی کا مجرم ہے۔ پھر سیکرٹری آف سٹیٹ جاپانی سفیر کی طرف متوجہ ہوا اور ایسے تلخ الفاظ میں جواب دیا، جس کا کوئی نمونہ امریکا کی سفارتی تاریخ میں نہیں ملتا۔ غصے کے مارے اس کی آواز گھٹی ہوئی تھی۔

پرل ہاربر جاپان سے ساڑھے تین ہزار میل بحری فاصلے پر بحرالکاہل میں امریکا کی بہت بڑی چوکی ہے، جو جزیرۂ اوآہو کے جنوب میں واقع ہے۔ اس میں جا بجا حفاظتی توپیں نصب تھیں

اور دور حاضر کے اکثر بہترین اسلحہ سے مسلح تھا۔ اس کی بندرگاہ اتنی بڑی تھی کہ پورا امریکی بیڑا اس میں سما سکتا تھا۔ پرل ہاربر میں جو بحری اور فوجی کماندار تھے، ان کا اصل کام زیادہ تر یہ تھا کہ جوابی تخریبی کارروائیوں پر ضبط قائم رکھے۔ انھیں علم تھا کہ ہوائی میں جاپانی فوجی محکمۂ اطلاعات کے کارندے موجود ہیں اور روداد یں جاپان بھیج رہے ہیں، جن میں جزیرے کے مختلف حصوں کی جغرافیائی کیفیت اور مختلف قسموں کے بحری جہازوں کی تفصیل درج ہوتی ہے۔ 7 دسمبر کی صبح کو پرل ہاربر کے کمانداروں کی دلچسپی کا مرکز امریکا کی وہ مہم تھی جو ویک اور مڈوے بھیجی گئی تھی۔ اس طرح دو طیارہ بردار جہاز اور سات بھاری کروزر کھلے سمندر کی نسبتاً محفوظ فضا میں چلے گئے۔

جو جنگی جہاز فورڈ آئی لینڈ کے ساتھ ساتھ گودیوں میں تھے، ان کی طیارہ شکن بیڑیوں پر کچھ آدمی موجود تھے۔ جہازوں کے ایک تہائی ملاح چھٹی منانے کے لیے چلے گئے تھے جو آدمی ریڈار پر کام کر رہے تھے، وہ تربیت کے ابتدائی مرحلوں میں تھے۔ کود پرل ہاربر پر ہوائی دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اکثر جہازوں اور طیاروں کے آدمی یا تو سو رہے تھے یا چھٹی منا رہے تھے۔

پھر ڈائمنڈ ہیڈ کی جنوبی و مشرقی سمت میں ایک سو نوا سی طیاروں کی پہلی لہر نمودار ہوئی۔ ان پر طلوع آفتاب کا نشان بنا ہوا تھا جو ان کے پروں پر سرخ رنگ میں چمک رہا تھا۔ یہ چار چار موٹروں والے بڑے بڑے غوطہ خور بمبار اور تارپیڈو اٹھانے والے جہاز تھے۔ ان میں سے بعض تعاقب کے لیے مامور تھے۔ صبح کی دھندلی روشنی میں یہ نمودار ہوئے اور بالکل پستی میں اتر آئے۔ اس وقت تک پرل ہاربر بم دنا دن برس رہے تھے۔ جاپانی پائلٹوں کو ایک ایک انچ زمین کا علم تھا اور ان کے نشانے حد درجہ تباہی خیز حد تک درست تھے۔ طیاروں سے جو تارپیڈو پھینکے گئے، ان سے ٹھہرے ہوئے جہازوں میں شگاف پڑ گئے۔ غوطہ خور بمبار ہوائی اڈوں پر بم برسانے لگے اور طیارے بیکار ہو گئے۔ ٹنوں آتش گیر مادے پھینکے گئے۔ شعلوں اور دھوئیں کے بادلوں سے فضا تاریک ہو گئی۔

پرل ہاربر میں ستر جنگی جہاز تھے، جن میں آٹھ بڑے جہاز بھی شامل تھے۔ یہ سب ایک قطار میں کھڑے تھے۔ بندرگاہ کے وسط میں ایری ژونا، نوادا، میری لینڈ، ٹینیسی اور کیلیفورنیا تھے۔ اوکلا ہوما میری لینڈ کے پہلو میں تھا۔ ویسٹ ورجینیا ٹینیسی کے پاس۔ پنسلوینیا خشک گودی میں ٹھہرا ہوا

تھا۔ وہیں پرانا اوٹا تھا، جسے خود امریکی نشان کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

جاپانیوں نے بادلوں سے نیچے اتر اتر کر بار بار ضربیں لگائیں۔ پہلے تارپیڈو پھینکنے والے جہاز پھر بھاری بمبار، آخر میں غوطہ خور آئے۔ حملہ آور پائلٹ بہت نیچے اتر آتے اور بیدردی سے کلدار توپیں چلاتے۔

آخر چند منٹوں میں خطرے کا الارم ہوا۔ حیرت زیادہ امریکی اس غیر مساوی لڑائی میں ہر ممکن طریقے سے مقابلہ کرتے رہے۔ کلدار توپوں اور پمپ سے آگ کا سیل نکلنا شروع ہوا۔ ایک بم سیدھا ایری زونا کی چمنی میں جا گرا۔ تباہی خیز دھماکہ ہوا اور میگزین میں آگ لگ گئی۔ جہاز کا پورا اگلا حصہ شعلہ زار بن گیا اور عقبی حصے سے الگ ہو گیا، جہاز ڈوبنے لگا، دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف اٹھنے لگے۔ آگ اور گرمی کے باوجود ملاح سمندر میں کود گئے اور تیر کر کنارے پہنچنے کی کوشش کی، اگرچہ جابجا آگ نظر آتی تھی۔ ایک ہزار سے زیادہ آدمی، جن میں امیر البحر کِڈ بھی شامل تھا، مارے گئے۔ ایری زوما کے ڈھانچے میں دو روز تک آگ لگی رہی۔

ویسٹ ورجینیا میں تارپیڈو لگے۔ اس کے بالائی حصے میں آگ لگ گئی اور وہ نیچے بیٹھنے لگا۔ اس کا کمانڈار بینین بھی مارا گیا۔ اوکلاہاما کی ایک پسلی کھل گئی اور دس منٹ میں وہ ڈوب گیا۔ اس کی سطح اوپر آگئی۔ سینکڑوں امریکی ملاح اس بڑے جہاز کے اندر بند ہو کر مارے گئے۔ کیلیفورنیا میں بھی بڑا شگاف پڑ گیا۔ میری لینڈ، پنسلوینیا اور ٹینیسی میں بھی بموں نے سوراخ کر دیے۔ ان کے اردگرد تیل کو آگ لگی ہوئی تھی۔ نوادا نے ڈوبتے ڈوبتے کنارے کا رخ کر لیا۔ جن جہازوں کو نقصان پہنچا تھا، ان کے پھٹے ہوئے جلتے ہوئے عرشوں پر آدمی موجود تھے، جن کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ان میں سے بعض کی زبانیں اچانک صدمے کے باعث بند ہو گئی تھیں۔ بعض جانکنی میں کراہ رہے تھے۔ تیراکوں نے اس شعلہ زار سے بچ کر نکل جانے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔ دو ہزار تین سو تینتالیس امریکی افسر اور آدمی مارے گئے۔ ایک ہزار دو سو بہتر زخمی ہوئے اور تقریباً ایک ہزار لاپتہ تھے۔ اس کامیاب حملے میں جاپانیوں کا نقصان یہ تھا: انتیس طیارے، پانچ چھوٹی آبدوزیں، ایک بڑی آبدوز۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک گھنٹے میں امریکا کو اتنا بحری نقصان اٹھانا پڑا، جتنا اس نے پوری پہلی

عالمی جنگ میں نہیں اٹھایا تھا۔ 6 اپریل 1917ء اور 11 نومبر 1918ء کے درمیان امریکا کا نقصان یہ تھا: ایک مسلح کروزر، دو تباہ کن جہاز، ایک آبدوز، تین کشتیاں، ایک ساحلی محافظ کشتی، دو اور کشتیاں لیکن بڑا جہاز کوئی نہ تھا۔ پرل ہاربر میں امریکا کا نصف بحری بیڑا اپاہج ہو گیا اور بحرالکاہل میں اس کی قوت حرب وضرب بے دست و پا رہ گئی۔

جاپان میں اس واقعے پر انتہائی خوشیاں منائی گئیں جو اخبار وزارتِ خارجہ کا ترجمان تھا اس نے سرخی دی:

''امریکا کا بیڑا محو کر دیا گیا۔''

ساتھ ہی لکھا کہ جاپان کے اس حملے نے امریکا کو ایک رات میں تیسرے درجے کی بحری قوت بنا دیا ہے اور حملہ آوروں نے جو فوٹو لیے تھے، وہ سب شہادت میں پیش کر دیے گئے۔

بحریات کا سیکرٹری فرینک نوکس فوراً ہوائی جہاز میں ہونو لولو پہنچا تا کہ نقصان کا اندازہ کر کے اہل امریکا کو بتائے۔ اس کی اطلاعات بڑی یاس ''افزا'' تھیں۔ اس نے کہا کہ ہم پر اچانک ہوائی حملہ ہوا۔ ہمیں اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس اعتراف نے قوم کو حیرت زدہ بنا دیا، جسے یقین تھا کہ مینیلا سے پرل ہاربر تک اس کے آدمی جنگی مرکزوں پر بیٹھے ہیں۔ اس روز اتوار تھا اور امریکی معمول کے مطابق مشاغل میں مصروف تھے، یعنی اخبار پڑھ رہے تھے، قہوہ پی رہے تھے، ریڈیو سن رہے تھے۔ دو بج کر بائیس منٹ پر خبر شائع ہوئی:

''جاپانیوں نے پرل ہاربر پر بم برسائے''

پہلے اس خبر پر کسی کو یقین نہ آیا، پھر سب جوش میں آ گئے، تیرہ کروڑ بیس لاکھ امریکیوں میں سے ہزاروں کا ردعمل ایک تھا۔ سب پکار رہے تھے کہ ہم ان کے دانت توڑ کر رہیں گے۔

جب تباہی کا اندازہ محکمہ احتساب سے گزرتا ہوا اخباروں میں چھپا تو پوری قوم غیظ وغضب سے لال پیلی ہو گئی۔

پرل ہاربر کے حادثے سے چند گھنٹے بعد ہیرو ہٹو نے رسمی اعلان جنگ کیا جو ازمنۂ وسطی کے اصول میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں لکھا:

''ہم خدا کی رحمت سے جاپان کے شہنشاہ ہیں اور حکمرانوں کے اس تخت پر بیٹھے ہیں، جن

کا سلسلہ ماضی سے دواماً غیر منقطع چلا آ رہا ہے۔ ہم اپنی وفادار اور بہادر رعایا کو بتاتے ہیں کہ ہم نے جمہوریہ امریکا اور برطانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔"

7 دسمبر 1941ء کی شام کو روز ویلٹ نے کابینے کا ایک اجلاس بلایا، بعد ازاں کانگرس کے لیڈروں سے ملاقات کی۔ کانگرس کے دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس 8 دسمبر کو ساڑھے بارہ بجے شروع ہوا، جس میں روز ویلٹ نے اپنا خطاب ان ہمیشہ یاد رہنے والے الفاظ سے شروع کیا:

"کل 7 دسمبر 1941ء کو...... یہ تاریخ بدعہدی میں ہمیشہ یاد رہے گی......"

اجلاس میں کوئی بحث نہ ہوئی، حالاں کہ صدر ولسن نے اپریل 1917ء میں اعلانِ جنگ کے لیے درخواست کی تھی تو بحث ہوئی تھی۔ کسی تقریر میں الفاظ ضائع کیے بغیر سینٹ نے بالاتفاق جاپان کے خلاف اعلان جنگ منظور کر لیا اور ایوان نے اس کی رسمی منظوری دے دی۔ صرف ایک ووٹ خلاف تھا۔ پورے ایوان میں جس عورت کو سب سے پہلے نشست ملی تھی۔ اس کا تعلق رپبلیکن پارٹی سے تھا اور وہ امن کی حامی تھی، یعنی جینٹ رینکن (مونٹانا)۔ اس نے کم از کم اپنے اصول کی پابندی ضرور سمجھی۔ 1917ء میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کی تجویز پیش ہوئی تو اس وقت بھی جینٹ رینکن نے خلاف ہی رائے دی تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ایک اچھی جمہوریت کے کاغذات پر یہ شہادت موجود رہنی چاہیے کہ اس کی طرف سے اعلان جنگ ہمیشہ بالاتفاق نہیں کیا جاتا۔

چرچل نے 10 نومبر 1941ء کا وعدہ فراموش نہیں کیا تھا اور اسے آئندہ مستعدی سے پورا کر دیا۔ اس کے کابینے نے اختیار دے دیا کہ جاپان کے خلاف فوراً اعلانِ جنگ کر دیا جائے۔ چرچل نے تقریر کی اور پارلیمنٹ میں اس پر نعرہ ہائے تصفیق بلند ہوتے رہے۔ چرچل نے کہا:

"اب معاملہ مشترک ہو گیا ہے اور صاف و واضح طریق پر برطانیہ اور امریکا متحد ہو چکے ہیں۔ اب ان دو بڑی جمہوریتوں کے لیے صرف ایک کام رہ گیا ہے کہ پیشِ نظر مقصد کی خاطر ہر وہ قوت استعمال کریں جو خدا نے ارزانی کی ہے۔ ہم اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ سکتے ہیں (اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے معاملات کی

رہنمائی ہمیشہ برے طریق پر نہیں ہوئی) کہ ڈنکرک کے بعد ضعف و پریشانی کے دور میں جاپان نے تنہا ہم پر حملہ نہیں کیا...... حد درجہ ضروری ہے کہ جس نئے خطرے سے ہمیں سابقہ پڑا ہے، اس کی نزاکت و اہمیت یہاں یا امریکا میں کم نہ سمجھی جائے گی...... کرۂ ارض کی کم از کم 4/5 آبادی ہمارے ساتھ ہے۔ ہم اس کی حفاظت اور اس کے مستقبل کے ذمہ دار ہیں۔ ماضی میں ہمارے پاس صرف ایک روشنی تھی جو جھلملا رہی تھی۔ اب ہمارے سامنے ایسی روشنی ہے، جس سے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور مستقبل میں یہ روشنی بر و بحر دونوں کو جگمگا دے گی۔"

برطانیہ نے جو قدم اٹھایا تھا، اس کی پیروی دوسری قوموں نے بھی کی مثلاً نیوزی لینڈ، کینیڈا، چین، یونان، یوگوسلاویا اور آزاد فرانس کی جلاوطن حکومتیں۔ سوویت روس ہٹلر کی روک تھام میں بے طرح مصروف تھا، اس لیے اگست 1945ء تک اس نے جاپان کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا۔

9 دسمبر 1941ء کی شام کو روز ویلٹ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے ان واقعات پر تبصرہ کیا جو پرل ہاربر کے دردناک حادثے کے موجب بنے تھے۔ ساتھ ہی ہم وطنوں کو یاد دلایا کہ یہ جنگ صرف انھیں کو زندہ رکھنے کے لیے نہیں کی جا رہی، بلکہ اس پر ان تمام روحانی اقوام کی بقا موقوف ہے جنھیں اہل امریکا مدت سے اپنائے ہوئے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے رہے ہیں۔ اس نے کہا:

"جس حقیقی مقصد کے لیے ہم کوشاں ہیں، وہ مکروہ میدان جنگ سے بہت بالا اور بہت آگے ہے۔ جب ہم قوت سے کام لینے پر مجبور ہوئے ہیں، جیسا کہ اب مجبور ہیں تو ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ قوت خیر کے حق میں اور شر کے خلاف استعمال ہوگی۔ ہم اہل امریکا تخریب نہیں بلکہ تعمیر کے عادی ہیں۔"

ہم جس جنگ میں الجھے ہوئے ہیں، اس میں ہمارا مقصد فتح نہیں، انتقام بھی نہیں بلکہ ہم ایسی دنیا کے لیے جنگ کر رہے ہیں جس میں یہ قوم اور اس کے تمام مقاصد ہماری اولاد کے لیے محفوظ ہو جائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ جاپان کا خطرہ ختم ہو جائے گا لیکن اگر ہم اتنا ہی کام انجام

دے کر رک گئے اور باقی دنیا پر ہٹلر اور مسولینی کا اقتدار قائم رہا تو سمجھ لیجیے کہ ہم نے کوئی اچھا کام نہ کیا۔ ہم محض جنگ میں کامیابی کے خواہاں نہیں بلکہ اس کے بعد امن کی بنیادیں بھی استوار کرنا چاہتے ہیں۔

ایڈولف ہٹلر نے پرل ہاربر کی خبر سنی تو اس پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ یہی زبان وہ سمجھتا تھا اور یہی اسے پسند تھی۔ جاپان نے پھر ایک مرتبہ ہٹلر کی تسلی کے مطابق ثابت کر دیا تھا کہ جاپانیوں کو اعزازی طریق پر اس نے آریاؤں کا جو خطاب دے دیا تھا، اس کے وہ مستحق تھے۔

امریکی کانگرس نے بالاتفاق طے کیا تھا کہ امریکا کو حالت جنگ پر مجبور کیا گیا اور اسے کہنا پڑا کہ جرمنی اور اٹلی کے خلاف بھی حالت جنگ ہی قائم ہے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر پینتیس قومیں، جو دنیا کی نصف آبادی کی نمائندہ تھیں، شریک جنگ ہو گئیں۔ اب کشمکش کرۂ ارض میں پھیل گئی تھی اور تقریباً تمام قومیں بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ میں الجھ گئی تھیں۔

17

جاپانی آفتاب کا عروج

(2)

لاطینی امریکا

جمہوریہ امریکا کے لیے لاطینی امریکا کی روش حد درجہ اہم تھی۔ 1941ء کے گرما میں غیر جانبداری زیر بحث تھی تو صدر روز ویلٹ نے بتا دیا تھا کہ میرے پاس تحریری شہادت موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ ہٹلر نے جنوبی امریکا میں پانچ ماتحت مملکتوں سے کیا منصوبہ بندی کر لی ہے اور وہاں موجودہ مذاہب کی جگہ نازیت لے گی، جس کی بائیبل ''میری جدوجہد'' ہے۔ خود لاطینی امریکا کو تشویش تھی کہ محوریوں کی طرف سے اس کے ملکوں پر نازی تجارت کے حملے ہونے والے تھے۔ جاپانیوں نے پرل ہاربر پر حملہ کیا تو لاطینی امریکا کو شدید خطرے کا احساس ہو گیا۔ پانچ روز کے اندر اندر کریبیا کے نو ملکوں (کوسٹاریکا، ڈومینکی جمہوریت، ہیٹی، ہانڈوراس، نکاراگوآ، سالواڈور، کیوبا، گوائی مالا اور پاناما) نے جاپان، جرمنی اور اٹلی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، مزید امریکی اقوام نے چند ہفتوں میں محوریوں سے سفارتی تعلقات توڑ لیے۔ صرف چلی اور ارجنٹینا نے 1943ء تک مروجہ حالت قائم رکھی (ارجنٹینا نے مارچ 1945ء میں اعلان جنگ کیا)۔ برازیل نے 22 اگست 1942ء کو جرمنی اور اٹلی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس سے

پورے جنوبی امریکا اور کریبیائی ملکوں پر گہرا اثر پڑا۔ جنوبی امریکا میں نازیوں کے سرمائے سے ایک جال بچھایا گیا تھا جس کے لیے بڑی کوشش کی گئی تھی، لیکن یہ جال جلد ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

پرل ہاربر پر حملے سے دوسرے دن امریکا میں بھرتی کے مرکز رضا کاروں سے اَٹ گئے۔ امریکیوں میں سے ڈیموکریٹوں اور رپبلکنوں، مداخلت کے حامیوں اور علیحدگی پسندوں، سرمایہ داروں اور مزدوروں نے اختلافات ختم کر کے قومی اتحاد کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ تھی۔ ہربرٹ ہور نے کہا:

جاپان نے غداری سے امریکی سرزمین پر حملہ کیا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ اس جنگ میں جھونک دینا چاہیے۔"

پرل ہاربر کے حملے کے متعلق کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریۂ امریکا کے لیے یہ تباہی خیز واقعہ تھا لیکن جاپانیوں کی امید کے برعکس اس سے امریکا کی ضرب لگانے والی قوت ختم نہیں ہوئی تھی۔ بحری بیڑے کا اہم حصہ اس تباہی سے محفوظ رہ گیا تھا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام ڈوبے ہوئے اور ضرر رسیدہ جہازوں کی مرمت کر لی گئی، چنانچہ وہ برسرِ کار آ گئے، صرف ایری زونا باقی رہ گیا۔ وزیر بحریات نے کہا:

"جاپانیوں کا مقصد یہ تھا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے امریکا کو بے بس کر دیا جائے۔ وہ اس مقصد میں ناکام رہے۔"

پرل ہاربر سے چار روز بعد جرمنی اور اٹلی نے امریکا کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ امریکا سے جنگ شروع ہوئی تو جرمن قوم کو سخت صدمہ پہنچا۔ نازی پروپیگنڈے کا رئیس ڈاکٹر گوئبلز سالہا سال سے یہ کہہ رہا تھا کہ جرمنی نے 1933ء کے بعد اپنے آپ کو "بین الاقوامی یہودیت" کے شر سے محفوظ کر لیا ہے جو صدر روزنفیلٹ کے گرد جمع ہو گئی تھی۔ وہ جمہوریۂ امریکا کی تشریح یوں کیا کرتا تھا کہ وہاں موٹریں ہیں، ریڈیو ہیں، پُرشور باجے ہیں، گودام ہیں، یہودی تہذیب ہے۔ بایں ہمہ اکثر جرمن یہی سمجھتے تھے کہ امریکا ایک ایسی قوم ہے، جس نے شاندار کمالات حاصل کیے۔ اس کی قوت بے اندازہ ہے۔ یقیناً اس سے جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ اکثر کو پہلی عالمی جنگ کا سبق نہیں بھولا تھا اور امریکا ہی کی قوت جنگ کا پانسا قیصرِ جرمنی کے خلاف پلٹا تھا۔ پرل ہاربر کے المیے کا ایک

اور پہلو قابل ذکر رہے۔ جوں ہی جنگ ختم ہوئی، سرگرمی سے بحث شروع ہوگئی کہ پرل ہاربر کے واقعے اور آغازِ جنگ کے حقیقی حالات کیا تھے۔ چنانچہ جنگ سے تھوڑا عرصہ بعد سانحۂ پرل ہاربر کی چھان بین کے لیے کانگریس نے ایک مشترکہ کمیٹی بنادی۔ شہادتوں اور کاغذات کی مفصل کیفیت اناالیس جلدوں میں چھاپی گئی، جس سے مورخوں نے مختلف نتائج نکالے۔

اب خوب بحث شروع ہوئی۔ روز ویلٹ کے مخالفوں نے یہ شدید الزام پیش کر دیا کہ صدر اور اس کے مشیروں نے زبان سے امن کا اعلان کرتے ہوئے ملک کو جنگ میں دھکیل دیا اور یہ سب کچھ امریکا کے منتخب نمائندوں کے علم کے بغیر ہوا۔ کہا گیا کہ جب روز ویلٹ نے علیحدگی پسندوں کی قوت زیادہ دیکھی تو اس نے ایسی چال چلی، جس کے نتیجے میں جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کیا۔ روز ویلٹ کے ایک مخالف کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ قوم کو براہ راست جنگ میں نہیں لے جا سکتا تھا لہٰذا جھوٹ بول کر اپنا مقصد پورا کر لیا۔

دوران جنگ کے صدر کی حمایت کرنے والوں نے نہایت تیز جوابی حملے کیے۔ باسل راش ڈیکٹر پرکنز اور ولیم لینگر ایسے مورخوں نے کہا کہ روز ویلٹ نے امریکا کو جنگ سے باہر رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، البتہ وہ امریکی اصول چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا اور قوم کو انتہائی خطرے سے دوچار نہ ہونے دیا۔ انھوں نے کہا کہ روز ویلٹ کو ایسی شرمناک نقطہ چینی کا ہدف بنانے کے بجائے یہ اعزاز دینا چاہیے کہ اس نے قوم کی تاریخ کے ایک نہایت نازک دور میں تیاری کے لیے مہلت حاصل کر لی۔

ہشت پائے کے اقدامات

پرل ہاربر پر جاپانیوں نے جو ضرب لگائی تھی، وہ مشرق بعید میں ضربوں کے سلسلے کی طرف ایک کڑی تھی۔ جاپانیوں کا جارحانہ اقدام ابھرنے والے راکٹ کی طرح ہر سمت میں دور دور تک پہنچ گیا۔ پرل ہاربر پر حملے کے تقریباً ساتھ ہی جاپان کی بحری اور فضائی قوت نے کوٹا بھارو (برطانوی ملایا)، سنگورا (تھائی لینڈ)، سنگاپور (ہانگ کانگ)، گوام، مڈوے، ویک آئی لینڈ اور فلپائنیز پر بھی ضربیں لگائیں۔ فوج، بحری بیڑے اور فضائی قوت کے اشتراک سے دور دور تک اقدامات کی یہ ایک غیر معمولی نمائش تھی۔ اس کی تہ میں وہ تدبیریں کارفرما تھیں جو پہلے سے تیار

کر رکھی تھیں۔ فتوحات سے جو نئے اڈے مل گئے، ان سے کام لے کر جاپانیوں نے دشمن کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ عموماً زبردست قوت کے ساتھ لڑائی کے اہم مقامات پر نمودار ہوتے۔ پانچویں کالم کی غداری فتح کا راستہ ہموار کر دیتی اور ہر علاقے میں ایسے لوگ پہلے سے موجود تھے۔

جاپانی فوجیوں کو داخلے اور پھیلاؤ کے حیلے معلوم تھے۔ وہ حوالگی کی بجائے موت کو ترجیح دیتے۔ چاول کے معمولی سے راشن پر زندگی بسر کر لیتے اور ضرورت پیش آتی تو خود جہاں ہوتے، وہاں سے رسد لے کر گزارہ کرتے رہتے۔ ان پر ایسی تصویریں بنا دی گئی تھیں کہ دور سے یا اوپر سے درختوں کے پتے معلوم ہوتے۔ عموماً جانوروں کی آوازیں نکالتے۔ یہی ان کے سگنل تھے۔ جنگل میں گھس جاتے تو کوئی ان کا سراغ نہ لگا سکتا۔ برطانیہ اور امریکا دونوں نے ابتدا میں جاپانیوں کی جنگی صلاحیتوں کا ناقص اندازہ کیا۔ وہ چین میں جاپانیوں کی ظاہری ناکامیوں سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ انگریزوں اور امریکیوں کو جنگل میں لڑنے کی کوئی تربیت نہیں ملی تھی۔ ابتدا میں انھیں بڑی تکلیفیں پیش آئیں لیکن جلد انھوں نے سب کچھ سیکھ لیا اور آگے چل کر معلوم ہوا کہ جاپانیوں کی کارروائیوں میں کوئی جدت پیدا نہ ہو سکی۔ وہ ہمیشہ ایک ہی نمونے کو دہراتے رہے۔ غالباً ان کی ابتدائی کامیابیوں کا راز یہ تھا کہ وہ جسمانی تکلیفیں برداشت کرنے کے زیادہ اہل تھے۔

جاپانیوں نے فتوحات کے لیے جو نقشہ بنایا تھا، اس کا ایک ایک پہلو آشکارا ہو گیا۔ ہوائی اور فلپائینز کے درمیان مختلف جزیرے واقع تھے جو جنگی اعتبار سے بڑے اہم تھے مثلاً مڈوے، ویک اور گوام۔ یہ سب امریکا کے قبضے میں تھے۔ ان کا فاصلہ بالترتیب ایک ہزار تین سو چار میل، ایک ہزار ایک سو پچاسی اور ایک ہزار پانچ سو آٹھ میل تھا۔ ان میں سے گوام پہلا جزیرہ تھا جو جاپانیوں کے قبضے میں آیا اور مشرقی جانب یہی قدم گاہ بنا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ ٹوکیو سے ایک ہزار ایک سو پچپن میل جنوب میں تھا۔ اس سے چند میل کے فاصلے پر میریانا تھا، جو جاپانیوں کی حکمداری میں دے دیا گیا تھا۔ گوام کو امریکا نے صرف جاپانی احساسات کے اعتراف میں فوجی اعتبار سے مستحکم نہیں کیا تھا۔ 7 دسمبر کو جاپانیوں نے اس پر بم برسائے۔ تین روز بعد فوج اس پر حملہ

آور ہوئی۔ وہاں صرف پانچ سو پچپن امریکی فوجی موجود تھے۔ نہ ان کے پاس ساحلی حفاظت کے لیے توپیں تھیں اور نہ طیارہ شکن توپیں ان کے لیے حوالگی کے سوا چارہ نہ رہا۔ جزیرہ ویک میں سخت مقابلہ ہوا۔ یہاں میجر جیمس ڈیویرو نے اپنے بحری سپاہیوں کے ساتھ جاپانیوں کا پہلا حملہ ناکام بنادیا۔ وہ کچھ مدت تک ٹھہرے رہے، آخر پسپا ہو گئے۔

گوام اور ویک کے سقوط سے ہوائی اور فلپائنیز کے درمیان نقل وحمل کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور مڈوے کے مغرب میں وسطی بحرالکاہل کے اندر امریکا کا کوئی مرکز نہ رہا اور مڈوے سان فرانسسکو سے تین ہزار سات سو میل تھا۔

برطانوی جہازوں کی غرقابی

امید تھی کہ سنگاپور کے مرکز کا برطانوی بیڑا جنوبی ومغربی بحرالکاہل کی جنگ میں فوری مدد پہنچائے گا۔ مشرق بعید میں جنگ چھڑنے سے چند مہینے پیشتر برطانیہ سے دو بڑے جنگی جہاز بھیج دیے گئے تھے کیوں کہ وہاں فتنے کا اندیشہ تھا۔ ان میں سے ایک پینتیس ہزارٹن کا جنگی جہاز تھا یعنی ''پرنس آف ویلز'' جسے بحری ماہرین ناقابل غرقابی قرار دے چکے تھے۔ دوسرا بتیس ہزارٹن کا جنگی جہاز ریپلس۔ ان دونوں کی ساخت میں تازہ ترین اصول پیش نظر رکھے گئے تھے اور ان پر منتخب بحری فوج متعین کی گئی تھی۔ ''پرنس آف ویلز'' ان جہازوں میں سے تھا، جس نے جرمن جہاز بسمارک کو ڈبونے میں خاص مدد دی تھی۔

8 دسمبر 1941ء کو خبر ملی کہ جاپانی ملایا میں اتر آئے ہیں۔ نائب امیر البحر ٹام فلپس نے جو مشرق بعید کے برطانوی بیڑے کا کمانڈر تھا اور ایک بہادر، مگر ناتجربہ کار افسر تھا، ''پرنس آف ویلز'' اور ریپلس کو روانگی کا حکم دے دیا۔ چار تباہ کن جہاز ان کے ساتھ تھے۔ قصد یہ تھا کہ جاپانی وسائل نقل وحمل کو فوجیں اتارنے سے پہلے ہی تباہ کر دیا جائے مگر یہ حکم فیصلے کی شدید غلطی ثابت ہوا۔ بیڑے کو ہوائی حفاظت کے بغیر دشمن کے پانیوں میں لے جانا بحری تدابیر کے بنیادی اصول کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اصول یہ تھا کہ کسی بڑے جنگی جہاز کو خاصی فضائی حفاظت کے بغیر ایسی جگہ نہ لے جاؤ جہاں دشمن کی ہوائی قوت قریب ہو۔

لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ برطانوی بیڑا شمالی جانب روانہ ہوا۔ وہ ساحل ملایا سے صرف پچاس میل اور سنگاپور سے صرف ڈیڑھ سو میل تھا۔ دیکھ بھال کرنے والے جاپانی جہازوں نے اس کا سراغ لگا لیا۔ اس کے بعد جو ڈرامہ ہوا، اسے ایک جاپانی نامہ نگار نے یوں بیان کیا:

"ہمارے طیارے ان سمندروں میں دیکھ بھال کے لیے پرواز کرتے رہے جو جزائر انمبا کے مشرقی ساحل سے آگے ہیں۔ افق پر دھوئیں کے سیاہ بادل دیکھے گئے۔ خوب دیکھ بھال کے بعد واضح ہو گیا کہ یہ دھواں دشمن کے بیڑے کا ہے جس میں "پرنس آف ویلز" اور ریپلس شامل تھے۔ لاسلکی کے ذریعے سے ہمارے بمبار جہازوں کو خبر بھیج دی گئی اور بتا دیا گیا کہ دشمن کا بیڑا کہاں ہے۔ یہ پیغام ملتے ہی جاپانی بمبار طیارے ایک بڑی قطار میں اڑے۔ ان کے ساتھ تارپیڈو بھی تھے۔ انھوں نے موسم کی خرابی کا کچھ خیال نہ کیا۔ برطانوی بیڑا دیکھ لیا۔ بیڑے کو بھی غالباً ہماری کوشش کا پتا چل گیا تھا اور اس نے دھوئیں کے تاریک بادلوں میں تیس بحری میل کی رفتار سے خم کھا کھا کر چلنا شروع کیا۔ شفق پھول رہی تھی اور ہمارے لیے بیڑے کا سراغ لگانا مشکل ہو گیا تھا، لہٰذا ہم ناقابلِ اظہار افسوس کے ساتھ اپنے مرکزوں کی طرف جانے پر مجبور ہو گئے۔"

دوسری صبح کو جاپانی بمبار پھر اُڑے۔ وہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر ایک قطار میں تھے اور سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے سوا گیارہ بجے سے سوا گھنٹے تک جاپانی پائلٹوں نے انتہائی ہوشیاری اور عزم کے ساتھ حملہ جاری رکھا۔ بڑے بڑے بم بھی گرائے اور تارپیڈو بھی چھوڑے۔ بڑے بم براہ راست دو مرتبہ جہازوں پر گرے۔ پھر نو نو طیاروں کی تین قطاروں نے پے در پے تارپیڈو چھوڑے، جو برطانوی جہازوں کے بازوؤں میں لگے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کتوں کا ایک غول ہرن کے دو زخمی بچوں کو بہت بری طرح پھاڑ رہے تھے۔

"پرنس آف ویلز" اور "ریپلس" میں سے کسی میں بھی دھماکہ نہ ہوا اگرچہ دونوں میں براہ راست تارپیڈو لگے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں جہازوں کے تین ہزار آدمیوں میں سے (پرنس آف ویلز، ایک ہزار سات سو، ریپلس ساڑھے بارہ سو)، دو ہزار بچ رہے۔ برطانوی بحری لشکر کی روش

حد درجہ قابل احترام تھی۔

یہ حادثہ بھی پرل ہاربر کے برابر دردناک تھا۔ جنگ سے پیشتر ماہرین نے بڑے جنگی جہازوں کی قدرو قیمت کو محل نظر قرار دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ فضائی دور میں یہ جہاز جلد تباہ ہو سکتے ہیں۔ اب اس بارے میں شبہات اور زیادہ بڑھ گئے۔ دو بڑے ڈریڈ ناٹوں کے ڈوبنے سے یہ رائے بدلنی پڑی کہ جاپان پر جلد اور بآسانی فتح حاصل کی جا سکے گی۔ سنگاپور بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ چرچل نے دارالعوام کے سنجیدہ ارکان کے روبرو تقریر کرتے ہوئے کہا:

"مجھے پوری زندگی میں ایسی کوئی بحری ضرب یاد نہیں جو اتنی شدید اور اس درجہ المناک ہو، جیسا گزشتہ دوشنبہ کو "پرنس آف ویلز" اور "ریپلس" کی غرقابی ہے۔ یہ دو وسیع اور طاقتور جہاز جاپانی خطرے کے مقابلے کے لیے...... جو گزشتہ چند مہینوں میں ہمارے خلاف نمایاں ہوا...... ہمارے منصوبے میں اہم حیثیت رکھتے تھے...... مسلسل فضائی حملوں سے جاپانیوں نے یہ مقصد حاصل کر لیا۔ دونوں جہاز ڈوب گئے۔ حملہ آوروں میں سے صرف سات ہوائی جہاز برباد کیے جا سکے۔

جنوبی بحر الکاہل کے اس واقعے نے مشرق بعید کا پورا نقشہ بدل دیا۔ یہ بھاری ضرب تھی اگرچہ ناقابل تلافی نہ تھی اور اس نے اتحادیوں کو شدید تشویش میں مبتلا کر دیا۔

فلپائنیز کا گلا گھونٹا گیا

ٹوکیو کو یقین تھا کہ امریکا نے وسط بحر الکاہل کی چوکیوں کو جنگی مرکز کی حیثیت میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اب یاماموٹو اور ٹوجو نے فلپائنیز کے خلاف جارحانہ اقدام کے لیے خشکی و تری کا دو گونہ منصوبہ تیار کر لیا۔ فلپائنیز اور خصوصاً بندرگاہ منیلا مشرق بعید میں ایک بہترین طبعی بندرگاہ تھی۔ چین، فرانسیسی ہند چینی، برما، ملایا اور ولندیزی شرق الہند کے لیے جاپانیوں کا قبضہ حد درجہ ضروری تھا۔ مجمع الجزائر فلپائنیز چھوٹے بڑے سات ہزار زرعی جزیروں پر مشتمل ہے اور ایشیاء کے جنوبی و مشرقی ساحل سے تقریباً پانچ سو میل کے فاصلے پر ہے۔ فارموسا سے بورنیو کی طرف شمالاً

جنوباً یہ مجمع الجزائر ساڑھے گیارہ سو میل میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ جاپان سے ولندیزی شرق الہند کے تجارتی راستے پر واقع ہے اور شرق الہند میں تیل، نیز دوسری قیمتی دھاتوں کے وسیع ذخیرے موجود تھے۔ اس مجمع الجزائر میں سب سے بڑے جزیرے دو ہیں۔ شمال میں لوزون (چالیس ہزار آٹھ سو چودہ مربع میل) اور جنوب میں مندناؤ (چھتیس ہزار پانچ سو سینتیس (مربع میل) مشرق قریب کے قلب میں ہر ایک اہم جنگی مقام تھا۔

جمہوریہ امریکا نے فلپائنیز پر اس وقت قبضہ کیا تھا جب ہسپانیہ اور امریکا کے درمیان جنگ چھڑی تھی اور امیر البحر جارج ڈیوی نے خلیج مینیلا میں ہسپانوی بیڑے کو شکست دی تھی (مئی 1894ء)۔ صرف ایک ضرب سے امریکا نے بحرالکاہل میں اپنے حدود سات ہزار میل بنا لیے تھے۔ پھر فلپائنیز میں آزادی کا مطالبہ تیز تر ہونے لگا۔ امریکی کانگرس نے 24 مارچ 1934ء کو ایک قانون منظور کیا جس میں فلپائنیز کے لیے ایک قانون ساز مجلس بنانے کا فیصلہ ہو گیا۔ ساتھ ہی کہہ دیا گیا کہ دس سال کے عبوری دور کے بعد فلپائنیز کو آزادی دے دی جائے گی۔ درمیانی مدت میں امریکا کی بحری فوج جزیروں میں موجود رہے گی۔

پرل ہاربر پر حملے کے دوسرے دن جاپانی ہوائی جہازوں نے منیلا کے قریب کلارک فیلڈ کے اڈے پر اور اس سے اگلے دن کیوائٹ کے بحری مرکز پر بم برسائے، جن کے باعث امریکہ فلپائنیز کی ہوائی اور بحری حمایت سے بڑی حد تک محروم ہو گیا۔ تین ہفتوں کے اندر اندر جاپانیوں نے جنرل ہوما کی سرکردگی میں خشکی و تری سے بڑا حملہ کیا اور لوزون کے شمال و جنوب میں سات مقامات پر جا بجا فوج اتار دی۔ یہ فوج کسی بڑی مزاحمت کے بغیر منیلا کی طرف روانہ ہو گئی۔ جاپانی حملے کے زور اور تنوع نے مدافعین کو متحیر کر دیا۔ جزائر کی امریکی و فلپائنی فوج کا کماندار جنرل ڈگلس میک آرتھر تھا۔ اس نے 27 دسمبر 1941ء کو واشنگٹن پیغام بھیجا:

"دشمن ہماری بحری اور فضائی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر فلپائنیز میں داخل ہو گیا۔ ایشیائی بیڑا اٹھا لیا گیا۔ آبدوزوں سے کچھ زیادہ اثر نہ ڈالا جا سکا۔ ہمارے پاس دور حاضر کے طیاروں کے لیے کوئی موزوں اڈہ نہیں رہا تھا، لہٰذا ہم وسیع

پیمانے پر دفاعی کارروائی نہ کر سکے۔ چوں کہ ہمارے پاس تعاقبی طیارے بھی موجود نہ تھے لہٰذا روک تھام کے بغیر ہم پر بمباری ہوتی رہی ہے۔ دشمن کو بحری اور فضائی نقل وحرکت میں کامل آزادی حاصل تھی۔"

کیوائٹ کا مرکز تباہ ہو گیا تو ایشیائی امریکی بیڑے کے کماندار امیر البحر ہارٹ نے حکم دے دیا کہ بیڑے کے کمزور عناصر جنوبی سمت روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ اس خط پر چلے گئے جو سورابایا (جاوا سے)، ڈارون (آسٹریلیا) تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ منیلا سے پندرہ سو میل دور تھا۔ اس بیڑے کے تباہ کن جہازوں نے دو لاکھ ٹن کے تجارتی جہازوں کو حفاظت کے ساتھ آسٹریلیا کے سمندر میں پہنچا دیا۔ جاپانیوں کے جنگی منصوبہ بندوں کے لیے امریکا کی بحری پسپائی بڑی اطمینان بخش تھی۔ انھوں نے فلپائنیز اور آسٹریلیا کے درمیان روابط منقطع کر دیے تھے اور امریکی بیڑا میدان سے نکل گیا تھا۔

اس کے بعد منیلا پر متوقع حملہ ہوا جو مشرق میں امریکی قوت کی سب سے بڑی چوکی تھا۔ یہ مقام فوجی اعتبار سے ناقابل مدافعت تھا۔ 26 دسمبر 1941ء کو منیلا کے شہری ہال کے سامنے دو بڑے بڑے پرچم لہرانے لگے۔ ایک پر مرقوم تھا:

"یہ کھلا شہر ہے"

دوسرے پر تحریر تھا:

"آتشباری نہ کی جائے"

آبادی کو قتل عام سے بچانے کے لیے باقی ماندہ امریکی فوجوں کو شہر خالی کر دینے کا حکم مل گیا۔ سڑکیں دہشت زدہ لوگوں سے اَٹ گئیں جو پہاڑیوں میں پناہ لینے کے لیے کوشاں تھے۔ ٹرینیں پناہ گزینوں سے بھر گئیں۔ منیلا کے ریڈیو نے یہ اعلان بار بار نشر کرنا شروع کیا کہ منیلا کھلا شہر ہے۔ ٹوکیو کے ریڈیو نے اسی روز یہ اعلان قبول کر لیا۔

27 دسمبر 1941ء کو دشمن طیاروں کے دستے پے در پے آتے رہے اور غیر محفوظ دار الحکومت پر تباہی برساتے رہے۔ بندرگاہ کی تمام ضروری چیزیں برباد کر ڈالی گئیں۔ شہر آگ اور دھوئیں کے سیل میں غرق ہو گیا۔ 2 جنوری 1941ء کی رات کو جاپانی فوجیں شہر میں داخل ہوتی

رہیں۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ کیوائٹ کا بحری مرکز اولاً جاپانی بمباری کے ذریعے سے، ثانیاً مدافعین کے جتھوں کے ذریعے سے برباد ہو چکا ہے۔ رسد کے ذمہ دار نے تمام ذخیرے کھول دیے تھے۔ عوام کو اجازت دے دی تھی کہ جو کچھ چاہتے ہیں، اٹھا لے جائیں جو چیزیں باقی رہ گئیں انھیں تباہ کر دیا گیا۔

جاپانی باقی ماندہ شہریوں کو بار بار انتباہ کرتے رہے۔ ان کے مقررہ قاعدے کے مطابق مفتوحین کو کوئی حق حاصل نہ تھا اور نافرمانی کی سزا موت تھی۔ انھوں نے کہا:

"جو شخص کسی جاپانی سپاہی کو کوئی ضرر پہنچائے گا یا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اگر حملہ کرنے والا یا حملے کی کوشش کرنے والا ہاتھ نہ آئے گا تو جہاں ضرر کا واقعہ پیش آئے گا، شہر کے اس بازار میں سے دس ذی اثر لوگوں کو ذمہ دار گردان لیا جائے گا۔"

گویا ایشیاء میں جو نظام نو جاری ہونے والا تھا وہ منیلا میں جاری ہو چکا تھا۔

پورے فلپائن میں جنرل میک آرتھر کے پاس ساٹھ ہزار ایسی فوج تھی جس کے پاس معمولی اسلحہ تھا۔ گیارہ ہزار مشاق فلپائنی سکاؤٹ نے حکم دے دیا کہ سب جزیرہ نمائے بتان چلے جائیں، جہاں سے کمک پہنچنے تک کامیاب مدافعت کی امید ہو گئی تھی۔ یہ جزیرہ نما پچیس میل لمبا اور زیادہ سے زیادہ بیس میل چوڑا تھا۔ یہ لوزون سے ایک بہت بڑی انگلی کی طرح باہر نکل گیا تھا جس کا رخ کیوائٹ کے بحری مرکز کی طرف تھا اور وہ بحری مرکز بارہ میل پر ہو گا۔ سمندر کی طرف سے بتان کی حفاظت پاس کے جزیرے کوریجی دور کی توپوں سے ہو سکتی تھی۔ اس میں دو آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے تھے جن کی آتش فشانی ختم ہو چکی تھی۔ جا بجا ندیاں، نالے بہتے تھے۔ علاوہ بریں پہاڑیاں اور جنگل موجود تھے۔ مدافعت کے لیے یہ بہترین مقام تھا۔ اس میں صرف دو سڑکیں تھیں، جہاں سے فوج گزر سکتی تھی۔ ان پر جا بجا ٹینکوں کے لیے پھندے بنا دیے گئے اور خاردار تار لگا کر روک تھام کا بندوبست کر لیا گیا۔

18

جاپانی آفتاب کا عروج

(3)

بتان کی کہانی

جنوری 1942ء کے پہلے ہفتے میں امریکی اور فلپائنی فوجیں لوزون کے دونوں سروں سے پیچھے ہٹتی ہوئی سان فرنینڈو میں اکٹھی ہوگئیں اور وہاں سے بتان کی طرف سفر کی آخری منزل شروع ہوئی۔ وہ قدم قدم پر دشمن سے لڑتی رہیں۔ اس نقل و حرکت میں بڑا نقصان ہوا۔ مثلاً جنرل وین رائٹ کی فوج، جو شمالی لوزون میں تھی، اٹھائیس ہزار میں سے سولہ ہزار رہ گئی۔ یہ سب مارے نہ گئے بلکہ اکثر فلپائنی فوج کو چھوڑ کر گھروں میں جا بیٹھے۔ جنوبی لوزون میں جنرل جونز کی فوج تھی۔ اس میں پندرہ ہزار آدمی تھے۔ بتان پہنچتے پہنچتے صرف چودہ ہزار رہ گئے۔ مدافعین تھک چکے تھے۔ انھیں رسد نہیں ملتی تھی تاہم پہلے سے تیار شدہ مورچوں میں جا بیٹھے۔ یہاں ان پر جاپانیوں نے بڑے سخت حملے کیے۔ یہ حملے سامنے سے بھی ہوئے، اطراف سے بھی۔ توپوں سے زبردست گولہ باری بھی ہوتی رہی اور سمندر کی طرف سے بھی مختلف دشمن دستے داخل ہوگئے۔

جاپانی کمانداز نے میک آرتھر کو پیغام بھیجا:

"آپ کا وقار و اعزاز بحال رہا لیکن مزید خونریزی غیر ضروری ہے۔ فوجوں کو

بچانے کے لیے مشورہ دیا جاتا ہے کہ حوالگی قبول کر لیجیے۔ اگر یہ مشورہ قبول نہ کیا گیا تو ہمارا جارحانہ اقدام بے پناہ قوت سے جاری رہے گا۔"

امریکیوں نے اس کے جواب میں ہر مرتبہ آتشباری تیز تر کر دی۔ مدافعین کے لیے رسد پہنچانے کی کوششیں کی گئیں، مگر بے نتیجہ رہیں۔ رسد کے جو جہاز لوزون بھیجے گئے، انھیں جاپانیوں نے غرق کر دیا۔ امریکی فوجوں نے یہ گیت گانا شروع کیا:

"ہم بتان کے بے خویش جنگجو ہیں۔

نہ ماں، نہ باپ، نہ چچا،

نہ دوا، نہ طیارے، نہ توپیں،

اور ہمیں کسی چیز کی پرواہ نہیں۔"

اس المناک حالت کے لیے قوی وجوہ موجود تھے۔ راشن جنوری کے پہلے ہفتے میں نصف کر دیا گیا۔ چند ہفتے کے اندر خوراک کی رسد ختم ہو گئی۔ آدمیوں نے کتے، سوسمار، بندر، خچر اور سانپ کھانے شروع کر دیے۔ جنگل میں نے سے جو بیر یا قابل خورش جڑیں ملتیں ان سے پیٹ بھر لیتے۔ جزیرہ نما میں سے جتنی قابل خورش سبزی مل سکتی تھی سب کھا گئے۔ دونوں کا ذخیرہ کم ہوا تو فوج ملیریا، ڈنگو، فساد خون، بیری بیری اور پیچش جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو گئی۔ ہزاروں آدمی نقل و حرکت کے قابل نہ رہے اور انھیں ایسے ہسپتالوں میں داخل کر دیا گیا جن کا انتظام عارضی طور پر جا بجا کر لیا گیا تھا۔ وردیاں پھٹ گئیں، بوٹ خراب ہو گئے، رات کو جنگلوں میں جاتے تو کانٹوں سے پاؤں زخمی ہوتے۔ جسمانی کمزوری، بیماری، غذائی کمی کے باوجود فوج لڑتی گئی۔

اصل سوال یہ تھا کہ میک آرتھر کیا کرے؟ آیا اس قابل سالار کو اجازت دے دی جائے کہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ہتھیار ڈال دے یا آئندہ جنگ کے لیے اسے محفوظ کر لیا جائے۔ واشنگٹن کو اس معاملے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ ہفتوں کی گفت و شنید کے بعد میک آرتھر کو راضی کر لیا گیا کہ فوج کو جاپانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود نکل آئے۔ مارشل نے اطلاع دی کہ وہاں آپ کی خدمات کی اتنی ضرورت نہ ہوگی، جتنی مشرق بعید کے دوسرے حصوں میں ہے۔

22 فروری 1942ء کو روزویلٹ نے براہ راست حکم دے دیا کہ میک آرتھر لوزون کو چھوڑ

کر ایک ہفتے کے لیے مندناؤ چلا جائے۔ پھر آسٹریلیا پہنچ جائے اور جوابی حملے کی تیاریاں شروع کردے۔ یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ سب کچھ حکومت آسٹریلیا کی درخواست پر عمل میں آیا ہے۔ چرچل نے آگے چل کر کہا کہ میں نے روز ویلٹ کے سامنے تجویز پیش کی تھی، میک آرتھر کو باہر نکال لیا جائے۔

12 مارچ 1942ء کو اکیس آدمیوں کی جماعت ایک آبدوز میں بیٹھ کر مندناؤ پہنچی۔ سمندر سرنگوں سے خالی کرلیا گیا تھا۔ وہاں سے چار روز بعد ان سب کو طیارے میں ڈارون پہنچایا گیا۔ رخصت ہوتے وقت میک آرتھر نے جنرل وین رائٹ کو فوج کا کمانڈار بنادیا کہ جس حد تک مدافعت کرسکو، کرتے رہو، اگر حوالگی ضروری ہو تو ہتھیار ڈال دو لیکن وہ سارا سامان تباہ کردو، جو فلپائنیز کی از سرِ نو تسخیر کے لیے امریکا کے خلاف استعمال ہوسکتا ہو۔ امریکا پہنچ کر میک آرتھر نے اعلان کیا کہ صدر جمہوریۂ امریکا نے مجھے جاپانی خطوط کو توڑتے ہوئے نکل آنے کا حکم دیا تھا اور میں کوریجی ڈور سے آسٹریلیا آگیا۔ میں سمجھتا ہوں میرا فرض یہ ہے کہ جاپان کے خلاف جارحانہ اقدام کا انتظام کروں۔ فلپائنیز کو کمک پہنچانے کی غرض سے میں باہر نکل آیا اور لازماً واپس جاؤں گا۔

اپریل کے پہلے ہفتے میں دفاعی امریکی فوج کا نظم ختم ہوگیا۔ 9 اپریل کو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ آٹھ روز بعد امریکی محکمہ جنگ نے حوالگی کا اعلان کردیا۔ یہ فوج کل پینتیس ہزار تھی۔ جنرل وین رائٹ اور فوج کے بقیہ حصے کوریجی ڈور پہنچ چکے تھے۔ اس وقت تک دنیا کو معلوم ہوچکا تھا کہ فلپائنیز میں امریکی فوج جاپانیوں کے ہاتھوں بری طرح پٹ رہی ہے گویا بتان کی کہانی نہایت دردناک تھی۔ ہزاروں امریکیوں اور فلپائنی سپاہیوں نے، جن میں ہر درجے کے آدمی شامل تھے، موت کا کوچ شروع کیا (10 اپریل 1942ء) پچاسی میل کا راستہ طے کرکے وہ بتان کے جنوبی گوشے میں پہنچ گئے۔ پھر شمالی جانب اورانی گئے۔ دوبارہ شمالی و مشرقی جانب کا رخ کرتے ہوئے سان فرنینڈو پہنچ گئے، جو صوبۂ پمپا گنا میں ریل کا جنکشن تھا۔ وہاں سے انھیں ریل میں سوار کرا کے اس مقام کی طرف لے گئے، جہاں انھیں نظر بند کرنا منظور تھا۔ ایک فوج کو واقعی جاپانی دوزخ کی ایک خاص قسم کا تجربہ ہوا، جاپانیوں نے انھیں چار دستوں میں تقسیم کیا اور تیز دھوپ میں انھیں چلنے

کا حکم دے دیا گیا۔ زمین تپ رہی تھی۔ گردوغبار اڑاڑ کر جسم جلا رہا تھا۔ سب کو نہائے ہوئے مدت گزر چکی تھی۔ کپڑے میلے تھے، پیاس اور بھوک نے انھیں دیوانہ بنا رکھا تھا۔ جاپانیوں کی حماقت اور اذیت رسانی ناقابل یقین تھی۔ جس بد نصیب قیدی کے پاس سے کوئی جاپانی چیز یا روپیہ ملتا، اسے مار مار کر ختم کر دیا جاتا۔ بلاثبوت فرض کر لیا گیا تھا کہ یہ سامان بہرحال مردہ جاپانی سپاہیوں سے چرایا گیا ہوگا۔ ان کی گھڑیاں، روپے پیسے، قلم چھین لیے گئے۔ بندوقوں کے کچوکے دیے جا رہے تھے۔ گالیوں اور طعنوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ اصل محافظ فوج کے پیچھے ایک اور جاپانی دستہ آ رہا تھا۔ کوئی قیدی تھکاوٹ یا بیماری کے باعث پیچھے رہ جاتا تو اسے قتل کر دیا جاتا۔ جن فلپائنیوں نے کسی قیدی کی مدد کی، انھیں مار کر پیچھے ہٹا دیا گیا۔ ساتویں روز ان لوگوں کو سان فرینڈو کے مقام پر خاردار تاروں کے ایک جنگلے میں پہنچایا گیا۔ اکثر ملیریا، پیچش اور ڈنگو میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ جو زندہ رہے انھیں پرانی وضع کے ڈبوں میں اس طرح بھر دیا گیا کہ کسی کو ہلنے کی بھی تاب نہ تھی۔ ہوا صرف کھڑکیوں کے سوراخوں سے آ سکتی تھی۔ گندی ہوا اور قے کی بدبو کے باعث اکثر بے ہوش ہو گئے۔ ڈبے کے فرش پر جو غلاظت بکھری ہوئی تھی، اس سے ان کے چہرے چھپ گئے۔ تین گھنٹے کی سواری کے بعد پھر انھیں اتار کر سات میل چلایا گیا اور آخر صوبہ تارلاک کے جنگلوں میں قیدیوں کے ایک کیمپ کے اندر بند کیا گیا۔ امریکی سپاہیوں یا امریکی عوام کے لیے یہ خبریں ناقابل تصور تھیں۔ جو لوگ یہ تکلیفیں اٹھا چکے، انھوں نے عزم کر لیا کہ امریکی فوجیوں کی دانستہ تذلیل کا بدلا جاپانیوں سے ضرور لیا جائے گا۔

بتان کے سقوط سے لوزون میں رسمی مزاحمت ختم ہوگئی لیکن جب تک کوریجی ڈور اور اس کے آس پاس کے قلعے باقی رہے، بچے کھچے امریکی سپاہیوں نے جاپانیوں کو خلیج منیلا کے استعمال کا موقع نہ دیا۔ کوریجی ڈور میں سرنگیں بنی ہوئی تھیں۔ وہاں نہ توپیں اثر کر سکتی تھیں، نہ ہوائی حملے۔ یہیں امریکی کماندار جا بیٹھے۔ یہی مقام فلپائنوں کا صدر مستقر بن گیا۔ وہاں رسد کی وسیع مقدار موجود تھی اور ایک ہزار مریضوں کے لیے ہسپتال بنا لیا گیا۔ اسی جگہ امریکی اور فلپائنی افسر، آدمی، نرسیں اور مزدور زندگی بسر کرتے رہے۔ بتان پر قابض رہنے یا اسے واپس لینے کی ہر امید ختم ہو چکی تھی۔ اپریل، نیز اوائل مئی 1942ء میں جاپانیوں نے کوریجی ڈور پر ٹنوں پھٹنے والے گولے

اور بم پھینکے۔ گوشت اور خون کے بنے ہوئے انسان اس بیدردانہ بمباری کو کب تک برداشت کر سکتے؟ کنکریٹ اور فولاد کے استحکامات بھی ہمیشہ کے لیے برقرار نہیں رہ سکتے تھے۔ ایک ایک چوکی یکے بعد دیگرے تباہ ہوتی گئی۔ خود مدافعین بھی ہر اس چیز کو برباد کرتے رہے۔ جو حملہ آوروں کے کام آ سکتی تھی۔ خلیج میری ولز میں ایک متحرک گودی موجود تھی، جو ایشیائی بیڑے کے لیے سالہا سال کام دے چکی تھی۔ اسے اڑا دیا گیا اور آس پاس کے جہاز برباد کر دیے گئے۔ آخر مدافعین نے اپنے ہتھیار بھی توڑ ڈالے اور مرموز خط و کتابت کے قواعد کی کتابیں اور دوسرے کاغذات بھی جلا دیے۔ پانچ مہینے کی مدافعت کے بعد 6 مئی 1942ء کو کوریجی ڈور نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

فلپائینز کے نقصان نے اتحادیوں کو سخت رنج پہنچایا۔ بلاشبہ بتان اور کوریجی ڈور کی مزاحمت جاپانیوں کے نقشۂ اوقات کو تبدیل کر چکی تھی۔ وہ زیادہ آدمی اور زیادہ رسد وہاں رکھنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے نقشۂ عمل میں تقریباً چھ مہینے کا وقفہ پڑ گیا، تاہم اتحادیوں کے لیے یہ مکمل اور تباہی خیز شکست تھی۔ جاپانیوں نے تقریباً ایک لاکھ فوج بے دست و پا کر دی تھی۔ امریکا کی بحری اور ہوائی قوت ملایا پہنچا دی تھی۔ مشرق کی ایک بہترین بندرگاہ ان کے ہاتھ آ چکی تھی، جو جنوب اور جنوب مشرق کی طرف ان کی پیش قدمی کے لیے رسد کا زبردست مرکز بن سکتی تھی اور وہ ولندیزی شرق الہند کی دولت قبضے میں لا سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اب ٹوکیو اور شرق الہند کے درمیان جہاں تیل اور ٹین کے ذخیرے تھے جاپانی خطوط پر حملے کے لیے اتحادیوں کے راستے میں خوفناک مشکلات حائل ہو گئیں۔

ملایا اور سنگاپور

منیلا، ہانگ کانگ اور سنگاپور مشرق بعید میں برطانوی اور امریکا کی قوت کی تکون کے تین گوشے تھے۔ جاپانیوں نے 1940ء میں کانٹن پر قبضہ کر کے اس تکون کو ناقابل دفاع بنا دیا تھا۔ ان تین چوکیوں میں سے ہانگ کانگ سب سے پہلے مسخر ہوا۔ پرل ہاربر پر حملے کے دن اور دو ہفتے بعد تک جاپانی طیارے بیدردی سے شہر پر بم برساتے رہے۔ مدافعین سے ہتھیار

ڈالنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن انھوں نے اسے ٹھکرادیا۔ رات کی تاریکی میں جاپانی فوج اتر آئی اور اس نے پانی کے ذخائر کا رخ کرلیا۔ شہر میں پانی کی بہم رسانی ختم ہوئی تو برطانوی فوج نے، جو دس ہزار نو سو سینتالیس افراد پر مشتمل تھی، سترہ دن کے محاصرے کے بعد بڑے دن ہتھیار ڈال دیے۔

سنگا پور جزیرہ نمائے ملایا کے عین جنوبی گوشے پر واقع تھا۔ وہاں کے کلبوں میں مشہور رجمنٹوں کے افسر نہایت عمدہ وردیاں پہن کر نکلے۔ انھوں نے گرمائی علاقوں کے خاص مشروب پیئے اور بڑے اطمینان سے اس حیثیت میں زندگی بسر کر رہے تھے، جسے رڈیارڈ کپلنگ کی انیسویں صدی کی روح کہا جاتا تھا۔ اس جزیرے میں برطانیہ نے وہ مرکز بنالیا تھا، جو دنیا بھر میں مستحکم ترین بحری مرکز مانا جاتا تھا بلکہ اسے بحرالکاہل کا جبل الطارق کہتے تھے۔ سنگا پور کو ناقابل تسخیر مانا جاتا تھا۔ ممکن ہے، سمندر کی طرف سے اسے مسخر نہ کیا جا سکتا، لیکن ملایا کی طرف سے اسے فتح کر لینا مشکل نہیں تھا۔ ملایا ہی سے اس میں پانی آتا تھا۔ مزید برآں انگریز دیسی باشندوں پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ ملایا کے باشندوں کو دولت مشترکہ کی شہریت نہیں دی تھی اور اتنے ملائی فوجی بھی ان کے ساتھ نہ تھے، جو فلپائنیز کے سکاؤٹوں کے برابر سمجھے جا سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ سنگا پور اور ملایا کی برطانوی فوجوں کو جنگل کی تربیت نہیں دی گئی تھی۔ یہ فوجی کمان کا ایک ناقابل فہم تغافل تھا جس کی وجہ سے فوج ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کو تیار نہ تھی۔

بحری قوت، شراب اور مقویات، کرکٹ اور گولف ان سے کیا نتیجہ نکل سکتا تھا؟ جاپانی مبصروں کی نگاہیں پورے جزیرہ نمائے ملایا پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ دنیا بھر میں ربڑ کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہاں ٹین بھی کثیر مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ جزیرہ نمائے ملایا جنوبی چینی سمندر سے باہر نکلا ہوا تھا۔ یہ خاکنائے کرا سے، جو صرف تیس میل چوڑی تھی، تھائی لینڈ کے جنوب سے نکل کر سنگا پور تک پہنچا ہوا تھا۔ اس کی مشرقی سمت جنگلوں اور دلدلوں سے پٹی ہوئی تھی۔ مغربی سمت اور مشرقی سمت کے درمیان ایک بڑا پہاڑی سلسلہ تھا۔ شمالاً جنوباً سڑکیں بنی ہوئی تھیں اور ایک ریلوے لائن بھی موجود تھی۔ جاپانی فوج میں سے دو لاکھ کو جنگلوں میں لڑائی کی پوری تربیت دے کر تھائی لینڈ اور ہند چینی میں پہنچایا گیا تھا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ یہ فوجیں سیدھی جنوبی جانب بڑھیں اور عقبی دروازے سے سنگا پور پر قابض ہو جائیں۔ پرل ہاربر پر حملے کے دن جاپانیوں نے کوٹا

بھارو پر گولہ باری کی جو جزیرہ نمائے ملایا کے شمالی و مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ پھر ساحل پر فوج اتار دی، اسی روز جنرل یاماشٹیا کی فوج نے ساحل پر قبضہ کر لیا۔ مزید فوجیں سنگورا میں اتریں جو شمال میں ہے۔ وہاں سے یہ خاکنائے کرا کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھیں۔ ایک اور فوج تھائی لینڈ اور ملایا کی سرحد عبور کر کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ چلی۔ آئندہ تین ہفتے تک دونوں فوجیں جنوبی طرف بڑھتی رہیں۔

جنوری 1942ء کے وسط میں انگریز بالکل معطل ہو گئے۔ ہمت ہار بیٹھے اور وہ پیچھے ہٹتے گئے۔ سنگاپور کے پُل سے گزر کر انھوں نے اسے اڑا دیا اور امداد کے انتظار میں بیٹھ گئے اور دشمن کے آخری حملے کی صورت دیکھتے رہے۔

ایک مہینے تک جاپانیوں نے جزیرے پر زمینی اور فضائی حملے جاری رکھے۔ 11 فروری 1942ء کو یاماشیٹا نے حوالگی کا مطالبہ کیا اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ تین روز بعد حملہ آوروں نے ذخائر آب پر قبضہ کر لیا۔ 15 فروری 1942ء کو جنرل پرسیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے ساتھ پچپن ہزار اور ساٹھ ہزار کے درمیان فوج تھی۔ لندن کے اخباروں میں پھر یاس انگیز سرخیوں سے خبریں شائع ہوئیں:

''سنگاپور کا سقوط''

''ہتھیار ڈال دیے گئے''

''پچپن یا ساٹھ ہزار انگریز فوجی اسیر ہوئے''

یہ انگریزی فوج کی نہایت ذلت خیز شکستوں میں سے ایک تھی۔ ونسٹن چرچل بہت غمزدہ تھا، لیکن اس کے جوش مزاحمت میں کوئی کمی نہ آئی۔ دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا:

''میں آپ کے سامنے ایک بھاری اور دور رس فوجی شکست کے غم و حزن میں تقریر کر رہا ہوں۔ یہ برطانیہ اور سلطنت کی شکست ہے۔ سنگاپور مسخر ہو چکا ہے۔ دشمن نے پورے جزیرہ نما ملایا کو پامال کر ڈالا ہے...... یہ ایسا وقت ہے، جب برطانوی قوم اور نسل اپنے حقیقی جوہر اور ذکاوت نمایاں کر سکتی ہے...... یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اب تنہا نہیں۔ ہمارے ساتھ بہت بڑی رفاقت ہے۔ اب عالم انسانیت کا تین چوتھائی حصہ ہمارے ساتھ حرکت میں ہے۔ ہمارے عمل اور ہماری

حرکت پر پوری انسانیت کا مستقبل موقوف ہے۔ہم نے اب تک ہمت نہیں ہاری۔ہم اب بھی ہمت نہیں ہاریں گے۔آیئے، ہم پورے استقلال سے اس طوفان میں بڑھیں اور بڑھتے ہوئے کامیابی سے گزر جائیں۔"

برما میں پسپائی

پھر جاپانیوں نے برطانوی برما میں پیش قدمی کی جو بدھوں کے مندروں، بجنے والی گھنٹیوں،قلیوں اور بیش قیمت جواہرات کی سرزمین تھی۔صدیوں تک یہ سرزمین چھوٹے حکمرانوں کی جانگاہ رہی۔دوسری عالمی جنگ میں اس نے ہمہ گیر اہمیت اختیار کرلی، کیوں کہ یہیں سے آٹھ سو میل لمبی سڑک نکالی گئی تھی، جس کے ذریعے سے چین میں اہم سامان بھیجا جارہا تھا۔یہ برما کی مشہور سڑک تھی اور ان علاقوں کے اردگرد چکر لگاتی ہوئی جارہی تھی جن پر جاپانی قابض تھے اور مقصود یہ تھا کہ اس سڑک کے راستے چین کا عقبی دروازہ کھلا رکھا جائے۔

اس کے تین طرف پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔یہ برطانوی سلطنت کا ایک ایسا علاقہ تھا جس سے تغافل برتا گیا۔ہندوستان کے ساتھ آمدورفت کے راستے نہ بنائے جاسکے،کیوں کہ اجارہ دار جہازی کمپنیوں کو یہ راستے اپنے مفاد کے خلاف نظر آرہے تھے۔سب سے بڑی بندرگاہ رنگون کی تھی، جس نے کپلنگ کی کتاب "مانڈلے" کے ذریعے سے شہرت حاصل کی۔ہمائے میں کوئی بھی مقتدر بحری قوت پیدا ہوجاتی تو وہ بآسانی رنگون پر قابض ہوسکتی تھی۔اہلِ برما کو انگریزوں پر یا انگریزوں کے اس نعرے پر قطعاً اعتماد نہ تھا کہ "اطمینان سے بیٹھے رہو اور ہم پر بھروسا کرو۔" برما کے اندر جاپانیوں کے حامی پانچویں کالم نے حملے کے لیے راستہ بڑی محنت سے ہموار کرلیا تھا۔ملایا کے ساتھ ہی جاپانیوں نے برما پر بھی حملہ کیا لیکن اول الذکر کے مقابلے میں آخرالذکر کی تسخیر نے زیادہ وقت لے لیا، کیوں کہ یہ بڑا ملک تھا۔پرل ہاربر پر حملے سے دو روز بعد جاپانی ہراول دستے خاکنائے کرا سے برما میں داخل ہوگئے۔بڑی ضرب 15 جنوری 1942ء کو لگائی گئی، جب بڑی جاپانی قوت جنگلوں میں سے گزرتی ہوئی ملک کے اندر پہنچ گئی اور دو ہفتے میں انھوں نے مولمین پر قبضہ کرلیا۔6 مارچ 1942ء کو انگریزوں نے رنگون کی بندرگاہ خالی کردی۔جاپانیوں کے داخل

ہونے سے پیشتر انھوں نے تمام ضروری چیزیں برباد کر ڈالیں۔

آئندہ دو مہینے کے لیے آنکھ مچولی کا کھیل جاری رہا۔ جاپانی فوجیں ایراودی سٹانگ اور سالوین کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتی رہیں اور انگریز ہندوستان کو چین کی سرحدوں اور ہمالیہ کے دامن کی طرف پیچھے ہٹتے گئے۔ برطانوی اور ہندوستانی فوج کے ڈویژن گھنے جنگلوں کے راستے بنگال گئے۔ ان کے آگے آگے پناہ گیروں کا ہجوم چلا جا رہا تھا۔ ان فوجوں کے پاس جو میکانکی اسلحہ تھے، وہ جنگل میں جنگ کے لیے سازگار نہ تھے، لہٰذا تھکی ماندی، شکست خوردہ اور پریشان حال برطانوی فوجیں جاپانیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ ملایا کی داستان یہاں بھی دہرائی گئی۔

اس اثنا میں جنرل جوزف سٹلویل نے جسے چین کائی شیک کا چیف آف سٹاف بنا دیا گیا تھا، کمک کا انتظام کیا۔ پانچویں اور چھٹی چینی فوجیں برما بھیج دیں اور ان کی کمانداری کے لیے خود آ گیا۔ سٹلویل سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ وہ زیادہ عرصے تک جنوبی برما میں ٹھہرا رہا اور جاپانیوں نے تھائی لینڈ سے برما میں داخل ہو کر اسے برما سے منقطع کر دیا۔ اب اس کے لیے صرف ایک چارۂ کار رہ گیا اور وہ یہ کہ شمال کی طرف جاپانیوں کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پیش قدمی کرے۔

مئی 1942ء میں اکیس روز تک پسپائی کا زبردست سلسلہ جاری رہا۔ گھنے جنگل، موسلا دھار بارشیں، قدم قدم پر دریا اور ندیاں، پھر پھندوں اور افعیوں کا خوف لیکن سٹلویل اپنی فوج کو بڑے بڑے پہاڑوں کے نشیب و فراز میں سے گزارتا ہوا آسام کی طرف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ بہت سے آدمی راستے میں مر گئے۔ جب جنرل سٹلویل جنگلوں میں سے باہر نکلا تو اس نے بے تکلف اعتراف کر لیا کہ جاپانیوں نے ہمیں دھکیل کر باہر نکال دیا اور ہم پر نہایت خوفناک ضربیں لگائیں۔ وسط مئی 1942ء تک برما کا بڑا حصہ جاپانیوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ سب سے زیادہ بری بات یہ ہوئی کہ برما کی سڑک بند ہو گئی۔ اگست 1942ء میں جاپانیوں نے برما میں اپنے ڈھب کی ایک حکومت قائم کر دی۔

برما کی سڑک بند ہوئی تو یہ اہم مسئلہ سامنے آیا کہ چین کائی شک کو سامان کیوں کر بھیجا جائے۔ ایک حل یہ تھا کہ ہندوستان اور چین کے درمیان طیاروں پر سامان بھیجا جائے جو

ہمالیہ کے حصار پر سے گزرتے ہوئے کنمنگ پہنچیں اور وہاں سے خشکی کے راستے سامان چنکنگ پہنچا دیا جائے۔ اس سلسلے میں شمال کا رخ اختیار کرنا ضروری تھا تاکہ ان جاپانی طیاروں کی زد سے محفوظ رہ سکیں، جن کے مرکز برما میں تھے۔ جفاکش امریکی پائلٹوں نے سامان بردار طیاروں کے ذریعے سے یہ آمد ورفت جاری رکھی۔ وہ چوبیس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتے ہوئے پانچ گھنٹوں میں یہ خطرناک سفر طے کرتے۔ اس طرح 1942ء میں صرف اسی ٹن سامان بھیجا جاسکا۔ فروری 1943ء میں سامان کی مقدار تین ہزار دو سوٹن پر پہنچ گئی لیکن یہ بھی بہت تھوڑی مقدار تھی۔ بہر حال مایوس اتحادی دنیا کے لیے اس کارنامے میں تسلی کا کچھ نہ کچھ سامان ضرور موجود تھا۔ اس سے کم از کم یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ مستقبل میں حالت سدھر جائے گی۔

1937ء کے اوائل میں جاپان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے چین کائی شیک نے چین کے ایک غیر مصافی مشیر کو تربیت کے لیے مقرر کر لیا تھا۔ یہ چینالٹ نام ایک امریکی افسر تھا جو کسی قدر بہرا، صاف گو اور جفاکش تھا اور اسے طبی وجوہ کے باعث سینتالیس سال کی عمر میں امریکی فوج کی خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ چینیوں کو تربیت دے کر ایک فضائی قوت تیار کرے۔ جنگ کے متعلق اس کے افکار معمولات کے بالکل خلاف تھے، اس وجہ سے واشنگٹن کے فوجی کمانداروں سے، جو قدامت پسند تھے، جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ 1941ء میں چینالٹ امریکا آیا تاکہ چین میں جنگ کے لیے رضا کار بھرتی کرے۔ اس نے پائلٹوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جنھیں امریکی رضا کار کہا جاتا تھا۔ چینی ان بہادر اور موت وحیات سے بے پرواہ پائلٹوں کو "اڑتے ہوئے شیر" کہنے لگے اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔

چینالٹ نے اپنا مستقر رنگون سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر بنایا۔ اس کے پاس ایک وقت میں کبھی انچاس سے زیادہ طیارے جمع نہ ہوئے اور یہ بھی پرانی وضع کے تھے۔ وہ ستر پائلٹ فراہم کر سکا (جنھیں چھ سو ڈالر ماہانہ تنخواہ دی جاتی اور جب وہ دشمن کا کوئی جہاز گرا لیتے تھے تو پانچ سو ڈالر انعام میں دیے جاتے تھے) "اڑتے ہوئے شیر" جاپانیوں کے پہلو میں کانٹا بن گئے۔ وہ پینسٹھ دن تک دو دو طیاروں کے ساتھ جاپانیوں کے خلاف لڑتے رہے اور برما کی سڑک کو بند نہ ہونے دیا، جہاں سے چینیوں کو سامان بھیجا جاتا تھا۔ اس مختصر سی ہوائی فوج نے جاپانیوں کی فضائی

برتری کا طلسم توڑ ڈالا۔ 19 دسمبر 1941ء سے 4 جولائی 1942ء تک سات مہینے میں ''اڑتے ہوئے شیروں'' نے دو سو ستانوے جاپانی طیارے مار گرائے، تین سو کو نقصان پہنچایا اور پندرہ سو جاپانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جاپانیوں کے مقابلے میں توازن قائم رکھا اور چین کی تسخیر کے لیے ٹوکیو کا نظام الاوقات درہم برہم کر ڈالا۔ آگے چل کر یہ ''اڑتے ہوئے شیر'' امریکا کی چودھویں فضائی فوج میں شامل کر لیے گئے، جس کا کماندار خود چینالٹ مقرر ہوا۔

اس حیثیت میں چینالٹ جنرل سٹلویل کے ماتحت چلا گیا جو چین، برما اور ہندوستان کے حلقۂ جنگ میں کچھ وقت کے لیے سالار اعظم رہا تھا۔ جلد ہی سٹلویل اور چینالٹ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی اور آخر چینالٹ استعفیٰ دے کر الگ ہو گیا۔ سٹلویل پیادہ فوج کا مشہور کماندار تھا اور وہ طیاروں کو صرف نقل و حمل کا ایک ذریعہ سمجھتا تھا (اس نے چینالٹ سے کہا:

''دیکھو، بری فوج ہی جنگ فتح کرے گی، جو کیچڑ میں سے گزرتی ہوئی خندقوں میں لڑتی ہے۔''

چینالٹ نے جواب دیا:

''لیکن سٹلویل! خندقوں میں آدمی کہاں ہیں۔''

برما میں سٹلویل پھنس گیا تو اس نے طیارے میں بیٹھ کر بچ نکلنے سے انکار کر دیا اور کہا:

''مجھے فضائی فوج یہاں نہیں لائی اور اس کے ذریعے سے باہر نہیں جاؤں گا۔ میں پیدل چلوں گا۔''

پھر سٹلویل نے جنگلوں سے شہرۂ آفاق پسپائی کا آغاز کیا۔ جرأت و مردانگی سے لیکن بڑی بری طرح یہ سفر ختم کیا۔ فضائی فوج کے نزدیک یہ ساری مشقتیں بالکل غیر ضروری تھیں۔

جاوا اور آسٹریلیا

اب جاپانی ہشت پائے کا رخ آسٹریلیا اور اس کے ستر لاکھ باشندوں کی طرف ہوا لیکن پہلے جاوا پر قبضہ ضروری تھا جس کے شمال میں بحیرۂ جاوا اور جنوب میں بحر ہند واقع تھا۔ یہ نہایت

اہم اور ولندیزی شرق الہند کا نہایت آباد جزیرہ تھا۔ یہاں چاول، کونین، تیل اور مینگنیز کی کثرت تھی۔ ایک لاکھ قابل اعتماد دیسی فوج اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ کچھ پرانے طیارے، ولندیزی تباہ کن جہاز اور آبدوزیں بھی تھیں۔ امریکی بیڑے کا جو حصہ فلپائنیز سے بچ کر نکلا تھا، وہ بھی یہیں پہنچ گیا تھا۔ علاوہ بریں برطانیہ اور آسٹریلیا کے کچھ جنگی جہاز بھی یہاں تھے۔ امریکا نے اس جزیرے کے دفاع کی کوشش کی لیکن سخت نقصان اٹھایا کیوں کہ امریکا کا جو جہاز جنگی طیارے لے کر جاوا پہنچ رہا تھا، اسے جاپانی بمباروں نے غرق کر دیا۔

جاپانی بڑی مستعدی سے آگے بڑھے۔ 24 دسمبر 1941ء کو ایک چھوٹی سی فوج لوچنگ میں اتر گئی۔ ایک ہفتہ بعد ایک اور فوج نے برونی پر حملہ کیا (یہ دونوں مقام شمالی برطانوی بورنیو میں ہیں) اور تیل کے چشموں پر قابض ہو گئی۔ ادھر برطانیہ نے سنگاپور میں مزاحمت شروع کر دی تھی۔ جاپانی مشرق کی طرف پھر گئے اور نیوگنی کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے انھوں نے ریبال (نیو برٹن) میں فوجیں اتار دیں۔

جاپانی فوج جاوا میں تین مقامات پر اتر پڑی: اول بمقام نزد بٹاویا، دوم اِندرا مایو (وسط جاوا)، سوم ریمبنگ۔ آخری مقام ولندیزی شرق الہند میں تیل کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اب جاوا کی تسخیر کو کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی۔

سنگاپور کے سقوط کے بعد جاپانیوں نے جلد جزیرہ ساٹرا مسخر کر لیا اور مغربی جانب سے جاوا بند کر دیا گیا۔ پھر اسے فتح کر لیا گیا۔ بتان، سنگاپور اور رنگون کی طرح یہاں بھی جاپانی حملہ آوروں نے بڑی تیزی سے پیش قدمی کی۔ جاوا میں انھیں اچھی سڑکیں مل گئی اور وہ کم سے کم مدت میں پورے جزیرے کے اندر پھر نکلے۔ 9 مارچ 1942ء کو پورے ولندیزی شرق الہند نے ہتھیار ڈال دیے۔ اٹھانوے ہزار سپاہی جاپانیوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ آئندہ دو ماہ میں انھوں نے یہ کوشش جاری رکھی کہ شمالی جانب سے آسٹریلیا کو بالکل لاتعلق کر دیا جائے۔ اسی لیے انھوں نے نیو برٹن، نیو آئرلینڈ، ایڈمیرلیٹی آئی لینڈ، گلبرٹ آئی لینڈ اور نیوگنی کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

آسٹریلیا تنہا جاپانی فتوحات روک نہیں سکتا تھا۔ جنرل میک آرتھر 17 مارچ 1942ء کو آسٹریلیا پہنچا تھا۔ وہ دفاعی استحکامات میں مصروف ہو گیا۔ امریکا سے بھاری فوجی اور بحری کمک

آنے لگی۔ اس اثنا میں جاپانی ماہرین جنگ نے یہ فیصلہ کیا کہ شمالی آسٹریلیا پر حملے کی بجائے سڈنی ملبورن پر ضرب لگائی جو جنوبی اور مشرقی ساحل پر واقع تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان بڑے شہروں پر قبضے کے بعد ہم باقی جزیرے کی فتح کے لیے انتظار کر سکتے ہیں۔ دوسرا قدم یہ ہونا چاہیے کہ نیو کیلسڈونیا اور نیوزی لینڈ پر قبضہ کر کے آسٹریلیا اور امریکا کی آمد و رفت کا راستہ کاٹ دیا جائے۔

چھ مہینے تک فاتح جاپانی بحرالکاہل میں اتحادی استحکامات کے اندر سے گزرتے رہے۔ برطانیہ اور امریکا دونوں ذلت خیز پسپائیوں کے طویل سلسلے سے تنگ آچکے تھے۔ مئی 1942ء کے پہلے ہفتے میں امریکا کے جو طیارے دیکھ بھال پر مامور تھے، انھوں نے گورل سی (بحیرۂ کورل) میں جو آسٹریلیا کو جزائر سالومن سے جدا کرتا ہے دشمن کے جہازوں کی بہت بڑی تعداد اکٹھی دیکھی۔ جزائر سالومن سے آگے بحری اور فضائی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ حملہ آور جاپانی بیڑے کے ایک حصے کو امریکا کی بحری اور فضائی قوت نے الجھالیا۔ 7,8 مئی کو کورل سی کے اندر جنگ از سرنو شروع ہوگئی۔ یہ بڑی جنگ تاریخ میں پہلی بحری جنگ تھی، جس میں بحری جہازوں نے قطعاً آتشباری نہ کی۔ 9 مئی کو جاپانی بیڑا شمالی جانب پیچھے ہٹا۔ بظاہر اس کا مقصد یہ تھا کہ جاپانی جہازوں کی بڑی تعداد سے جا ملے۔ اس اثنا میں امریکی طیارے طیارہ بردار جہازوں سے اڑ کر جاپانیوں کے ساتھ جہاز ڈبو چکے تھے۔ ایک طیارہ بردار جہاز، چار کروزر اور دو تباہ کن جہاز۔ ایک اور طیارہ بردار جہاز، تین کروزروں اور تین تباہ کن جہازوں کو سخت نقصان پہنچایا گیا۔ امریکا نے بھی بہت نقصان اٹھایا۔ اگرچہ دونوں فوجوں بیک وقت پیچھے ہٹیں لیکن امریکا نے جاپانی توسیع پر سخت ضربوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

جاپان دوشِ طوفان پر

کورل سی کی جنگ جاپانیوں کے اوج کمال کی آخری چیز تھی۔ پھر ٹوکیو کے جنگجو آقاؤں کو کچھ مدت کے لیے مفتوحہ علاقوں کو ہضم کرتے جانے پر قانع رہنا پڑا۔ انھوں نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی تھی۔ چھے مہینے میں تین ہزار میل سمندر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ کئی لاکھ مربع میل زمین قبضے میں آگئی۔ لاکھوں باشندے مغلوب ہوگئے۔ یہ اتنا بڑا وسیع علاقہ تھا جو شرقاً غرباً ہندوستان سے ہوائی تک اور شمالاً جنوباً سائبیریا سے آسٹریلیا تک پھیلا ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ

کہ وہ اٹو اور کسکا دونوں پر قبضہ کر چکے تھے، جو ایلیوٹین مجمع الجزائر میں سے آخری مغربی جزیرے تھے اور ان جزیروں سے وہ ایلاسکا اور شمالی امریکا پہنچ سکتے تھے۔ ان کا منصوبہ بدرجہ کمال کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے نہایت نازک مقامات پر زبردست قوت کے ساتھ نمودار ہوتے رہے اور ان مرکزوں سے ساری کارروائی ہوئی تھی، جو ٹوکیو سے سینکڑوں میل پر تھے۔ امریکا کو ان کا مقابلہ ہزاروں میل کے فاصلے سے کرنا پڑتا تھا لیکن یہ غیر معمولی توسیع تھی اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ انجام کیا ہوگا۔

فلپائنیز، ملایا، برما اور ولندیزی شرق الہند کے سقوط نے جاپان کو ہندوستان سے خطرناک حد تک قریب پہنچا دیا۔ خلیج بنگال میں سے جزائر انڈمان جاپانیوں کے قبضے میں جا چکے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ ہندوستان کا کیا ہوگا؟ انگریزوں کو لندن اور ہندوستان کے تعلقات میں خرابی کے باعث تشویش تھی اور امکان تھا کہ جاپانیوں کے نقشہ اوقات میں اگلی منزل ہندوستان ہوگا۔ ہندوستان کی فوج اور ہندوستان کی صنعت دونوں برطانیہ کی جنگی مساعی میں امداد دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی وسیع پیمانے پر ملک بھر میں شکست خوردگی کا جذبہ عام تھا اور لوگ سمجھ رہے تھے کہ برطانیہ غالباً حفاظت نہ کر سکے گا۔ شورش برپا کرنے والے کہہ رہے تھے کہ برطانیہ جنگ کو ایک بہانے کے طور پر استعمال کر رہا ہے تاکہ آزادی ہند کی طرف پیش قدمی غیر معین مدت کے لیے ملتوی ہو جائے۔ لندن میں جب یہ اطلاعات پہنچیں کہ ہندوستانیوں نے برما میں جاپانیوں کو خاصی امداد دی ہے تو سخت ناراضگی پھیلی۔ مارچ 1942ء میں حکومت برطانیہ نے سر سٹرافورڈ کرپس کو دہلی بھیجا تاکہ ہندوستان میں برطانوی استحکامات درست کرے۔ اسے اختیار دے دیا کہ ہندوستانی لیڈروں کے روبرو جنگ کے فوراً بعد نو آبادیوں کے درجے کا وعدہ کر لے۔ ساتھ ہی کہہ دے کہ ہندوستانی یونین کو خود اختیاری دے دی جائے گی۔ یہ حق بھی ہوگا کہ جب چاہے، دولت مشترکہ سے الگ ہو جائے اور ملک کا دستور ہندوستانی خود بنالیں۔ کرپس نے واضح کر دیا کہ جب تک جنگ جاری ہے، برطانوی حکومتِ ہند، وائسرائے اور ان کے معاون دفاع ہند کے ذمہ دار رہیں گے۔

بحث لمبی مدت تک جاری رہی۔ محمد علی جناح اور مسلم لیگ ابتدا میں اس پیشکش کی طرف

مائل تھے مگر کانگرس پارٹی نے فوراً اور بے توقف آزادی کا مطالبہ پیش کر دیا۔ گاندھی مدت سے انگریزوں کے پہلو میں کانٹا بنا ہوا تھا۔ اس نے یہ پیشکش اس بنا پر پڑھ کر ٹھکرا دی کہ یہ ایسے بینک کے نام بعد کی تاریخ کا چیک دے دیا گیا ہے جس کا دیوالیہ نکلتا نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی برطانیہ کے ساتھ عدم تعاون اور جاپان کے خلاف عدم مزاحمت کی مہم جاری کر دی۔ ہنگامے بپا ہوئے۔ گاندھی اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ کرپس کا کمیشن ہندوستانی عوام کی توجہ جاپان کے خلاف مرتکز کرنے میں ناکام رہا۔ ہندوستان نے اتحادیوں کی طرفداری میں جنگ جاری رکھی، مگر کوئی خاص جوش نہ تھا، البتہ یہ خیال ضرور تھا کہ جنگ کے بعد فاتح اتحادی آزادی ہند کی حمایت پر راضی ہو جائیں گے۔

19

جمہوریہ امریکا اور جنگ

".....مملکت کے جہاز! چلتا جا،
چلتا جا اتحاد، استحکام اور عظمت کے ساتھ،
انسانیت نے تمام خطرات کے باوجود،
مستقبل کے متعلق تمام امیدیں،
تیرے ہی ساتھ وابستہ کر رکھی ہیں۔"
(لونگ فیلو)

ساز و سامانِ فتح کی تیاری

پرل ہاربر کے واقعے نے امریکا کو قطعی طور پر جنگ میں شامل کر دیا۔ اس وقت تک دفاع پروگرام صرف جمہوریہ امریکا کے علاوہ مغربی کرۂ ارض کے خاص حصوں تک محدود تھا۔ مئی 1940ء میں امریکا کی باقاعدہ فوج زیادہ نہ تھی۔ بحری بیڑا صرف ایک سمندر کے لیے تھا اور ہوائی فوج بھی متوسط درجے کی تھی۔ اب جنگ کے ساتھ کرۂ ارض میں درجنوں محاذ پیدا ہو چکے تھے، لہٰذا ضروری ہو گیا کہ زمانۂ امن کے شہری اقتصادیات میں نئی صورت پیدا کی جائے۔ روز ویلٹ نے چار نکاتی پروگرام بنایا اور اس پر تیزی سے عمل شروع کر دیا، یعنی دفاعی استحکامات میں

اضافہ، داخلی تیاریاں، مغربی کرۂ ارض کا اتحاد اور اُدھار پٹے کا قانون۔

ضروری آدمیوں کی فراہمی کے لیے تیزی سے کام شروع ہو گیا۔ دوران جنگ کے لیے نو آدمیوں کا ایک کمیشن (ڈبلیو، ایم، سی) 1942ء میں قائم کر دیا گیا اور آدمی فراہم کرنے کے لیے اسے سونپ دیا گیا۔ جنگی خدمات کے لیے عمر گھٹا کر اٹھارہ سال کر دی گئی۔ اٹھارہ سال کی عمر سے اڑتیس سال کی عمر کے بالغ مرد تمام خدمات کے لیے چنے جا سکتے تھے، البتہ جنگی صنائع، زراعت، مذہبی جذبات اور خاص مشکلات والے اصحاب کو مستثنیٰ رکھا گیا۔ ایک کروڑ بیس لاکھ کی فوج کے لیے مرد (اور دو لاکھ عورتیں) منظم کر لیے گئے۔ انھیں اسلحہ دے دیے گئے اور جنگی تربیت کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ گویا جمہوریہ امریکا ایک بہت بڑی طاقت بن گئی جس کی قوت خشکی، تری اور فضا میں ہر قوم کے برابر تھی۔

سب سے پہلا اور فوری کام یہ تھا کہ سمندروں پر پورا اقتدار قائم کر لیا جائے۔ چرچل نے 1942ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے خفیہ اجلاس کے روبرو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''صرف جہاز سازی کی بدولت جمہوریہ امریکا یا خود ہم مشرق و مغرب کے جنگی میدانوں میں موثر مداخلت کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ جلد سے جلد جہاز سازی نے بے انتہا وسعت اختیار کر لی جس کے بغیر اتحادی نہ جنگ جاری رکھ سکتے تھے، نہ زندہ رہ سکتے تھے۔ جمہوریہ امریکا نے جہاز سازی کے اندر اقوام عالم میں ممتاز ترین درجہ حاصل کر لیا۔ یکم جنوری 1942ء سے خاتمہ جنگ تک وہاں دو کروڑ اسی لاکھ ٹن کے جہاز بنے۔ اس طرح دو کروڑ دس لاکھ ٹن کے نقصان کی تلافی کر لی گئی، جو دشمن کے ہاتھوں پہنچ چکا تھا۔ 1945ء میں امریکا اور برطانیہ کے پاس نقصانات کے باوجود جو تجارتی تھے۔ وہ 1939ء میں دنیا بھر کے تجارتی جہازوں سے زیادہ تھے۔ اہل امریکا نے جہاز سازی کی میعاد تیس ہفتوں سے گھٹاتے گھٹاتے سات ہفتوں تک پہنچا دی۔ جہازوں کے مختلف حصے مختلف مقامات پر بنتے اور موٹروں کی طرح ان کے مختلف پرزے اور حصے اکٹھے کر دیے جاتے۔ ان جہازوں پر لاکھوں ٹن جنگی سامان برطانیہ پہنچایا گیا۔ حفاظتی قافلوں کی شکل میں جہاز

ایسی کامیابی پر چلنے لگے کہ سترہ ہزار جہازوں میں سے جو امریکی بحریات کی حفاظت میں روانہ ہوئے، صرف سترہ جہاز دشمن آبدوزیں غرق کر سکیں۔ بڑے بڑے جہازوں مثلاً کوئین الزبتھ اور کوئین میری وغیرہ نے دو لاکھ فوجیں پانچ سال میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیں اور کوئی آبدوز تک نظر نہ آئی۔

20

فاتح محوریوں کی نئی دنیا

امید کے تار: جلاوطن حکومتیں

یکے بعد دیگرے جلاوطنی میں حکومتیں قائم ہوتی گئیں تاکہ تنظیم کا ڈھانچا بحال رہے اور جب ہٹلر کو شکست دی جا سکے تو پرانا اقتدار بحال کرنے میں امداد ملے۔ اکثر حکومتوں کے مرکز لندن میں تھے اور انھیں اقوام متحدہ کے ارکان تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انھوں نے فوجوں اور تجارتی بیڑوں میں کام کرنے والوں کو اتحادی عناصر میں شامل کر لیا۔ وہ اپنے اپنے ہم وطنوں کے نام پروپیگنڈا نشر کرتے اور اس امید کو زندہ رکھتے کہ ایک دن آزادی مل جائے گی۔ مختلف ملکوں میں مزاحمت کی جو قوتیں کارفرما تھیں ان سے بھی ربط ضبط پیدا کر لیا تھا۔ وقتاً فوقتاً ان کے پاس جاسوس بھیجتے، رسد بھی پہنچاتے اور ایسے آدمی بھی ارسال کر دیتے جو موقع پا کر تخریبی کارروائیاں کرتے۔

1941ء کے اوائل میں لندن کے اندر جو حکومتیں قائم ہو چکی تھیں، ان میں بلجیم، ہالینڈ، لکسمبرگ، ناروے، چیکوسلواکیہ اور پولینڈ شامل تھے۔ اکثر حکومتیں نازی تصرف کے بدترین ایام میں خوش اسلوبی سے کام کرتی رہیں لیکن مشرق بعید کی حکومتوں میں انقلابیوں اور رجعت پسندوں کی کشمکش شروع ہو گئی۔ ڈنمارک میں شاہ کرسچین دہم اسی طرح حکومت کرتا رہا جس طرح جرمن قبضے سے پہلے کر رہا تھا۔ ادھر اہل ڈنمارک کی ایک کونسل لندن میں منظم ہو گئی، جس نے 1940ء

کے اواخر میں اتحادیوں سے پورا تعاون کیا۔

لیوپولڈ سوم شاہ بلجیم نے وزیروں کے ساتھ بچ نکلنا منظور نہ کیا۔ اس نے جنگ کا زمانہ بلجیم اور جرمنی میں بطور اسیر گزارا۔ اس کی غیر حاضری میں چارلز کو (جو اس کا بھائی تھا) نائب السلطنت منتخب کر لیا گیا۔ چارلز اس منصب پر لیوپولڈ کی بحالی (جولائی 1950ء) تک فائز رہا، لیکن لیوپولڈ کے مایوس اور غیر مطمئن ہم قوموں نے ایک مہینے کے اندر اسے تاج و تخت سے دست برداری پر مجبور کر دیا اور اس کا 19 سالہ بیٹا بادوئیں اول کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔

ہالینڈ کی ملکہ ولہلمینا اپنے کنبے اور وزیروں کے ساتھ بڑی مشکل سے لندن پہنچی۔ جب جرمنوں سے نجات ملی تو ہالینڈ میں ملکہ کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ لکسمبرگ کی گرانڈ ڈچز شارلٹ اور ناروے کے بادشاہ ہاکوم ہفتم کو بھی ایسے ہی حالات پیش آئے۔

جنگ چھڑتے ہی چیکوسلواکیہ کے سابق صدر ایڈورڈ بینیش اور ملک کے بانی ٹامس ماساریک کے بیٹے جان ماسارک نے لندن میں چیکوسلواکیوں کی ایک کمیٹی منظم کی جسے امریکا، برطانیہ اور روس نے چیکوسلواکیہ کی جائز حکومت کو تسلیم کر لیا۔

یونان، پولینڈ اور یوگوسلاویہ کی جلاوطن حکومتیں لندن سے بدستور کام کرتی رہیں، لیکن انھیں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ مشکلات کے اصل سبب دو تھے: اول یہ کہ یہ حکومتیں بڑی حد تک مطلق العنان تھیں۔ دوم یہ کہ ان کے ملکوں میں کمیونزم کے مسئلے پر خاص مشکلات پیش آئیں۔ یونان 1941ء میں شکست کھا گیا تو شاہ جارج دوم اور اس کے وزیر ایتھنز چھوڑ کر کریٹ چلے گئے۔ وہاں سے قاہرہ اور آخر لندن پہنچے۔ یونان میں دائیں بازو اور بائیں بازو کی قوتوں میں تصادم کے باعث شدید خانہ جنگی شروع ہوگئی جو 4 دسمبر 1944ء سے 11 جنوری 1945ء تک جاری رہی۔ آخر آزاد خیال فوجوں نے کامیابی حاصل کی۔

پیٹر شاہ یوگوسلاویہ اور اس کی حکومت کو بھی ایسی ہی آزمائش پیش آئی۔ ملک میں شاہ پسند میہائلووچ اور کمیونسٹ ٹیٹو کے درمیان برادرانہ جنگ جاری رہی۔ آخر ٹیٹو اور اس کی قومی کمیونسٹ تحریک نے کامیابی حاصل کی۔

حد درجہ پُر پیچ مسئلہ پولینڈ کے تاریخی المیے کا تھا جو 1939ء میں چوتھی مرتبہ تقسیم ہوا۔ ایک پولستانی حکومت پہلے پیرس میں، بعد ازاں لندن میں قائم کی گئی۔ جنرل ولاڈس لاوسکورسکی اس کا سربراہ تھا۔ 1940ء سے 1942ء تک کام اطمینان سے جاری رہا۔ پولینڈ کی فوجیں پائلٹ اور ملاح تمام محاذوں پر لڑتے رہے۔ پھر جلاوطن حکومت اور سوویت یونین کے درمیان تعلقات بگڑنے شروع ہوئے۔ سوویت فوجیں پولستانی سرحد کی طرف بڑھ رہی تھیں اور رکنے پر آمادہ نہ تھیں۔ 1943ء میں کیٹین کے قتل عام کا واقعہ طشت از بام ہوا تو دونوں حکومتوں کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے۔ پھر جنرل سکورسکی ایک ہوائی حادثے میں مارا گیا۔ اس کی جگہ سٹانسلامکولا جیزیک نے لے لی، جو کسان پارٹی کا رئیس اور پولینڈ کی سب سے بڑی عوامی پارٹی کا قائد تھا۔ روس اور پولینڈ کے درمیان اختلاف برطانیہ اور امریکا کے لیے وجہ تشویش بن گیا۔ دونوں کے نزدیک اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ مشرق و مغرب میں اختلاف کا یہ پہلا نشان تھا جس نے آگے چل کر سرد جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ ماسکو نے مغربی اتحادیوں سے مشورہ کیے بغیر برلن میں کمیونسٹوں کی حمایت کی۔ نومبر 1943ء میں تہران کے اندر کانفرنس ہوئی تو سٹالین نے روزویلٹ اور چرچل کو راضی کر کے پولینڈ کی مشرقی سرحد وہ قائم کی، جو خط کرزن سے ملتی جلتی تھی۔

روس کی انگیخت پر پولینڈ کی خفیہ فوج جرمنوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ جنرل بورکوموروز کی اس کا سالار تھا۔ وہ لوگ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ روسی ان کی امداد کے لیے نہ آئے۔ اگرچہ قریب تھے۔ لندن میں پولستانیوں کو اس پر سخت غصہ آیا اور اسے شرمناک غداری قرار دیا۔

دسمبر 1944ء میں لبلن کے پولستانیوں نے اعلان کر دیا کہ ہم پولینڈ کی عارضی حکومت ہیں۔ ماسکو نے یہ حکومت تسلیم کر لی لیکن امریکا یا لندن نے مالٹا کانفرنس تک (فروری 1945ء) اسے تسلیم نہ کیا۔ اس وقت تک واضح ہو چکا تھا کہ روس نہ صرف پولینڈ بلکہ پورے درمیانی یورپ پر اپنے سیاسی نمونے کی چھاپ لگانے کے لیے تُلا بیٹھا ہے۔ سٹالین اپنی افواج کے اس علاقے کو گھیرے میں لے چکا تھا اور جنگ کے بعد اقتدار کی دوڑ میں وہ آگے نکل گیا۔

غیر جانبدار

یورپ میں صرف چند ہی قومیں تھیں جو غیر جانبداری کے فوائد و برکات سے مشرف رہیں یا تو ان کا جغرافیائی موقع و محل ساز گار تھا یا ان کی مسلسل خواہش یہ تھی کہ جنگ میں شامل نہ ہوں یا ہسپانیہ کے فرینکوں کی طرح ان میں ایک کو دوسرے کے خلاف ابھارنے کی صلاحیت موجود تھی۔

سوئٹزرلینڈ غیر جانبداری کا کلاسیکی مرکز تھا۔ یہ اپنے محفوظ پہاڑی حصار میں خوشحال بیٹھا رہا اور دونوں عالمی جنگوں میں شامل نہ ہوا۔ سوئٹزرلینڈ کی پانچ لاکھ فوج برابر حرکت میں رہی۔ انھوں نے حملے کے تمام راستوں میں جا بجا سرنگیں بچھا دیں۔ ہٹلر کو بھی اس چھوٹے سے پہاڑی حصار پر حملے کا حوصلہ نہ ہوا اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیوں کہ سوئٹزرلینڈ برابر جرمنی کی جنگی مشین کے لیے اسلحہ، گولی بارود، کپڑے اور جوتے تیار کرتا رہا۔ اہل سوئٹزرلینڈ کی ہمدردی دوسری طرف تھی۔ کہا جاتا تھا کہ وہ لوگ ہفتے میں چھ دن نازیوں کے لیے کام کرتے ہیں اور ساتویں دن اتحادیوں کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ نازیت کے سمندر میں اس چھوٹے سے جزیرے کے اندر لاکھوں پناہ گزین پہنچ گئے۔ اسی طرح سرمایہ باہر سے وہاں آتا رہا۔ سوئٹزرلینڈ کے بینک بلا امتیاز دونوں متحارب فریقوں کے روپے کی حفاظت کرتے رہے۔

آئرلینڈ کی تمام پارٹیوں نے کامل غیر جانبداری پر اصرار جاری رکھا۔ یہ پہلی عالمی جنگ کی روش سے انحراف تھا۔ لندن نے شکایت کی کہ آئرلینڈ محوریوں کی جاسوسی کا مرکز ہے اور محوری وزیروں کو ڈبلن میں اتنی آزادی حاصل ہے جو متحارب فریقوں کے سفیروں کو بھی بالعموم نہیں دی جاتی۔ نیز جرمن طیاروں کے پائلٹ آئرستانی شہروں کی روشنی کو انگلستان پر حملے کے لیے بطور نشان استعمال کر رہے ہیں۔ آئرستانیوں کا جواب یہ تھا کہ اگرچہ ہم جنگ میں شامل نہیں لیکن ہمارے لاکھوں بھائی برطانیہ کی فوج میں لڑ رہے ہیں اور برطانوی کارخانوں میں کام کر رہے ہیں۔ جنگ زدہ برطانیہ کے لیے یہ چنداں تسکین کا پیغام نہ تھا۔

سویڈن ہٹلر کے یورپی حصار کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ اس نے اپنے آپ کو دونوں متحارف فریقوں کے لیے ناگزیر بنائے رکھا وہ ایک صدی سے زیادہ مدت تک کسی جنگ میں

شریک نہ ہوا۔ جنگ ہوتے ہی سویڈن کی حکومت نے دنیا کو بالعموم اور ہٹلر کو بالخصوص متنبہ کر دیا تھا کہ سویڈن کی حدود پر پہلا حملہ ہوتے ہی ہر کارخانہ، ہر کان، ہر ٹرین، فولاد کی ہر مشینری اور بال بیئرنگ کے کارخانے تباہ کر دیے جائیں گے۔ ہٹلر کے سلسلے میں یہی زبان موزوں تھی، چنانچہ اس نے سویڈن کو اپنے منصوبے سے باہر رکھا۔ یہ بھی واضح ہے کہ سویڈن جرمنی یا روس کے مقابلے میں مغربی طاقتوں کو ترجیح دیتا تھا۔ وہاں سے ہالینڈ، پولینڈ، ناروے، ڈنمارک اور چیکوسلواکیہ کے باشندوں کو فیاضانہ غذائی جنسیں بھیجی جاتی رہیں۔ غیر ملکی بچوں کو اہلِ سویڈن اپنے گھروں میں لے گئے۔ لاکھوں پناہ گزینوں کے لیے امن کا انتظام کیا اور جرمنوں کی سرگرمیوں کے متعلق تمام اطلاعات اتحادیوں تک پہنچاتے رہے۔ سکنڈے نیویا کے دوسرے دو ملک یعنی ڈنمارک اور ناروے سویڈن کی غیر جانبداری پر سخت ناراض رہے لیکن حالات ایسے تھے جن میں وہ لوگ اہلِ سویڈن کو اس پر راضی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ بھی خود ان کی طرح محکومی کی حیثیت قبول کرے۔

ترکی، جرمنی اور روس کی جنگ کے جنوبی بازو پر واقع تھا۔ یہ ایسا مقام تھا، جسے اتحادیوں سے ہمدردی تھی اور محوری طاقتوں کی دھمکیوں کی برابر مزاحمت کرتا رہا۔ دونوں فریقوں کے دباؤ کے باوصف ترکی نے 23 فروری 1945ء تک غیر جانبداری قائم رکھی۔ پھر جرمنی اور جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس فیصلے میں ایک مصلحت کارفرما تھی یعنی انقرہ بلاشبہ اعلانِ جنگ پر اس لیے آمادہ ہوا کہ اتحادیوں نے فیصلہ کر لیا تھا، آئندہ سان فرانسسکو کانفرنس میں...... جس کا مقصد اقوام متحدہ کی تنظیم تھا...... کسی ایسے ملک کو دعوت نہ دی جائے گی جو یکم مارچ 1945ء سے پیشتر محوریوں کے خلاف جنگ میں شامل نہ ہو جائے گا۔

پرتگال میں اولیویرا سالازار کی ڈکٹیٹری قائم تھی جو یورپی مطلق العنانی کے شعبے کا صدر تھا اور جسے شریف فاشسٹ کہا جاتا تھا۔ وہ جنگ سے باہر رہا۔ پرتگال روایتاً برطانیہ کا دوست تھا لیکن دونوں فریقوں کے پاس ٹین اور رولفرامائٹ کے قیمتی ذخائر فروخت کرتا رہا۔ سوئٹزرلینڈ کی طرح متحارب فریقوں کا سرمایہ بھی وہاں پہنچتا رہا۔ جنگ ختم ہوئی تو پرتگال کے پاس فالتو سرمائے اور سنہری سکے موجود تھے اور قرضۂ عامہ مقابلتاً کم تھا۔

ہسپانیہ بھی جنگ سے باہر رہا۔ دوسری عالمی جنگ کے چھ سال کی مدت میں فرینکو نے

ویسی ہی چکا چوند پیدا کرنے والی نمایش قائم رکھی، جیسی فرانس کے بلوندن نے آبشار نیاگرا پر ایک رسہ باندھ کر گزر جانے کے لیے کی تھی۔ یہ ایک صدی پیشتر کا واقعہ ہے۔ فرینکو نے 1939ء میں بالشویکوں کے خلاف میثاق پر دستخط کیے تھے مگر جنگ چھڑی تو اس نے شمول اختیار نہ کیا۔ اس کا ملک خانہ جنگی سے تباہ ہو چکا تھا۔ غیر جانبداری میں اسے فائدہ نظر آیا۔ چنانچہ اس نے پہلے تین سال میں ''عدم محاربت'' کی پالیسی جاری رکھی۔ اس کی ہمدردی محوریوں کے ساتھ تھی اور وہ مختلف طریقوں پر جرمنی اور اٹلی کی خدمات انجام دیتا رہا۔ مثلاً ان کے بیڑوں کو پناہ دی۔ ان کے طیاروں کے لیے مرمت کا انتظام کرتا رہا اور قیمتی چیزیں مثلاً ولفرمائٹ بہم پہنچاتا رہا۔ محوری جاسوس بھی ہسپانیہ میں رہ کر کام کرتے رہے، بلکہ اٹھارہ ہزار کا ایک ڈویژن بھی بھیج دیا تاکہ روسیوں سے لڑے۔ اس اثنا میں اتحادی مجبور ہوئے کہ جبل طارق کے لیے خاصی بڑی فوج تیار رکھیں تاکہ محوریوں کی طرف سے اس حصار پر حملہ نہ ہو سکے۔

1943ء میں اتحادی قوت کی برتری نمایاں ہوگئی تو فرینکو ''عدم محاربت'' کے بجائے فراخدلانہ غیر جانبداری پر آ گیا۔ اس کے نزدیک مقصد یہ تھا کہ ایک فریق یا دوسرے فریق یا دونوں سے سودا بازی کرتے رہے۔ اتحادی فوجیں شمالی افریقہ میں اتریں تو اس نے مداخلت کی کوئی کوشش نہ کی۔ اب اس نے اتحادی جاسوسوں کو اجازت دے دی کہ ہسپانیہ میں کام کرتے رہیں۔ جو اتحادی ہواباز نظر بند کر لیے گئے تھے انھیں ملک چھوڑنے کی اجازت دے دی اور آخر میں جرمنی کے لیے ولفرامائٹ کی برآمد بھی روک دی۔ جنگ کے بعد ملک پر اس کی مطلق العنانی مستحکم تر ہو گئی۔

جنگ الفاظ

ڈاکٹر جوزف گوئبلز نے...... جو ایک متعصب مبلغ اور تشدد کا داعی تھا...... نازی فلسفہ انتہائی کامیابی سے جرمن قوم تک پہنچایا۔ ہٹلر گوئبلز ہی کے تراشیدہ نعروں کے بل پر برسر اقتدار آیا۔ نعرے اس قسم کے تھے:

''جرمن برتر قوم ہیں، ان کے لیے ساری دنیا پر حکمرانی مقدر ہے۔''

''ایڈولف ہٹلر ہر زمانے کا سب سے بڑا جرمن ہے۔''

''سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ فیوہرر کے لیے جان دے دی جائے۔''

''معاہدۂ ورسائی مردہ باد۔''

''آج جرمنی، کل دنیا۔''

نفسیاتی جنگ کے عظیم تر مقصد میں گوئبلز بری طرح ناکام رہا۔ تاریخ نے پھر اپنے آپ کو دہرایا۔ پہلی عالمی جنگ کے وقت جرمن پروپیگنڈے کے اکھڑ ماہرین نے جنگ الفاظ میں ذلت خیز شکست کھائی تھی۔ دوسری عالمی جنگ میں اس شکست کا اعادہ ہوا۔

گوئبلز نے نفسیاتی تقریب کی منصوبہ بندی بھی فوجی مہموں کی طرح بڑی احتیاط سے کی تھی۔ اس کا مرکز نمبر 58 لہر ٹرسٹرا سی (برلن) تھا۔ وہاں سے نازی پروپیگنڈے کی لہریں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچتی رہیں۔ گوئبلز کا نصب العین یہ تھا کہ نسلی اور مذہبی نفرتیں برانگیختہ کر کے قوموں کے درمیان تفرقہ وانتشار پھیلائے اور اپنی اپنی حکومتوں پر عوام کے اعتماد کی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں۔ وہ ایک ہی نقطے پر زور دیتا رہا، یعنی یہ کہ جرمن صرف یورپی تہذیب وثقافت کے لیے لڑ رہے ہیں۔ جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا تو گوئبلز یہ کہنے لگا کہ انگریز اور امریکا سٹالین سے فریب کھا گئے ہیں اور سلافی بالشوزم کے خلاف جہاد کا پورا بوجھ جرمنی نے اٹھا رکھا ہے۔

گوئبلز جنگ کو بھی ایک انتخابی مہم قرار دیتا رہا۔ خود جرمنوں کو یہ سناتا رہا کہ جرمن فوج نے نہایت عجیب وغریب کارنامے انجام دیے ہیں۔ ابتدا میں وہ مقتولین ومجروحین کی تعداد بہت گھٹا کر پیش کرتا رہا لیکن جب نازیوں کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا، لوٹ مار کی کوئی گنجایش نہ رہی اور برق رفتار جنگ نے فرسودگی اختیار کر لی تو اسے مجبوراً اپنا طریقہ بدلنا پڑا۔ اب اس نے یاس وقنوط اور ماتم عام کی صورت اختیار کر لی۔ وہ ہم قوموں کو آگاہ کرنے لگا کہ اگر جنگ آخری وقت تک جاری نہ رکھی گئی تو قحط پڑ جائے گا۔ تیسری رائش ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ یہودیوں کی غلامی برداشت کرنی پڑے گی۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح جرمنوں کو مزید سعی وکوشش اور قربانیوں پر آمادہ کیا جائے۔ ممالک خارجہ میں سے گوئبلز نے پہلا درجہ جنوبی امریکا کو دے رکھا تھا۔ لاکھوں جرمن وہاں پہنچ گئے تھے اور انھوں نے کروڑوں مارک کا سرمایہ لگا رکھا تھا۔

گوئبلز نے جمہوریۂ امریکا کی جنگی مساعی کو نقصان پہنچانے کے لیے بھی بڑا روپیہ خرچ کیا۔ اس سلسلے میں بدھ کے پیروؤں اور صلح پسندوں سے امداد حاصل کی گئی تاکہ افراتفری اور تفرقہ پیدا کیا جا سکے اور ملک دو بڑے کیمپوں میں بٹ جائے۔ اس کوشش میں بھی اسے شدید ناکامی سے سابقہ پڑا۔ نیویارک میں جرمنوں کا ایک کتب خانہ اطلاعات تھا۔ اس کی وساطت سے بول چال کی انگریزی میں بے شمار دستاویزیں شائع کی گئیں، لیکن عوام پر کوئی اثر نہ پڑا۔ امریکیوں اور اکثر دوسرے لوگوں کے نزدیک ہٹلر ٹیوٹانی جوان مرد نہ تھا جو درخشاں اسلحہ سے لیس ہو، بلکہ ایک نقال یا تشنۂ خون جنونی تھا۔ اس کے اردگرد تملق پیشہ لوگوں کا جو مجمع فراہم ہو گیا تھا اسے جرمنی سے باہر قطعاً کوئی احترام حاصل نہ تھا۔

اس کے برعکس برطانوی پروپیگنڈا امید، نئے اور زبردست عمل اور قابل حصول مقاصد کے لیے جدوجہد پر مبنی تھا۔ چرچل نے مئی، جون اور جولائی 1940ء میں جو تقریریں کیں ان سے حقیقت حال کی توضیح ہو گئی۔ لوگوں کو روشنی ملی۔ مستقبل کے عمل کا راستہ معلوم ہو گیا اور وہ بے پناہ سرگرمی پر آمادہ ہو گئے۔ حقیقت حال کی توضیح نازیت کی موت تھی۔

پروپیگنڈے کے ہر حربے سے دونوں فریقوں نے کام لیا جن میں ریڈیو، چھوٹے چھوٹے رسالے، تصویریں، خاص اشاعتیں اور موٹروں کے ذریعے سے جا بجا خطبات عامہ شامل تھے۔ جرمن ریڈیو کے ذریعے سے جو پروپیگنڈا ہوتا تھا، اس میں واقعات دو حصوں میں بانٹ لیے جاتے تھے، اول سیاہ، دوم سفید۔ ہٹلر ضرورت کے مطابق خود ہی تقریریں کرتا تھا اور اس کی تقریریں ایک خاص نمائشی انداز لیے ہوئے ہوتیں۔ روزویلٹ کی طرح انگیٹھی کے سامنے بیٹھ کر بات چیت اس کا شیوہ نہ تھا۔ متعدد آدمی اس کی نقالی کرتے رہتے تھے مثلاً ایکسس سیلی، لارڈ ہاہا، جین اینڈرسن، فریڈ کالٹن باش اور آٹو کوئش وٹز۔

ریڈیو پر نازی افسانے کے مختلف اجزا نشر ہوتے رہتے، مثلاً ہٹلر نور کا دیوتا ہے، وہ یہودیوں اور ظلمت کی قوتوں کا مخالف ہے۔ جرمنی مفکروں اور عالموں کا وطن ہے جسے ویگنز کی بہشت سمجھنا چاہیے (گوئبلز زور شور سے کہتا تھا، پوری عالمی سلطنت کا حق ہٹلر سے بڑھ کر کسی کو نہیں)۔

پروپیگنڈے میں سب سے بڑھ کر اہمیت ان چھوٹے رسالوں کو حاصل تھی، جنھیں ''کاغذی گولیاں'' کہا جاتا تھا اور ان سے مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو بے حوصلہ بنایا جائے۔ پہلے یہ ''گولیاں'' لوگوں کے ذریعے سے دشمن پر پھینکی جاتی تھیں، پھر یہ لاکھوں کی تعداد میں طیاروں کے ذریعے سے دشمن کی صفوں پر گرائی جاتی تھیں۔ جرمنی کے پمفلٹ بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتے تھے۔ ان میں کم از کم ایک درجن بیماریاں جھوٹ موٹ اپنے اوپر وارد کر لینے کے طریقے بتائے جاتے تھے مثلاً ملیریا یا جنسی بیماریاں (خصوصاً بیٹپلز کا سوزاک، کیوں کہ اس کا علاج عام طریقے کے مطابق آسان نہ تھا)۔ ان میں سب سے زیادہ کامیاب وہ جرمن رسالہ تھا جس کے لیے سبز کاغذ استعمال کیا گیا تھا اور اس کی بہت بڑی مقدار فرانس میں پھینکی گئی تھی۔ فرانسیسیوں سے کہا گیا تھا کہ اگر تم انگلستان کی لڑائیاں لڑتے رہو گے تو تمہارے سپاہی خزاں رسیدہ پتوں کی طرح مرتے جائیں گے۔

انگریز اور امریکی ماہروں نے اس اصول پر کام کیا کہ پروپیگنڈا وہی موثر ہو گا جو حقائق پر مبنی ہو گا اور لوگوں کو اس کا یقین آسکے گا۔ ان پر واضح ہو گیا کہ ''جنگ الفاظ'' میں آخری حربہ حقیقت بیان کر دینے کے سوا کچھ نہیں۔ اتحادیوں کی طرف سے پروپیگنڈے کا نہایت کامیاب کارنامہ اس اخبار نے انجام دیا، جس کا نام ''فرنٹ پوسٹ'' تھا۔ یہ اخبار جرمن فوجوں کے لیے تھا۔ بارہویں فوج ہر ہفتے اسے شائع کرتی تھی اور درمیانے درجے کے بمبار طیاروں کی نویں امریکی فوج کے ذریعے سے وہ تقسیم ہوتا تھا۔ جرمنوں کو معلوم ہو گیا کہ اس اخبار میں فوجی صورت حالات کے متعلق برابر صحیح خبریں شائع ہوتی ہیں اور وہ اپنے اخباروں کی بجائے اس پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ جو جرمن سپاہی قید ہوتے، وہ اس اخبار کے سابقہ پرچے طلب کرتے تا کہ حالات جنگ کے متعلق اپنی معلومات مکمل کر لیں۔

امریکا کی طرف سے جو اشتہار شائع ہوتے تھے، ان کے ذریعے سے بتا دیا جاتا تھا کہ فلاں فلاں مقامات پر بم برسائے جائیں گے۔ صاف صاف کہہ دیا جاتا تھا:

''تمھیں بطور خاص مشورہ دیا جاتا ہے کہ اب سے فلاں حلقے کے اندر کوئی امن اور کوئی پناہ نہ ملے گی۔ تمہاری زندگی ان احکام کی فوری تعمیل پر موقوف ہے، فوراً

نکل جاؤ۔ جنگی حلقے سے باہر چلے جاؤ۔ لڑائی سے دست بردار ہو جاؤ۔"

سب سے بڑھ کر اثر اتحادیوں کے حفاظتی "اجازت ناموں" نے ڈالا، جن میں ہزاروں لاکھوں افراد سے حوالگی کے لیے کہا گیا تھا:

"جس جرمن سپاہی کے پاس یہ اجازت نامہ ہو، وہ اسے صحیح نشان کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو حوالے کر سکتا ہے۔ اس سے ہتھیار لے لیے جائیں گے، دیکھ بھال کا پورا خیال رکھا جائے گا، ضرورت کے مطابق غذا اور طبی امداد ملے گی اور جلد از جلد خطرناک حلقے سے باہر بھیج دیا جائے گا۔"

(دستخط ڈوائٹ آئزن ہاور

کمانداراعلیٰ عساکر اقوام متحدہ)

شمالی افریقہ میں عرب لڑکوں کو یہ اجازت نامے مل گئے اور انھوں نے خاصی قیمتیں لے کر یہ جرمن اور اطالوی فوجوں کے ہاتھوں فروخت کیے۔ جب اطالوی والدین کے بیٹوں کو شمالی افریقہ میں خطرناک خدمات کے لیے بھرتی کر لیا گیا تو والدین نے چور بازاری میں یہ اجازت نامے خریدے اور اپنے بیٹوں کے حوالے کرتے ہوئے نصیحت کر دی کہ جس قدر ممکن ہو ان سے کام لیا جائے۔ آگے چل کر یہ اجازت نامے زیادہ جاذب بنا دیے گئے۔ ان کے کنارے سنہرے کر دیے گئے اور یہ بینک کے تمسک یا یونیورسٹی کے ڈپلومہ معلوم ہوتے تھے۔ اتحادیوں کا پروپیگنڈا کرنے والے لوگ پنسلیں، صابن کی ٹکیاں، دیا سلائی، سوئی دھاگہ اور اس کی قسم کی چیزیں بھی کروڑوں کی تعداد میں پھینکتے تھے اور ان پر خاص عبارتیں ثبت ہوتی تھیں۔ صابن اور دیا سلائی کو خصوصیت سے ایک نادر آسمانی تحفہ سمجھا جاتا تھا۔

جاپانی اپنی فوجوں میں جو پروپیگنڈا کرتے تھے، اس میں صرف اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ اس دنیا میں سب سے بڑا انعام شہنشاہ کے لیے جان دے دینا۔ فلسفہ تقدیر کے مطابق دنیا کے آٹھ گوشے ایک چھت کے تحت آ جائیں گے۔ بھورے بالوں والے مغربی بربریوں کو ختم کر دو۔ جاپانی پروپیگنڈا کرنے والے کہتے تھے:

"ہمارے لیے حقائق کی کوئی اہمیت نہیں، صرف یہ ضروری ہے کہ مطلب کی باتیں

لوگوں تک پہنچائی جائیں۔"

غرض جاپانی پروپیگنڈا بھی جرمنوں کے پروپیگنڈے کی طرح عموماً بے سروپا ہوتا تھا۔ جاپان کی طرف سے جو اشتہار شائع ہوتے تھے وہ بھی اسی قسم کے تھے۔

کلاں تر مشرقی ایشیاء اور مشترکہ خوشحالی کا حلقہ

1942ء کے وسط تک ہٹلر دشمن یورپ کو ایک لڑی میں منسلک کر رہا تھا۔ جاپانیوں نے مشرق بعید میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ انھوں نے ناقابل عبور جنگلوں میں سے گزرتے اور مختلف جزیروں کو مسخر کرتے ہوئے ہوائی اور ہندوستان، نیز سائبیریا اور آسٹریلیا کے درمیان مغربی بحرالکاہل میں تیس لاکھ مربع میل کی سلطنت حاصل کر لی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جنگی نقطہ نگاہ سے وہ دنیا کا پچانوے فی صد قیمتی ربڑ، ستر فی صد ٹین اور صلح و جنگ کے بہت سے اہم سامان پر قابض ہو چکے تھے۔

اب یہ سوال سامنے آیا کہ اتنی بڑی سلطنت کے نظم و نسق کی صورت کیا ہو۔ ٹوکیو کے کارفرماؤں نے اس سلطنت کو دو حلقوں میں تقسیم کر دیا، ایک بیرونی اور دوسرا اندرونی۔ بیرونی حلقے میں ولندیزی شرق الہند، تھائی لینڈ، برما، ہند چینی، بورنیو اور فلپائینز شامل تھے۔ اس حلقے پر اس وقت تک قبضہ رکھنا ضروری سمجھا گیا، جب تک اس کے خام مال اور ضروری رسد سے اندرونی حلقے کے دفاع کے لیے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اندرونی حلقے میں جاپان، مونچوکو، کوریا اور فارموسا شامل تھے۔ اس حلقے کی حفاظت بہر حال ضروری تھی، اگرچہ بیرونی حلقے میں دشمن جا بجا رخنہ اندازی کرے۔

نومبر 1943ء میں امریکا کا جوابی جارحانہ اقدام بحرالکاہل میں شروع ہو رہا تھا۔ اس وقت کلاں تر مشرقی ایشیاء کے بارے میں ایک کانفرنس ٹوکیو کے اندر بلائی گئی تاکہ آئندہ نازک دور کے لیے حفاظت کا پورا انتظام سوچا جا سکے۔ اس کانفرنس میں جاپان کے مختلف پٹھو اور تعاونی شریک ہوئے ان میں سبھاش چندر بوس بھی شامل تھا جو آزاد ہند کی عارضی حکومت کا صدر تھا۔ طویل بحث کے بعد نمائندوں نے اس مرکزی اصول کا از سر نو اعادہ کیا کہ ایشیاء ایشیائیوں کے لیے ہے اور مغربی سامراج کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی تمام ارکان کے لیے وسیع سیاسی مراعات کی تجویز پیش ہوئی تاکہ وہ وفاداری اور تعاون پر قائم رہیں۔ چین، برما، انڈونیشیا اور فلسطین کی وفاداری حاصل کرنے کے

لیے مساوات، آزادی اور خود مختاری کے وعدے کر لیے گئے۔

ایشیاء کے وسیع علاقوں میں تعاون کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ مانچو خاندان کا آخری وارث ہنری پُویی 1911ء میں تاج وتخت سے محروم ہوا تھا۔ اسے مونچوکو میں بادشاہ بنادیا گیا۔ چین کی قومی حکومت کا غدار ونگ چنگ وائی 1938ء میں الگ ہوا تھا۔ اسے متصرفہ چین کا حاکم بنادیا گیا۔

ہر علاقے میں جاپان کے فوجی گورنر بھیج دیے گئے تاکہ مقامی کارفرماؤں کو مشورہ اور امداد دیں۔ جاپان کے صنعتی اداروں کے کارندوں نے تمام مفتوحہ علاقوں کی کرنسیاں بدل دیں اور سب کو بینک آف جاپان سے وابستہ کر کے ین کا حلقہ بنالیا۔ ساتھ ہی ثقافتی میثاقوں کا انتظام ہوا تاکہ تمام نئے ممالک جاپانی طریق حیات سے آگاہ ہو جائیں۔

ابتدا میں جاپانی فاتحین نے یہ فریب قائم رکھا کہ ہم ایشیائی بھائیوں کے محبوں کی حیثیت میں حلیف اور نجات دہندے بن کر آئے ہیں اور سب کو برابر سمجھتے ہیں۔ جو ملک مغربی جوئے کے ماتحت مصیبتیں اٹھا رہے تھے، انھیں خوش حال واستوار کر دیا جائے گا۔ زوال پذیر اور اجنبی مغرب کے اثرات دور کر دیے جائیں گے اور ایشیائی تہذیب اصل صورت میں بحال ہو جائے گی۔ ٹوکیو کلاں تر ایشیاء کے بڑے پہیے کا مرکز ہوگا۔ پھر مزاحمت تیز ہوئی۔ ساتھ ہی جاپانیوں کے دل خوش کن وعدے بودے ثابت ہوئے۔ ان کے منتظم زیادہ وحشی اور اقتصادی کارندے زیادہ خون چوسنے والے نکلے۔ افیون کی تجارت بڑھ گئی۔ غذائی جنسیں گھٹ گئیں۔ سب پر آشکارا ہو گیا کہ کیا مشترکہ ایشیائی شہریت کے ثمرات یہی ہیں؟

ملایا، ہند چینی، برما، تھائی لینڈ اور فلپائنیز میں جو لوگ مزاحمت کر رہے تھے ان کے محرکات مختلف تھے مگر انھوں نے جاپانیوں پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ متصرفہ یورپ کی کہانی ان ملکوں میں بھی دہرائی گئی یعنی وسائل نقل وحمل کی تخریب، جاپانی فوجوں پر حملے اور اتحادیوں سے تعاون۔ جاپانیوں نے انتہائی وحشت سے انتقامی کارروائیاں شروع کر دیں لیکن مزاحمت کرنے والوں نے ظلم کا بدلہ ظلم سے اور وحشت کا بدلہ وحشت سے لیا۔ سفید فام غیر مصافی لوگوں اور اسیران جنگ پر جاپانیوں نے بے اندازہ مظالم توڑے۔ طے کر لیا گیا کہ ان مظالم کا فیصلہ جنگ کے بعد عدالتوں میں ہوگا۔

چوتھا حصہ

مد میں جزر کا آغاز

21

جاپانی اقدام کا سدِّ باب

انتقام کی پہلی قسط: ڈو لٹل کا حملہ

پرل ہاربر سے مہینوں بعد وسطی بحرالکاہل میں عموماً خاموشی چھائی رہی اور ویک آئی لینڈ کی تسخیر کے سوا کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ پھر یہ ولولہ انگیز خبر آئی کہ امریکیوں نے ٹوکیو پر بم برسائے۔ یہ عجیب وغریب واقعہ تھا۔ جاپانی دارالحکومت امریکا کے ہوائی اڈوں سے ہزاروں میل دور تھا۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس شاندار کارنامے سے جنگ کی عمومی رفتار پر زیادہ اثر نہ پڑا۔ یہ معمولی سا حملہ تھا۔ پرل ہاربر پر دشمن کے حملے سے اسے کوئی مناسبت نہ تھی لیکن یہ حقیقی امریکی کارنامہ تھا اور بتا رہا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

اس حملے کے لیے تیاری پرل ہاربر سے چند ہفتے بعد شروع ہوگئی تھی۔ لیفٹیننٹ کرنل جیمز ایچ۔ ڈولٹل زمانۂ امن میں طیاروں کے ذریعے سے عجیب وغریب کرشمے دکھاتا تھا۔ اس نے بالادست افسروں کے سامنے تجویز پیش کی کہ اسے ٹوکیو پر فضائی حملے کی اجازت دے دی جائے۔ ابتدا میں اس تجویز کو مجنونانہ قرار دے کر رد کردیا گیا تھا، مگر ڈولٹل اپنے عزم پر مضبوطی سے قائم رہا۔ آخر اسے اجازت دے دی گئی۔ اس نے خفیہ خفیہ پوری تیاری کرلی۔ اعلان کردیا کہ غیر مسلح خفیہ کام کے لیے رضاکاروں کی ضرورت ہے۔ جتنے پائلٹ اسے درکار تھے ان سے بدرجہا

زیادہ لوگوں نے درخواستیں بھیج دیں۔اس نے حملے کے لیے وہ طیارے تجویز کیے، جنھیں B-25 کہا جاتا تھا۔

تین مہینے تک بڑی محنت اٹھا کر تیاری کی گئی۔زمین پر سفید خط کھینچ دیے جاتے اور پائلٹ بار بار تھوڑے فاصلے سے اڑنے کی مشقیں کرتے۔پائلٹوں کے ساتھ سوار ہونے والے افراد نقشوں، تصویروں اور سایوں کا مطالعہ کرتے رہے تاکہ انھیں ٹوکیو پہنچتے ہی اپنے نشانوں کا جلد سے جلد اندازہ ہو جائے۔ان طیاروں اور ان کے آدمیوں کو ہارنٹ نام طیارہ بردار جہاز پر سوار کر دیا گیا جو امیر البحر ولیم ہیلسے جونیئر کے زیر کمان تھا۔

انھوں نے اچانک بے خبری میں جاپانیوں کو جالیا اور انھیں اس وقت تک پتا نہ چل سکا، جب تک طیارے نشانوں کے قریب نہ پہنچ گئے۔ٹوکیو پہنچتے ہی طیارے درختوں کی سطحوں پر آ گئے اور تمام نشانوں پر تاک تاک کر بم گرائے۔جاپانی طیارے قریب کے تربیتی مرکز سے اٹھے اور حملہ آوروں کو روکنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئے۔طیارہ شکن آتش باری بڑے زور سے جاری رہی مگر کچھ اثر نہ کر سکی اور جاپانیوں نے اپنا ہی ایک حفاظتی غبارہ گرا لیا۔

لیکن اس کارنامے کے سب سے خطرناک حصے کا تعلق جاپان سے باہر نکلنے میں تھا۔تمام طیارے محفوظ واپس آ گئے، مگر طوفان میں بکھر گئے۔محفوظ پٹرول ختم ہو گیا۔مخالف ہوائیں تیز تھیں اوپر تاریکی تھی۔علاقہ سراسر اجنبی تھا لہٰذا اکثر آدمیوں کے لیے طیاروں سے کود پڑنا ناگزیر ہو گیا۔آٹھ جاپانیوں کے متصرفہ علاقوں میں گرے اور گرفتار کر لیے گئے باقی چین پہنچ گئے اور چینیوں نے انھیں چنگنگ پہنچا دیا۔کل اسی آدمی گئے تھے جن میں سے اکہتر صحیح بخیریت واپس آ گئے۔

ٹوکیو کے باشندے دم بخود رہ گئے اور ان کے دل ہل گئے۔جاپان پر حملہ ناممکن سمجھا جاتا تھا لیکن یہاں دشمن اس قلعے کے اندر گھس آیا تھا۔ہوائی حملوں سے بچاؤ کے لیے پناہ گاہوں کے بغیر لوگوں میں ہراس پھیل گیا۔وہ ہر طرف بھاگ رہے تھے۔ان میں دھکا پیل شروع ہو گئی تھی۔وہ چیخ و پکار میں مصروف تھے۔بڑے بڑے سرکاری افسر شہنشاہ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی غفلت کے لیے معافی مانگی جو جاپانی افسر ٹوکیو میں فضائی حملوں کے خلاف حفاظت کا ذمہ دار تھا

اس نے خودکشی کر لی۔ یوکوسوکا میں جو بحری افسر اور ملاح مارے گئے تھے تین روز بعد انھیں اکٹھے دفن کیا گیا۔

اہل ٹوکیو کے لیے ناقابل فہم واقعہ یہ تھا کہ حملہ آور ٹوکیو کیوں کر پہنچ گئے۔ ان لوگوں کے لیے حملے سے بھی بڑھ کر حوصلہ شکن واقعہ یہ تھا کہ کن مرکزوں سے پرواز کر کے وہ ٹوکیو آ گئے؟ کیا یہ پرواز جزائر ہوائی سے ہوئی، جو تین ہزار آٹھ پچاس میل دور تھے؟ یا ایلوشیائی جزائر سے جو دو ہزار آٹھ سو پچاس میل یا فلپائینز سے جو دو ہزار تین سو میل یا چین سے جو ایک ہزار تین سو پچاس میل یا ولاڈی واسٹک سے جو صرف پچاس میل پر تھا؟ ان میں سے کون سا مرکز تھا جہاں سے یہ لوگ آئے؟ واشنگٹن نے کوئی اتا پتا نہ بتایا۔ دو روز بعد محکمہ جنگ نے ایک اعلان شائع کیا جس میں حملے نتائج اور بربادی کی وسعت بتا دی لیکن مرکز نہ بتایا روزویلٹ نے اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس میں مزاحیہ بتایا کہ ہمارے ہوا باز شنگری لا سے اڑ کر گئے تھے۔ یہ تبت کا ایک افسانوی گوشہ عزلت تھا جس کا ذکر جیمز ہلٹن کے ناول ''لاسٹ ہورائزن'' میں آیا ہے۔ جاپانیوں نے اسے درست سمجھ لیا اور برلن کے ریڈیو سے بتایا گیا کہ ڈولٹل نے فضائی حملہ شنگریلا کے مرکز سے کیا جس کی تفصیل روزویلٹ نے نہیں بتائی تھی۔

جاپانی سخت غصے میں تھے۔ امریکا کے محکمہ جنگ کا اعلان شائع ہوا تو ٹوکیو کے ریڈیو سے یہ خبر انگریزی میں نشر کی گئی کہ ڈولٹ کے بعض ساتھیوں کو موت کی سزا دے دی گئی۔ ساتھ ہی کہہ دیا گیا:

''یہی پالیسی آئندہ جاری رہے گی اور امریکا کو بھولنا نہیں چاہیے کہ جو ہوا باز یہاں آئے گا اسے جہنم کا پروانہ راہداری دے دیا جائے گا اور یہ یک طرفہ ٹکٹ ہوگا۔''

مِڈوے کی جنگ

جاپانی چہرہ بچانے کے لیے پتلون کھو بیٹھے۔ جنگ مِڈوے کے متعلق یہ ایک امریکی ملاح کا تاثر تھا۔ بحرالکاہل کی جنگ میں مڈوے ہی سے موڑ شروع ہوا۔ تین صدیوں میں پہلی مرتبہ جاپانی بیڑے کو وہاں شکست سے سابقہ پڑا۔ امریکہ نے اس جنگ میں بحری قوت کا وہ توازن

بحال کرلیا جو پرل ہاربر میں برباد ہوا تھا۔اس وقت سے جاپانی سلطنت کے استحکامات پر کامیاب ضربوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔جابجا رخنے ڈالے گئے آخر امریکی بیڑا خلیج ٹوکیو میں داخل ہوگیا۔

جن لوگوں کو جاپانیوں کے طور طریقوں سے آگاہی تھی وہ جانتے تھے کہ ٹوکیو پر ڈولٹل کے حملے سے جاپان کو جو ذلت اٹھانی پڑی تھی، اس کا بدلہ لیا جائے گا۔منچوریا کے واقعے سے جنوری 1942ء تک جاپان کے کارفرمایانِ جنگ پے در پے تیزی سے فتوحات حاصل کرتے رہے۔ان کے پیش نظر مقاصد حاصل ہو چکے تھے۔اب ٹوکیو میں بحث شروع ہوگئی کہ آیا جاپان کو مدافعت اختیار کرلینی چاہیے تاکہ جو کچھ حاصل کیا جاچکا ہے اسے محفوظ رکھا جائے یا جارحانہ اقدامات جاری رہنے چاہئیں تاکہ دشمن کی کمر توڑی جاسکے؟ فیصلہ ہوا کہ حملہ جاری رہے لیکن رخ متبادل تھے یعنی آسٹریلیا، ہندوستان اور ہوائی کی سمت میں سے کوئی ایک رخ اختیار کیا جاسکتا تھا۔امیر البحر یاماموٹو جو پورے بیڑے کا رئیس اعظم تھا مڈوے پر حملے کا متقاضی ہوا۔

یہ جزیرہ پرل ہاربر کے شمال مغرب میں گیارہ سو پینتیس میل کے فاصلے پر ہے۔ہوائی کے دفاعی سلسلے میں اسے بعد ترین چوکی کی حیثیت حاصل تھی،صرف کیوراٹیول کو مستثنیٰ سمجھا جاسکتا ہے جو ساٹھ میل آگے تھا۔مڈوے کا جزیرہ قطر میں صرف چھ میل تھا اور اس کا بہت کم حصہ خشک تھا مگر ہوائی کے سنتری کی حیثیت میں اسے جاپان کے نئے بیرونی حلقۂ دفاع...... کسکا،مڈوے،ویک، جزائر مارشل، جزائر گلبرٹ، گاڈل کینال، پورٹ مورسلی...... میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ساتھ ہی یاماموٹو نے کہا کہ مڈوے پر قبضہ کرلینے کے بعد ہمیں مشترکہ بحری و بری اقدامات کے لیے ایک ایسا مرکز مل جائے گا جو ہمارے آئندہ اقدامات کے لیے خاصا موزوں ہوگا۔سب سے بڑھ کر یہ کہ امریکا کا بیڑا حفاظت کے لیے آئے گا تو اسے ایک فیصلہ کن جنگ میں تباہ کردیا جائے اور جنگ جلد ختم ہوجائے گی۔یہ تجویز مان لی گئی لیکن یاماموٹو کے بیڑے اور بحری جنرل سٹاف کے درمیان حملے کی تدابیر کے متعلق جھگڑے شروع ہوگئے۔عین اس موقع پر ڈولٹل کا حملہ ہوا۔بحث ختم ہوگئی۔اب معاملہ لاج کا تھا اور تاخیر ناقابل برداشت تھی۔چنانچہ 7 جون 1942ء کی تاریخ حملے کے لیے مقرر ہوگئی۔

جاپانی بحریات کی تاریخ میں مڈوے پر حملہ ایک بہت بڑے بحری منصوبے کا متقاضی ہوا۔ اس کے لیے دو سو جہاز...... جن میں گیارہ بڑے جنگی جہاز، آٹھ طیارہ بردار، بائیس کروزر، پینسٹھ تباہ کن جہاز اور اکیس آبدوزیں شامل تھیں...... اور سات سو سے زیادہ طیارے فراہم کیے گئے۔ اس زبردست قوت کو جنگی مصلحتوں کے تابع پانچ بڑے دستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ امیر البحر یاما موٹو کمانڈر اعظم تھا۔ ساتھ ہی حکم دے دیا گیا تھا کہ اگر بحر الکاہل کا امریکی بیڑا مقابلے پر آئے تو اس پر شدید ضرب لگائی جائے۔ اس اثنا میں بڑی بحری قوت آگے بڑھے گی اور آخری کاری ضرب لگا دے گی۔ پھر فوجی جہاز پانچ ہزار جاپانیوں کو مڈوے میں اتار دیں گے۔ وہ جزیرے پر قابض ہو کر یہاں زبردست ہوائی اڈہ قائم کر دیں گے۔

منصوبہ بظاہر بڑا اچھا تھا اور کامیابی کا امکان خاصا تھا لیکن اس میں ایک اہم خامی موجود تھی یعنی جاپانیوں نے تمام توقعات کا انحصار اس پر رکھا تھا کہ امریکی وہی طرز عمل اختیار کریں گے جو جاپانیوں کے خیال میں تھا۔ انھوں نے اپنی تدبیروں پر انتہائی اعتماد کرتے ہوئے سمجھ لیا تھا کہ اچانک مڈوے پہنچ جائیں گے اور جب تک حملہ شروع نہیں ہو جائے گا امریکی بیڑا وہاں نہیں پہنچے گا۔ یہ اندازے کی شدید غلطی تھی۔ امریکا کا محکمہ اطلاعات جاپانیوں کے مرموز سفارتی پیغامات کی کلید معلوم کر چکا تھا اور واشنگٹن کو مڈوے پر حملے کا منصوبہ تیار ہوتے ہی معلوم ہو چکا تھا۔ بحر الکاہل کے امریکی بیڑے کی کمانداری پر امیر البحر چیسٹر نمٹز مامور تھا۔ اس نے اپنے سولھویں اور سترہویں دستے کو جنوبی بحر الکاہل سے واپس بلا لیا اور انھیں مڈوے کے شمال و مشرق میں بھیج دیا۔ وہاں سے دونوں دستے دشمن کے بازوؤں پر اچانک حملے کر کے اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔

دشمن نے جاوا کے سمندر اور ولندیزی بندرگاہ میں کارروائیاں شروع کیں۔ نمٹز نے بالکل صحیح اندازہ کر لیا کہ یہ کارروائیاں دراصل امریکیوں کو غلط راستے پر ڈالنے کے لیے کی گئی ہیں اور مقصود یہ ہے کہ مڈوے پر حملے کو چھپایا جا سکے۔ چنانچہ اس نے دائیں بائیں جانب ہونے کی بجائے یہی اہتمام کیا کہ دشمن کی مرکزی قوت پر حملے کے لیے قوت فراہم رکھی جائے۔

3 جون 1942ء کو بعد دوپہر دیکھ بھال کرنے والے ایک طیارے نے دیکھا کہ دشمن کی بہت بڑی قوت مڈوے کے جنوبی و مغربی جانب بڑھی چلی آ رہی ہے۔ یہ اس بیڑے کا ایک حصہ تھا

جو مختلف سمتوں سے مڈوے کا رخ کیے ہوئے تھا۔ 4 جون کی صبح کو کوئی ایک سو جاپانی بمبار اور لڑاکا طیارے طیارہ برداروں سے اڑے جو مڈوے کے شمال و مغرب میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جزیرے کا رخ کر لیا۔ امریکی بیڑا اس وقت تک کئی سو میل کے فاصلے پر مشرق میں تھا اور لڑاکا جہازوں کی حمایت اسے حاصل نہ تھی مگر خود مڈوے سے امریکی فوج اور بحریات کے چھبیس تارپیڈو طیارے اور غوطہ خور بمبار حملہ آور کے مقابلے کے لیے اٹھے۔ جاپانی طیارے متوازی انداز میں آئے۔ ایسٹرن آئی لینڈ اور سینڈ آئی لینڈ پر بم گرائے۔ پھر بلندی سے ذرا نیچے اتر آئے اور جنوبی و مغربی حصے میں جمع ہونے لگے تاکہ واپس چلے جائیں۔ کم از کم چالیس جاپانی طیارے واپس نہ جا سکے۔ مڈوے سے امریکی ہوابازوں نے اطلاع دی کہ ایک جنگی جہاز اور ایک طیارہ بردار جہاز پر براہ راست ضربیں لگ چکی ہیں۔ حملے کے مقابلے کے لیے طیارہ شکن آتش باری کا ایک ایسا پردہ تان دیا گیا تھا کہ چھبیس امریکی طیاروں میں سے صرف نو مڈوے واپس آ سکے۔

اس وقت تک جاپانیوں کا پلہ بھاری تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ایک اور حملے کے بعد جزیرے پر قبضہ ہو جائے گا لیکن تقدیر جاپانیوں کے خلاف تھی۔ وہ مڈوے پر کوئی دوسری ضرب لگا نہ سکے۔ اچانک ان کے خلاف آگ برسنے لگی۔ ہر طرف موت اور ہلاکت پھیل گئی۔ کورل سی (بحیرۂ کورل) کی جنگ کی طرح یہاں بھی لڑائی طیاروں ہی تک محدود رہی۔ بڑے جہازوں کو ایک دوسرے پر آتش باری کا موقع نہ مل سکا۔ امریکی حملہ نہایت سخت تھا اور حد درجہ کامیاب رہا۔ جہازوں کے بم اور کلدار توپوں کی گولیاں نہایت شدت سے برسیں۔ جاپانی جہازوں میں آگ لگ گئی۔ دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے۔

ہارنٹ، یارک ٹاؤن اور اینٹر پرائز طیارہ برداروں سے تارپیڈو والے طیارے اڑے۔ ان کے پیچھے غوطہ خور بمبار نکلے اور دشمن کے طیارہ برداروں جنگی جہازوں اور کروزروں پر ضربیں لگائیں۔ نگومو کے طیارے بیکار ہو گئے۔ دوسرے روز ہوائی سے فلائنگ فورٹریز (اڑن قلعے) نے خود مڈوے کے بحری طیاروں کے ساتھ شریک جنگ ہو کر جاپانی بیڑے کی خوب خبر لی۔

یاماموتو جنگی جہاز یماتو پر سوار تھا۔ جب اسے خبر ملی کہ چار طیارہ بردار غرق ہو چکے ہیں تو اس نے حملے کا حکم منسوخ کر دیا اور مغربی جانب پسپائی کے احکام دے دیے۔ غرض جاپان کا جارحانہ

اقدام چند ہی گھنٹے میں بچ نکلنے کی دوڑ بن گیا۔ دشمن کا بیڑا پھندے میں پھنس چکا تھا اور اسے بری طرح تباہ کیا گیا۔ جو جہاز آگ پکڑ چکے تھے انھیں چھوڑ دیا گیا۔ بچے کھچے جہاز چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر جاپان کی طرف روانہ ہو گئے۔

جاپان کا جو بیڑا چار روز پیشتر بڑے اعتماد سے مڈوے کی طرف روانہ ہوا اس کے پانچ ہزار آدمی سمندر کی نذر ہو گئے۔ چار طیارہ بردار جہاز اور ایک بھاری کروزر تباہ ہوئے۔ ایک بھاری کروزر کو سخت نقصان پہنچا۔ دو تباہ کن جہاز بیکار کر دیے گئے۔ ایک اور تباہ کن جہاز، پٹرول کا ایک جہاز اور ایک جنگی جہاز پر خفیف سی ضربیں لگیں۔ تین سو بائیس طیارے برباد ہوئے۔ ان میں سے دو سو اسی تباہ کن جہازوں کے ساتھ غرق ہو گئے۔ امریکا کا نقصان بھی خاصا ہوا۔ مثلاً یارک ٹاؤن طیارہ بردار ایک آبدوز نے ڈبو دیا۔ ایک تباہ کن جہاز اور ایک سو سینتالیس طیارے ضائع ہوئے۔ انٹر پرائز طیارہ بردار کے سینتیس غوطہ خور بمباروں میں سے چودہ اور تارپیڈو والے طیاروں میں سے دس برباد ہو گئے مگر مڈوے بدستور امریکیوں کے قبضے میں رہا۔

جاپانی ''فتح کی وبا'' کا شکار تھے۔ انھیں اپنے آپ پر زیادہ سے زیادہ بھروسہ تھا اور سمجھتے تھے انھیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ساتھ ہی یہ غلط فہمی تھی کہ امریکی کھلے میدان میں لڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے حالاں کہ حقیقتاً امریکی بیڑا جاپانیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا۔ جاپانیوں کو یہ سبق مل گیا کہ پرل ہاربر پر بے خبرانہ حملے اور کھلے میدان میں لڑائی کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

یاماموٹو سخت پریشان حالی اور حیرت زدگی میں ٹوکیو واپس آ گیا کہ شہنشاہ اور اس کے اجداد کے روبرو تباہی کی روداد پیش کرے۔ مڈوے دورِ حاضر کی ایک فیصلہ کن ضرب تھی جو جاپانی بیڑے پر لگی۔ اگرچہ یاماموٹو نے بڑی احتیاط سے منصوبہ تیار کیا تھا اور اس کے پاس قوت زیادہ تھی مگر امریکی قوت نے اسے حملے کے ترک پر مجبور کر دیا اور جاپانی منصوبہ بند جارحانہ اقدام کے بجائے دفاع پر اتر آئے۔ نجی، نیو کیلیڈونیا اور نیوزی لینڈ کی تسخیر کا عظیم الشان منصوبہ انھوں نے کر دیا۔ امریکیوں کے لیے یہ شاندار فتح تھی۔ بہادرانہ جنگ ہوئی اور اطمینان بخش کامیابی حاصل کی گئی۔ ہوائی اور مغربی ساحل کے لیے تمام خطرے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد جاپانی صرف اپنے

سمندروں یا جنوبی بحرالکاہل کے اندر ہی رہے، البتہ ایلوشیائی جزائر میں کچھ مدت کے لیے ٹھہرے رہے۔ مڈوے اس لحاظ سے بھی قابل ذکر ہے کہ جنگی جہازوں اور کروزروں کے ذریعے سے لڑائیوں کا پرانا دستور ختم ہوگیا اور آئندہ کے لیے دونوں فریقوں نے طیارہ بردار جہازوں کی قوت سے کام لینا شروع کردیا۔ امیرالبحر نمٹز نے کہا کہ پرل ہاربر کا بدلہ کم ازکم جزوی طور پر لے لیا گیا۔

ایلوشیائی جزائر میں کارروائیاں

شمالی جانب جاپانیوں نے ڈچ ہاربر پر حملہ کیا جو ایلوشیائی مجمع الجزائر میں امریکا کا بحری مرکز تھا۔ یہ مجمع الجزائر ہوائی سے دو ہزار میل شمال میں دراصل بنجر جزیروں کا ایک سلسلہ ہے جو ایک بڑے سنگ بستہ راستے کی طرح شمالی بحرالکاہل میں ایلاسکا سے مغربی جانب کوئی ایک ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے اور سائبیریا کے جزیرہ نما کمچٹکا کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس مجمع الجزائر کے اردگرد کہر، برف اور کیچڑ کے سوا کچھ نہیں۔

1922ء میں واشنگٹن کا بحری معاہدہ ہوا تھا جس میں امریکا نے اقرار کرلیا تھا کہ گوام یا ایلوشیائی جزائر میں نہ بحری استحکامات بنائے جائیں گے نہ انھیں توسیع دی جائے گی۔ 1930ء میں اس اقرار کی تجدید ہوئی۔ پرل ہاربر کے واقعے نے صورت حال منقلب کردی۔ ایلاسکا میں ہوائی اڈے بنالیے گئے تھے اور ایلوشیائی جزائر میں اڈوں کا ایک سلسلہ تعمیر کرلینے کی کارروائی تیزی سے جاری تھی۔ ڈچ ہاربر مجمع الجزائر کے مشرقی سرے کی طرف ہے۔ اس کے استحکامات مکمل نہیں ہوئے تھے اور معمولی سی فوج اس کی حفاظت کررہی تھی۔

3 جون 194ء کو ایک جاپانی بیڑا ڈچ ہاربر کی طرف بھی بڑھا۔ اس میں دو طیارہ بردار، دو کروزر اور تین تباہ کن جہاز شامل تھے۔ حملہ آوروں کو زیادہ مزاحمت کی توقع نہ تھی۔ یکایک کہر میں سے امریکی طیارے نمودار ہوئے جنھوں نے جاپانی طیاروں سے لڑتے بھڑتے جہازوں پر حملہ کردیا۔ جاپانی پریشان ہوگئے۔ انھیں شبہ پیدا ہوا کہ پھندے میں پھنس گئے ہیں اور لڑائی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ امریکیوں نے دو خفیہ اڈے بنالیے ہیں اور طیارے اتارنے کے لیے میدان بھی ہموار کرلیے ہیں۔ ایک کولڈ ہاربر پر، جو ڈچ ہاربر کے مشرق میں ہے

اور ایک جزیرہ اومنک پر جو ایک سو میل مغرب میں ہے۔

امریکیوں کی کامیابی مکمل نہ تھی کیوں کہ دشمن نے واپسی میں کسکا، آٹو اور اگٹو پر قبضہ کر لیا، جو ڈچ ہاربر سے ساڑھے آٹھ سو میل مغرب میں ہیں۔ گویا جاپانی امریکی خطوں پر قابض تھے، اگرچہ انھیں دور افتادہ جزائری چوکیوں کی حیثیت حاصل تھی۔ اس قبضے سے جاپانیوں کو کئی فائدے حاصل ہوئے۔ مثلاً یہ جزیرے شمالی امریکا کی طرف قدم گاہ تھے۔ وہاں ٹھہر کر روس اور امریکہ کے درمیان جہازوں کی آمد و رفت میں خلل ڈالا جا سکتا تھا نیز جاپانیوں کو امید تھی کہ امریکی بمبار طیارے بڑی قوت میں جاپانی جزیروں پر فضائی حملے نہیں کریں گے۔ اگست 1942ء کے اواخر میں طیارے پیادہ فوج لے آئے اور اسے جزائر انڈریانوف میں اتار دیا جو کسکا سے سوا سو میل مشرق میں ہے۔ اس نئے اڈے سے امریکی طیاروں نے الیوشیائی جزائر میں جاپانیوں پر حملے کیے اور ان کے بہت سے جہاز غرق کر دیے۔ اکتوبر 1942ء میں جاپانیوں نے اٹو اور اگٹو کو چھوڑ دیا اور وہ کسکا میں اپنے استحکامات زیادہ استوار کرنے لگے۔

بحرالکاہل میں پسپائی: گاڈل کینال

وسیع سمندر میں کوئی خاص محاذ نہ تھا۔ ایلاسکا سے آسٹریلیا تک مغربی بحرالکاہل میں مختلف حلقے تھے جن میں جاپانی اور امریکی فوجیں ایک دوسری کے بالمقابل بیٹھی تھیں۔ جاپانی توسیع جاپان سے جنوبی جانب شروع ہوئی تھی۔ جہاں کہیں مقابل کی حیثیت کمزور نظر آتی، ادھر پیش قدمی شروع کر دی جاتی۔ بحرالکاہل کے اکثر کلیدی جزیرے جاپانیوں کے قبضے میں تھے جگہ جگہ انھوں نے فوج بٹھا دی تھی جسے لڑمرنے کی تربیت دی گئی تھی اور وہ ہر خطرہ قبول کرنے کے لیے تیار تھی۔

اب جاپانی منصوبہ بندوں نے فیصلہ کیا کہ مشرقی بحرالکاہل سے دور رہیں، جہاں امریکی عقاب کے پنجے تیز کیے جا رہے تھے اور وہ مزید جنوب مغرب کی طرف متوجہ ہو گئے تاکہ پورے نیوگنی پر قبضہ کر لیں۔ ساتھ ہی جزائر سالومن لے لیں۔ اس طرح وہ چاہتے تھے کہ طیاروں کے لیے دو بڑے مرکز مہیا ہو جائیں ایک پورٹ مورسبی میں جو نیوگنی کے جنوبی و مشرقی سرے پر ہے اور دوسرا گاڈن کینال میں جو جزائر سالومن کے جنوبی و مشرقی سرے پر ہے اور ریال تلاگی کے

چھوٹے سے جزیرے میں جاپانیوں کے زبردست ہوائی مرکز موجود تھے۔ان مرکزوں سے آسٹریلیا کے خلاف زبردست جارحانہ اقدام کیا جا سکتا تھا۔ نئے نقشہ عمل کے مطابق جاپانیوں کے لیے جزائر سالومن کو خاص اہمیت حاصل تھی۔یہ آتش افشانی جزیروں کا ایک جُھنڈ ہے جس کا رقبہ سترہ ہزار مربع میل ہے۔اس کی لمبائی شمال مغرب سے جنوب مشرق تک سات سو میل ہوگی۔مقامی آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔پہلی عالمی جنگ کے وقت سے یہ جزیرے انتظام کے لیے آسٹریلیا کے حوالے کر دیے گئے تھے۔ان کی آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔اگر جاپانی جزائر سالومن میں سے گاڈن کینال پر قبضہ کر لیتے تو امریکا سے نیوکیلیڈونیا اور آسٹریلیا آنے جانے کا راستہ کٹ جاتا۔

بحرالکاہل کی آئندہ جنگ کے پیش نظر امریکی افواج کی کمان بحری اور فوجی لیڈروں کے حوالے کر دی گئی تھی۔امیر البحر نمٹز شمالی وسطی اور جنوبی بحرالکاہل کی فوجوں کا کماندار تھا اور اس کا مرکز پرل ہاربر میں تھا۔جنرل میک آرتھر کو 1942ء میں فلپائنز سے آسٹریلیا بھیج دیا گیا تھا۔اسے جنوبی و مغربی بحرالکاہل (ساحل چین سے مشرقی جانب جزائر سالومن تک) کی فوجوں کا کماندار بنا دیا گیا تھا۔

جاپان کی طرح امریکا کی جنگی چالیں بھی حملے پر مبنی تھیں اگرچہ بعض فوجی مورخ گاڈن کینال پر حملے کو اصلاً دفاع قرار دیتے ہیں کیوں کہ اس سے امریکا کی راہ رسد کا تحفظ مقصود تھا۔سنگاپور چھن جانے کے باعث بحر ہند کا سیدھا راستہ امریکا کے لیے بند ہو چکا تھا۔اتحادیوں کے نقطہ نگاہ سے ضروری تھا کہ جاپانی ہشت پائے کا ایک ایک ڈنک یکے بعد دیگرے کاٹا جائے تاکہ بڑے جارحانہ اقدام کا انتظام ہو سکے۔اس غرض سے بڑی محنت کے ساتھ اور بھاری خرچ برداشت کرتے ہوئے طویل مدت میں ضرورت کے مطابق قوت جمع کی جا سکتی تھی۔اس وقت تک کے لیے امریکیوں کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ جاپانی بحرالکاہل میں مقتدر رہیں۔پرل ہاربر کے بعد امریکا کے طیارہ بردار جہازوں کو نقصان پہنچ چکا تھا اور سات کی بجائے تین رہ گئے تھے۔کورل سی اور مڈوے کی جنگ میں واضح ہو چکا تھا کہ بڑے بڑے مسطح پیندوں والے جہازوں (یعنی طیارہ بردار) کے بغیر کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ کی جا سکے گی۔امریکا کے صنعت

کاروں نے یہ ضرورت پوری کر دی۔ دو سال میں بڑی جسامت کے پچاس طیارہ بردار جہاز تیار ہو گئے اور بحر الکاہل میں پہنچ گئے۔ بحری طیاروں کی تعداد دس گنا ہو گئی۔ گویا امریکا نے بڑے حملے کے لیے قوت جمع کر لی۔

پیش قدمی کے سلسلے میں مینڈک کی طرح چھلانگیں لگانے کے بغیر چارہ نہ تھا۔ جس جنگ کو خشکی میں برق رفتار کہا جاتا ہے تری میں اس کا ثنیٰ یہی جنگ تھی۔ طریقہ یہ تھا کہ طیارہ بردار اور جنگی جہازوں کو کسی کلیدی جزیرے پر قبضے کے لیے بھیجا جاتا۔ پہلے خوب گولہ باری اور بمباری ہوتی۔ پھر جزیرہ پر حملہ کر کے فتح کر لیا جاتا اور جلد سے جلد وہاں ہوائی اڈا بنا لیا جاتا۔ یہی عمل بار بار دہرا دہرا کر دشمن کے وطن تک پہنچنا منظور تھا لیکن ہر جاپانی جزیرے پر قبضہ ضروری نہ تھا۔ اکثر جزیرے چھوڑ دیے گئے۔ ان میں جو فوجیں تھیں وہ ہر طرف سے منقطع ہو گئیں۔ جب ہشت پائے کے تمام ڈنک کٹ جاتے اور وہ بے دست و پا ہو جاتا تو جزائر جاپان پر پیش قدمی کو کوئی نہ روک سکتا۔

4 جولائی 1942ء کو دیکھ بھال کرنے والے پائلٹوں نے یہ ناگوار خبر پہنچائی کہ جاپانی طیارے گاڈل کینال پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ سنتے ہی جلد از جلد فیصلہ کر لیا گیا کہ ان پر ضرب لگائی جائے۔ 7 اگست 1942ء کو ایک طاقتور امریکی بحری و فضائی فوج جنوبی جزائر سالومن کے قریب نمودار ہوئی۔ نائب امیر البحر غور ملے اس کا رئیس تھا۔ اترنے سے پیشتر تین گھنٹے بمباری جاری رہی، جس میں استحکامات توڑ دیے گئے۔ پھر وہ فوج جو نیوزی لینڈ میں ٹھہری ہوئی تھی۔ گاڈل کینال اور متعلقہ جزائر میں اتر گئی۔ تین ملحقہ جزیروں میں شدید مزاحمت سے سابقہ پڑا، جو فوج گواٹو میں اتری تھی وہ بھڑوں کے چھتے میں پہنچ گئی۔ جاپانیوں نے غاروں میں بیٹھ کر شدید جنگ کی اور ایک ایک آدمی مارا گیا۔ گادل کینال میں کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ ملاحوں نے نامکمل ہوائی اڈے پر قبضہ کر کے اس کا نام ہینڈرسن فیلڈ رکھ دیا۔

پھر ایک لڑائی شروع ہوئی جو چھ مہینے جاری رہی۔ اس میں خشکی پر بھی خوفناک مقابلہ ہوا اور سمندر میں بھی کم و بیش چھ لڑائیاں ہوئیں۔

گاڈن کینال میں جو جنگ ہوئی وہ بڑی خوفناک تھی۔ یہاں امریکی بحری فوج کو پہلی مرتبہ

جنگلوں کے اندر جنگ کا تجربہ ہوا۔ یہ جنگ بحرالکاہل کے کوڑیوں جزیروں میں لڑی گئی۔ جنگل ایک خوفناک رکاوٹ تھے۔ بڑے بڑے اور بھاری درخت تھے۔ ان کے درمیان پیچ دار بیلیں اس طرح پھیل گئی تھیں کہ ان میں سے گزرنا مشکل تھا۔ زمین نم آلود تھی اور اس میں سے نہایت غلیظ اور مکروہ گیسیں اٹھ رہی تھیں۔

اس گرم اور مرطوب خطے میں بحری فوج آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ قدم قدم پر دلدلیں تھیں۔ ندیوں کو کشتیوں کے ذریعے سے عبور کیا جاتا۔ نگاہیں اور رائفلیں ہر لحظہ چھپے ہوئے جاپانیوں کی طرف رہتیں جو یا تو جھاڑیوں میں بیٹھ جاتے اتاڑ کے درختوں پر چڑھ جاتے۔ پھر لاکھوں حشرات الارض تھے جن میں ملیریا پھیلانے والے مچھر، قسم قسم کے چوہے، بچھو اور اجگر بھی شامل تھے۔

اگست اور ستمبر 1942ء میں سترہ ہزار بحری فوج ساتھ میل لمبے اور چار میل چوڑے علاقے پر قابض رہی۔ اس کے لیے فضائی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا اور جاپانیوں کی طرف سے حملے ہوتے رہتے تھے۔ انھیں حکم دے دیا گیا تھا کہ جگہ نہ چھوڑیں، خصوصاً ہوائی اڈہ قبضے میں رکھیں یہاں تک کہ کمک پہنچ جائے۔ فریقین کی طرف سے فوج اور رسد پہنچتی رہی۔ رفتہ رفتہ بحری فوج نے جزیرے میں پھیلنا شروع کیا اور بری فوج بھی اس کی امداد کر رہی تھی۔ جاپانی مدافعین کو مارا گیا اور جنگلوں میں سے بمشکل راستے پیدا کیے گئے۔

امریکا نے 9 اگست 1942ء کو بحری شکست کھائی تھی۔ آئندہ چند ماہ میں کئی بھاری بحری لڑائیاں گاڈل کینال اور ملحقہ جزیروں کے درمیان ہوئیں۔ امریکی فوجوں کا وظیفہ یہ قرار دیا گیا کہ بوئیں وِل سے گاڈل کینال جو کمک پہنچتی ہے اسے روکیں۔ اکتوبر کے اواخر میں امریکی طیارہ بردار جہازوں کے طیاروں نے دو جاپانی تباہ کن جہاز ڈبو دیے۔ 13 اور 14 نومبر 1942ء کی شب کو جزائر سالومن کی پانچویں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ امیر البحر کنگ نے جو امریکی بحری کارروائی کا رئیس تھا اسے شدید ترین بحری جنگ قرار دیا۔

ایک امریکی فوج جس میں کم از کم ایک بڑا جنگی جہاز شامل تھا (اتنی بھاری فوج پہلے کبھی

جنگ میں دھکیلی نہیں گئی تھی)۔ گادل کینال سے ذرا دور نمودار ہوئی تاکہ جزیرے میں نئی جاپانی فوج اتاری جا سکے۔ جاپانی بیڑے نے اس فوج کی حفاظت کے لیے حلقہ بنالیا تھا۔ اس کے مقابلے میں امریکی فوج نکلی جس میں آٹھ تباہ کن جہاز، دو بھاری کروزر اور تین ہلکے کروزر شامل تھے اور حملہ کر دیا۔ یہ داؤد اور جالوت کی جنگ تھی۔ احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ امریکی جلد پیچھے ہٹ جاتے۔ اس کے برعکس امریکی بیڑا تین ہزار گز کی قطار میں دشمن کی طرف بڑھا۔ جاپانی حلقے کا ایک حصہ کھل گیا۔ امریکی بیڑا اندر داخل ہو گیا۔ پھر حلقہ پہلی صورت پر آ گیا۔ ایک ہلکا امریکی جنگی جہاز حلقے کے اندر دشمن کے ایک جہاز سے دوسرے جہاز کی طرف جاتا رہا۔ جاپانی حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ایسی حرکت تھی جیسی نیلسن نے ٹریفالگر کی جنگ میں کی تھی (1805ء)۔ دشمن کے جہازوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ ان کے گولے ایک دوسرے کو لگنے لگے۔ گولے اور گولیاں شدت سے برس رہی تھیں اور جہازوں کے پھٹنے سے خوفناک دھماکے پیدا ہو رہے تھے۔

امریکیوں کو حلقے کے اندر صرف نصف گھنٹے تک آتش باری کا موقع ملا اور کام پورا ہو گیا۔ اگر جاپانی بیڑا قطار میں کھڑا رہتا تو اس کی بڑی بڑی توپیں امریکی جہازوں کے پرخچے اڑا دیتیں لیکن جاپانیوں کی بڑی بڑی توپیں ہلکے امریکی جہازوں پر کارگر نہ ہو سکیں اور امریکیوں نے تھوڑے فاصلے سے آگ برسا کر مطلوب نتیجہ پیدا کر لیا۔

چھٹی اور آخری بحری جنگ ٹسافارونگا میں ہوئی (30 نومبر 1942ء)۔ جاپانی فوج محافظ قافلے کے ساتھ پہنچی تاکہ گاڈل کینال کو تقویت پہنچائی جا سکے۔ امریکی قوت نے اسے راستے میں الجھا لیا۔ جاپانیوں کا ایک تباہ کن جہاز اور امریکا کا ایک کروزر غرق ہوئے۔ جاپانی پیچھے ہٹ گئے۔ اس لڑائی میں امریکا کو زیادہ نقصان پہنچا، تاہم جاپانی بیڑے کو بری طرح پسپا گیا۔ گاڈل کینال اور متعلقہ جزیروں کے اندر منظم مزاحمت اوائل فروری 1943ء میں ختم ہو گئی۔ کلیدی جزیروں کے لیے چھ مہینے کی لڑائی بھی اختتام کو پہنچ گئی۔

بعد میں واضح ہو گیا کہ جاپانیوں کو پورا جنگی نقشہ خامیوں سے بھرا ہوا تھا۔ نیوگنی اور گاڈل

کینال ٹوکیو سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھے۔اس وسیع خطِ رسد کے ساتھ جاپانیوں نے دونوں خطوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور اپنی قوت تقسیم کر دی۔اس طرح دونوں میں سے کسی پر بھی قبضہ نہ کر سکے۔یہ شدید غلطی تھی۔امریکیوں نے گاڈل کینال میں ہمت وحوصلہ اور ہنر مندی کا شاندار مظاہرہ کیا۔وہ تعداد میں بہت کم تھے مگر لڑتے رہے۔ان کی کامیابی بحری، فضائی اور بری قوت کے گہرے تعاون پر مبنی تھی۔پرل ہاربر کے وقت سے امریکیوں نے منصوبہ بنالیا تھا کہ جاپانیوں کی بحری اور بری قوت سے سابقہ پڑا تو اسی طرح لڑیں گے۔

22

شمالی افریقہ کی جنگ

(1)

العلمین میں محوریوں کی تباہی

''مصر کا دروازہ ہمارے قبضے میں ہے اور ہم اقدام پر تلے بیٹھے ہیں۔ہم اس قصد سے وہاں نہیں گئے کہ جلد یا بدیر وہاں سے پیچھے پھینک دیے جائیں گے اروِن رومل کے الفاظ تھے جو جنگ العلمین میں کہے گئے اور عوام کو متاثر کرنے کے لیے کہے گئے تھے لیکن رومل (صحرائی لومڑی) دور اندیش حقیقت پسند تھا اور اس کے ذہن میں بہت سے تحفظات موجود تھے۔اطالوی ڈوچے (مسولینی) اور جرمن فیوہرر شبہات سے بالکل پاک تھے۔ان کے نزدیک بہت بڑی فتح قریب تھی اور انھیں شاندار کامیابی کا عملاً یقین ہو چکا تھا۔شمالی افریقہ میں محوریوں کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اتحادی شکستوں کی یادگاریں جا بجا موجود تھیں۔برلن اور رومہ کے ریڈیو سے فتح قریب کے اعلانات زور شور سے کیے جا رہے تھے۔اخباروں نے اس فتح کی تقریب پر پہلے سے افتتاحیے تیار کر لیے تھے۔وہ تمغے بھی مضروب ہو چکے تھے جو افریقی کور (جرمن فوج) اور سارڈینی گرینیڈیروں (اطالوی فوج) کے کارناموں پر تقسیم کیے جانے والے تھے متصرفہ علاقے میں تقسیم

کیے لیے سکے بھی ڈھالے جا چکے تھے۔ مسولینی عظمت وشان کا بھوکا تھا وہ اس موقع پر غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنا مشہور سفید گھوڑا (خنگ) بھی شمالی افریقہ بھیج دیا تھا تا کہ قاہرہ میں فتح کا جلوس نکلے تو اس گھوڑے پر سوار ہو۔ محوریوں کے لیے یہ فیصلہ کن فتح تھی۔ یقین تھا کہ ساتھ ہی اتحادیوں کے انجام کا آغاز ہو جائے گا۔

ہٹلر دو ہزار میل کے فاصلے پر مشرقی پروشیا میں تھا۔ اس کے سامنے بڑے بڑے نقشے پھیلے ہوئے تھے اور وہ خود شمالی افریقہ میں فیصلہ کن جنگ کا انتظام کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے متعلق نجوم کے زائچوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس کے خواب کی تکمیل کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑا منصوبہ تیار کیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ دشمن کو سنسنی کی طرح قبضے میں لے لے۔ منصوبے کی تفصیل یہ تھی کہ ایک لشکر یوکرائن میں سے ہوتا ہوا قفقاز پہنچ جائے دوسرا شمالی افریقہ کے صحرائی علاقے میں سے گزرتا ہوا نہر سویز پر جا ٹھہرے، جسے اتحادیوں کے ہاں رسد کی شہ رگ کا درجہ حاصل تھا۔ ہٹلر کے نزدیک اتحادیوں کے لیے سویز کا چھن جانا لندن کے چھن جانے سے بھی زیادہ مہلک تھا۔ ہٹلر کا دوسرا قدم یہ ہوتا کہ شرقِ اوسط میں تیل کے چشموں پر قبضہ کر لیتا۔ اس طرح روس کا وسیع بازو قبضے میں لے آتا۔ برطانیہ کی ضد ختم ہو جاتی۔ پھر وہ جاپانیوں کے ساتھ مل کر شمالی افریقہ ''بربریوں'' کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا۔

یہ عظیم الشان خواب تھا جو جلد ہی کابوس بن گیا۔ یقیناً العلمین کی جنگ ایک فیصلہ کن جنگ تھی لیکن اس کا انجام اتحادیوں کے حق میں ہوا۔ اتحادیوں کو العلمین میں اس لیے کامیابی ہوئی کہ ان کی بری، بحری اور فضائی قوت میں بہترین اتحاد پیدا ہو چکا تھا۔ رسد کا سلسلہ اعلیٰ پیمانے پر قائم تھا۔ قیادت نہایت شاندار تھی۔ فوج کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ مغرب کے معاشرے کی زندگی کا فیصلہ شمالی افریقہ کے سنسان ریگ زاروں ہی میں ہوا۔

دونوں حریفوں کی صحرائی فوجیں العلمین میں ایک دوسری کے بالمقابل جمی کھڑی تھیں جو سکندریہ سے ساٹھ میل مغرب میں اس خط پر واقع تھا، جو بحیرۂ روم کے کنارے تل العیسیٰ اور چھ سو فٹ بلند اہرام نما پہاڑی قرۃ الحیمات کے درمیان تھا۔ یہ پہاڑی قطارہ کے ناقابل گزر نشیب کے کنارے واقع تھی۔ العلمین شمالی افریقہ کے پورے محاذ میں واحد مقام تھا جہاں کسی فریق کے

بازوؤں پر حملہ نہیں ہوسکتا تھا۔ جو بھی فریق فتح حاصل کرتا اس کے لیے لازم تھا کہ براہ راست دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہو۔ لڑائی کے لیے یہ زمین حد درجہ سخت تھی۔ دور دور تک ریت کا فرش بچھا ہوا تھا۔ بیچ میں جا بجا خشک ٹیلے موجود تھے۔ زمین کی سطح اتنی سخت تھی کہ اس میں چھوٹے چھوٹے مورچے بنانا بالکل ممکن نہ تھا۔ دونوں فریقوں کی فوجوں نے مجبور ہو کر جا بجا پتھر کی دیواریں تعمیر کر لیں تاکہ دفاع کا کام دے سکیں۔

آئندہ جنگ کے لیے رسد کا مسئلہ حد درجہ اہم تھا۔ جنگی مشینوں کی بھوک اور پیاس ناقابل تسکین تھی۔ برطانیہ کی آٹھویں فوج کے صرف ایک بکتر بند ڈویژن کے لیے روزانہ ستر ہزار گیلن پٹرول، ساڑھے تین سو ٹن (نو ہزار آٹھ سو من) گولہ بارود اور پچاس ٹن (چودہ سو من) فالتو پرزے درکار تھے۔ جو بھی فریق اپنے صحرائی جنگجوؤں کو زیادہ سے زیادہ سامان پہنچا سکتا، اسی کا پلہ اس لڑائی میں بھاری رہتا۔

برطانوی فوج سویز سے صرف دو سو میل تھی لیکن اس کے لیے ٹینک، موٹر گاڑیاں، پٹرول، گولہ بارود اور دوسری ضروری چیزیں راس امید کے راستے پورٹ سعید، سویز اور سکندریہ پہنچائی جاتیں۔ سامان جمع کرنے کی رفتار تیز نہ تھی لیکن سلسلہ استقلال سے جاری تھا۔ اکتوبر 1942ء کے اوائل میں اتحادیوں کے اٹھارہ جہازوں کا قافلہ مصر پہنچا۔ اس کے ذریعے سے نئے امریکی شرمن ٹینک ہزاروں ٹرک اور جیپیں، کوڑیوں خاص قسم کی توپیں اور سینکڑوں طیارے آ گئے۔ ساز و سامان کے اعتبار سے اتحادیوں کا پلہ بھاری ہو گیا۔ برطانیہ کو ایک اور اہم برتری حاصل تھی۔ العلمین کے قرب میں تازہ پینے کے جتنے چشمے تھے وہ سب برطانیہ کے قبضے میں تھے۔

جغرافیائی اعتبار سے دیکھا جائے تو محوریوں کو جنگی سامان زیادہ آسانی سے حاصل ہو سکتا تھا لیکن جغرافیائی حیثیت بعض اوقات دھوکہ دے جاتی ہے۔ محوری فوجیں طبرق کی مشرقی جانب تین سو میل پر تھیں لیکن وہاں زیادہ سامان نہیں اتارا جا سکتا تھا۔ جرمن اور اطالوی فوجوں کے لیے اکثر رسد بنغازی میں اترتی تھیں جو العلمین سے چھ سو میل مغرب میں تھا۔ محوریوں کے جو جہاز اٹلی سے بنغازی رسد لاتے تھے ان میں سے تین چوتھائی برطانوی طیاروں یا بحری بیڑے نے غرق کر دیے۔ محوریوں کے لیے پانی کا مسئلہ بھی بڑا نازک تھا۔ چوں کہ انگریزوں نے پیچھے ہٹتے وقت

العلمین کے اردگرد کے اکثر کنوئیں اڑا دیے تھے، ان میں تیل اور نمک ڈال دیا تھا اس لیے جرمنوں اور اطالویوں کو پانی بھی بہت دور سے موٹروں اور ٹرکوں پر لانا پڑتا تھا۔

اشیاء کی بہم رسانی میں جزیرہ مالٹا کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ یہ نہایت بیش قیمت ہوائی اور بحری مرکز تھا جس پر انگریز بڑے استقلال سے قابض رہے۔ ہٹلر کا خیال تھا کہ وہ اپنی فوجوں کے لیے کریٹ کے راستے ضروری سامان پہنچاتا رہے گا اور مالٹا کو طیاروں کی بمباری سے بے دست و پا رکھے گا۔ یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ برطانیہ کے جو جنگی جہاز مالٹا میں تھے انھوں نے بحیرۂ روم میں محوری خطوط رسد میں شدید بربادی پھیلا دی اور رومل کو اتنا موقع نہ دیا کہ فیصلہ کن لڑائی کے لیے ضروری سامان جمع کر لے۔ علاوہ بریں برطانوی فضائی فوج کو غلبہ حاصل تھا اور دشمن کے قافلہ ہائے رسد پر برابر حملے کرتے رہے خواہ وہ سمندر کے راستے آتے تھے یا خشکی کے راستے۔ اس وجہ سے بری فوجوں کی حالت مشوش رہی۔ ہٹلر بیش از بیش طیاروں سے روسی محاذ پر کام لے رہا تھا اور افریقی فوجوں کے لیے وہ فضائی حفاظت کا مناسب انتظام نہ کر سکا حالاں کہ اس کی اشد ضرورت تھی۔

اگست 1942ء میں چرچل ماسکو میں سٹالین سے پہلی ملاقات کے بعد واپس ہوا تو قاہرہ میں بھی ٹھہرا تا کہ شمالی افریقہ اور شرق اوسط کے حالات کا جائزہ لے لے۔ اسی موقع پر اس نے باب مصر تک محوریوں کی پیش قدمی سے پیدا شدہ نازک صورت حالات کے پیش نظر فوج کی کمانداری کا انتظام از سرِ نو کیا۔ اس نے جنرل ہیرلڈ الگزانڈر کو شرق اوسط کی تمام برطانوی افواج کا سالار اعظم بنا دیا۔ آٹھویں فوج کی کمان کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل برنارڈ منٹگمری کو اس غرض سے چن لیا۔ یہ نہایت اہم فیصلہ تھا۔ اب شمالی افریقہ کی آخری جنگ دو ایسے سالار لڑنے والے تھے جنھیں جنگی اعتبار سے غیر معمولی ذکاوت کے حامل سمجھا جاتا تھا۔

منٹگمری خاصا متکبر، اتھاہ اور دوسروں کا نقطہ چین تھا۔ بالا دستوں، زیردستوں دونوں سے گستاخانہ پیش آتا۔ جنرل کے عہدے سے پیشتر ایک بالا دست افسر نے اس کی صلاحیت کے متعلق رپورٹ بھیجتے ہوئے لکھا:

"منٹگمری کو فوج میں بہت اعلیٰ عہدہ ملنا چاہیے...... لیکن اس کے لیے بھی ضروری

ہے کہ اپنے اندر سلیقہ، رواداری اور تدبر پیدا کرے۔"

یہ رائے بالکل درست تھی۔ کوئی شبہ نہیں کہ وہ بالادستوں کو ناراض کر لینے میں خوب مشاق تھا مگر ساتھ ہی رومل کی طرح زیرکمان فوجیوں میں وفاداری کا احساس پیدا کرنے کی بھی اس میں غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ اپنے معمولی سے معمولی ساتھیوں کے نزدیک بھی ہمیشہ مونٹی رہا اور اپنی دو بلوں والی ٹوپی سے فوراً پہچانا جاتا تھا۔

یقیناً منٹگمری کے ساتھ نباہ آسان نہ تھا لیکن وہ ان نہایت قابل افسروں میں سے ایک تھا جو برطانیہ نے دوسری عالمی جنگوں میں پیش کیے۔ وہ قواعد کا زیادہ خیال نہیں رکھتا تھا مگر فنونِ جنگ کی مہارت میں اسے بہت اونچا درجہ حاصل تھا اور میکانکی جنگ کے مسائل و نوعیت کے متعلق اسے حیرت انگیز معمولات حاصل تھیں۔

العلمین میں منٹگمری کا مقابلہ فیلڈ مارشل اروِن رومل سے تھا جس نے صحرائی جنگ میں کمالات دکھا کر اپنے لیے "صحرائی لومڑی" کا لقب حاصل کر لیا تھا۔ رومل پہلی عالمی جنگ میں لیفٹیننٹ رہ چکا تھا پھر رفتہ رفتہ اونچے درجے کے افسروں میں شامل ہو گیا۔ وہ بڑا سرگرم اور ان تھک تھا۔ جنگ کے فنی مسائل میں اسے پوری مہارت حاصل تھی۔ وہ تیز فوجی فکر اور وجدانی بصیرت کا حامل تھا۔ پہلے سے شاذ ہی کوئی منصوبہ تیار کرتا، مگر میدان جنگ میں پہنچ کر بیک نظر معلوم کر لیتا کہ کیا کرنا چاہیے اور فوری تدبیریں اختیار کر کے اپنے آپ کو حالات کے مطابق بنا لیتا۔ وہ صاف دل، صاف گو، فراخ قلب آدمی تھا اور آدمیوں سے کام لینے کا مقناطیسی فن اسے آتا تھا۔ فوج اس کا بڑا احترام کرتی تھی۔ عموماً کہا جاتا، محاذ وہیں ہے، جہاں رومل ہے۔ قدیم پروشیائی فوجی گروہ کے نزدیک وہ "نو دولت" تھا۔ ہٹلر کو اپنے اس سالار کی ہر دلعزیزی پر حسد تھا، تاہم جنگ میں ایسے آدمی کی قیادت سے محرومی گوارا نہیں کی جا سکتی تھی۔

رومل کا احترام دشمن بھی کرتے تھے۔ چرچل نے لکھا:

"پوری افریقی مہم میں رومل متحرک فوجوں کی کمانداری میں ماہر ثابت ہوا، خصوصاً ایک کارروائی کے بعد وہ تیزی سے اپنی فوج کو نئے پیمانے پر ترتیب دے لیتا اور کامیابی سے فائدہ اٹھانے میں اس نے کبھی تامل نہ کیا۔ وہ ایک شاندار فوجی قمار

باز تھا۔ مسائل رسد پر حاوی اور مخالفت سے لاپرواہ تھا۔ ابتدا میں جرمنی کے اعلیٰ کمانداروں نے اسے آزاد چھوڑ دیا اور اس کی کامیابیوں پر بے حد حیران ہوئے۔ چاہتے تھے کہ اسے روک لیں۔ اس کی گرمجوشی اور تہور کے باعث ہمیں سخت نقصان اٹھانے پڑے...... وہ بہت بڑا سالار تھا۔ ہمارے نزدیک بھی احترام کا مستحق ہے، کیوں کہ وفادار سپاہی ہونے کے باوصف وہ بھی ہٹلر اور اس کے کاموں سے متنفر ہو گیا تھا......"

العلمین کی جنگ کے لیے رومل نے جو نقشہ تیار کیا تھا وہ اصلاً جارحانہ اقدام پر مبنی تھا ساتھ ہی دفاع کی احتیاط بھی کر لی گئی تھی۔ اس نے جا بجا خاردار تاروں کے پھندے بنا لیے تھے اور دفاع کی غرض سے خاص مقامات پر سرنگیں بچھا دی تھیں۔ سرنگیں ایسے انداز میں بچھائی تھیں، جیسے سیڑھی کے مختلف ڈنڈے ہوں۔ رومل نے ان ڈنڈوں کا نام "شیطان کے باغ" رکھا تھا اور ایسا انتظام کر دیا تھا کہ حملہ آور وہاں پہنچیں تو ہر طرف سے ان پر ہلاکت خیز آتش باری شروع ہو جائے لیکن رومل کے نزدیک اس دفاعی تدبر سے صرف خاص ضرورت کیوقت کام لیا جاتا تھا۔ وہ خود تیز جارحانہ چالوں کے لیے خاص شہرت کا حامل تھا اور محض دفاعی جنگ اس کے خیال میں بھی نہ تھی۔ اگر ایک ہزار گیلن پٹرول اس کے پاس ہوتا تو وہ لڑائی شروع کر دیتا۔ اس کی فوج یقیناً تھک گئی تھی مگر اس کا حوصلہ برقرار تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ دشمن کو غیر متوازن رکھتا پھر اچانک حملہ کر دیتا۔ یہاں بھی وہ العلمین پر اچانک حملہ کر کے تیزی کے ساتھ نہر سویز پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

منٹگمری نے بھی بڑی احتیاط سے نقشہ تیار کیا تھا لیکن وہ حرکت سے پیشتر ضروری سمجھتا تھا کہ ساز و سامان میں اسے واضح برتری حاصل ہو جائے۔ اس رجحان نے آگے چل کر بلجیم میں آگے بڑھے ہوئے حصے کی جنگ کے متعلق اسے نکتہ چینی کا ہدف بنا دیا۔ منٹگمری نے بعد میں کہا:

"رومل جو چاہتا، کرتا۔ میرا ارادہ یہ نہیں تھا کہ تیاری کے بغیر حملہ کروں۔ جب تیاری مکمل ہو جائے گی تو میں رومل پر ایسی ضرب لگاؤں گا...... کہ وہ افریقہ سے باہر نکل جائے۔"

آٹھویں فوج کی کمانداری سنبھالتے ہی منٹگمری نے سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ اس نے

رات بھر میں پوری فوج کی تنظیم بدل ڈالی۔ جو افسر اس کے نزدیک اہل نہ تھے، خواہ وہ جرنیل تھے یا لیفٹیننٹ انھیں چن کر الگ کر دیا۔ اس نے پورے محاذ کا دورہ کیا۔ فوراً تغیرات کے فیصلے کر دیے۔ اپنے آدمیوں سے بات چیت کی اور ان سب میں انتہائی اعتماد کی روح پھونک دی۔ چند روز کے اندر اندر العلمین کے ہر اتحادی سپاہی کو آگاہی ہوگئی کہ شمالی افریقہ کی صحرائی جنگ میں کوئی نیا دور آگیا ہے اور ایسا قائد مل گیا ہے جو افسانوی ''صحرائی لومڑی'' کی قابلیت و صلاحیت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

منٹگمری نے وہ تمام احکام منسوخ کر دیے جو آٹھویں فوج کو مصر سے گزرتے ہوئے شرق اوسط میں پہنچا دینے کے لیے تیار کر لیے گئے تھے۔ اس نے حکم دے دیا کہ آئندہ فوج کا کوئی حصہ دشمن کے محاذ میں خامیاں معلوم کرنے کے لیے نہیں بھیجا جائے گا بلکہ اتحادیوں کی پوری قوت زیادہ سے زیادہ تعداد میں متحدہ طریق پر استعمال ہوگی۔

اب ''صحرائی لومڑی'' کو چکما دینے کی تدبیریں شروع ہوگئیں۔ منٹگمری نے ایسے کئی سلسلے قائم کر لیے جن سے رومل پر ظاہر ہوا کہ اتحادی فلاں طرف حملہ کرنے والے ہیں حالاں کہ اصل مقصود یہ تھا کہ حملہ دوسری طرف کیا جائے۔ بڑا حملہ شمالی جانب ہونے والا تھا لیکن منٹگمری نے رومل کو اپنی سرگرمی کی حد تک یقین دلا دیا کہ بڑا حملہ جنوبی سمت میں ہوگا۔ العلمین کے شمالی حصے میں اخفا کی ہر ممکن تدبیر اختیار کر لی گئی۔ یہاں منٹگمری نے اپنے سینکڑوں بہترین شرمن ٹینکوں پر ایسے بکل بوٹے بنا دیے جن سے ان کی اصل صورت چھپ جائے اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بھاری توپیں جمع کر دیں۔ اس نے حکم دے دیا کہ ٹینکوں کے نشان احتیاط سے چھپا دیے جائیں اور فوجیوں کو تاکید کر دی کہ کوئی سرگرمی ظاہر نہ ہونے پائے۔ اسی تدبیر میں اس کی قوت کا راز تھا۔

جنوبی سمت میں بڑے بڑے انبار مہیا کر لیے گئے جن سے ناظر پر واضح ہو کہ پٹرول جمع کیا جا رہا ہے حالاں کہ وہ انبار مصنوعی تھے اور مقصد یہ تھا کہ دشمن کو دھوکہ دیا جائے۔ اسی طرح سینکڑوں مصنوعی ٹینک اور مصنوعی طیارے دور دور تک پھیلا دیے گئے۔ معلوم ہو رہا تھا کہ ہزاروں آدمی رسد اتارنے میں مصروف ہیں۔ ٹینکوں کے راستے مٹا رہے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑے جا رہے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر فوج نہایت خوش تھی اور اسے خفیہ صلاحیتوں کے نئے

وسائل معلوم ہو گئے تھے۔ غرض جنگی نمائش کا انتظام ایک ماہر ناظم نے اعلیٰ پیمانے پر کر دیا۔ یہ فریب کامیاب ہوا۔ جرمنی کے جو طیارے دیکھ بھال میں مصروف تھے انھوں نے سمجھ لیا کہ جنوبی جانب زیادہ ہنگامہ بپا ہے۔ ادھر گرد و غبار اس طرح اڑ رہا ہے جیسا حملے سے پیشتر اڑتا ہے چنانچہ انھوں نے رومل کو یہ خبر پہنچا دی کہ جنوبی سمت میں دشمن کا بھاری اجتماع ہو رہا ہے۔ اگست 1942ء کے آخری دن فیلڈ مارشل کیسلرنگ اور مارشل کیوبلیرو نے یقین دلا دیا کہ چھ ہزار ٹن پٹرول آ رہا ہے (یہ پٹرول کبھی منزل مقصود پر نہ پہنچا)۔ اس پر رومل نے حملہ کر دیا۔ اس نے شمالی اور وسطی سمت میں جھوٹ موٹ پیش قدمی کا مظاہرہ کیا اور بہم پہنچائی ہوئی خبروں کی بنا پر اسے یہی یقین رہا کہ دشمن نے جنوبی سمت میں زیادہ فوج فراہم کر لی ہے۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ قطارہ کے نشیب کے ساتھ ساتھ گزرتے ہوئے دشمن کو شکست دے دے۔ پھر شمال کا رخ کر کے ساحلی شاہرہ پر پہنچ جائے اور وہاں سے سیدھا سویز جا کر دم لے۔

اتحادی جنگجوؤں نے جن میں مشہور ساتواں بکتر بند ڈویژن بھی شامل تھا جوابی ضرب لگائی۔ برطانوی طیاروں نے بڑی بڑی قطاروں میں پرواز کر کے رومل کے خطوط پر قیامت برپا کر دی۔ محوری ٹینک علم الحلفا کی جنوبی سمت سے بڑھتے ہوئے سیدھے منٹگمری کے پھندے میں پہنچ گئے۔ پُر کار انگریز سالار نے ایسے نقشے کسی نہ کسی طرح رومل تک پہنچا دیے تھے جن سے واضح ہوتا تھا کہ علم الحلفا کے آس پاس کی زمین ٹینکوں کے استعمال کے لیے بڑی موزوں ہے۔ رومل کے میکانیکی دیو وہاں پہنچے تو بری طرح نرم ریت میں دھنس گئے۔ آخر رومل پکڑا گیا۔ چوں کہ وہ اچانک حملے میں ناکام رہا تھا اس لیے تین روز کے اندر اندر جارحانہ اقدام چھوڑ کر اپنے پہلے مقام پر واپس چلا گیا۔ اس اثنا میں ہٹلر کی طرف سے احکام پہنچ گئے کہ رومل جرمنی واپس آ جائے تا کہ اسے کوہستان سیمرنگ کے ایک سینے ٹوریم میں داخل کر دیا جائے جہاں اس کا علاج ہو سکے۔ یہ علاج مدت سے ملتوی ہو رہا تھا۔ رومل کی غیر حاضری میں جنرل فان سٹم کو فوجوں کی کمان کے لیے بھیج دیا گیا۔

منٹگمری بڑے ضبط و صبر کے ساتھ تقریباً سات ہفتے انتظار کرتا رہا۔ اس اثنا میں اس نے احتیاط سے پیچ کسنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ 23 اکتوبر 1942ء کو منٹگمری نے اپنی فوجوں کے سامنے

تقریر کرتے ہوئے کہا:

''جب میں نے آٹھویں فوج کی کمان سنبھالی تھی تو کہہ دیا تھا کہ اصل کام رومل اور اس کی فوج کی تباہی ہے اور ہماری تیاری مکمل ہوتے ہی یہ کام پورا ہوگا۔ اب ہم تیار ہیں۔''

اسی رات نو بج کر چالیس منٹ پر چاند کی روشنی میں جارحانہ اقدام شروع کر دیا۔ لیبیا کی برطانوی مہم میں یہ تیسرا اور آخری اقدام تھا جس پر العلمین کی بڑی جنگ کا آغاز ہوا۔

ایک ہزار بڑی توپوں نے جرمن مورچوں پر آتش باری شروع کر دی۔ توپ خانے یکے بعد دیگرے آگ اگلنے لگے تو افق پر روشنی کی کرنیں نمودار ہونے لگیں۔ پھر ایسے دھماکے شروع ہو گئے جن سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ رومل کی پیادہ فوج کے جو مورچے سب سے آگے تھے وہ تمام کے تمام آگ، گرد اور دھوئیں کی لپیٹ میں آ گئے۔ چار گھنٹے بعد توپیں روک دی گئیں۔ چند منٹ تک عجیب وغریب سکوت طاری رہا جو توپوں کی خوفناک آواز کے بعد ہراس انگیز معلوم ہوتا تھا۔ پھر اچانک صحرا میں ایک غیر ارضی شور بپا ہو گیا۔ ابتدا میں مدہم تھا لیکن جلد بہت بڑھ گیا۔ یہ حملہ آور پیادہ سپاہیوں کے نعرے تھے جو ہزاری جنگی میدانوں میں سنے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد برطانیہ کے ہلکے اسلحہ والے دستوں نے وسیع پیمانے پر ابتدائی حملہ شروع کر دیا۔ صبح ہونے تک محوری صفوں میں دو وسیع گزرگاہیں پیدا کر لی گئی تھیں اور انھیں سرنگوں سے صاف کر لیا گیا تھا۔ اب منٹگمری نے اپنے ڈویژنوں کو اجتماعی حملوں کا حکم دے دیا۔ ان میں بکتر بند دستے، بکتر بند بریگیڈ اور ٹینکوں کی خاصی تعداد شامل تھی، لیکن اتنی تعداد میں فوج کے حصے محفوظ رکھے کہ آگے چل کر ضرورت کے وقت کام میں لائے جائیں۔ جرمنوں کے پاس دوسو ستر ٹینک تھے اطالویوں کے پاس تین سو فرسودہ ٹینک۔ ان کے مقابلے میں منٹگمری کی قوت بہت زیادہ تھی۔ حملہ آوروں میں دولت مشترکہ کی آزمودہ فوجیں شامل تھیں مثلاً برطانیہ، سکاٹ لینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی فوجیں۔ لڑائی بڑی سخت تھی لیکن رفتہ رفتہ اتحادیوں نے کامیابی حاصل کی۔ رومل کا جانشین سٹم حرکت قلب بند ہونے سے میدان جنگ ہی میں فوت ہو گیا۔

اس خوفناک حادثے کا پیغام ہٹلر کو بھیڑیے کے بھٹ میں پہنچایا گیا۔ساتھ ہی التجا کی گئی کہ پٹرول اور رسد بھیجی جائے۔24 اکتوبر 1942ء کو فیوہرر نے فون کے ذریعے سے رومل کے ساتھ سیمنے ٹوریم میں بات چیت کی اور پوچھا کہ آیا العلمین کی کمان از سرِ نو سنبھال سکتے ہو؟ رومل بدستور بیمار تھا لیکن اس نے حامی بھر لی اور کریٹ کے راستے 25 اکتوبر کی شام کو اپنے مستقر پر پہنچ گیا۔اب تلافی کا وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔برطانوی توپ خانہ پورے محاذ پر آگ برسا رہا تھا۔صحرا جلے ہوئے محوری ٹینکوں کے ڈھانچوں سے لبریز نظر آتا تھا۔ایک ایک گھنٹے کے وقفے سے برطانوی طیارے محوری ٹینکوں پر بم گراتے، جو پہلے ہی پٹرول کی کمی کے باعث معطل ہو چکے تھے۔اطالوی طیاروں کی پرواز بڑی سست تھی۔برطانوی جنگی طیارے تیز رفتاری سے جھپٹتے اور اپنے بم محوری فوجوں پر گرا دیتے۔جرمنوں نے نقل و حمل کے تمام وسائل پر قبضہ کر لیا تھا۔اطالویوں کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔

31 اکتوبر 1942ء کو رومل نے جوابی حملہ کیا لیکن بے سود۔اس نے یہ غلطی کی کہ اپنے محفوظ دستوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بھیجتا رہا۔منٹگمری محدود محاذ پر زیادہ سے زیادہ فوج جمع کر کے کاری ضربیں لگاتا تھا۔

3 نومبر 1942ء کو اتحادیوں کی طرف سے ایک بہت بڑی حرکت کا اعلان ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو نرغے میں لے لیا جائے۔یہ اس منصوبے کا آغاز تھا جو ''مشعل'' کے نام سے مشہور ہوا جو فوجیں فرانسیسی شمالی افریقہ کے سواحل پر اتاری گئیں یہ ان کی طرف اشارہ تھا اور جنرل آئزن ہاور ان کا کمانڈار تھا۔اب رومل کے آگے اور پیچھے دونوں طرف آگ ہی آگ تھی۔ہٹلر کے لیے یہ کامل اور ناقابل تلافی تباہی تھی۔مصر کا خواب پریشان ہو کر رہ گیا۔آخر اس کی پوری فوج، رسد کے ذخیرے، گولے بارود کے انبار اور بھاری سامان غرض سب کچھ شمالی افریقہ ہی میں رہ گیا۔اتحادیوں کے لیے یہ بہت بڑی فتح تھی۔عین اسی موقع پر سٹالین گراڈ میں روسیوں اور گاڈل کینال میں امریکیوں نے فتح حاصل کی۔

برطانیہ کے عوام میں مسرت و شادمانی کی لہریں دوڑ گئیں۔العلمین سے چھ ہفتے پیشتر ایک

برطانوی اخبار نے رائیں لی تھیں کہ دنیا میں بہترین جرنیل کون ہے۔ جب بہترین جرنیل ہونے کا سہرا رومل کے سر بندھتا نظر آیا تو ایڈیٹر پریشان ہوئے۔ العلمین کے بعد رائیں لی گئیں تو منٹگمری کامیاب ہوا۔ چرچل نے لکھا:

العلمین کی لڑائی کو دوسری عالمی جنگ میں برطانیہ کی خوش نصیبی کے لیے ایک اہم موڑ کی حیثیت حاصل تھی۔ العلمین تک ہم زندہ رہ سکے۔ العلمین کے بعد ہم نے فتوحات شروع کیں۔ اس وقت سے اس صحرائی لڑائی کا فاتح العلمین والا منٹگمری مشہور ہوا۔

23

شمالی افریقہ کی جنگ

(2)

امریکا کا حملہ شمالی افریقہ پر

روز ویلٹ اور چرچل کے درمیان واشنگٹن میں ملاقات ہوئی (جون 1941) مقصد یہ تھا کہ محوریوں کے خلاف آئندہ اقدام پر غور کیا جائے۔ شگون چنداں حوصلہ افزا نہ تھا۔ امریکا کے ساحلی پانیوں میں جہاز حیرت انگیز تناسب سے غرق ہوئے تھے۔ شمالی افریقہ میں رومل اپنے متحرک ٹینک العلمین کے دروازے پر لیے کھڑا تھا اور وہاں سے گزرتا ہوا نہر سویز پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مارشل سٹالین کو ابھی تک اتحادیوں کے متعلق شکوک تھے اور وہ زور شور سے چیخ رہا تھا کہ دوسرا محاذ قائم کیا جائے۔ برطانیہ پر بزدلی کا الزام لگا رہا تھا۔ ساتھ ہی انتباہ کر رہا تھا کہ اگر اس کی فوجوں کے اوپر سے دباؤ اٹھایا نہ گیا تو وہ زیادہ دیر تک جنگ میں رہ نہ سکے گا۔

واشنگٹن میں بالائی طبقے نے ایک فیصلہ کر دیا کہ رود بار انگلستان کو عبور کرتے ہوئے ہٹلر کے یورپی حصار پر مجوزہ زبردست حملہ بہر حال 1943ء کے گرما تک معلق رکھنا ضروری ہے۔ اگر ستمبر 1942ء تک یہ اندازہ ہوا کہ روس شکست کے قریب پہنچ چکا ہے تو محدود پیمانے پر حملہ کیا جائے گا۔ سٹالین کو بہر کیف انتظار کرنا چاہیے کیوں کہ بڑا حملہ اتنا سامان فراہم کیے بغیر شروع

نہیں ہو سکتا تھا کہ دوبارہ ڈنکرک کی سی پسپائی سے سابقہ نہ پڑے۔

روز ویلٹ اور چرچل دونوں نے اتفاق کر لیا کہ یورپ ہی کا محاذ فیصلہ کن ہے۔ چرچل نے پھر یہ تجویز پیش کی کہ یورپ کے "نچلے نرم حصے" سے حملہ مناسب ہے (یعنی جنوب سے)۔ روز ویلٹ نے جنوری 1942ء میں تجویز پیش کی تھی کہ امریکا کا سابلانکا (شمالی افریقہ) پر حملہ کرے۔ یہ تجویز از سرِ نو پیش کی گئی۔ روز ویلٹ کی رائے یہ تھی کہ رومل کی دم بھی پکڑنی چاہیے (یعنی عقب میں اس پر حملہ کرنا چاہیے۔ چرچل نے اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ فیصلہ ہو گیا کہ 30 اکتوبر 1942ء سے پہلے پہلے شمالی و مغربی افریقہ پر بیک وقت برطانیہ اور امریکا کا حملہ ہونا چاہیے۔ اس کے مقاصد یہ تھے:

1- اس طرح رومل شمالی افریقہ کے اندر آٹھویں برطانوی فوج اور مغرب کی طرف سے حملہ آور فوج کے درمیان گھر جائے گا۔

2- جنوبی یورپ کے خلاف حملے کے لیے ایک نہایت عمدہ مرکز مہیا ہو جائے گا۔

3- اس طرح محوریوں کے خلاف ناکہ بندی شدید تر ہو جائے گی۔ مغربی طاقتوں اور روس کے درمیان اتحاد مستحکم تر ہو جائے گا۔

4- اس طرح مزید ایسے مرکز مل جائیں گے جن کے ذریعے سے بحیرۂ روم اور جنوبی اوقیانوس کے بحری راستوں کو محفوظ تر بنایا جا سکے۔

5- اس طرح ان تمام اقدامات کا سدباب ہو جائے گا جو جرمنوں اور اطالویوں کی طرف سے شمالی افریقہ پر حملے کے لیے سوچے جا رہے تھے۔

جب سٹالین کو یہ تجویز بتائی گئی تو اس نے پرجوش خیر مقدم کیا لیکن اصولاً وہ انگریزوں کی طنزیہ مذمت کرتا رہا اور کہتا رہا کہ وہ جرمنوں سے لڑنے میں متامل ہے مگر وہ خوش تھا کہ روسی فوجوں پر دباؤ میں تخفیف کے لیے ایک قطعی تجویز طے کر لی گئی۔ اس زبردست منصوبے کی تفصیلات امریکا و برطانیہ کے جنگی ماہروں نے لندن میں تیار کیں اور امریکی جرنیل ڈوائٹ آئزن ہاور کو اعلیٰ کماندار بنایا گیا۔ جنگ شروع ہونے کے وقت آئزن ہاور خود وطن میں بھی اس قدر غیر معروف تھا کہ اس کی تصویر ایک اخبار میں شائع ہوئی تو نام غلط لکھا گیا۔

اس حملے کے لیے برطانیہ اور امریکا میں فوراً تیاریاں شروع ہوگئیں۔ فوجوں کو صحرائی اور پہاڑی جنگ کی پیچیدگیوں کے بارے میں تربیت دے دی گئی اور دونوں ملکوں کے صنعتی کارخانے ساز و سامان اور رسد کے انبار تیار کرنے لگے۔ اس حملے کی فوجی منصوبہ بندی کے ہر حصے کو حد درجہ پُر پیچ سیاسی حالت میں اشتراک سے پورا کرنا تھا۔ انگریز اور امریکی لیڈروں نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ فرانسیسیوں کے نازک احساسات پیش نظر رکھتے ہوئے پوری کارروائی کو بڑی حد تک امریکی ظاہر کیا جائے۔ شمالی افریقہ میں فرانس کے جو فوجی اور سول افسر موجود تھے۔ ان کے ذاتی افکار جرمنوں کے متعلق خواہ کچھ ہوتے لیکن وہ مارشل پیتاں مگر وشی حکومت کی اطاعت کا حلف اٹھا چکے تھے۔ اگر امریکی بڑی تعداد میں وہاں پہنچتے تو یہ فرانسیسی اپنی حکومت اور نازی آقاؤں کے سامنے عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہمارے لیے زبردست قوت اور بہت بڑی تعداد کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔

امریکی نقطہ نگاہ سے یہ حملہ افسوس ناک تھا لیکن حد درجہ ناگزیر ہوگیا۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جمہوریہ امریکا نے ایسا منصوبہ سوچا جو مفروضہ غیر جانبدار ملک کے خلاف بلا اشتعال حملے کی حیثیت رکھتا تھا مگر وشی حکومت ہٹلر سے تعاون کیے بیٹھی تھی اور ایک ہمہ گیر جنگ میں محوریوں کی پٹھو بن گئی تھی۔ اسے غیر جانبداری کے پردے میں تحفظ کی امید نہیں رکھنی چاہیے تھے۔ راستہ ہموار کرنے کے لیے خفیہ سیاسی گفت و شنید ضروری تھی۔ رابرٹ مرفی شمالی افریقہ میں حکومت امریکا کی طرف سے بڑا افسر تھا۔ 1940ء سے وہی وشی میں سفارت کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس کے ذمے یہ کام لگا دیا گیا کہ شمالی افریقہ کے آزاد فرانسیسیوں کی حمایت حاصل کرے۔ مرفی کی طرف سے واشنگٹن اور لندن کے مشترکہ منصوبہ بندوں کے پاس فوجی اور غیر مصافی لوگوں کے مزاج کے بارے میں قیمتی رودادیں پہنچیں۔ ان افسروں کے نام معلوم ہوگئے جن کی ہمدردیاں اتحادیوں کے ساتھ تھیں نیز شمالی افریقہ میں فرانس کی فوجی اور بحری قوت کی تفصیلات کا علم ہوگیا۔

یہ بڑی قیمتی معلومات تھیں لیکن آئزن ہاور نے آگے چل کر بتایا کہ ایک معاملے کے متعلق مرفی کا اندازہ غلط تھا۔ مرفی کو دو ذمہ دار فرانسیسی سالاروں نے یقین دلا دیا تھا کہ شمالی افریقہ کے تمام فرانسیسی ہر اس قائد کے جھنڈے تلے جمع ہو جانے پر آمادہ ہیں جو ان کی آرزوئے آزادی کا

نشان بن سکے۔ اس غرض سے انھوں نے جنرل جیراکا نام تجویز کیا جو پہلی عالمی جنگ میں جرمنوں کی قید سے بچ نکلا تھا اور 1942ء کے اوائل میں اس نے یہ کارنامہ دہرایا تھا۔ اس شانِ عمل اور فرانسیسی فوج میں عہدے کی برتری کے اعتبار سے اسے ایک مثالی شخصیت سمجھ لیا جس کے گرد شمالی افریقہ کے فرانسیسی جمع ہو کر اتحادیوں کے معاون بن سکتے تھے۔ آگے چل کر واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ مشورہ غلط فہمی پر مبنی تھا۔

حملے کے متعلق فرانسیسیوں کے اغلب تاثرات کا اندازہ کرنے کے لیے ایک امریکی فوجی وفد بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ جنرل ماسٹ اور الجزائر کے دوسرے فرانسیسیوں سے ربط ضبط پیدا کرے۔ میجر جنرل کلارک اور چند اور آدمی ہوائی جہاز، برطانوی آبدوز، نیز ایک چھوٹی سی کشتی میں ساحل الجزائر پر بھیج دیے گئے تھے یہ لوگ مقررہ مقام پر پہنچ گئے لیکن جب مقامی پولیس کو شبہات پیدا ہوئے تو فرانس کی طرف سے گفت و شنید کرنے والے یکا یک واپس جانے پر مجبور ہوئے۔ جنرل کلارک اور اس کے چند ساتھی خوش نصیب تھے کہ بچ کر نکل آئے۔

جنرل ڈیگال کو جو آزاد فرانسیسیوں کا قائد تھا بالاہتمام اس منصوبے سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ شمالی افریقہ کی غیر مصافی فرانسیسی آبادی میں ڈیگال کے لیے خاصی ہمدردی تھی مگر فوجی افسر اسے بھگوڑا قرار دیتے تھے جس نے حلف اٹھا کر بدعہدی کی۔ اگر وہ اسے واجبات سے آزاد تسلیم کر لیتے تو ظاہر تھا کہ وہ خود بزدل ثابت ہوتے۔ اتحادیوں کے نقطہ نگاہ سے ڈیگال کی امداد مزید پیچیدگیوں کا باعث ہو سکتی تھی نیز ڈیگال کے حامی ڈکر کے ناکام اقدام میں حصہ لے چکے تھے۔ وہ اتحادی قوت ساتھ لے کر گئے لیکن فرانسیسیوں نے ایسی شدت سے مزاحمت کی کہ اتحادیوں کو افراتفری میں واپس ہونا پڑا۔ برطانوی محکمہ اطلاعات اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ مزاحمت خود ڈیگال کے مرکز لندن سے بھیجی ہوئی اطلاع کا کرشمہ تھی۔

24 اکتوبر 1942ء کو منٹگمری العلمین میں محوریوں کی صفیں توڑ رہا تھا۔ ایک بہت بڑا قافلہ میجر جنرل پٹن جونیئر اور نائب امیر البحر ہیوٹ کے زیر کمان امریکا سے روانہ ہوا۔ 25 اکتوبر کو برطانیہ اور امریکا کی دو بڑی فوجیں برطانوی بندرگاہوں سے چلیں۔ ان کی منزل مقصود شمالی افریقہ تھی۔ 8 نومبر 1942ء کو تین بجے صبح (پرل ہاربر سے گیارہ مہینے بعد) پانچ سو جنگی جہازوں،

ساڑھے تین سو فوج بردار اور بار بردار جہازوں کا ایک بڑا بیڑا شمالی افریقہ سے ساحل کی طرف بڑھا۔ جبل طارق سے طیارے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ کاسابلانکا (مراکش)، دہران اور الجزائر میں فوجیں اترنے لگیں۔ الجزائر شمالی افریقہ میں فرانس کی فوجی، سیاسی اور اقتصادی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور ان تین بڑے مقامات میں سے انتہائی مشرقی مقام تھا جو پہلے دن حوالے ہوئے اور جن پر اتحادی سب سے پہلے قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ یہاں مشرقی ہوائی اور بری فوج جو جنرل رائیڈر کے زیر کمان تھی چونتیسویں امریکی ڈویژن جسے شمالی آئرلینڈ میں ٹھہرایا گیا تھا نویں امریکی ڈویژن کا ایک رجمنٹ اور رینجر بٹالین پر مشتمل تھی۔ دہران الجزائر سے ایک سو تیس میل مغرب میں تھا۔ وہاں سخت مزاحمت سے سابقہ پڑا۔ وہاں بھی امریکی فوج کا بڑا حصہ جنرل فریڈینال کے زیر کمان تھی۔ دو روز میں حملہ آور فوج دہران پر قابض ہوگئی اور ساتھ ہی مرسا الکبیر کا اہم بحری مرکز لے لیا۔

مراکش کے اوقیانوسی ساحل پر کاسابلانکا میں اترنا سب سے بڑھ کر مشکل ثابت ہوا۔ کاسابلانکا ایک طویل اور اوقیانوسی ریلوے کا آخری سٹیشن تھا جو کوہستان اٹلس کے دامن میں مشرقی جانب دہران، الجزائر اور تیونس جاتی تھی۔ یہ شمالی افریقہ کی تمام بری فوج کے لیے سلسلہ رسد قائم کرنے کی غرض سے ضروری تھا جو فرانسیسی کاسابلانکا میں تھے وہ ساحلی توپوں سے حملہ آور کشتیوں پر آتش باری کرتے رہے فرانس کے ایک جنگی جہاز جین بارٹ کو غیر متحرک کر کے وہاں بند کر دیا گیا۔ س نے پندرہ انچ کے گولے ساحل سے اتحادی بیڑے پر برسانے شروع کیے۔ آخر غوطہ خور طیاروں نے بم برسا کر اس کی توپیں بیکار کر دیں۔ حملہ آوروں نے شہر کے شرق و غرب میں ٹینک بھیجے تاکہ محاصرہ شروع کر دیا جائے لیکن 11 نومبر 1942ء کو مزاحمت ختم ہوگئی۔ یہ بڑی حوصلہ مندانہ بازی تھی جس نے دشمن کو اچانک جا لیا اور جنگی نقطہ نگاہ سے اس میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ تین ہفتوں کے اندر اندر ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی، بیس ہزار گاڑیاں اور دو لاکھ ٹن رسد بحفاظت کاسابلانکا، وہران اور الجزائر پہنچا دی گئیں۔ مزید بہم رسانی جاری رہی۔

یہ اعلیٰ درجے کی کامیابی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ سیاسی حالت کا کیا بنے جو حد درجہ پریشان

کن تھی۔ اتحادیوں کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ فرینکو کے ہسپانیہ سے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا جیسا کہ امید تھی۔ مارشل پیتاں نے فوراً مزاحمت کا حکم دے دیا اور جمہوریۂ امریکا سے تعلقات توڑ لیے۔ شمالی افریقہ کے حلقے میں فرانسیسیوں کی روش بہت زیادہ اہم تھی۔ ان میں سے اکثر لوگ سقوط فرانس (1940ء) کے وقت سے اپنی وفاداری کے متعلق گومگو میں مبتلا تھے۔ اتحادیوں سے سلوک کے بارے میں رائیں مختلف ہوگئیں۔ بعض نے حملہ آوروں کا خیر مقدم کیا۔ دوسروں نے مخالفت پر اصرار جاری رکھا۔ مقامی ناظم، کاروباری آدمی اور مالکان اراضی، تقریباً سب کے سب وشی کے حامی تھے۔ وہ فوجیں اتارنے کا ماتم کر رہے تھے لیکن جب حملہ کامیاب ثابت ہوا تو وہ جلد سے جلد اتحادیوں کے طرفدار بن گئے۔

شمالی افریقہ کا پندرہ سو میل لمبا علاقہ اتحادیوں کے قبضے میں آچکا تھا اور بڑے کارنامے کے سرانجام میں آٹھ سو ساٹھ آدمی مارے گئے یا لاپتہ ہوگئے۔ زخمیوں کی تعداد ایک ہزار پچاس تھی۔ رومل کو پیسنے کے لیے مغربی دندانہ تیار کر لیا گیا تھا۔ شمالی افریقہ بھی برطانوی سلطنت میں شامل ہوگیا اور ہٹلر کے یورپی حصار پر آخری حملے کے لیے ایک اور مرکز مل گیا۔ چرچل نے اعلان کیا کہ ابھی انجام نہیں آیا بلکہ انجام کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ شاید آغاز کا انجام ہو چکا ہے۔

24

شمالی افریقہ کی جنگ

(3)

غیر مشروط حوالگی

اب محوریوں کو کچلنے کے لیے بڑے منصوبے پر عمل کا وقت آ گیا تھا۔ سٹالین گراڈ کے روسی دفاع نے جرمنوں کی زبردست جنگی مشین میں شدید خامیاں واضح کر دی تھیں۔ اب ضروری تھا کہ تمام اتحادی رؤسا ایک جگہ جمع ہوں اور ایک ایک محاذ جنگ کا جائزہ لے کر آئندہ کے اقدامات کا خاکہ تیار کر لیں۔ دسمبر 1942ء میں روز ویلٹ نے چرچل کی یہ تجویز نہ مانی کہ ملاقات آئس لینڈ میں ہو بلکہ اس امر پر اتفاق کیا کہ چرچل اور اس کے مشیروں کے ساتھ حالیہ آزاد کردہ فرانسیسی سلطنت کے کسی محفوظ مقام پر ملاقات کر لی جائے اور اس کا پتا کسی کو نہ لگے۔ 22 دسمبر 1942ء کو کاسا بلانکا میں ملاقات کا فیصلہ ہو گیا۔ سٹالین کو بھی دعوت دے دی گئی مگر وہ ماسکو چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ کیوں کہ بڑا روسی جارحانہ اقدام شروع ہونے والا تھا اور سالار اعظم کی حیثیت میں پوری کارروائی کا ذمہ دار وہی تھا۔

برطانیہ نے اس کانفرنس میں چھ ہزار ٹن کے جہاز پر بہت سا عملہ بھیجا جس میں مرموز مکاتبت کے ماہرین اور منصوبہ بند شامل تھے اور انھوں نے تمام منصوبوں اور اعداد کے متعلق ہر قسم

کی تفصیلات فراہم کر رکھی تھیں۔ برطانوی منصوبہ یہ تھا: ''1943ء کے گرما میں شمالی افریقہ کی باقی محوری فوجوں کو تباہ کرنے کے بعد بحیرۂ روم کو اتحادی جہازوں کے لیے کھول دیا جائے۔ پھر برطانیہ اور امریکا کی متحدہ بحری، بری اور ہوائی فوجیں افریقی مرکزوں سے اٹھ کر ہٹلر کے یورپ کے نہایت کمزور اور قابل تسخیر مقامات پر جنوبی سمت سے بڑھیں۔ برطانویوں کی رائے تھی کہ اس حملے کے بعد اطالوی حوصلہ ہار بیٹھیں گے۔ وہ پہلے ہی خاصے پریشان حال ہیں۔ بلقان میں افراتفری پھیل جائے گی۔ ممکن ہے اس کے بعد ترکی بھی شامل جنگ ہو جائے۔ سوویت روس کو ہر ممکن امداد دی جائے تاکہ جرمن مشرقی جانب سے ضربوں کی روک تھام میں مصروف رہیں۔ رفتہ رفتہ انگلستان میں برطانیہ اور امریکا کی بہت بڑی فوج اور ہوائی قوت فراہم ہو جائے گی۔ 1944ء میں رودبار کو عبور کر کے یورپ پر حملہ کیا جائے گا۔ مشرق بعید میں کوشش یہ ہوگی کہ برما کی سڑک کو چین تک محفوظ رکھا جائے اور جاپانی فوج کو کم از کم قوت سے روک رکھا جائے۔

واشنگٹن کے محکمہ جنگ کے جس ڈویژن کا تعلق منصوبہ بندی سے تھا اس کے نمائندے ویسا کوئی معین نقشہ بنا کر نہ لائے جیسا انگریز لے گئے تھے۔ امریکیوں کو بظاہر یہ صورت قابل ترجیح معلوم ہوئی کہ اجلاس میں بات چیت کے ساتھ ساتھ جو کچھ ضروری سمجھا جائے مرتب کر لیا جائے۔ وہ لوگ مستقبل قریب میں رودبار انگلستان کو عبور کر کے کسی وسیع کارروائی کے بارے میں متشکک تھے اور منطقی اعتبار سے اس کا امکان نہ تھا۔ اس اجلاس کے روسا یعنی روزویلٹ اور چرچل ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور ان کے دل میں ایک دوسرے کے لیے احترام تھا، وہ آخری فیصلے کرنے میں ہم آہنگی سے کام کرتے رہے۔ برطانیہ اور امریکا کے فنی ماہرین نے جو بنیادی خاکے تیار کرنے میں مصروف تھے طویل بحثیں کیں۔ بعض اوقات میں ان کی تلخی بھی پیدا ہوئی۔ ایک دوسرے کے خلاف دلیلیں بھی دیتے رہے۔

ایک وجہ نزاع یہ تھی کہ برطانیہ کی طرف سے یورپی دائرے کو ترجیح دینے پر اصرار ہو رہا تھا۔ امیر البحر کنگ بڑا مستعد بحری افسر تھا۔ وہ بار بار اصرار کرتا تھا کہ برطانیہ جن کارروائیوں کی سفارش کر رہا ہے ان کی بجائے جاپان کے خلاف زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر جنگ شروع کر دی جائے۔ وہ کہتا تھا کہ جو جنگی مساعی ہم کر رہے ہیں ان میں سے تیس فیصد بحرالکاہل کے

لیے وقف رہیں اور ستر فیصد دوسرے جنگی جہازوں کے لیے کافی سمجھی جائیں۔ برطانوی نمائندے عموماً صبر وضبط سے کام لینے کے عادی تھے۔ لیکن اس تجویز پر وہ جوش میں آ گئے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو جنگی امور کے متعلق غور وفکر کا کوئی سائنٹفک طریقہ نہیں۔ مقدم چیزوں کو بہرحال مقدم رکھنا چاہیے۔ سب سے پہلے مسولینی پر توجہ ہونی چاہیے پھر ہٹلر پر اور آخر میں ٹوجو پر۔ برطانوی نمائندوں کو یقین تھا کہ امیر البحر کنگ کے نزدیک یورپ کی جنگ محض ایک ضمنی سا واقعہ ہے جو اسے بے خرخشہ بحرالکاہل کی جنگ سے روک رہا ہے۔ لیکن ہر شخص کو اتفاق وہم آہنگی کا پورا احساس تھا لہٰذا اختلافات رفتہ رفتہ ختم ہو گئے۔

20 جنوری 1943ء کو کانفرنس نے شمالی افریقہ میں ہائی کمان کی تنظیم کے متعلق خوشگوار طریقے پر کامیاب فیصلے کر دیے۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ برطانیہ، امریکا اور فرانس کی فوجی سرگرمیوں میں ارتباط پیدا کرنے کے لیے ایک مرکزی قیادت لازم ہے۔ یہ ذمہ دار منصب جنرل ڈوائٹ آئزن ہاور کے حوالے کر دیا گیا جو برطانوی اور امریکی افسروں کے اختلاف آراء میں مصالحت کرانے کے لیے نمایاں قابلیت کا اظہار کر چکا تھا۔ ہیرلڈ الگزینڈر ایک بلند مرتبہ اور تجربہ کار برطانوی افسر تھا۔ اسے آئزن ہاور کے نائب کا منصب دے دیا گیا۔

22 جنوری 1943ء کو جنگجو فرانسیسی افواج کا لیڈر ڈیگال کاسابلانکا پہنچا اور اس کی روش سے غصہ ٹپکتا تھا۔ جنرل جیرا پہلے سے وہاں موجود تھا جسے امیر البحر دارلان کے قتل کے بعد شمالی افریقہ کی فرانسیسی افواج کا کماندار اعلیٰ بنا دیا گیا تھا۔ ڈیگال اور جیرا کے درمیان شدید رقابت تھی۔ ڈیگال کے جو ہموا لندن اور وسطی افریقہ میں تھے وہ افریقہ کے ہر فرانسیسی فوجی اور فرانسیسی سول افسر پر تیز وتند الزام لگاتے تھے۔ یہ لوگ بھی ویسے ہی سخت جواب دیتے تھے۔ اس کھلم کھلا الزام تراشی نے اتحادی مقاصد کے لیے خاصا خطرہ پیدا کر دیا۔ ضروری تھا کہ دونوں فریقوں کے جذباتی فرانسیسیوں کے درمیان مصالحت کرا دی جاتی اور اس طرح کوئی مستحکم اور متحدہ فرانسیسی جماعت پیدا کر لی جاتی جو اصل کام میں ہاتھ بٹا سکتی۔

روز ویلٹ اور چرچل کاسابلانکا کی غیظ وغضب سے بھری ہوئی فضا میں کسی قدر سکون پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ 24 جنوری 1943ء کی صبح کو اخباری نمائندوں کی آخری کانفرنس

ہوئی۔ دونوں لیڈروں نے سکول کے شریر طالب علموں کی طرح ڈیگال اور جیراکو کرسیوں پر ایسی جگہ بٹھا دیا جہاں وہ ایک دوسرے سے مبادلہ افکار کرتے رہے۔ چرچل نے آگے چل کر انتہائی خوشی سے کہا: ہم نے انھیں مجبور کر دیا کہ اخبار نمائندوں اور مصوروں کے روبرو برسرِ عام مصافحہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے مصافحہ کیا اور اس وقت کی لی ہوئی تصویریں المناک پس منظر میں دیکھی جائیں تو بے اختیار قہقہہ لگانے کو جی چاہتا ہے۔

زیادہ اہم کام بھی درپیش رہا۔ کانفرنس میں اصولاً انھیں مبانی کے متعلق فیصلہ ہوا جو برطانوی ماہرین پہلے سے سوچ سمجھ کر کاسابلانکا لائے تھے۔ فیصلہ کا خلاصہ یہ تھا:

1- بحیرۂ روم میں جارحانہ اقدام شروع کر دیا جائے اور گرما میں سسلی پر حملہ کیا جائے۔ اس طرح بحیرۂ روم کے وسائل نقل و حمل کی حفاظت میں مدد ملے گی۔

2- انگلستان میں انتہائی زبردست قوت فراہم کی جائے تاکہ رودبارِ انگلستان کو عبور کرتے ہوئے براعظم پر اس وقت حملہ کیا جائے جب جرمن مزاحمت مطلوب حد تک کمزور ہو جائے۔

3- حملے کی تیاری کے سلسلے میں جرمنی پر زیادہ سے زیادہ زبردست فضائی حملوں کا سلسلہ جاری رہے۔

4- آبدوزوں کی مہم تیز تر کر دی جائے اور اسے اقوام متحدہ کے وسائل میں سب پر ترجیح دی جائے۔

5- سوویت روس کی امداد کے لیے رسد کی مقدار زیادہ سے زیادہ بڑھا دی جائے۔

6- جاپان کے خلاف اقدامات جاری رہیں مگر ان حدود سے آگے نہ بڑھیں جو اتحادیوں کو سازگار موقع پر جرمنی کو شکست دینے کے لیے فائدہ اٹھانے سے باز رکھ سکیں۔

7- برما پر دوبارہ قبضہ کر لینے کے علاوہ جزائر کیرولین اور جزائر مارشل کے خلاف بھی اقدامات کے لیے نقشے تیار کیے جائیں۔

اخباری نمائندوں کی آخری کانفرنس میں ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ روزویلٹ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا:

''ایک اور نقطہ جو میں سمجھتا ہوں، ہمارے دماغوں اور دلوں کے سامنے رہا، مگر میں نے یا وزیراعظم چرچل نے اسے کاغذ پر قلمبند نہ کیا یہ ہے کہ ہم فیصلہ کیے بیٹھے ہیں جب تک جرمنی اور جاپان کی پوری جنگی قوت حذف نہ ہو جائے گی دنیا امن کا سانس نہیں لے سکتی۔ آپ لوگوں میں سے جو برطانوی ہیں وہ ایک پرانی کہانی سے آگاہ ہیں۔ ہمارا ایک جرنیل تھا جسے یو۔ ایس۔ گرانٹ کہتے تھے...... میرے اور وزیراعظم کے ابتدائی دنوں میں اسے ''غیر مشروط حوالگی'' گرانٹ کہا جاتا تھا۔ جرمنی، جاپان اور اٹلی کی جنگی قوت حذف ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے غیر مشروط حوالگی قبول کر لی۔ اسے دنیا کے آئندہ امن کی معقول ضمانت سمجھنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جرمنی، اٹلی اور جاپان کی آبادی کو تباہ کرنا منظور ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ملکوں میں وہ فلسفے تباہ کر دیے جائیں جو دوسری قوموں کی تسخیر اور محکومیت پر مبنی ہیں۔''

اتحادیوں کے حقیقی جنگی مقصد کے متعلق یہ پہلا مستند اعلان تھا۔ اس کے مطابق جرمنی، اٹلی یا جاپان کے ساتھ سفارتی وسائل کی بنا پر ہر گفت وشنید خارج از بحث قرار دے دی گئی۔ اس امر کا فیصلہ بالاتفاق کانفرنس میں نہیں ہوا تھا۔ گویا بظاہر امریکی صدر نے یہ بات آناً فاناً کہہ دی۔ اگرچہ چرچل یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا تاہم اس نے فوراً اتفاق کا اظہار کر دیا اور آگے چل کر کہا کہ اگر اس موقع پر کھلم کھلا اختلاف کیا جاتا تو اتحادیوں کی جنگی مساعی کو نقصان پہنچتا۔

غیر مشروط حوالگی کی اصطلاح نقطہ چینوں نے فوراً پکڑ لی اور اسے اتحادیوں کی بہت بڑی غلطیوں میں سے ایک قرار دیا جو دوران جنگ کی پالیسی کے متعلق ان سے سرزد ہوئی۔ انھوں نے کہا غیر مشروط حوالگی نے جرمن قوم کو یقین دلا دیا کہ انھیں یورپی قوموں میں سے محو کر دیا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جرمن آخر تک جنگ جاری رکھنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس طرح روزویلٹ کے فعل نے جنگ کی مدت بڑھا دی اور لاکھوں اتحادیوں کی جانیں اس بہت بڑی سیاسی غلطی کے باعث قربان ہوئیں۔ نقطہ چینوں کے نزدیک غیر مشروط حوالگی کی بجائے باعزت حوالگی کی اصطلاح استعمال کی جاتی تو جرمنوں کو بہت پہلے ہتھیار ڈال دینے کا موقع مل جاتا۔

تیونس میں محوریوں کی شکست فاش

منصوبہ ''مشعل'' پر عمل پیرائی سے اتحادیوں کو صرف مرا کو اور الجزائر ہی نہ ملے بلکہ مغربی فرانسیسی افریقہ کا پورا ساحل بھی مل گیا۔ یہاں بطور خاص قابل ذکر ڈکر کی بندرگاہ تھی جسے محوری اتحادیوں کے ان جہازوں کے خلاف مرکز کے طور پر استعمال کرتے رہے، جو اوقیانوس میں آتے جاتے تھے۔ ہٹلر نے جواب میں پورے وشی فرانس پر قبضہ کر لینے کا حکم دے دیا۔ طولون میں ساٹھ فرانسیسی جنگی جہاز ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ ہٹلر کو نہ مل سکے کیوں کہ فرانسیسی افسروں نے اپنے جہاز خود تباہ کر دیے۔

ہٹلر نے شمالی افریقہ میں برطانیہ وامریکا کے حملے کی روک تھام کے لیے تیزی سے قدم اٹھایا۔ وہ تلا بیٹھا تھا کہ تیونس کی بندرگاہوں یعنی بزرتہ اور تیونس کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ جرمن فوجیں جنوبی فرانس، اٹلی اور سسلی سے جہازوں اور طیاروں میں بحیرۂ روم سے پار بھیج دی گئیں۔ یہ دونوں بندرگاہیں اول درجے کی تھیں اور ان کی حفاظت بآسانی ہو سکتی تھی۔ پھر ان کے پاس ایسے ہوائی اڈے تھے جن سے ہر موسم میں کام لیا جا سکتا تھا۔ ہٹلر سمجھتا تھا کہ برطانوی اور امریکی فوجوں کو اس وقت تک روکا جا سکے گا جب تک رومل کے پاس زبردست جوابی حملے کے لیے پوری قوت فراہم نہ ہو جائے۔

اگرچہ اتحادی حملے کا ابتدائی دور بہت کامیاب رہا لیکن رفتہ رفتہ مشکلات بڑھنے لگیں۔ اکثر امریکی بندرگاہیں جب تک صاف نہ کی جاتیں ان سے پوری طرح کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ رسد کا معاملہ بدستور نازک رہا۔ صرف چند سڑکیں تھیں اور اسے تخریبی امکانات سے بچائے رکھنا ضروری تھا۔ اتحادیوں نے الجزائر کے مشرق میں مختلف مقامات پر طیاروں کے لیے اترنے کی جگہیں بنالی تھیں۔ یہ کام ابتدائی حملے کے بعد چند روز میں مکمل ہو گیا۔

جرمنوں نے بڑی سختی سے جوابی حملے کیے۔ آئزن ہاور نے اینڈرسن کو حکم دے دیا کہ مجزل باب اور بحیرۂ روم کے درمیان اپنا خط مستحکم کر لیا جائے۔ پھر کرسمس کے آس پاس آخری حملے کے لیے آہستہ آہستہ کمک پہنچنے لگی۔ جرمنوں کی قوت بھی بڑھتی گئی کیوں کہ فوجیں اور رسد کی چیزیں

سسلی سے برابر آرہی تھیں جب رومل اور اس کی تھکی ماندی شکست خوردہ فوج پیچھے ہٹتی ہٹتی لیبیا میں پہنچ گئی تو مقابل فوجیں تقریباً برابر ہو گئیں۔ اس وقت رومل اطلاع دیے بغیر طیارے میں جرمنی پہنچ گیا تا کہ ہٹلر کو قائل کر دے شمالی افریقہ کا تخلیہ ہی جرمنوں کے لیے بہتر ہے لیکن ہٹلر نے اس پر سخت خفگی کا اظہار کیا اور حکم دے دیا کہ واپس چلے جاؤ۔

12 جنوری 1943ء سے 24 تک کاسا بلانکا کی کانفرنس جاری رہی۔ رومل کو معلوم نہ تھا کہ اتحادی رسد کی جنگ میں کامیاب ہو رہے ہیں چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ دشمن کو مزید قوت فراہم کر کے حد درجہ برتری حاصل کر لینے کی فرصت دیے بغیر ایک ضرب لگائے۔ غرض پھر نازی بکتر بند دستوں کا ایک زبردست حملہ ہوا۔ یہ حملہ اتحادیوں کی ان صفوں پر ہوا جو درۂ فیض کے مغرب میں سیتلا کی طرف تھیں۔ یہ حملہ اچانک ہوا۔ امریکی مقابلہ کرتے گئے اور پیچھے ہٹتے گئے تا کہ درۂ قیصرین پر پہنچ جائیں۔ رومل کی فوج عارضی دفاعی مورچوں سے گزرتی ہوئی درے میں پہنچ گئی اور اس نے شمالی جانب کا رخ کر کے تبسا اور ثعلہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تا کہ اتحادی فوج کو دو حصوں میں بانٹ دے۔

اس طرح حیرت انگیز رومل نے پھر اتحادیوں میں افراتفری پھیلا دی۔ درہ بند کرنے کے لیے دو امریکی ڈویژن دہران سے تیزی کے ساتھ مشرقی جانب بڑھے۔ ہزاروں ٹرک امریکا سے پہنچ گئے۔ اس سے جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔ اس اثنا میں اتحادی طیاروں نے محوری خطوط پر ہزاروں بم گرائے اور محوریوں کی رفتار پہلے مدہم ہوئی، پھر وہ رک گئے مگر درۂ قیصرین پر قبضے کے لیے جدوجہد مہم تیونس کا صرف ایک پہلو تھا۔ امریکی جنرل پیٹن اور برطانوی جرنیل اینڈرسن شمال و مغرب سے بڑھے تو منٹگمری کی آٹھویں فوج نے جنوب مشرق سے پیش قدمی کی۔ قابض کے جنوب مشرق میں ساحل پر جرمنوں نے دفاعی مورچوں کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا تھا جسے وہ ناقابل گزر سمجھتے تھے۔

منٹگمری کی آٹھویں فوج میں متعدد گروہ شامل تھے مثلاً انگریز، سکاٹ، انزاک (آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی فوجیں) جنوبی افریقہ کے لوگ، ہندوستانی گورکھے، پولستانی چیک اور فرانسیسی۔ اس فوج نے اکتوبر 1942ء میں العلمین کی جنگ کی تھی۔ اس وقت سے 23

جنوری 1943ء کو طرابلس الغرب پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں رومل کی افریقی کور کو چودہ سو میل پیچھے ہٹایا۔ بعض دنوں میں پیش قدمی کی رفتار چالیس چالیس میل رہی۔ اس فوج کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ ٹرک مختلف خدمات انجام دے رہے تھے۔

آٹھویں فوج جنوری 1943ء کے اواخر میں جرمنوں کے دفاعی موروچوں پر پہنچی۔ منٹگمری 31 مارچ تک ٹھہرا رہا۔ پھر اس نے اپنی فوج کے ایک حصے کو حکم دیا کہ دفاعی مورچوں پر براہ راست حملہ کرے۔ دوسرے حصے کو حکم دیا کہ وسیع چکر لگا کر ان مورچوں کے جنوبی بازو سے آگے بڑھے۔ یہ دونوں فوجیں "خمسین" (افریقہ کی مشہور ہوا، جس سے فضا میں گرد و غبار اڑنے لگتا ہے) میں آگے بڑھیں۔ چال بے حد کامیاب رہی۔ رومل مجبور ہو گیا کہ راس بون کی طرف ہٹ جائے لیکن مہم ختم نہیں ہوئی تھی۔ پہاڑوں میں سخت لڑائیاں جاری رہیں۔ اتحادیوں کی مشرقی اور مغربی فوجوں نے محوریوں کے مقامات پر سخت حملے کیے۔ بعض مقامات بار ہا فتح کیے مگر چھوڑنے پڑے۔ 7 مئی 1943ء کو آخری فیصلہ ہو گیا۔ اینڈرسن کی فوج تیونس میں سے گزرتی ہوئی آگے بڑھی تو محوری فوجیں دو حصوں میں بٹ گئیں۔ یہ واقعہ صبح کے تین بج کر چالیس منٹ پر پیش آیا۔ سوا چار بجے شام امریکی اور فرانسیسی فوجیں بزرتہ پہنچ گئیں۔ رومل بچ نکلا۔ جرمن اور اطالوی فوجوں نے ہٹلر کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ ہتھیار ڈال دیے اور انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ تقریباً اڑھائی لاکھ جنگجو، جو صحرائی علاقے میں ہر قسم کی مشقتیں کاٹ چکے تھے قیدی بن گئے۔ ان میں مشہور جرمن افریقی فوج کا پورا بقیہ حصہ شامل تھا اور اطالوی تھے۔

منٹگمری نے آگے چل کر لکھا کہ خالص فوجی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو دفاعی مورچوں کا سلسلہ ٹوٹ جانے کے بعد شمالی افریقہ میں جمے رہنے کے لیے کوئی وجہ جواز پیش نہیں کی جا سکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہٹلر نے سیاسی وجہ سے اس قسم کا حکم دے دیا ہوگا۔ جو ذمہ داریاں فوجی نقطۂ نگاہ سے نامحکم ہوں، انھیں سیاسی وجہ کی بنا پر اٹھا لینا خطرناک ہے۔ بعض اوقات ایسا ضروری ہو سکتا ہے لیکن ان کا انجام یقیناً تباہی ہوگا۔

بلاشبہ ہٹلر کے لیے یہ تباہی تھی۔ جس حد تک مسولینی کا تعلق ہے اس نے نئی رومی سلطنت کا جو خواب دیکھا تھا وہ ختم ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی عجوبہ ہے کہ ڈوبچے کی آخری افریقی قوم نے اس

مقام کے قریب ہتھیار ڈالے، جہاں قدیم قرطاجنہ واقع تھا اور رومیوں نے اسے 146 ق،م میں تباہ کیا تھا۔ تین سال سے بھی کم مدت میں اطالویوں نے افریقہ میں تمام نو آبادیاں کھودیں جن کا رقبہ اٹلی سے دس گنا اور آبادی ڈیڑھ کروڑ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اڑھائی لاکھ جرمن اور اطالوی تیونس میں اسیران جنگ ہوئے۔ تیونس کی مہم میں مقتولین اور مجروحین کی تعداد ستر ہزار سے کم تھی۔ ان میں سے بیس ہزار امریکی تھے۔ 20 مئی 1943ء کو تیونس کے بازاروں میں فتح کی ایک عظیم الشان پریڈ کا انتظام ہوا۔

آخر اتحادیوں نے قدم آگے بڑھایا۔ اب انھیں اٹلی اور بلقان پر حملوں کے لیے مرکز مل گئے تھے۔ بحیرۂ روم طولاً اتحادی جہازوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ راس امید کا طویل راستہ طے کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ برطانیہ و امریکا کا تعاون میدانِ جنگ کی آزمائش سے گزر چکا تھا۔ ثابت ہو گیا کہ یہ کام دے سکتا ہے۔ آئزن ہاور نے کہا:

''جو فوجیں ایک مہم میں کامیابی حاصل کر لیتی ہیں، وہ جنگی چالوں میں ماہر ہو جاتی ہیں اور ان میں جنگی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے۔''

25

روس میں پانسا پلٹ گیا

(1)

ہٹلر نپولین کی حیثیت میں

جرمن خوش نہ تھے۔ شادمانیوں کا دور گزر چکا تھا۔ یہ یقین باقی نہیں رہا تھا کہ جنگ حد درجہ تیز اور سادہ ہوگی۔ جن جرائد پر گوئرنگ کا قبضہ تھا وہ بار بار روسی محاذ پر شاندار کامیابیوں کا ذکر کرتے تھے لیکن لڑنے والے فوجیوں کی طرف سے جو خط گھروں میں بھیجے جاتے تھے ان میں کچھ اور ہی بیان کیا جاتا تھا۔ جنگ بدستور پھیل رہی تھی اور معلوم ہو رہا تھا کہ معاملات پر قبض و تصرف فیوہرر کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ بعض صاف گو جرمنوں نے اس کی تعبیریوں کی کہ ہماری فتوحات ہمیں تباہ کر رہی ہیں۔ نازیوں نے 1941ء کے گرما اور خزاں میں جو برق رفتار جنگ شروع کی تھی وہ روسی سطح مرتفع میں پہنچتے ہی حد درجہ سست پڑ گئی۔ سرما آیا تو اتنی سردی پڑی کہ پچاس سال میں کسی کو اس کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت جرمن فوج دفاع پر مجبور ہوگئی۔

ہٹلر نے اس کے لیے توجیہات پیش کیں مثلاً یہ کہ روسی بڑے بے رحم، وحشی اور حیوان ہیں۔ یہ اعتراف بھی کرلیا کہ ہم نے سرخ فوجوں کی قوت کے متعلق غلط اندازہ کیا تھا۔ کم از کم ایک غلطی میں کوئی شبہ نہیں اور وہ یہ کہ ہمیں کوئی اندازہ نہ تھا اس دشمن نے ہمارے خلاف کس درجہ وسیع

تیاری کر رکھی تھی اور محض جرمنی ہی نہیں بلکہ پورے یورپ کے لیے بربادی کا کتنا بڑا خطرہ درپیش تھا۔

ہٹلر نے منع کر دیا تھا کہ جرمن تباہ شدہ روسی سرزمین سے قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ روسیوں کے مسلسل جوابی حملے اور چھاپا مار دستوں کی جنگ جرمنوں کا کچومر نکال رہی تھی۔ آخر جرمن فوجوں کے لیے گرما کے انتظار میں کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہو گیا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ فوجیوں نے بہت سے دفاعی بکس نقل و حمل کے مرکزوں میں قائم کر لیے اور ان میں چلے جاتے تاکہ نسبتاً محفوظ رہیں۔ ان پناہ گاہوں کا نام جرمنوں نے ایگلز رکھ لیا، یعنی باڑ۔ ایسی جو پناہ گاہیں دشمن کے علاقے میں گئی ہوئی تھیں، وہ دفاع کا کام بھی دیتی تھیں اور جارحانہ اقدامات کے لیے بھی استعمال کی جا سکتی تھیں۔ چوں کہ ایسی پناہ گاہوں کا سلسلہ پیچھے سے کٹ چکا تھا لہٰذا انھیں ہوائی جہازوں کے ذریعے سے ضرورت کی چیزیں پہنچائی جاتی تھیں

روسیوں نے ان کا پتا لگا لیا اور ان پر پے در پے ضربیں لگانے لگے۔ وہ ضربیں لگانے سے پہلے دشمن کو ترغیب دے کر ان پناہ گاہوں میں لے آئے۔ یہ بڑا سخت کھیل تھا۔ جرمن موقع کے انتظار میں تھے۔ روسی برابر جرمنوں کے قبض و تصرف کو ناقابل برداشت بنا رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سڑکیں، ریل کے پل اور دشمن کے قابلِ استعمال ہر شے برباد کر ڈالی۔ جس جس مقام پر کوئی تار پہنچ سکتا تھا وہاں پھندوں کا جال بچھا دیا۔ ٹیلیفون، بجلی کے تار، پانی کے نل، برقی چولہے، آتشدان، غرض کوئی چیز پھندوں سے خالی نہ رہی۔ ایسے بم ایجاد کر لیے جو کسی برقی تار سے پیوست کر دیے جاتے مثلاً ریڈیو کے سیٹ اور وہ نشریات شروع ہوتے ہی پھٹ جاتے۔ چھاپہ مار دستے اچانک حملے کرتے۔ گولی بارود کے انبار تباہ کر دیتے۔ ٹرینیں پٹڑیوں سے اتار دیتے۔ ٹینک جلا دیتے۔ جرمن اس قسم کی منظم مزاحمت سے بالکل عاجز آ گئے۔ ان کی عسکری کتابوں میں کسی چیز کا ذکر نہ تھا اور انھیں سب سے بڑھ کر روسیوں کی سنگینیوں کا ڈر تھا۔

سباسٹوپول، وورونیز اور روستوف

ہٹلر 1941ء کے آخری چھ مہینے میں نہ لینن گراڈ لے سکا، جو محاذ کے شمالی حصے میں تھا نہ

ماسکو لے سکا جو عین وسط میں تھا۔ جب سرما میں نقل وحرکت معطل ہوگئی تو اس نے ہائی کمان کو حکم دے دیا کہ موسم سازگار ہوتے ہی نئی پیش قدمی شروع کردی جائے۔ اس کی نوعیت بھی بتادی۔ بظاہر اس کا نصب العین محدود تھا لیکن نہایت قیمتی تھا۔ اس نے ہدایت دے دی کہ پوری قوت جنوبی جانب لگادی جائے۔ یہ حملہ یوکرائن سے شروع ہوگا جہاں 1941ء کے گرما میں اس کی فوجوں نے شاندار فتوحات حاصل کی تھیں اور قفقاز پہنچ جائے گا تاکہ اپنے طیاروں، ٹینکوں اور ٹرکوں کے لیے ضروری پٹرول حاصل کرے۔ روسیوں کو ان قیمتی چشموں سے منقطع کردے گا۔

اس پیش قدمی میں اور فائدے بھی تھے۔ ہٹلر سٹالین گراڈ سے آگے والگا کی طرف بڑھتا اور قفقاز پر حملہ کرتا تو شمالی جانب کی روسی فوجیں جنوبی جانب کی فوجوں سے الگ ہوجائیں اور کریملن (روسی حکومت) ایک اہم صنعتی طاس سے محروم ہوجاتا۔ بحیرۂ اسود پر نظم وضبط قائم کرلینے کے بعد ہٹلر کو امید تھی کہ بحیرۂ روم کے مشرقی گوشے کا چکر کاٹتا ہوا وہ مصر پر بڑھے گا۔ اس جنوبی میدان میں کئی ایسے مقامات موجود تھے جنھیں مرکزی حیثیت حاصل تھی مثلاً منتہائے جنوب میں سباسٹوپول، شمال میں دورونیز اور وسط میں روستوف۔ یہ تین شہر لے لینے کے بعد سٹالین گراڈ پر زبردست حملہ کیا جاسکے گا۔ تباہی خیز شکست کو فتح میں بدل دینے کے لیے یہ بڑا منصوبہ تھا جو ہٹلر نے بنایا۔ کاغذ اور ہٹلر کے جنگی نقشوں پر یہ یقیناً نہایت عمدہ اور کارآمد معلوم ہوتا تھا۔

سباسٹوپول کا محاصرہ دسمبر 1941ء میں شروع ہوا۔ چھ مہینے تک روسی کریمیا کی اس بندرگاہ اور بحری مرکز میں بیٹھے ہوئے جرمنوں کے پرجوش حملوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں بھی لینن گراڈ کی سی صورت پیش آئی، یعنی بم، پھٹنے والے گولے، فضائی حملے، آگ اور دھوئیں کا طوفان، گودیوں، مورچوں اور زمین دوز مکانوں میں جنگ، بھوک اور بیماری۔ جون 1942ء میں خونریزی کمال پر پہنچ گئی۔ جرمنوں نے پوری قوت سے آتش زدہ شہر پر حملہ کردیا۔ مدافعین میں سے بعض جنگی سامان کے ساتھ اڑ گئے باقیوں نے 3 جولائی کو ہتھیار ڈال دیے۔ ہر وہ چیز تباہ کی جاچکی تھی جو فوجی نقطہ نگاہ سے دشمن کے لیے کارآمد ہوسکتی تھی۔

اب جوش وخروش کا ہنگامہ شمال کی طرف منتقل ہوگیا، جہاں دریائے ڈان کے مشرق میں جرمنی نے ساٹھ ڈویژن فوج ایک ہزار ٹینک اور تین ہزار جنگی طیارے جمع کر رکھے تھے۔ اس فوج

کا ہدف دوررونیز تھا، جو ایک صنعتی قصبہ تھا اور اس کی آبادی سوا تین لاکھ تھی۔ حملے کی ابتدا کرسک پر شدید ہوائی بمباری سے ہوئی جو مشرقی جانب تھا۔ 7 جولائی 1942ء تک جرمنوں کے پیش رو بکتر بند دستے سو میل کا فاصلہ طے کر کے ڈان پر پہنچے۔ دریا عبور کیا اور دوررونیز پر ہجوم شروع ہو گیا۔ روسیوں کے جوابی حملے نے جرمنوں کو مختلف مقامات پر دریائے ڈان سے بھی پیچھے دھکیل دیا۔ روسی حملے ایسے سخت تھے کہ جرمنوں نے فیصلہ کر لیا دوررونیز کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے سیدھے سٹالینگ راڈ پہنچ جائیں جو جنوبی و مشرقی جانب واقع تھا۔ یہاں پر جمع جرمنوں کے منصوبے کا ایک حصہ ناکام ہو گیا البتہ وسطی حصے سے ہٹلر کو خوشگوار خبریں مل گئیں۔ سباسٹوپول کے بعد مزید جرمن فوج کمک کے لیے آ گئی، جس میں رومانیہ کے بھی متعدد ڈویژن تھے۔ اس طرح روستوف پر حملہ بڑی قوت سے کیا گیا۔

اس موقع پر روسیوں نے اپنے باون ٹن کے نئے ٹینک استعمال کیے۔ ان ٹینکوں میں تین تین انچ کی توپیں اور کلدار توپیں بھی نصب تھیں۔ یہ چھوٹے جرمن ٹینکوں کے مقابلے میں بہت موثر ثابت ہوئے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ 27 جولائی 1942ء کو روسیوں نے روستوف خالی کر دیا۔ پھر ہٹلر نے روستوف کی فاتح فوج کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو بحیرۂ اسود کے ساحل کی طرف بھیج دیا جس کا نصب العین قفقاز تھا تاکہ وہ علاقے کو صاف کرتی ہوئی باکو پہنچ جائے جہاں تیل کے چشمے تھے۔ اس فوج نے بندرگاہ نوورو سسک پر قبضہ کر لیا جو سباسٹوپول کے مشرق میں ہے۔ عجیب امر یہ ہے کہ اس پر قبضے کا دعوی پانچ روز پہلے کر دیا گیا تھا۔ پھر اس فوج کے ہراول دستے قفقاز اور چشموں کی طرف بڑھے۔ انھوں نے مائیکوپ لے لیا لیکن گروزنی نہ پہنچ سکے۔ فوج کا دوسرا حصہ سٹالین گراڈ اور روارسا کی طرف بڑھا۔

رزمیہ سٹالین گراڈ

ستمبر 1918ء میں یوکرائن کے ایک قصبے زارٹ زن میں بالشویک فوجوں نے جنرل ڈینیکن پر بھاری فتح حاصل کی تھی۔ سٹالین روسی فوجوں کا کمانڈر تھا۔ اس فتح کی یادگار میں قصبے کا نام سٹالین گراڈ رکھ دیا گیا۔ یہ والگاں کے زیریں حصے کے خطوں کا مخرج تھا۔ سباسٹوپول کے

برعکس یہاں طبعی دفاع کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اصل قصبہ دریائے والگا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ ایک میل تک چلا جاتا تھا اور والگا روس کا سب سے بڑا دریا تھا۔ یہاں ٹریکٹروں اور سامان جنگ کے بھاری کارخانے تھے اور شہر روسی اقتصادیات کا ایک پر افتخار نشان تھا۔

ہٹلر چاہتا تھا کہ جلد سے جلد سٹالین گراڈ پر قبضہ کرے اس طرح روسیوں پر ایک تباہ کن نفسیاتی ضرب لگائے۔ ساتھ ہی جرمنوں کی جنگی حیثیت مستحکم ہو جانے کی امید تھی۔ سٹالین گراڈ کو دریائے والگا کا کلیدی قصبہ سمجھا جاتا تھا۔ اس پر قبضہ کر لینے سے ہٹلر ماسکو اور لینن گراڈ کو منقطع ہی نہ کر دیتا بلکہ بحیرۂ قزوین سے تیل حاصل کرنے کا راستہ بھی روک دیتا۔ وہ والگا کو تیسری رائش کی مشرقی سرحد بنانے کا خواہاں تھا۔ اس غرض سے اس نے جنرل فریڈرک پالس کو تین لاکھ تیس ہزار بہترین جرمن فوج کا سالار بنا دیا۔

جرمنوں کو سٹالین گراڈ کے سامنے بڑی مشکلات پیش آئیں۔ جرمن فوج ماسکو، لینن گراڈ اور دور دینیز لے لینے میں ناکام رہی تھی تاہم اس کے پاس خاصی قوت موجود تھی۔ ہٹلر ایک تہائی روسی آبادی کے علاقے فتح کر چکا تھا۔ ایک تہائی کیمیائی صنعتیں اور ایک تہائی کوئلے اور بجلی کے مرکز لے چکا تھا۔ اسے ہوائی جہازوں، ٹینکوں اور توپوں میں یقینی برتری حاصل تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک اور زبردست کوشش کے بعد بالشویک حکومت کا تختہ الٹ جائے گا۔ ہٹلر کو اپنی خوش نصیبی کا انتہائی یقین تھا اور چند ہفتوں میں سٹالین گراڈ لے لینے کے بعد اپنا صدر مستقر اور فوجی ہائی کمان مشرقی پروشیا سے ونٹسا میں اس کے آس پاس منتقل کر لینا چاہتا تھا جو یوکرائن میں ہے۔

سٹالین گراڈ کے لیے شہرہ آفاق رزم و پیکار کا آغاز 22 اگست 1942ء کو ہوا۔ ہٹلر نے خود اعلان کیا کہ ہم سٹالین گراڈ پر حملہ کر رہے ہیں اور یقیناً اسے لے لیں گے۔ جرمنوں نے شروع میں جیسی بمباری کی۔ ویسی زبردست بمباری کبھی کہیں نہیں ہوئی۔ صرف ایک دن میں شہر کا تین چوتھائی حصہ زمین بوس ہو گیا لیکن جب جرمن شہر کے اندر داخل ہوئے تو ان پر آشکارا ہو گیا کہ مدافعین قطعاً حوالگی کے لیے تیار نہیں۔ آئندہ دو مہینے میں (ستمبر اور اکتوبر 1942ء) ایسی لڑائی جاری رہی، جسے دوسری عالمی جنگ یا کسی بھی جنگ کی نہایت حیرت انگیز لڑائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جرمنوں کے حملوں نے سٹالین گراڈ کو تباہ شدہ عمارتوں گرتی ہوئی دیواروں اور سڑتی ہوئی

لاشوں کا گورستان بنا دیا مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی بے پناہ تباہی نے روسی مدافعین کے عزم کو تقویت پہنچائی۔ بازار نا قابل گزر ہو گئے۔ جرمنوں کے ٹینک ملبے کے کرہ نما انباروں میں پھنس گئے اور روسیوں نے انھیں تباہ کر دیا۔ روسی فوجی کلدار توپوں، سنگینوں اور خنجروں سے مسلح تھے۔ وہ تباہ شدہ مکانوں، کارخانوں، گلیوں اور صحنوں سے اچانک باہر نکلتے اور جرمنوں پر دائیں بائیں اور عقب سے حملے کر کے انھیں ختم کر دیتے۔ سٹالین گراڈ کے انباروں میں تاریخ کی بعض نہایت خوف ناک دست بدست لڑائیاں ہوئیں۔ ایک ایک عمارت ہی نہیں، بلکہ ایک ایک کمرے کے لیے نہایت سخت جنگ ہوئی اور فریقین اپنی کامیابیوں کا اندازہ گزروں کے حساب سے کرتے تھے۔ جرمن انتہائی کوشش سے عمارتوں کے ایک بلاک پر قبضہ کرتے اور چند گھنٹوں کے اندر اندر انھیں یہ جگہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا پڑتا۔

ہٹلر نے کہا کہ اصل مصیبت یہ ہے روسی فوجیوں کی طرح نہیں لڑتے جنھیں خاص اصول کی بنا پر تربیت دی جاتی ہے۔ وہ ''دلدلی جانوروں'' کی طرح لڑتے ہیں ارکون سوچ سکتا ہے کہ کل کی لڑائی میں دلدلی جانور کیا طریقہ اختیار کریں گے؟ اصل واقعہ بالکل سادہ سا تھا۔ نازی جنگی مشین والگا کے دروازوں پر بری طرح ٹوٹ چکی تھی۔ پھر ایک مرتبہ ضروری ہو گیا تھا کہ ہٹلر پیچھے ہٹے، اپنی فوجوں کو نئے سرے سے مرتب کرے، چھٹی فوج کو واپس بلا کر اس کا نیا عقب محفوظ کر دے اور بہتر موقع کے انتظار میں بیٹھ جائے۔ اس کے جرنیل التجائیں کر رہے تھے کہ یا تو مزید فوج بھیجی جائے یا چند سو میل پیچھے ہٹ جانے کی اجازت دے دی جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ روستوف یا اس سے بھی پیچھے چلے جائیں یا تو اسے یہ بات مان لینی چاہیے تھی یا 1941ء کے روسی سرما کی داستان پھر ایک مرتبہ دہرائی جاتی۔ فیوہرر نے غصے سے بھرا ہوا پیغام بھیجا:

''جہاں پہنچے ہو وہاں ٹھہرو اور لڑو میں والگا سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔''

گویا ہٹلر نے پھر ایک مرتبہ جنگی جنون کا مظاہرہ کر دیا۔

19 نومبر 1942ء کو روسی فوج نے ژوکوف کی سرکردگی میں جوابی حملہ شروع کیا۔ حملہ آور جیش دو تھے ایک شمال اور شمال مشرق کی طرف سے بڑھا دوسرا جنوب مشرق کی طرف سے۔ دونوں نے مغربی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے سنسنی کی طرح جرمنوں کو گھیرے میں لے

لینے کی کوشش کی۔ روسیوں کا زیادہ تر انحصار سنگینوں پر تھا۔ جرمن مشینری کے عادی تھی اور سنگینوں سے ان پر ہراس طاری ہو جاتا تھا۔ چار روز کے اندر اندر روسیوں نے کلاچ اور بہت سے دوسرے مقامات پر قبضہ کرلیا۔ سرانی موورچ کے علاقے میں (سٹالین گراڈ کی جنوبی جانب) بیس میل کے محاذ پر جرمن فوجیں چالیس پچاس میل آگے بڑھ چکی تھیں۔ جلد ہی روسی فوجوں نے پالس کی چھٹی فوج کے چودہ ڈویژن نرغے میں لے لیے۔ جیسے جیسے یہ حلقہ تنگ ہوتا گیا روسی سرما کی شدت بڑھتی گئی۔ گویا جرمن دنیا کے ان علاقوں میں محصور ہوئے، جو موسم کے اعتبار سے بدترین تھا۔ اواخر اکتوبر سے اوائل مئی تک مسلسل بارشیں ہوتی ہیں برف گرتی ہے اور شدید طوفان آتے ہیں۔ اس مرتبہ پھر فضا کی انجمادی حالت نے نازی طیاروں کے لیے پرواز کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ بکتر بند گاڑیاں بیکار ہوگئیں اور آدمی بری طرح مرنے لگے۔ سٹالین گراڈ کے سامنے شرقاً غرباً پچیس میل لمبے اور شمالاً جنوباً بارہ میل چوڑے علاقے میں بیس جرمن ڈویژنوں اور دورومانوی ڈویژنوں کا بڑا حصہ پھنس گیا تھا۔ کل آدمی سوا دو لاکھ اور تین لاکھ کے درمیان تھے۔ روسی دباؤ کے ماتحت یہ بڑی فوج رفتہ رفتہ تنگ تر علاقے میں جمع ہوتی جارہی تھی۔ رسد کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ سامان جنگ گھٹتے گھٹتے آخری حد پر پہنچ گیا۔ جب رسد کم ہوئی تو فوج نے گھوڑے، کتے اور بلیاں کھانی شروع کردیں۔

پھر فیوہرر سے دلسوز التجائیں کی گئیں۔ اس نے کہا:

''میں نے پوری حالت پر احتیاط سے غور کرلیا ہے۔ میرے فیصلے غیر متبدل ہیں۔ چھٹی فوج قطعاً نہیں ہٹائی جائے گی...... وہ جہاں ہے وہیں رہے گی۔ گوئرنگ کہتا ہے میں طیاروں کے ذریعے سے فوج کو رسد اور سامان پہنچاؤں گا۔ میں والگا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔''

سٹالین گراڈ سے ہٹلر کے پاس جو خبریں پہنچیں، انھوں نے جنونی کیفیت طاری کردی۔ اس نے کہا:

''کمانڈر کو واپس بلاؤ۔ اس کے تمام اعزازات پھاڑ ڈالو۔ اسے جیل میں ڈال دو۔ یہ سب اس کا قصور ہے۔''

اس نے پالس کو فیلڈ مارشل بنادیا، نیا حکم جاری کیا، جس میں کہا:

''جس چھٹی فوج نے سٹالین گراڈ کا محاصرہ کر رکھا ہے اسے آئندہ ''حصار سٹالین گراڈ'' کی فوج کہا جائے گا۔''

چھٹی فوج کی حالت بڑی نازک تھی۔ جنرل زیٹزلر نے جرمنوں کی جانب سے یہ کہانی سنائی:

''جو سپاہی سٹالین گراڈ کے محاذ پر لڑ رہے ہیں انھیں ہر روز زیادہ سے زیادہ بھوک، احتیاج، پریشانی اور ہر قسم کی مشقت سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ سردی حد سے زیادہ ہے۔ ہر شخص بے یار و مددگار ہے۔ مایوسی انتہا پر پہنچ گئی ہے۔ بھوک یا سردی سے اکڑ کر مر جانے کا خوف طاری ہے۔ زخم سخت مصیبت خیز ہیں، کیوں کہ پیش نظر حالات میں ان کا علاج ممکن نہیں...... یہ ایسی دردناک حالت ہے جس کا کوئی انجام نظر نہیں آتا......''

یہ سلسلہ جاری رہا۔ حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ صرف ایک سوال باقی رہ گیا یعنی لڑائی کب تک جاری رہ سکے گی۔ جنوری 1943ء کے اواخر تک ہٹلر کی چھٹی فوج جو 1940ء کے گرما میں ہالینڈ اور بلجیم کو پامال کر چکی تھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالی گئی۔ جنوری 1943ء کے آخری بیس روز میں ایک لاکھ جرمن افسر اور فوجی سٹالین گراڈ یا اس کے قریبی حلقے کے اندر موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ پالس اور اسکے عملہ نے ایک گودام کے تہہ خانے میں 27 سالہ روسی لیفٹیننٹ کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ اس کے ساتھ پندرہ جرنیل گرفتار ہوئے جن میں سے دو رومانوی تھے۔ ایک تھکے ماندے جرمن افسر نے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''یہ جرمنوں کے لیے ذلت کا راستہ ہے۔''

سٹالین نے بعد میں بیان کیا:

''سٹالین گراڈ کی جنگ تین لاکھ جرمن فوج کے محاصرے یا نرغے پر ختم ہوئی۔ بہت سے پکڑے گئے بہت سے مارے گئے۔ ایک لاکھ چھیاسی ہزار سات سو جرمنوں کی لاشیں میدان جنگ سے اٹھائی گئیں اور انھیں آگ کی نذر کر دیا گیا۔''

ہٹلر کا فارمولا یعنی یہ کہ ''پیچھے نہ ہٹو'' پھر نا کام ہوا۔اس نے غصے کا زہر پالس پر اگلا اور کہا: پالس نے خودکشی کی کوشش کیے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔یہ نا قابل یقین ہے یہ نا قابل یقین ہے۔ایسی بے شرمی ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔میرے دل میں ایسے آدمی کے لیے عزت کی کوئی جگہ نہیں جو خودکشی سے ڈرے اور اسیری قبول کرے۔باقی رہے دوسرے جرنیل تو یہ آخری فیلڈ مارشل تھا جو مین نے اس جنگ میں مقرر کیا۔چھٹی فوج کے متعلق ہٹلر نے کہا کہ ان سب کو قریب تر ہو کر اپنی آخری گولی ایک دوسرے کے خلاف صرف کر دینی چاہئیں۔

نازی اسی جنون میں ختم ہو گئے۔سب کو گوئرنگ کے وہ الفاظ یاد آرہے تھے جو اس نے آغاز جنگ پر کہے تھے:

''اگر ہم یہ جنگ ہار گئے تو خدا ہمارا حافظ''

جرمنوں کے لیے عالمی جنگ کی یہ حد درجہ تباہی خیز شکست تھی، جسے ہٹلر کے دعاوی کا قبرستان قرار دیا گیا، برطانوی مورخ وہیلر بینٹ نے کہا کہ غالباً عسکریت کی تاریخ میں یہ واحد یادگار مثال ہے جس میں انسانی جانیں عمداً بیدردی سے ضائع کی گئیں۔

روسیوں کو بھی حصول فتح کے لیے بڑی قربانیاں کرنی پڑیں۔سٹالین گراڈ میں جو روسی تلف ہوئے وہ پوری جنگ میں تمام محاذوں پر امریکی مقتولین کے برابر تھے۔سٹالین گراڈ محض جنگ ہی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں بہت بڑا موڑ تھا۔اس وقت سے وہ مشرقی یورپ میں دفاعی حیثیت اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا اور تباہ شدہ لشکروں کے لیے چار روز ماتم کا حکم دے دیا۔

26

روس میں پانسا پلٹ گیا

(2)

دیپ پر چھاپہ

اس اثنا میں روس کی طرف سے امداد کی التجائیں آئیں۔ روسیوں کو شدید ضرورت محسوس ہورہی تھی کہ مغرب میں دوسرا محاذ قائم کیا جائے تاکہ روسی فوجوں پر دباؤ گھٹ جائے۔ سٹالین کے مطالبے تیز تر ہورہے تھے۔ وہ کہتا تھا:

"جرمنوں کے صنعتی مرکزوں کو فضائی حملوں کا ہدف بنانا کوئی اچھا فوجی طریقہ نہیں۔ لڑائیاں ہمیشہ زمین پر لڑی اور فتح کی جاتی ہیں۔ روس اپنے حصے سے بدرجہا زیادہ بوجھ برداشت کیے ہوئے ہے۔"

وہ چرچل پر طنز کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انگریز جرمنوں سے لڑنے کے لیے رضامند نہیں۔

19 اگست 1942ء کو یعنی سٹالین کی طنزیہ مذمت سے تین روز بعد مغربیوں نے فیصلہ کیا کہ کریملن کی دلداری کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جائے۔ چنانچہ برطانیہ اور کینیڈا کی فوجوں کے ایک خاص بڑے حصے نے دیپ (فرانسیسی ساحل) پر حملہ کیا۔ جرمنوں کے دفاعی استحکامات توقع سے بدرجہا زیادہ خوف ناک ثابت ہوئے۔ حملہ آور گھنٹوں تک ساحل کے چھوٹے سے مقام پر ڈٹے

رہے، آخر انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ نصف سے زیادہ مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ جو باقی بچے، وہ ان سفینوں پر پہنچ گئے جو بچاؤ کے لیے بھیجے گئے تھے۔

یوں معلوم ہوگیا کہ ہٹلر کا یورپی حصار بڑا مستحکم ہے۔ چرچل فوراً ہوائی جہاز سے ماسکو پہنچا تا کہ سٹالین پر خود واضح کرے، 1942ء میں دوسرا محاذ قائم کرنا غیر ممکن ہے۔ اس میں جانوں کا بے اندازہ نقصان ہوگا۔ چرچل نے بتایا کہ ڈیپ پر چھاپہ شدید نقصانات کا موجب ہوا لیکن آئندہ کے لیے قیمتی سبق حاصل کر لیے گئے۔ اس نے وعدہ کر لیا کہ برطانیہ اور امریکا موقع پاتے ہی پوری قوت سے حملہ کریں گے مگر وہ خود یا روز ویلٹ کسی احمقانہ اور قبل از وقت حملے میں اتحادیوں کی جانیں ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں۔ گویا سٹالین کو صبر سے کام لینا چاہیے۔

سٹالین نے بے اعتمادی کا اظہار کیا اور کہا کہ روس کے جنگجو لڑائی کا پورا بوجھ سنبھالے ہوئے ہیں۔ جب تک 1944ء میں نارمنڈی پر حملہ نہ ہوا۔ سٹالین کو یقین نہ آیا کہ چرچل اور روز ویلٹ ہٹلرزم کو تباہ کرانے کا ویسا ہی عزم کیے بیٹھے ہیں جیسا خود اس نے (سٹالین نے) کر رکھا تھا۔

دفاع کے بجائے جارحانہ اقدام

ماسکو، لیننن گراڈ اور سٹالین گراڈ نازی آرزوؤں کے مدفن تھے، لیکن مزید تعذیب شروع ہونے والی تھی۔ وہ بھی جرمنوں کے لیے ویسی ہی رنج افزا تھی۔ روسیوں نے بڑی مردانگی سے ہٹلر کے عساکر کی یلغار کا مقابلہ کیا پھر بڑے عزم کے ساتھ انھیں برلن واپس پہنچایا۔ یہ داستان بڑی عجیب تھی مگر اس کے پس منظر میں کوئی مخفی بھید نہ تھے۔ سب کچھ دنیا کے سامنے پوری طرح واضح تھا۔

اول روسیوں کے پاس آدمیوں کا اتنا ذخیرہ تھا جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ روسی آبادی جرمنی سے تقریباً دگنی تھی۔ لاکھوں آدمی اس جدوجہد میں موت کے گھاٹ اترے لیکن لیننن گراڈ سے کریمیا تک اور سائبیریا سے ایشیائی علاقوں تک مرنے والوں کی جگہ لینے کے لیے آدمی بدستور آتے رہے۔ جرمن ہائی کمان اس پیمانے پر آدمی فراہم نہیں کر سکتا تھا۔

کامیابی میں ایک اہم حیثیت خود روسی سپاہی کی تھی۔ روسی سپاہی سخت جفاکش، جنگجو اور بے باک تھا۔ دشمن کے لیے وہ بڑا خوف ناک تھا۔ مقابلے پر کتنی ہی بڑی تعداد ہو مگر وہ حملے سے باز نہیں رہتا تھا۔ ہر وقت چوکس رہتا اور محنت کی خاص عادت تھی۔

روسی برف روسی سپاہی کی خاص حلیف تھی۔ جرمن اس سے خوفزدہ تھے۔ روسی کی وردی سفید ہوتی۔ ہتھیاروں پر بھی سفید کپڑے کے غلاف ہوتے۔ وہ ہر قدم پر احتیاط سے کام لیتا۔ رات ہوتی تو برف کے اندر کسی نہ کسی جگہ گھس کر آرام کر لیتا۔ پھر اچانک نکل کر دشمن کے عقب یا بازوؤں پر حملے کر دیتا۔ متحیر جرمن ان چالوں سے بے بس ہو گئے تھے۔

جرمن افسروں کے مقابلے میں بھی روسی افسر بہتر ثابت ہوئے۔ روسی قائدین افواج جنگی چالوں ہنرمندیوں اور لچکیلے پن میں نہایت عالی شان تھے۔ جرمن جرنیلوں کے لیے ایک مصیبت یہ تھی کہ وہ ہٹلر کی وجدانی کیفیات کے تابع رہ کر کام کرنے پر مجبور تھے۔ روسی جرنیلوں اور مارشلوں کو سٹالین نے میدان جنگ میں زیادہ سے زیادہ آزادی دے رکھی تھی۔ نوجوان روسی افسروں نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کیا اور وہ جلد جلد ترقی پاتے گئے یہاں تک کہ بعض کی عمر پینتیس سال کی بھی نہ تھی کہ جرنیل بنا دیے گئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ روسیوں کی قوت میں برطانیہ کی امداد اور امریکا کے ادھار پٹے نے خاصا اضافہ کیا۔ جوں ہی ہٹلر نے روس پر حملہ کیا برطانیہ نے انتہائی مشکلات کے باوجود روس کے لیے امداد کا انتظام کر دیا اگرچہ یہ امداد بہت بڑی نہ تھی۔ پرل ہاربر کے بعد امریکا سے امدادی قافلے پہنچنے لگے اور انھوں نے ایک سیل کی صورت اختیار کر لی۔

ذلت خیز پسپائی

1943ء کا سال انتقام کا سال تھا جس کا آغاز سٹالین گراڈ کی فتح سے ہوا۔ پھر لینن گراڈ کی ناکہ بندی ختم ہو گئی، اگرچہ محاصرہ جاری رہا۔ سال کے باقی حصے میں روسیوں نے بڑی ہوشیاری سے حملے کیے۔ وہ متحدہ طریق پر کام کرتے رہے۔ رسد کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ مغرب کی طرف بڑھتے گئے اور دو تہائی مفتوحہ علاقے سے حملہ آور کو خارج کر دیا۔ ہٹلر نے روسی تسخیر کا جو منصوبہ تیار

کیا تھا، وہ ختم ہو گیا۔ 22 جون 1941ء کو اس نے اٹھارہ سو میل چوڑے محاذ پر جو شمال میں لینن گراڈ سے جنوب میں کریمیا تک جاتا تھا، سخت حملے کیے۔ 1942ء میں محاذ چار سو اسی میل رہ گیا، 1943ء میں بڑی لڑائیاں صرف اڑھائی سو میل کے محاذ پر ہوئیں جو اورل سے کرسک اور بیلگورو ڈ ہوتا ہوا خرکاف پھر روستوف تک آتا تھا، فیوہرر کی بھوک گھٹ گئی۔ فروری 1943ء کے ایک مہینے میں سوویت روس کی فتوحات کا نقشہ ملاحظہ فرمالیجیے۔ یہاں صرف سرخیاں پیش کی جاتی ہیں:

3 فروری

''روسیوں نے خرکاف کے علاقے میں کوپیانسک لے لیا''

''دورونیز کے حلقے میں کرسک اورل کا خط کاٹ دیا گیا''

''قفقاز میں کوشوکا لے لیا''

4 فروری

''روسیوں نے ٹم اور شگری لے لیے۔ یہ کرسک سے تیس اور چالیس میل پر ہیں۔''

''روستوف کے جنوب میں انھوں نے منسکایا اور کانسکایا پر قبضہ کر لیا''

8 فروری

''روسیوں نے کرسک لے لیا''

14 فروری

''روسیوں نے روستوف، دوروشیلف گراد اور کراسنی لے لیے''

16 فروری

''روسیوں نے خرکاف لے لیا''

23 فروری

''روسیوں نے خرکاف کے محاذ پر سومی اور لیبیڈن لے لیے''

روستوف پورے جنوبی محاذ کی انتہائی جنوبی کلید تھا۔ یوکرائن میں جنوبی محاذ کے انتہائی شمالی

حصے کا شہر کرسک جرمنوں کا بڑا سرمائی مورچہ تھا۔ خرکاف مرکز میں تھا جہاں وہ ایک سال سے زیادہ عرصے تک ٹھہرے رہے۔ پسپائی سے پیشتر بری اور فضائی فوج نے منظم طریق پر خرکاف کو تباہ کیا اور شہر کو آتش زار چھوڑ کر پیچھے ہٹے۔

روسیوں کی پیش قدمی کا جوش مارچ 1943ء میں جاری رہا۔ پہلے ہفتے کے اندر انھوں نے مرکزی حصے میں زیادہ سے زیادہ فوج جمع کر کے رزیف لے لیا جو ماسکو سے ایک سو تیس میل مغرب میں تھا۔ ایک ہفتہ بعد (12 مارچ) ویازما پر یورش کی جو ماسکو اور سمولنسک کے درمیان اہم ریلوے سٹیشن ہے۔ تین روز بعد روسیوں نے خرکاف خارج کر دیا۔ وہ انتہائی تیزی سے بہت دور نکل آئے تھے اور ضروری تھا کہ ٹھہر کر اپنے آپ کو پھر منظم کر لیتے۔ بہر حال روسی سرمائی پیش قدمی میں اپنے وطن کا ایک لاکھ پچاسی ہزار مربع میل رقبہ واپس لے چکے تھے۔

5 جولائی 1943ء کو جرمنوں کے متوقع جارحانہ اقدام کا آغاز ہوا۔ ابتدائے جنگ سے یہ تیسرا اقدام تھا۔ تقریباً چالیس جرمن ڈویژنوں نے فیلڈ مارشل فان کلوگے کی سالاری میں کرسک پر سخت حملہ کیا۔ دو نہایت طاقتور جنگی مشینیں پھر ٹکرائیں۔ نازیوں نے اورل، کرسک اور بیلگورد کے حلقوں میں آگے بڑھنا چاہا لیکن ان کی برق رفتاری کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اب نہ تو تیزی سے پیش قدمی ہو سکتی تھی اور نہ بڑے بڑے علاقوں ہی کو لیا جا سکتا تھا۔ چند ہی روز میں ستر ہزار جرمن مارے گئے۔ نصف بکتر بند گاڑیاں اور ایک ہزار طیارے تباہ ہو گئے۔

ایک ہفتہ بعد روسیوں نے جوابی حملہ شروع کر دیا۔ اس کا نشانہ اورل میں جرمنوں کا آگے بڑھا ہوا حلقہ تھا۔ جب جرمنوں نے دیکھا کہ نرغے میں آجانے کا خطرہ ہے تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ہر چیز تباہ کرتے گئے اور ایکڑوں میں سرنگیں بچھا دیں۔ 4 اگست 1943ء کو سوویت ٹینک اورل پہنچ گئے۔ اسی دن بیلگورد پر قبضہ ہو گیا جو سوا سو میل جنوب میں تھا۔ 6 اگست کو سٹالین نے اورل اور بیلگورد کی فتوحات پر سرخ فوجوں کے نام مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ تین ہفتے بعد خرکوف لے لیا گیا۔ 1941ء سے یہ چوتھی مرتبہ روسیوں کے قبضے میں آیا۔ چھ ہفتے بعد روسی تین اہم مرکزوں پر قابض ہو گئے، جنھیں جرمن ماسکو پر نئی یورش کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

سرخ فوجوں کا سیل برابر اختتام سال تک آگے بڑھتا گیا۔ کوئی اسے روک نہ سکا۔ کلیدی

مقامات یکے بعد دیگرے مسخر ہوتے گئے مثلاً بریانسک جو یوکرائن کا اہم ریلوے سٹیشن تھا۔سمولنسک جو42-1941ء میں جرمنوں کا مشرقی مستقر تھا۔نیپر و پیٹروسک، جہاں یورپ کا سب سے بڑا بند تھا، روسیوں نے 1941ء میں اس کا ایک حصہ تباہ کر دیا تھا(روسیوں نے کہا تھا کہ ہم نے اس بند کو اڑا دیا تا کہ روس کے پنجسالہ منصوبے کا یہ پہلا بچہ ہٹلر کے قزاقوں کے ہاتھ نہ پڑ جائے) کیف دریائے نیپر پر واقع تھا۔جرمنوں نے پسپا ہوتے وقت شہر کی یہودی آبادی کو ذبح کر ڈالا۔یہ شہر اکتوبر میں فتح ہوا۔اس کے بعد روسی زٹو یر پر چڑھ گئے جو پرانی پولستانی سرحد سے صرف سڑسٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔

1943ء میں روسیوں کے کارناموں کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے:

ایک لاکھ چالیس ہزار مربع میل علاقہ واپس لے لیا گیا۔سٹالین گراڈ کے وقت سے پورا آزاد کردہ علاقہ سوا تین لاکھ مربع میل ہو گیا۔

اڑتیس ہزار سے زیادہ قصبے اور دیہات آزاد کرائے گئے۔

ہٹلر کے بیس لاکھ وحشی مقتول و مجروح ہوئے۔

تمام مقتول و مجروح جرمنوں کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔

پانچواں حصہ

محوریوں کی تباہی

27

اتحادی فتوحات کے نقشے

پٹرول کے لیے جنگ

دنیا بھر کے عوام جنگی میدانوں کی ہلاکت بار کشمکش، جہازوں کی غرقابی، فضا میں طیاروں کی تباہی کے متعلق ڈرامائی رودادوں سے مسحور ہوتے تھے اور اخباروں کی سرخیاں انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں لیکن پس منظر میں جو خاموش کشمکش جاری تھی اس سے بہت کم آگاہ تھے یعنی وہ شدید اقتصادی جنگ جس نے دوسری عالمی جنگ کے زبردست نتائج پر بے پناہ اثر ڈالا۔ شکست و فتح کا انحصار زراعت، تیل، جنگ کے مصارف، ساز و سامان کی تیاری، جہاز سازی، طیارہ سازی، وسائل نقل و حمل، انجینئری اور سرمایہ و محنت کے مسائل حل کر لینے پر تھا۔

تمام متحارب ملک ایسے اقتصادی مسائل سے دوچار ہوئے جو یکساں بنیادی تدابیر کے متقاضی تھے۔ جنگی کاروبار نے زندگی کے وسائل میں تخفیف اور پابندیاں ضروری بنادی تھیں۔ لوگوں پر زیادہ سے زیادہ محاصل عائد ہوئے جو بے اندازہ مصارف کی بنا پر ناگزیر ہو گئے تھے۔ راشن حد درجہ ضروری ہو گیا۔ پہلے پٹرول، گوشت اور مکھن کے سلسلے میں راشن جاری ہوا پھر کوئلے اور کپڑے پر پابندیاں عائد کرنی پڑیں۔ تعیش کے سامان ناپید ہو گئے جو سامان میسر نہیں

آتے تھے وہ چور بازار میں نمودار ہوئے۔ نئے مکانوں کی تعمیر رک گئی۔ جنگ کے باعث نقل وحمل میں بے آرامی اور خلل شروع ہو گیا۔ فوج اور عام آبادی کے لیے غذا مہیا رکھنے کے مسئلے نے انتہائی اہمیت اختیار کر لی۔ ہر جگہ افتادہ زمینوں کی کاشت پر توجہ ہوئی۔ ان میں بہت سے ایسے خطے تھے جو ایک صدی کی صنعتی اور تجارتی توسیع کے باعث نذر تغافل ہو چکے تھے۔ شہری آبادی میں جو کھلے مقامات موجود تھے یا عمارتوں کے درمیان جہاں جہاں بم برسائے جا چکے تھے وہاں سبزیوں کے باغ لگانا ضروری ہی نہیں رہا بلکہ عام فیشن ہو گیا۔

جنگ کے اندر اس اقتصادی جنگ میں اتحادیوں، خصوصاً امریکا نے خوب فائدہ اٹھایا۔ 1942ء میں اتحادیوں کے پاس اقتصادی وسائل بکثرت موجود تھے۔ جنگی سامان کی تیاری میں ان کا تناسب دنیا بھر کے اندر ساٹھ فیصد تھا۔ چھیاسی فیصد پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کے علاوہ اکہتر فیصد گندم، سڑسٹھ فیصد کوئلہ، چونسٹھ فیصد لوہا اور پچاس فیصد شکر کے وہ مالک تھے۔ ٹنگسٹن فولاد کو سخت بنانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس کا نصف حصہ مشرق بعید کے ان علاقوں میں پایا جاتا تھا جو اتحادیوں کے زیر اثر تھے۔ بیس فیصد ٹنگسٹن نئی دنیا میں موجود تھا۔ ان اشیاء کی اہمیت کسی شرح کی محتاج نہ تھی۔ گویا اتحادیوں کی اقتصادی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔

یورپ کی جنگ ہٹلر اور امریکا کی صنعتی پیداوار کے درمیان ایک اہم آزمائش گاہ ثابت ہوئی (ہٹلر کی پیداوار سے مراد جرمنی کی صنعتی صلاحیت نہیں بلکہ یورپ کی وسیع صلاحیت مراد ہے جس پر نازیوں کا قبضہ تھا)۔ جنگ سے پیشتر ہٹلر نے کہا تھا کہ جب یورپ نازیوں کے قبضے میں آجائے گا تو وہ امریکا کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ اور اعلیٰ پیمانے پر جنگی سامان تیار کر لے گا۔ اسے یقین تھا کہ جرمنوں کے زیر اثر صنعتی قوت امریکا کی آزاد سرمایہ داری پر فوقیت لے جائے گی۔ وہ مطلق العنان اقتدار کا پیکر تھا۔ اس لیے انتہائی مستعدی اور تیزی سے امریکی صنعت کو پیچھے چھوڑ جائے گا اور اسے کام شروع کرنے کا موقع بھی نہ دے گا۔ ہٹلری اقتصادیات کی دو سطحیں تھیں اول تمام چیزوں پر قبضہ کر لینے کی پالیسی جسے تصرف اور لوٹ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ نازی جیسی سی ملک کا گلا گھونٹیں تو منظم طریق پر اس کا پورا جنگی سامان، صنعتی مشینری، خام مال، ریلوں کے ڈبے اور انجن، بلکہ سامان تعیش بھی اٹھا کر جرمنی پہنچا دیتیں۔ گویا ہر جگہ سے دولت وثروت کا

سیل تیسری رائیش میں پہنچنے لگا۔ بہت کم جرمنوں کو یہ جاننے کی ضرورت تھی کہ خوش تدبیر اور اختراع پسند فیوہرر نے یہ انتظام کیوں کر کرلیا۔

دوسری سطح یہ تھی کہ ہٹلر نے یورپ میں ایک نئی اور زبردست اقتصادی وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس وحدت نے نازی جرمنی کو صنعت، مالیات اور انتظامات کا مرکز بنا دیا۔ تمام ماتحت ممالک کو اس نے چراگاہوں اور زرعی فارموں کی شکل دے دی جن کا وظیفہ یہ قرار دیا کہ نازی آقاؤں کے لیے غذا اور خام جنسیں پیدا کرتے رہیں۔ متصرفہ ممالک میں ایسے انتظامات جاری کر دیے کہ تصرف کے تمام مصارف وہ ادا کریں اور نازیوں کے پٹھوؤں کو مقامی صنعت، تجارت اور بینک کاری کا ذمہ دار بنا دیا۔ یورپ میں اقتصادی زندگی کا جو متحرک پہیہ تیار کیا۔ اس میں جرمنی کو دھرے کی حیثیت دے دی گئی۔ ہٹلر کو یقین تھا کہ امریکی صنعت یورپ کے اس وسیع صنعتی اشتراک کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

ہٹلر نے امریکا کی صنعتی صلاحیت کے متعلق جو تصور قائم کیا وہ بالکل غلط تھا۔ امریکا کے اقتصادی انتظام نے ساری دنیا پر آشکارا کر دیا کہ اس میں ضرورت کے مطابق پھیلنے کی گنجایش اور قوت موجود ہے۔ امریکی نظام میں نئے افکار، نئے تصورات اور نئے طریقے بروئے کار آگئے۔ انھیں کوئی مطلق العنان قوت پامال نہیں کر سکتی تھی۔ امریکا کے اقتصادی نظام کی صلاحیت دوران جنگ کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھی۔ بلاشبہ مزدوری، عمرانیات اور مالیات کے نازک مسائل سامنے آئے مثلاً قیمتوں اور اجرتوں کو استوار رکھنے کی ضرورت لیکن ان کا حل نکال لیا گیا۔ امریکا کی صنعتی کوششوں نے اتحادیوں کے اشتراک سے محوریوں پر اتحادیوں کی برتری ثابت کر دی۔ پھر اتحادیوں نے غیر جانبدار ملکوں کے متعلق بڑی اقتصادی جنگ میں کامیابی حاصل کی یعنی ان ملکوں سے سامان خریدنے کا پروگرام بنا لیا اور ساری دنیا کے کمیاب ذخیرے امریکا اور برطانیہ نے خرید لیے۔ دشمن کو ان ذخیروں تک دسترس کا موقع نہ دیا۔

جاپانی بھی اقتصادی جنگ میں شکست کھا گئے۔ جاپان جنوبی سمت میں پیش قدمی کرتے کرتے آسٹریلیا کے قریب پہنچ گیا لیکن وہ ان فوائد کو اقتصادی اعتبار سے ہضم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ 1941ء میں بڑی بڑی جنگی صنعتوں نے خام مال، مزدور اور سرمایہ زیتبسو کے ہاتھوں میں

پہنچا دیا۔ یہ چند خاندانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ تھا جس نے صنعت و تجارت میں بہت دولت جمع کر لی تھی۔ زیبٹسو نے سست رفتاری سے کام شروع کیا اور ذاتی اغراض پیش نظر رکھیں دور اندیشی سے کام نہ لیا۔ اس گروہ کی کوشش برابر یہ رہی کہ چھوٹی صنعتوں کو یا تو حذف کر دیا جائے یا ہضم کر لیا جائے۔ بڑی اقتصادی جنگ کا یہ کوئی اچھا طریقہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاپان کی صنعتی پیداوار اس پیمانے پر نہ پہنچ سکی جو امریکا کے بڑھتے ہوئے جارحانہ اقدامات کے مقابلے کے لیے ضروری تھا۔ وزیر اعظم ٹوجو مارچ 1943ء تک کلیدی صنعتوں پر قبضہ نہ کر سکا۔ جب اس نے قبضہ کر لیا تو زبیٹسو میں سے مشیر قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اتحادیوں اور محوریوں کے درمیان خاموش جنگ کے پٹرول نے خون حیات کی حیثیت اختیار کر لی۔ پٹرول کے بغیر ہر جنگی مشین بیکار تھی۔ جنگ کی ہر شے کا انحصار پٹرول پر تھا۔ اس کے بغیر نہ توپیں چلتی تھیں نہ ٹینک، نہ بحری جہاز کام دیتے تھے، نہ طیارے۔ ہر جارحانہ اقدام میں پٹرول کی ضرورت تھی۔ اسی سے خیموں مین گرمی پہنچائی جاتی، اسی سے کپڑے دھلتے۔ اسی سے پانی صاف کیا جاتا۔ یہ دواؤں میں بھی استعمال ہوتا۔ اسی سے مہلک آتش ریز بم پھینکے جاتے۔ ایک بکتر بند ڈویژن کو مصروف پیکار رکھنے کے لیے روزانہ ساٹھ ہزار گیلن پٹرول درکار تھا۔ ڈیزل آبدوزوں کے لیے ایندھن فراہم کرتا۔ فضائی جنگ کے لیے بھی پٹرول ناگزیر تھا۔ گھریلو محاذوں پر بھی اس کی سخت ضرورت تھی۔ ٹرک اور ٹریکٹر اسی سے چلتے۔ اسی سے حرارت حاصل کی جاتی۔ غرض عظیم الشان جنگی اسلحہ کی کارفرمائی پٹرول ہی پر موقوف تھی۔

ظاہر تھا کہ جو فریق پٹرول کی جنگ جیت لیتا، وہی بڑی جنگ میں کامیاب ہوتا۔ امیر البحر نمٹز نے جنگ کے آغاز میں بتایا تھا کہ فتح کا انحصار غلے، گولیوں اور پٹرول پر ہے۔ 1945ء تک نمٹز نے ان اشیاء کی ترتیب بدل کر یوں کر دیا کہ جنگ میں کامیابی کا انحصار پٹرول، گولیوں اور غلے پر ہے۔ دسمبر 1941ء تک جنگ عالمی صورت اختیار کر رہی تھی۔ اس وقت پٹرول پیدا کرنے والے بڑے حلقے دنیا میں تین تھے جن سے سالانہ دو ارب چودہ کروڑ نوے لاکھ بیرل پٹرول نکلتا تھا (ایک ارب ستر کروڑ بیرل شمالی و جنوبی امریکا سے، بتیس کروڑ بیرل قفقاز اور شرق اوسط سے، چھ کروڑ آٹھ لاکھ بیرل شرق الہند سے اور چھ کروڑ اسی لاکھ بیرل باقی خطوں

ہے)۔ اتحادیوں کو چھیاسی فیصد پٹرول پر نظم وضبط حاصل تھا اور جنگ میں برتری کا یہ بہت بڑا ذریعہ تھا۔

اتحادیوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ پٹرول اور گیس کو ان مقامات پر پہنچایا جائے جہاں ان کی حد درجہ ضرورت تھی۔ امریکا میں بھاری پائپ لائنیں پٹرول کی وسیع تر مقدار جنوبی و مغربی اور وسطی ومغربی علاقوں سے برابر پہنچا رہی تھیں، جہاں سے یہ کشتیوں، ٹرکوں وغیرہ میں سوار کر دیا جاتا تھا۔ پٹرول کے بہت بڑے بڑے ڈرم ان سواحل پر موجود تھے، جہاں سے حملہ ہونے والا تھا۔ پٹرول کے ٹینک مختلف محاذوں پر یہ ضروری جنس پہنچاتے تھے۔

اتحادیوں نے پٹرول کی پائپ لائنیں ہر جگہ بچھانے کی کوشش کی۔ امریکی انجینئروں نے ہندوستان اور برما سے اٹھارہ سو میل لمبی پائپ لائن چین پہنچا دی۔ ایک ہزار میل لمبی پائپ لائن شمالی افریقہ میں فوجی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ پھیلتی گئی، یہاں تک کہ ایک ہزار میل لمبی ہوگئی۔ نارمنڈی پر 1944ء میں حملہ ہوا تھا۔ اس کے بعد متحرک پائپ لائنیں پچاس میل روزانہ کی شرح سے تعمیر ہوتی گئیں تاکہ جرمنی میں پیش قدمی کرنے والی اتحادی فوجوں کو پٹرول ملتا رہے۔

محوریوں کو بھی پٹرول کی سخت ضرورت تھی۔ وہ کچھ مدت تک ان محفوظ ذخیروں سے کام لیتے رہے، جو دوران امن میں جمع کر لیے گئے تھے۔ پھر انھوں نے متصرف ملکوں کے ذخائر پر قبضہ کر لیا لیکن ان کا زیادہ تر انحصار مصنوعی پٹرول پر تھا۔ ہٹلر کو پہلے سے احساس تھا کہ ممکن ہے لڑائی لمبی ہو جائے۔ لہٰذا اس نے کہا کہ لڑنے کے لیے ہمیں پٹرول کے متعلق یقین کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اس کے لیے پٹرول کے بڑے خطوں تک پہنچنا موت وحیات کا مسئلہ بن گیا۔ جون 1941ء میں وہ روس کی طرف پلٹا تو اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ قفقاز سے روسی فوج کو جو پٹرول مل رہا ہے، اسے اپنے قبضے میں لے لے۔

ہٹلر نے آبدوزوں کے کپتانوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ جہازوں کی آمد ورفت کے راستوں پر چوکس رہیں اور جب انھیں کوئی ٹینکر وینزویلا یا ٹیکساس سے پٹرول انگلستان لاتا ہوا ملے تو اسے ڈبو دیں۔ اتحادیوں نے جواب میں مصنوعی پٹرول کے کارخانے پر سخت حملے کیے، جو جرمنی کے اندر تھا نیز پٹرول کے برے وسائل تباہ کر دیے۔ جرمنی میں مصنوعی پٹرول کے کارخانوں پر حملے

بڑے تباہی خیز تھے۔ جرمنی کی حوالگی کے بعد جو سرکاری روددادیں مکمل کی گئیں، ان میں بتایا گیا کہ مصنوعی پٹرول کے کارخانوں پر حملوں نے جرمنی کی شکست میں فیصلہ کن حصہ لیا۔ نازیوں کے پاس طیاروں کی کمی نہ تھی، پٹرول کی کمی تھی، جس کے باعث ہمیں فوقیت حاصل ہوئی۔ اس کے برعکس جنرل مارشل نے کہا کہ کوئی اتحادی طیارہ پرواز میں اور کوئی اتحادی جہاز لنگر اٹھانے میں پٹرول کی کمی کا شاکی نہ رہا۔

سیاسی فیصلے: کو بیک سے تہران تک

عالمی جنگ کے سپاہیوں کے لیے پوری دنیا اور موت وحیات کے مسئلے صرف اس کے خاص حلقے کے اردگرد چکر لگاتے تھے۔ وہ میدان جنگ کی کیچڑ اور خون سے لتھڑا ہوا کسی معاملے کے متعلق وجہ پوچھنے کا مجاز نہ تھا۔ اس کی تقدیر ایسے فیصلوں سے وابستہ تھی جو گمنام لوگوں کی طرف سے صادر ہوتے اور وہ لوگ اس سے بہت فاصلے پر تھے۔ اتحادیوں کی پوری جنگی چالوں کا نقشہ تین بڑے آدمی بناتے رہے یعنی روز ویلٹ، چرچل اور سٹالین لیکن یہ اتحاد بہتر سے بہتر حالت میں بھی مذبذب تھا۔ مغرب کے جمہوریت پسند اپنی بقا کے لیے مطلق العنان روس کے ساتھی بن گئے تھے مگر دونوں فریقوں کے لیے ایک دوسرے پر شکوک وشبہات کے وجوہ موجود تھے۔ تین بڑے آدمی، اس امر پر متفق ہو گئے کہ جرمنی اور جاپان کو میدانِ جنگ میں شکست دینا ضروری ہے لیکن فوجی معاملات کے ساتھ ساتھ گہرے سیاسی لوازم بھی موجود تھے۔ اس وجہ سے اتحادیوں میں کشیدگی پائی جاتی تھی۔

روز ویلٹ، جنرل مارشل اور جنرل آئیزن ہاور کی رائے یہ تھی کہ مقدم چیزوں کو بہرحال مقدم رکھنا چاہیے یعنی دشمن کو غیر مشروط حوالگی پر مجبور کیا جائے اور جس قدر جلد یہ کام انجام پائے، اتنا ہی اچھا ہے کیوں کہ لاکھوں کروڑوں امریکیوں کی جانیں خطرے میں تھیں۔ نقطہ چیں کہتے تھے کہ فوجی مقاصد پر زور دے کہ امریکی صدر نے سیاسی اعتبار سے سٹالین کے مقابلے میں مات کھائی ہے۔ نیز روز ویلٹ نے سادہ لوحی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کی شخصیت کا جادو روسی ڈکٹیٹر کو معقول باتیں سننے پر راضی کرلے گا مگر اتحاد کی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں دیکھا گیا کہ اتنے

بڑے مدبر کو ایک نا استوار حلیف نے یوں دم جھانسہ دے دیا ہو۔

چرچل کے نزدیک جنگ شطرنج کا ایک مہلک کھیل تھی، جس میں ماہر شاطر کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ چالیس مدمقابل سے پہلے سوچ رکھنی چاہیے۔ پہلی عالمی جنگ میں چرچل نے جرمنی پر یورپ کے نرم پیٹ کی طرف سے ضرب لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح برطانیہ کو دردانیال کی تباہی خیز مہم سے سابقہ پڑا (1915)۔ دوسری عالمی جنگ میں بھی چرچل کا اصرار یہی تھا کہ رود بار انگلستان کی طرف سے حملہ بعد میں کیا جائے۔ پہلے جنوبی و مشرقی حصے سے بلقان کے راستے حملہ ہونا چاہیے۔

سٹالین اپنے رفیقوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس شک وشبہ نے اس میں مالیخولیا کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ جب سے ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تھا، سٹالین نے مطالبہ شروع کر دیا کہ مغرب میں دوسرا محاذ قائم کر دیا جائے تاکہ روسی فوجوں پر دباؤ کم ہو سکے۔ برطانیہ اور امریکا نے دو منصوبے بنائے، ایک 1942ء میں، دوسرا 1943ء میں۔ دونوں کا مقصد یہ تھا کہ ساحل فرانس پر ضرب لگائی جائے، مگر ان پر عمل نہ ہو سکا۔

اس اثنا میں ماسکو کی طرف سے دوسرے محاذ کا مطالبہ تیز تر ہوتا گیا۔ 1943ء کے نصف آخر میں کئی کانفرنسیں ہوئیں، جن میں دوسرے محاذ کے علاوہ دوران جنگ میں زیادہ فوجی ربط و ضبط نیز صلح کے نقشے زیر غور آتے رہے۔ 17 اگست سے 23 اگست 1943ء تک روز ویلٹ، چرچل اور ان کے مشیروں کے درمیان ایک کانفرنس کوبیک (کینیڈا) میں ہوئی جس میں یورپ اور ایشیاء کے اندر فوجی چالوں پر بحث کی گئی۔ سٹالین اس میں بھی شریک نہ ہوا۔ عذر یہ پیش کیا کہ روس جاپان سے برسر جنگ نہیں۔ اس میں یورپ پر بڑے حملے کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا اور اسکے لیے یکم مئی 1944ء کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ بحیرۂ روم میں وسائل کی تقسیم یہ مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے ہوگی کہ رود بار سے حملہ کامیاب ہو سکے۔

ماسکو میں ایک اجلاس 18 اکتوبر 1943ء سے شروع ہوا اور بارہ روز جاری رہا۔ اس میں تین بڑے شریک نہ ہوئے، لیکن وزرائے خارجہ پہلی مرتبہ اکٹھے ہوئے یعنی اینتھنی ایڈن (برطانیہ)، سیکرٹری کارڈل ہل (امریکا)، مورو ٹوف (روس) سیکرٹری ہل کے اصرار پر چینی

سفیر مقیم روس کو بھی دعوت دے دی گئی کہ وہ میثاق میں شریک ہو جائے۔ ایڈن نے بتایا، سٹالین کا مزاج خوشگوار معلوم ہوتا تھا اور کسی بھی نقطے کے متعلق ماضی کے خلاف کوئی غیر مناسب بات زبان پر نہ آئی...... معلوم ہوتا ہے......وہ سمندر پار سے حملے کو معمولی چیز نہیں سمجھتا تاہم ظاہر ہے کہ بڑا حملہ جلد سے جلد کرنے کے لیے وہ ہم سے ہر ممکن سعی کی امید رکھتا ہے اور ہمارے قول پر اس نے جس اعتماد کا اظہار کیا وہ بڑا حیرت انگیز ہے۔

میثاقِ ماسکو کے چار حصے تھے۔ پہلے حصے کا تعلق جنگ اور صلح میں متحدہ عمل کے وسیع اصول سے تھا۔ تینوں قوموں (امریکا، برطانیہ اور روس) نے اتفاق کر لیا کہ وہ باہمی اتحاد سے جرمنوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کریں گی، ان سے ہتھیار چھین لیں گی اور ملک پر اپنا ربط ضبط قائم رکھیں گی۔ روس نے نہ محض فاشزم کی تباہی میں تعاون کا وعدہ کیا بلکہ اتفاق کر لیا جب تک نئی عالمی تنظیم قائم نہ ہو گی وہ ہر ضروری معاملے میں اتحادیوں سے مشورہ کرے گا۔

میثاق کے دوسرے حصے میں تینوں طاقتوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ اٹلی کو تمام فاشسٹ قوتوں سے آزاد کرایا جائے گا اور اہلِ اٹلی کو موقع دیا جائے گا کہ جمہوری وسائل سے کام لے کر اپنی مرضی کی حکومت بنا لیں۔

میثاق کے تیسرے حصے میں تینوں طاقتوں نے اتفاق کر لیا کہ مارچ 1938ء میں جرمنی نے آسٹریا کا الحاق کر لیا تھا۔ یہ الحاق باطل سمجھا جائے۔ دستخط کنندوں نے اعلان کیا کہ وہ آزاد و خود مختار آسٹریا کے ازسرِ نو قیام کے خواہاں ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ اہلِ آسٹریا کے لیے بطور خود فیصلے کا راستہ کھل جائے۔ اسی طرح ہمسایہ ممالک بھی اپنا فیصلہ آپ کر لیں، جو ایسے ہی مسائل سے دوچار ہوں گے۔ یوں سیاسی و اقتصادی تحفظ پر پہنچ جائیں جو پائیدار امن کی واحد بنیاد ہے۔

سب سے آخر میں روز ویلٹ، چرچل اور سٹالین کی طرف سے جرمن مظالم کے متعلق ایک اعلان شائع ہوا۔ اس کا مدعا بظاہر یہ تھا کہ نازیوں کے انتقام سے جتنے بدنصیبوں کو بچایا جا سکے، بچا لیا جائے۔

22 نومبر 1943ء کو روز ویلٹ اور چرچل کے درمیان ایک کانفرنس قاہرہ میں ہوئی۔ یہاں چین کی طرف سے چیانگ کائی شک کو پہلی مرتبہ بلایا گیا۔ اس کانفرنس کا معاملہ راز

میں نہ رکھا جا سکا اور عام افواہیں پھیل گئیں کہ کانفرنس ہونے والی ہے۔اس کے ایجنڈے میں صرف ایک مسئلہ تھا یعنی جاپان کے خلاف جنگ۔ کانفرنس کے بعد جو مستند اعلان ہوا، اس میں روس کا نام احتیاطاً باہر رکھا گیا کیوں کہ روس نے اس وقت تک جاپان کے خلاف جنگ کا اعلان نہیں کیا تھا۔اصل اعلان یہ تھا کہ تینوں اتحادی طاقتیں (برطانیہ، امریکا اور چین) جاپان کے جارحانہ اقدام کی روک تھام اور سزا کے لیے جنگ کر رہی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ برطانیہ نے جرمنی کی شکست کے بعد جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا ازسرِ نو عہد کر لیا۔اکثر امریکیوں کے نزدیک یہ ضروری تھا۔مزید برآں چین کی طرف سے فیصلہ کیا گیا کہ جب تک پوری امداد نہ ملے، چھاپہ مار دستوں کی جنگ جاری رکھی جائے۔اعلان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ تینوں اتحادی متحدہ اقوام کی ہمنوا ہو کر جاپان کے خلاف برسرِ جنگ ہیں اور اس وقت تک نازک وطویل کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھیں گی، جب تک جاپان غیر مشروط حوالگی قبول نہ کرے گا۔گویا مشرق بعید میں بھی صلح کے لیے گفت وشنید نہ ہوئی۔

یہ فیصلہ بھی کر لیا گیا کہ جاپان سے وہ تمام علاقے چھین لیے جائیں گے جو اس نے 1894ء سے فتح کیے۔فارموسا اور منچوریا چین کے حوالے کر دیے جائیں گے۔کوریا آزادی حاصل کر لے گا۔جزائر کوریل اور سکھالین کا نصف جنوبی حصہ روس کو دے دیا جائے گا اور امریکا وسطی بحرالکاہل کے وہ جزیرے سنبھال لے گا جو جاپان کو بسلسلہ حکمداری دیے گئے تھے۔

روزویلٹ، چرچل اور سٹالین کے درمیان جس ملاقات کا انتظار مدت سے کیا جا رہا تھا وہ 28 نومبر 1943ء کو ایران کے دارالحکومت تہران میں ہوئی اور یکم دسمبر تک جاری رہی۔ چرچل اور روزویلٹ دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ساٹھ مشیر تھے۔یہ سیاسی اور جنگی دماغوں کی زبردست نمائش تھی۔سٹالین بہت تھوڑے آدمی ساتھ لایا۔ان میں وزیر خارجہ مولوٹوف اور سپہ سالار مارشل دوروشیوف بھی شامل تھے۔آخر مغربی جمہوریتوں کے رؤسا کو بھی سوویت رئیس سے رُو در رُو ملاقات کا موقع مل گیا۔تینوں بڑوں نے خیر سگالی کا ثبوت دیا اور جرمنی کے خلاف فوجی کارروائیوں کا نقشہ مرتب ہو گیا۔

ڈمبرٹن اوکس

سوال یہ ہے کہ اس مشترکہ نظام تحفظ کی نوعیت کیا تھی جس کا فیصلہ اصولاً ماسکو میں ہوا تھا (1943ء)؟ اس سوال کا جواب مہیا کرنے کے لیے امریکا، برطانیہ، روس اور چین کے نمائندے، خصوصاً سٹیٹی نیس جونیر، الگزانڈر کیڈوگن، وائیکوئٹ ہیلی فیکس آنڈری گرومیکو، ولنگٹن کو ڈمبرٹن اوکس (واشنگٹن) میں جمع ہوئے۔ یہ اجتماع 21 اگست سے 29 ستمبر 1944ء تک جاری رہا۔ نمائندوں کا وظیفہ یہ تھا کہ آئندہ عالمی انجمن کے لیے عارضی تجاویز مرتب کرلیں۔

گفت وشنید ابتدا ہی سے پر پیچ تھی۔ چوں کہ روس نے جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں کیا تھا، اس لیے روسی اور چینی نمائندے یکجا نہ ہوئے۔ مجوزہ سلامتی کونسل میں ووٹوں کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جانے والا تھا، اس پر شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ غور وفکر کے بعد ڈمبرٹن اوکس میں مندرجہ ذیل تجاویز مرتب ہوئیں:

1- بین الاقوامی امن وتحفظ بحال رکھنا۔ امن کے لیے جو خطرے پیدا ہوں، ان کے ازالے اور روک تھام کے لیے موثر اجتماعی تجاویز اختیار کرنا۔ جارحانہ اقدامات اور دوسری امن شکن حرکتوں کو دبانا جو بین الاقوامی جھگڑے امن شکنی کے موجب بن سکتے ہیں، انھیں پُرامن ذرائع سے طے کردینا یا ان کے متعلق سمجھوتہ کرادینا۔

2- قوموں کے درمیان دوستانہ روابط کو فروغ دینا اور دوسری مناسب تدابیر اختیار کرنا، جن سے عالمی امن کو تقویت پہنچے۔

3- بین الاقوامی اقتصادی، عمرانی اور دوسرے انسانیت پرور مسائل کے حل کے لیے بین الاقوامی تعاون پیدا کرنا۔

4- ان مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے قوموں کے اعمال میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے ایک مرکز کا انتظام کردینا۔

28

سِسلی اور اٹلی کی مہمیں

(1)

سِسلی میں اُنتالیس دن

اگلا قدم سِسلی میں۔

سِسلی ایک بڑا اور مثلث پہاڑی جزیرہ ہے۔ رقبہ تقریباً دس ہزار مربع میل ہوگا۔ اس کا ساحل چھے سو میل لمبا ہے اور یہ اٹلی کے جنوب مغرب میں اٹلی اور افریقہ کے درمیان ابھرا ہوا ہے۔ شمالی سِسلی میں نیبر وڈیکی اور مُدونی نام پہاڑ ہیں۔ شمال مشرق میں مشہور آتش فشاں پہاڑ اٹنیا ہے جو گیارہ ہزار آٹھ سو ستر فٹ بلند ہے۔ دریا زیادہ لمبے نہیں اور ان میں جہاز رانی نہیں ہو سکتی متعدد بندرگاہیں بہت اچھی ہیں مثلاً پرمو، جو شمالی ساحل پر واقع ہے اور جزیرے کا دارالحکومت ہے۔ سائرا کیوز، کٹانیا اور میسینا یہ تینوں مشرقی ساحل پر ہیں۔ میسینا اٹلی کے بوٹ کی نوک سے صرف دو میل پر ہے۔ بیچ میں آبنائے میسینا حائل ہے۔

سِسلی دشمن کے قبضے میں بحیرۂ روم کے راستوں کے لیے افقی اور عمودی دونوں اعتبار سے مشکلات کا باعث تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے محوریوں نے تیرہ ڈویژن فوج مقرر کردی تھی..... نو ڈویژن اطالوی (تین لاکھ پندرہ ہزار آدمی) اور چار ڈویژن جرمن (تقریباً نوے ہزار

آدمی) کل چار لاکھ پانچ ہزار فوج...... یہ فوج فیلڈ مارشل کیسل رنگ کے زیر کمان تھی اور پورے جزیرے میں چھوٹی چھوٹی چوکیوں، بڑے بڑے استحکامات اور خاردار تاروں کے پھندوں کا جال بچھا ہوا تھا۔

اتحادیوں کے لیے تیونس لے لینے کے بعد سسلی پر پیش قدمی ایک طبعی چیز تھی۔ اس کے بغیر محوریوں کے قلب پر حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کاسابلانکا کانفرنس میں آئزن ہاور نے واضح کر دیا تھا کہ اگر اٹلی پر حملہ مقصود ہے تو فوجی نقطۂ نگاہ سے میرے نزدیک سارڈینیا اور کارسیکا کو تقدم حاصل ہے، کیوں کہ وہ اطالوی بوٹ کے بازو میں واقع ہیں اور اگر ہم یہ دونوں جزیرے لے لیں تو دشمن کی فوج بری طرح بکھر جائے گی۔ سسلی پر قبضہ کرنے سے یہ صورت پیدا نہ ہوگی۔ ساتھ ہی کہا کہ اگر بحیرۂ روم کو اتحادی جہازوں کے لیے صاف کر لینا منظور ہے تو مناسب نصب العین سسلی ہی ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس نے سسلی کی مہم منظور کر لی، مگر ساتھ ہی کہہ دیا کہ میں اس علاقے میں غیر معین فنی مقاصد کی پابندی سے احتراز کروں گا۔ اس سے صاف واضح ہوتا تھا کہ امریکی اور برطانوی منصوبہ بندوں کے درمیان اختلاف رائے ہے جو جنگ کے باقی دور میں قائم رہا۔ جنرل مارشل اور جنرل آئزن ہاور کی رائے تھی کہ جن چالوں سے دشمن کو ختم کیا جا سکتا ہے انھیں ترجیح دینی چاہیے تاکہ فوجی اعتبار سے دشمن کا خاتمہ جلد ہو سکے۔ وہ کہتے تھے کہ جو کچھ بحیرۂ روم میں کیا جا رہا ہے اسے رودبارِ انگلستان کے راستے حصارِ یورپ پر حملے کے تابع رکھنا چاہیے۔ اس کے سوا جو قدم اٹھایا جائے گا وہ جنگی نہیں سیاسی ہوگا۔

سسلی پر حملہ ایک بہت بڑا اقدام تھا۔ محوریوں کے علاقے پر خشکی اور تری میں یہ پہلی وسیع ضرب تھی۔ اس کے لیے بمبار اور لڑاکے طیارے، فوج اتارنے والی کشتیاں اور دوسری ضروری چیزیں دھڑا دھڑ پہنچ رہی تھیں۔ تقریباً تین ہزار جہاز، جن میں جنگی جہاز بھی تھے اور فوجیں ساحل پر اتارنے والی کشتیاں بھی، بحیرۂ روم، انگلستان اور امریکا کی بندرگاہوں میں جا بجا ٹھہرا دیے گئے۔ سب کو حکم دے دیا گیا کہ سسلی کے جنوب میں پہلے سے طے شدہ مقام پر جمع ہو جائیں تاکہ آدمی اور سامان ان کے ذریعے سے بھیجا جا سکے۔ اس اقدام کے لیے ایک لاکھ ساٹھ ہزار تربیت یافتہ اور مسلح فوج، چودہ ہزار گاڑیاں، چھ سو ٹینک اور اٹھارہ سو بھاری توپیں مخصوص کر دی گئیں۔

امریکیوں کے ساتھ بھی ایک ڈویژن ایسا تھا جو طیاروں میں گیا۔ انگریزوں کے ساتھ بھی ایک ڈویژن اسی قسم کا تھا امریکہ نے پچپن فی صد فضائی قوت فراہم کرنے کا ذمہ لے لیا۔ برطانیہ نے پینتالیس فی صد فضائی قوت مہیا کی لیکن اسی فیصد بحری حفاظت کا انتظام لندن کے ذمے رہا۔

آئزن ہاور کو کماندار اعلیٰ بنایا گیا۔ اس نے مختلف لشکروں کے درمیان ہم آہنگی قائم رکھی۔ اس کے زیرِ علم پانچ لشکر لڑ رہے تھے۔ امریکی فوج، جس مین فضائی قوت بھی شامل تھی۔ امریکی بیڑا، برطانوی فوج، برطانوی فضائی فوج اور برطانوی بیڑا۔ پندرھویں فوجی گروہ کا کماندار الگز انڈر تھا، جس کے ماتحت آٹھویں فوج کا سالار جنرل منٹگمری، ساتویں امریکی فوج کا سردار جنرل پیٹن تھا۔ فضائی فوج کا سالار مارشل ٹیڈر کو بنا دیا گیا تھا۔ پوری فضائی قوت اس کے ماتحت تھی۔ اسی طرح اتحادیوں کا بحری بیڑا اینڈریو کننگھم کی کمان میں تھا۔

کامیابی کا خاصا امکان تھا، البتہ سسلی میں جرمنوں کی جو فوج موجود تھی، اس سے شدید مزاحمت کی امید تھی۔ اطالوی فوجیں بھی ان کے ساتھ مزاحمت میں شریک ہوتیں۔ اتحادیوں کے لیے ایک سازگار پہلو یہ تھا کہ اہلِ سسلی کا مزاج اتحادیوں کے حق میں تھا۔ جرمنوں سے انھیں نفرت تھی۔ سسلی کے بہت سے دہقان کہتے تھے کہ امریکی اور انگریز آگئے تو ہماری مشکلات ختم ہو جائیں گی۔

حملہ آوروں کی پہلی منزل چھوٹا سا جزیرہ پینٹی لیریا تھا جو بحیرۂ روم کے وسط میں تھا اور اسے اٹلی کا ہیلگو لینڈ کہا جاتا تھا۔ یہ جزیرہ سسلی اور تیونس کے درمیان واقع تھا۔ ساحلِ افریقہ سے چوالیس میل اور ساحل سسلی سے ساٹھ میل۔ یہ اڑھائی ہزار فٹ کی چٹان اٹلی کو 1860ء میں سلطنت نیپلز کے ساتھ ملی تھی۔ ابتدا میں اس پر کوئی توجہ نہ کی گئی۔ 1935ء میں مسولینی نے اسے بحری اور ہوائی مرکز بنا دیا۔ جغرافیائی نقطۂ نگاہ سے یہ چھوٹا سا جزیرہ ناقابل تسخیر تھا کیوں کہ پورے کا پورا بشمول ساحل پہاڑی تھا اور ایک راستہ تھا، جدھر فوج اُتاری جا سکتی تھی۔ یہ چھوٹی سی بندرگاہ تھی۔ اس میں ایک ہی ہوائی اڈہ تھا۔ وہ محوریوں کے لیے بڑا کارآمد تھا۔ آئزن ہاور نے کہا:

"ہم سمجھتے تھے کہ جزیرے پر معمولی نقصان کے ساتھ قبضہ ہو جائے گا...... ہماری یہ رائے اس خیال پر مبنی تھی کہ اہلِ اٹلی لڑائی کا مزہ خوب چکھ چکے ہیں اور اب وہ

الگ ہو جانے کا معقول بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔"

آئزن ہاور کی یہ رائے درست تھی۔ جون 1943ء کے اوائل میں اتحادیوں نے چھے دن اور چھے راتیں پانچ ہزار ٹن آتشیں بم جزیرے کے مشرق میں ایک محدود علاقے کے اندر گرائے۔ ساتھ ہی بحری جہازوں نے مرتکز آتشباری کی۔ یہ اقدامات موثر ثابت ہوئے۔ 11 جون 1943ء کو حملہ آور فوجیں بڑے جہازوں سے اُتر کر اُن کشتیوں میں سوار ہونے والی تھیں جو انھیں ساحل پر اتار دیتیں کہ یکا یک پنٹیلینا کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ اتحادیوں میں سے کسی جان کا نقصان نہ ہوا، البتہ ایک سپاہی کو خچر نے کاٹ لیا۔ گیارہ ہزار آدمی قید کر لیے گئے۔ چرچل اور آئزن ہاور نے ایک شرط بدلی تھی کہ تین ہزار سے زیادہ جتنے قیدی ہوں گے ان کے لیے چرچل پانچ سینٹیم فی کس آئزن ہاور کو دے گا۔ چنانچہ آٹھ ہزار قیدیوں کے لیے چرچل کو یہ رقم ادا کرنی پڑی۔

آئندہ دو روز میں دو اور چھوٹے چھوٹے جزیرے...... لیمپیڈوسا اور لنوسا...... جو مالٹا کے مغرب میں تھے، مسخر ہو گئے۔ لیمپیلوسا نے ایک ہواباز کے روبرو ہتھیار ڈال دیے، جو پٹرول ختم ہو جانے کے باعث جزیرے میں اتر پڑا تھا۔ غرض سسلی کے جنوب میں دشمن کی کوئی چوکی نہ رہی اور اب پورے اطمینان سے جزیرے پر حملہ ہو سکتا تھا۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران میں اتحادیوں کی جنگی چالوں کی ایک خصوصیت یہ رہی کہ دشمن کو ہدف حملہ کے متعلق گومگو میں رکھا جاتا۔ یہاں بھی یہی کیا گیا۔ شروع میں ہوائی جہازوں کے حملے سسلی اور سارڈینیا پر ہوتے رہے اور بحری جہازوں کی نقل و حرکت سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یونان پر حملہ منظور ہے۔ سسلی میں دشمن کے وسائل نقل و حمل بری طرح تباہ کیے گئے۔ سسلی اور اٹلی کے درمیان آبنائے میسینا میں پانچ ایسے مقامات تھے جہاں سے ٹرینوں کی سواریاں کشتی میں بیٹھ کر پار ہوتیں اور دوسری جانب ٹرینوں میں سوار ہو کر روانہ ہو جائیں۔ ان میں سے چار مقامات بالکل تباہ کر دیے گئے۔ جرمن اور اطالوی طیارے سسلی سے اٹلی چلے گئے۔ اتحادیوں نے فضائی برتری کا مکمل انتظام کر لیا۔ 9 جولائی 1943ء کو بہت بڑا بیڑا آدمیوں اور ساز و سامان کے ساتھ مالٹا کے جنوب میں مقررہ مقام اتصال پر جمع ہو گیا۔ حکم دے دیا گیا تھا کہ دوسرے روز سسلی میں

فوج اتار دی جائے لیکن موسم بہت خراب ہوگیا۔ شمال و مغرب سے بے موسم ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں طوفان آ گیا، مگر امید تھی کہ یہ غیر معمولی حالت جلد ختم ہو جائے گی۔ رات کو ہوا ہلکی ہوگئی، طوفان گھٹ گیا اور سسلی کے مغربی ساحل پر لہریں زیادہ نہ رہیں۔ اگرچہ دفاعی فوج کو حملے کی امید نہ تھی، پھر بھی یہ ایک بہت بڑا جواء تھا۔

رات کو چھاتا فوج کا ایک دستہ جزیرے میں اتار دیا گیا تاکہ وسائل نقل و حمل تباہ کرنے کے علاوہ ہوائی اڈوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ صبح کو دھوپ کنارے کے سفید جھاگ پر نمودار ہوئی تو گوناگوں کشتیاں کنارے کی طرف بڑھیں۔ امریکیوں نے نئی وضع کی کشتیوں سے کام لیا۔ یہ کشتیاں خشکی اور تری دونوں میں بوجھ سنبھال سکتی تھیں۔

ابتدا میں مزاحمت برائے نام تھی۔ سواحل کے اکثر حصوں میں دفاع کا کوئی انتظام نہ تھا اور چوکیاں خالی کر دی گئی تھیں۔ محوری کمانداروں کو مقام حملہ کے متعلق جزواً غلط فہمی ہوئی اور وہ اپنی فوجوں کا بڑا حصہ جزیرے کے مغربی سرے پر لے گئے۔ یہ حصہ شمالی افریقہ کی ان بندرگاہوں سے قریب تر تھا جو اتحادیوں کے قبضے میں تھیں لیکن حملہ جنوبی و مشرقی سواحل پر ہوا۔

اہل سسلی نے اتحادیوں کو آتے دیکھا تو پُر جوش نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اتحادی فوجوں کے لیے پھل، پھول اور شراب لے کر آئے۔ اطالوی فوجوں نے صرف برائے نام مزاحمت کی، پھر گروہ در گروہ ہتھیار ڈالتی گئیں۔ بعض اطالویوں نے فوجی وردی اتار کر عام شہری لباس پہن لیے اور غائب ہوگئے۔ لڑنے سے گریز کے لیے وجہ جواز موجود تھی۔ اکثر اطالوی اپنے ساز و سامان کی خرابی سے بیزار تھے اور ہر طرف نااہلی پھیلی ہوئی تھی۔ اطالویوں کو راشن کے جو ڈبے بھیجے جاتے تھے، ان کے اوپر ایک ہلکی سی تہ غذائی جنسوں کی ہوتی تھی، نیچے روڑے کنکر بھر دیے جاتے تھے۔ بعض اطالوی جہاز اڑ ہی نہیں سکتے تھے۔ ٹینک اتنے بوسیدہ تھے کہ ایک ہی ضرب سے جل اٹھتے۔ تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اکثر اطالوی مسولینی کی فاشزم اور اس کی نمائشی شعلہ افشانیوں سے بیزار تھے۔

سسلی کی مہم 17 اگست 1943ء کو انتالیس روز کے بعد ختم ہوگئی۔ جنرل مارشل کا اندازہ یہ تھا کہ دشمن کے ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار آدمیوں کا نقصان ہوا، ان میں سے سینتیس ہزار جرمن

تھے۔ اتحادیوں کے کل مقتول، مجروح اور لاپتہ آدمی اکیس ہزار ایک سو اٹھاون تھے۔

شکست خوردہ جرمن اپنی دو تہائی فوج (تقریباً ساٹھ ہزار) جس میں گورنگ کا ڈویژن بھی شامل تھا، چھوٹی چھوٹی کشتیوں اور طیاروں کے ذریعے سے نکال کر آبنائے میسینا کے پار لے گئے۔ ڈنکرک کی طرح یہ بھی ایک بڑا کارنامہ تھا۔ پسپائی تاریکی میں ہوتی رہی۔ اتحادیوں کی فضائی قوت ایک اہم مقصد میں ناکام رہی لیکن انھیں بہت سا جنگی سامان مل گیا جسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا خصوصاً جرمن اور اطالوی ٹینک۔ امریکا اور برطانیہ کے تربیت یافتہ انتظامی افسر فوراً پہنچ گئے اور انھوں نے نظم ونسق سنبھال لیا۔ روزویلٹ نے کہا:

"یہ انجام کا آغاز ہے۔"

سسلی کی تسخیر نے آشکارا کر دیا تھا کہ اتحادی کسی بھی محاذ پر انتہائی قوت وصلاحیت سے ضرب لگا سکتے ہیں۔ جاپانیوں کے لیے بھی یہ خاص سبق تھا لیکن امریکی اور برطانوی کمانداروں پر بڑی نقطہ چینی ہوئی۔ کہا گیا کہ ان کے قائد فکر وخیال سے خالی ہیں۔ اتحادیوں کو بری، فضائی اور بحری قوت میں صریح برتری حاصل تھی۔ بایں ہمہ انھوں نے جرمنی کی فوج کے ایک اعلیٰ حصے کو نسبتاً معمولی نقصان سے بچ نکلنے اور اٹلی پہنچ جانے کا موقع دے دیا۔

مسولینی کی برطرفی

17 جولائی 1943ء کو اتحادی طیارے رومہ اور دوسرے بڑے بڑے اطالوی شہروں پر نمودار ہوئے اور اشتہارات پھینکے جو صدر جمہوریہ امریکا اور وزیراعظم برطانیہ کے ایک پیغام پر مشتمل تھے:

"اس وقت امریکا اور برطانیہ کی متحدہ افواج جنرل آئزن ہاور اور اس کے نائب جنرل الگزانڈر کے زیر کمان آپ کے ملک کے اندر تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور جنگ آپ کے ملک کے اندر پہنچ رہی ہے۔ یہ اس شرمناک قیادت کا نتیجہ ہے، جس کی ذمہ داری مسولینی اور اس کے فاشسٹ نظام پر عائد ہوتی ہے۔

مسولینی نے آپ لوگوں کو قوموں اور ان کی آزادی کے وحشی، تباہ کار (ہٹلر) کا

طفیلی بنا کر اس جنگ میں دھکیل دیا۔ مسولینی آپ کو اس لیے جنگ میں لے آیا کہ وہ سمجھتا تھا ہٹلر فتح حاصل کر چکا ہے۔ اٹلی پر فضا اور سمندر دونوں سے حملہ کر کے شکست دی جا سکتی ہے۔ بایں ہمہ آپ کے فاشسٹ لیڈروں نے آپ کے فرزندوں، جہازوں اور فضائی قوت کو دور افتادہ میدان ہائے جنگ میں بھیج دیا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ جرمنی کو انگلستان، روس اور پوری دنیا فتح کرنے میں مدد دے……

آپ اقوام متحدہ کی مجموعی فوج کے مقابلے میں جو وقت صرف کریں گے اور اپنے خون کا ہر قطرہ، جو اس راہ میں بھینٹ چڑھائیں گے اس کا صرف ایک نتیجہ نکل سکتا ہے اور وہ یہ کہ فاشسٹ اور نازی لیڈروں کو ان کے جرائم کے ناگزیر نتائج سے بچنے کی تھوڑی سی اور مہلت مل جائے گی۔ جرمنی، نیز آپ کے جھوٹے اور رشوت خور لیڈروں نے آپ کے تمام مفادات اور روایات سے غداری کی ہے۔ آپ ان دونوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ہی از سرِ نو تنظیم یافتہ اٹلی کے لیے یورپی قوموں کے حلقے میں باعزت مقام حاصل کر لینے کی امید رکھ سکتے ہیں۔

اہل اٹلی! آپ کے لیے وقت آ گیا ہے کہ اپنی خودداری اور اپنے مفاد پر غور کریں۔ قومی وقار، تحفظ اور امن کی بحالی کے لیے اپنی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ آپ کے لیے یہ فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ آیا اطالویوں کو مسولینی اور ہٹلر کی خاطر مرتے رہنا چاہیے یا اٹلی اور تہذیب کی خاطر ان کا زندہ رہنا ضروری ہے؟"

(روزویلٹ، چرچل)

یہ پیغام نہایت عمدہ انداز میں لکھا گیا تھا اور اس کا ایک ایک لفظ مایوس اطالویوں کے دلوں میں اُتر گیا۔ وہ سوچتے تھے کہ آخر اس عظمت و شان کا کیا بنا جس کا وعدہ ہمارے نقلی ڈکٹیٹر نے کیا تھا؟ قدیم رومی سلطنت کی عظمت و خوشحالی کا احیاء کہاں گیا؟ اس کے بجائے اٹلی کے فرزند جنگی

میدانوں میں قربان ہو رہے ہیں۔ ان کا بیڑا ضربیں کھا کھا کر ناکارہ ہو چکا ہے۔ ان کے شہر تباہ کیے جا رہے ہیں۔ ان کا اقتصادی نظام برباد ہو چکا ہے۔ نوآبادیاں چھن چکی ہیں۔ طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ ان کی بیزاری کمال پر پہنچ چکی تھی۔ وہ ہمت اور حوصلہ ہار چکے تھے۔ ان کے حقوق پر پہلے ہی خاصی پابندیاں تھیں، رہی سہی کسر گسٹاپو کے کارندوں نے پوری کر دی۔

بیس سال سے دنیا کو فاشسٹ اٹلی کے زبردست کارناموں کی کہانیاں سنائی جا رہی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ مسولینی نے اٹلی کی بدنظمی ختم کر دی۔ ٹرینیں وقت پر چلنے لگیں۔ گداگر بازاروں سے غائب ہو گئے۔ کاہل اور بے حس لوگوں کو گردن سے پکڑ کر منظم اور اہل بنا دیا۔ یہ سب مبالغے تھے، جھوٹ تھے۔ دنیا سے کہیں بہتر اطالوی مسولینی کی پیدا کردہ سیاسی لغویت کی نوعیت سے آگاہ تھے۔

فروری 1943ء میں آٹھویں برطانوی فوج طرابلس الغرب فتح کر چکی تھی۔ اس وقت سیاسی بحران کی علامتیں نمودار ہوئیں۔ مسولینی نے اپنے کابینے میں رد و بدل کر لیا۔ اپنے داماد کاؤنٹ چیانو کو وزارت خارجہ سے ہٹا دیا اور اسے پوپ کے پاس اطالوی سفیر بنا دیا، جو گھٹیا درجے کا منصب تھا۔ تقدیر کا نوشتہ سامنے تھا۔ اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس کا کمزور داماد ہی نہیں، بلکہ اکثر ساتھی بیوفائی اور غداری کے مجرم بن چکے تھے۔ یہ خوشامدی پہلے مسولینی کو آسمانوں پر پہنچا چکے تھے، کہتے تھے کہ اٹلی کی تقدیر اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب یہ ناشکرے چوہے جہاز کو ڈوبتا دیکھ کر اس سے نکل جانے کے لیے تیار تھے۔ اب اس کی طرف حقارت کی انگلیاں اُٹھ رہی تھیں اور اس پر الزام لگایا جا رہا تھا کہ ملک کو جنگ مین اس فریق کے ساتھ دھکیل دیا جو شکست کھا رہا تھا۔

ایسے آدمی بھی موجود تھے، جنھیں مسولینی نے اونچے مناصب پر پہنچا دیا تھا مثلاً گرینڈی، جو اونچے درجے کا فاشسٹ لیڈر تھا وزیر خارجہ رہ چکا تھا اور برطانیہ میں سفارتی خدمات بھی انجام دے چکا تھا۔ مارشل بدولیو فاتح حبش، جنرل ایمبر وزیو، جو اطالوی افواج کا چیف آف سٹاف تھا، ڈیوک آف ایکواروں وزیر دربار، یہ سب ناشکرے، احمق اور غدار تھے۔

مسولینی کے خلاف سازش کرنے والے ایک خطرناک کھیل کھیل رہے تھے۔ ہر وقت یہ

خطرہ منڈلا رہا تھا کہ ان میں سے کوئی غداری کرے گا اور سب گرفتار ہو جائیں گے۔ اصل سوال چرچل کے الفاظ میں یہ تھا:

''بلی کی میاؤں کون پکڑے گا؟''

مسولینی سے امید تھی کہ وہ مشکلات سے باہر نکلنے کے لیے ایک آخری کوشش ضرور کرے گا۔ 19 جولائی 1943ء کو اس نے جنرل ریمبر وزیو کو ساتھ لیا اور ہٹلر سے ملنے گیا۔ یہ ملاقات فیلٹری وِلا میں ہوئی، جو رمنی کے نزدیک ہے۔ اب نازی اور فاشسٹ شان وشکوہ کی آرائشیں ختم ہو چکی تھیں۔ فتوحات کی مسکراہٹ بھی غائب تھی۔ فضا میں خنکی محسوس ہوتی تھی اور معاملہ انجام کے قریب پہنچا ہوا نظر آتا تھا۔

مسولینی نے مزید امداد کے لیے درخواست کی۔ ہٹلر نے فوراً تقریر شروع کر دی:

''ہمیں ایک آخری زبردست کوشش کرنی چاہیے...... سسلی کو سٹالین گراڈ بنا دینا چاہیے...... ہمیں سرما تک مقابلہ جاری رکھنا چاہیے۔ پھر انگلستان کے خلاف نیا خفیہ حربہ تیار ہو جائے گا......''

باقی رہی کمک یا مزید ساز و سامان تو یہ معاملہ خارج از بحث تھا۔ جرنی کے پاس جو کچھ تھا وہ روسی محاذ کے لیے حد درجہ ضروری تھا۔ اس اثنا میں خبر آئی کہ سات سو اتحادی طیاروں نے پہلی مرتبہ رومہ پر بم گرائے۔ لوگ گھبرا کر ویٹیکن شہر کی طرف دوڑے جو مقدس سمجھا جاتا تھا اور وہاں بم گرنے کی توقع نہ تھی۔ سینٹ پیٹر کے گرجے کا شہرۂ آفاق چوک ہراس زدہ پناہ گیروں کے ہجوم سے اٹ گیا۔ ہٹلر فیلٹری میں دو روز ٹھہرنا چاہتا تھا مگر اچانک واپس چلا گیا۔ مسولینی کا حوصلہ پست ہو گیا اور وہ غم و غصہ کا پیکر بن گیا۔ جب اس کا طیارہ رومہ میں اترنے والا تھا تو اردگرد دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے اور لٹوریو کے ریلوے سٹیشن میں جا بجا آگ لگی ہوئی تھی۔

پانچ روز بعد سیاسی آتش فشاں پہاڑ پھٹا۔ فاشسٹوں کی مجلس اعلیٰ کا اجلاس 1939ء کے بعد پہلی مرتبہ ہوا۔ مسولینی نے پھر ایک مرتبہ پہلے کی طرف لاف زنی سے اقتدار قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا:

''میں تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لوں گا۔ پوری ذمہ داری خود سنبھال لوں

گا۔غداروں اور تماشوں کو باہر پھینک دوں گا۔ یچ کسنا شروع کردوں گا۔ان
فوجوں سے کام لوں گا جو ابھی تک لڑائی میں شریک نہیں ہوئیں۔"

یہ طریقہ بے شمار موقعوں پر کامیاب ہو چکا تھا، لیکن اس مرتبہ مایوسی نے مسولینی کے سامعین کو پتھر بنا دیا تھا۔گرینڈی نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسولینی فوراً مسلح افواج کی کمان بادشاہ کے حوالے کر دے۔چیانو نے گرینڈی کی حمایت کی۔فیصلے کو ملتوی رکھنے کی کوششیں ناکام بنادی گئیں۔دس گھنٹے کی بحث کے بعد دو بجے شب ووٹ لیے گئے۔انیس ووٹ گرینڈی کی تحریک کے حق میں تھے، سات مخالف، وہ غیر جانبدار رہے۔

مسولینی نے بعد میں لکھا کہ ہر رکن کی حیثیت ووٹ دینے سے پہلے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔غداروں کے ایک گروہ نے بادشاہ سے گفت و شنید کر لی تھی۔ایک گروہ ان کے ساتھیوں کا تھا۔ایک گروہ ایسے آدمیوں کا تھا، جنھوں نے ووٹوں کی اہمیت کا ذرا احساس نہ کیا اور ووٹ دے دیے۔آئندہ اتوار کو(25 جولائی 1943ء) مسولینی نے بادشاہ سے ملاقات کی۔اسے امید تھی کہ بادشاہ اس کی حمایت کرے گا۔یہ ملاقات دردناک ثابت ہوئی۔مسولینی کو صاف صاف بتا دیا گیا کہ وہ وزیراعظم نہیں رہا۔بادشاہ نے کہا:

"اب زیادہ وقت صرف کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔اٹلی کے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔فوج کا حوصلہ پستی کی آخری منزل میں ہے۔سپاہی لڑنا نہیں چاہتے اور آج تمہاری حیثیت یہ ہے کہ اٹلی میں تم سے زیادہ کسی سے نفرت نہیں کی جاتی۔"

مسولینی شاہی محل سے نکلا تو اسے ایک موٹر ایمبولینس میں بٹھا کر نظر بندی کے لیے جزیرہ پونزا لے گئے۔اسی سہ پہر کو بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ مسولینی نے استعفیٰ دے دیا ہے خود میں نے فوجوں کی کمان سنبھال لی ہے اور مارشل بدولیو نئی وزارت بنائے گا۔گویا مسولینی برطرف ہو گیا۔

یہ خبر بجلی کی طرح اطالوی لوگوں پر گری۔ان کے دبے ہوئے جذبات بھڑک اٹھے۔وہ خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے بازاروں میں پہنچ گئے اور مظاہرے کیے۔مسولینی پر لعنتیں بھیجی جا رہی تھیں۔عمارتوں سے فاشزم کے نشان مٹائے جا رہے تھے اور جہاں جہاں مسولینی کی تصویریں تھیں، ان سب پر رنگ پھیر دیا گیا۔جتنے فاشسٹ لیڈر اور پولیس کے آدمی تھے وہ

روپوش ہو گئے تا کہ پکڑے نہ جائیں۔ اکثر عوام نے اپنی سیاہ وردیاں جلا دیں اور اطالوی آزادی کا دور نئے سرے سے شروع ہو گیا۔ جمہوریت کے لیڈر جنھیں مدت سے فراموش کیا جا چکا تھا، بیس برس کے بعد پھر اپنی پناہ گاہوں سے نکلے تا کہ آزادانہ تقریریں کریں۔

متحدہ ہائی کمان کو اچانک مسولینی کی خبر ملی تو وہ کوئی فوری اور فیصلہ کن قدم نہ اٹھا سکے۔ 29 جولائی 1943ء کو آئزن ہاور نے ایک بیان شائع کیا جس میں اطالویوں کی تعریف کی کہ انھوں نے ڈکٹیٹر سے نجات حاصل کر لی ہے۔ ساتھ ہی کہہ دیا کہ میں نئی حکومت سے گفت و شنید کے لیے تیار ہوں۔ اب اتحادی لیڈر غیر مشروط حوالگی کی دلدل میں پھنس گئے جس کا اعلان روزویلٹ نے کاسابلانکا میں کیا تھا۔ اگر صورت حال کو دانشمندی اور مستعدی سے سنبھالنے کی کوشش کی جاتی تو اٹلی اتحادیوں کے قبضے میں آ جاتا اور مہینوں تک خوفناک جنگ جاری رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی، مگر پانچ مہینے تک حوالگی کے لیے گفت و شنید جاری رہی۔ اس طرح جرمنوں کو اطالوی استحکامات کی قیمتی مہلت مل گئی۔

بدولیو نے فرضی نام رکھ کر مختلف سفر کیے۔ وہ میڈرڈ، لزبن گیا، سسلی پہنچا، اتحادی کارندوں سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ عجیب و غریب سازشوں کی تجویز پیش کر دی، اپنی طرف سے مطالبے سنا دیے، جوابی تجویزیں بھی تیار کر لیں۔ وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ تھا لیکن یہ وعدہ لے لینا چاہتا تھا کہ اٹلی کو غیر مشروط حوالگی کی دہشت سے بچا لیا جائے گا۔ ساتھ ہی چاہتا تھا کہ ادھر وہ ہتھیار ڈالے اور ادھر بہت بڑی اتحادی فوج اٹلی میں پہنچ جائے۔ گویا وہ چاہتا تھا کہ آئزن ہاور حملے کے منصوبے کی عام تفصیلات سے اسے آگاہ کر دے۔

یہ ڈرامہ نہایت عجیب و غریب تھا۔ پہلے آئزن ہاور نے بدولیو سے نصف راہ میں ملاقات کی کوشش کی اور اپنے خاص آدمی خفیہ مشن پر لزبن بھیج دیے۔ اس نے جنرل ٹیلر اور ایک ساتھی کو اجازت دے دی کہ خفیہ خفیہ روما چلے جائیں۔ اس سفر میں انھیں بڑے خطرات جھیلنے پڑے۔ جب گفت و شنید لامتناہی ہوتی گئی تو آئزن ہاور نے اسے ختم کر کے روما اور دوسرے اطالوی شہروں پر از سرِ نو بھاری فضائی حملوں کا حکم دے دیا۔ اس سے فوری اور خوشگوار اثر پڑا۔ 3 ستمبر 1943ء کو بدولیو نے ہتھیار ڈال دیے۔ غیر مشروط حوالگی کی دستاویز پر دستخط کر دیے۔ ایک

ہفتہ بعد آئزن ہاور نے اس کا اعلان کر دیا۔

حوالگی کی تفصیلات کبھی نہ بتائی گئیں۔ بڑی بڑی شرطیں خاصی سخت تھیں مگر بدنصیب اطالویوں کو کچھ کھونا نہ پڑا۔ جزیرہ نمائے اٹلی اور ممالک بلقان میں جتنے اطالوی سپاہی تھے، ان سے ہتھیار لے لیے گئے۔ اطالوی بیڑے، تجارتی جہازوں اور طیاروں سے جو کچھ باقی بچا، وہ اتحادیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ کارسیکا، اٹلی کے تمام ہوائی اڈے اور بحری بندرگاہیں، نیز جزیرے چھوڑ دیے گئے۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ اہلِ اٹلی کو غیر مسلح کر دیا جائے گا۔ فوج توڑ دی جائے گی۔ تمام فاشسٹ ادارے ختم کر دیے گئے۔ فاشسٹ جماعت خلافِ قانون قرار دے دی گئی۔ اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ جب تک اتحادی رومہ پر قابض نہ ہو جائیں، فاشزم کے مخالفوں کی ایک حکومت اتحادیوں کی زیرِ نگرانی اطالوی معاملات کا انتظام کرتی رہے گی۔ امریکا کی سرکاری روداد میں اطالوی بیڑے کی حوالگی کا بیان یوں درج ہوا:

> ''9 ستمبر (1943) کو بعد دوپہر جنگی جہاز ہو، جس کے ساتھ چار کروزر تھے اور ان پر پہلے برطانوی فضائی ڈویژن کے کچھ آدمی موجود تھے، رودبار سے ٹورنٹو کی طرف گیا۔ کچھ مدت پہلے اطالوی جنگی بیڑے کا ٹورنٹو ڈویژن بندرگاہ سے باہر آ گیا تھا۔ دونوں بیڑے ایک دوسرے کے پاس سے گزرے تو ایک لمحے کے لیے تناؤ کی کیفیت باقی رہی۔ اس امر کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی تھی کہ اطالوی بیڑا حوالگی کی شرطیں پوری کرے گا یا نہیں۔ آیا وہ جنگ کے لیے تیار ہوگا؟ امیر البحر کننگھم نے حسب معمول انتہائی سرد طبعی سے آخری چیلنج دے دیا۔ اس کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اطالوی بیڑا حوالگی کی نیت سے چلتے چلتے نظروں سے غائب ہو گیا۔''

اسی روز جرمن بمباروں نے سارڈینیا کے شمال میں اٹلی کا جنگی ''رومہ'' غرق کر دیا۔ 10 ستمبر 1943ء کو اطالوی بیڑا، جس میں چار جنگی جہاز تھے، مالٹا پہنچ گیا۔ 16 ستمبر 1943ء کو بدولیو نے اہل اٹلی کے نام ایک تقریر نشر کی اور اس میں کہا:

> ''ہر ممکن طریقے پر، ہر وقت اور ہر جگہ جرمنوں سے لڑو۔ مزاحمت ہی میں تمہاری

بقا ہے۔"

اس اعلان جنگ کے ساتھ اٹلی نے ہٹلر کے خلاف جنگجوؤں میں شرکت کی حیثیت حاصل کی۔ایک مہینہ بعد(13 اکتوبر 1943ء)اٹلی کی طرف سے جرمنی کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ ہوا۔روزویلٹ نے کہا:

"فاشسٹوں کا سب سے بڑا شیطان اپنے بڑے بڑے شرکائے جرم کے ساتھ جنگ سے باہر نکل گیا۔"

برطرفی سے سات ہفتے بعد جرمنوں نے مسولینی کو قید سے نکال لیا۔یہ ایسا واقعہ تھا، جسے ہالی وڈ کی فلم میں سنسنی پیدا کرنے والا کہنا چاہیے۔26 جولائی 1943ء کو مسولینی جزیرہ پونزا میں نظر بند ہوا تھا۔پھر اسے لامیڈالینا لے گئے جو سارڈینیا کے ساحل کے پاس تھا۔اواخر اگست میں اسے اٹھا کر ایبروزی لے آئے جو وسط اٹلی میں ایک چھوٹا سا پہاڑی مقام ہے۔وسط ستمبر 1943ء میں جرمن چھتری فوج کے ایک سو آدمی آٹو سکورزنی کے زیر سرکردگی گلائیڈر کے ذریعے سے اترے۔کوئی مزاحمت نہ ہوئی اور سابق اطالوی ڈکٹیٹر کو ایک ہلکے اطالوی طیارے میں سوار کرا کے لے گئے۔اب وہ جرمن فیوہرر کے ہاتھ میں محض ایک کٹھ پتلی تھا۔شمالی اٹلی میں مسولینی نے ایک فاشسٹ جمہوریت قائم کی اور اعلان کیا:

"میں اس وقت تک جنگ جاری رکھوں گا جب تک فتح حاصل نہ ہو جائے گی۔"

پھر وہی پرانے سلسلے شروع ہو گئے۔جماعت کی تنظیم کا آغاز ہو گیا۔محوریت نئے سرے سے قائم کر دی گئی اور مسولینی نے اٹلی میں فاشزم کی قیادت سنبھال لی لیکن اب کام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

29

سسلی اور اٹلی کی مہمیں

اٹلی میں زدوگشت

اتحادیوں میں مسولینی برطرفی سے بڑا جوش پھیلا۔ بدولیو کی نئی حکومت نے غیر مشروط حوالگی قبول کرلی۔ فاشزم اور اس کی وحشت و بہیمیت پر کاری ضرب لگی۔ عام خیال تھا کہ ایک اور مجتمع حملہ ہوا تو اٹلی ختم ہو جائے گا لیکن انجام اتنا سہل نہ ہوا۔ اٹلی کے لیے جنگ سخت اور خونریز ثابت ہوئی۔ ستمبر 1943ء سے مئی 1945ء تک جاری رہی۔ ہٹلر کی تیسری رائش کی شکست کے ساتھ اٹلی میں جرمنوں کی مزاحمت ختم ہوئی۔

تاہم اس جنگ کا نمونہ دوسرے محاذوں سے مختلف تھا۔ دشمن کی تعداد زیادہ نہ تھی، لہٰذا ایسا کوئی موقع نہ تھا کہ اس کی فوج بزور حملہ کرتی ہوئی آگے نکل جائے یا مقابل کی صفوں کو چیر دے یا چکر کھاتی ہوئی عقب میں پہنچ جائے۔ اکثر جنگجو ایک دوسرے کو نظر ہی نہ آتے۔ دشمن کے تمام آدمی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے۔ وہ بڑی ترتیب کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور نشیب و فراز کو اہتمام سے طے کرتے۔ حرکت عموماً سست اور اچانک ہوتی۔ اطالویوں کی آنکھیں کھلیں۔ وہ بیزار اور مایوس ہو چکے تھے۔ اتحادی نجات دہندوں کا انھوں نے خیر مقدم کیا لیکن وہ اتنے نیچے گرائے جا چکے تھے کہ ابتدا میں فاتحین کے لیے کوئی

خاص سہولت پیدا نہ کر سکے۔ وہ جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ اب دو حکومتوں کے چکر میں آ گئے تھے۔ ایک طرف نئی حکومت تھی، جس پر اتحادیوں کو غلبہ حاصل تھا، دوسری طرف فاشزم سانپ کی طرح لوٹ رہی تھی اور برلن اس کا پشتیبان تھا۔

مسولینی نے 1940ء میں کہا تھا کہ اگر جرمن ایک دفعہ یہاں آ گئے تو پھر کبھی واپس نہ جائیں گے۔ یہ بات بالکل سچی تھی اور مسولینی نے ایک ہی سچی بات کہی تھی۔ جب مسولینی برطرف ہو گیا تو جرمنوں نے کمک اٹلی بھیج دی۔ اطالویوں سے ہتھیار چھین لیے اور پورے ملک کا انتظام سنبھال لیا۔ ہٹلر اٹلی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ مقابلے پر ڈٹ گیا اور دشمن کو ایک ایک انچ کے لیے جنگ پر مجبور کر دیا۔ فیلڈ مارشل رومل کو شمالی اٹلی میں جرمنوں کا کماندار بنا دیا گیا۔

امریکی، برطانوی، فرانسیسی، پولستانی اور برازیلی فوجیں اٹلی پہنچیں تو سامنے جرمن مزاحمت بھڑوں کے چھتے کی طرح موجود تھی۔ تیز رفتاری سے پیش قدمی ممکن نہ رہی۔ حملہ ہوتا، پھر پسپائی عمل میں آتی، پھر حملہ کیا جاتا۔ جرمن آزمودہ کار تھے۔ وہ ایک ایک مقام کے لیے لڑتے۔ پیچھے ہٹتے تو پہلے ہی استحکامات تیار کر لیتے۔ ایک ایک فٹ پیش قدمی کے لیے اتحادیوں کو بھاری جانی قربانیاں کرنی پڑتیں۔ اٹلی کی زمین دفاع کے لیے بڑی موزوں تھی۔ شمال میں کوہستان ایلپس وینس سے ٹریسٹ تک ایک نصف دائرے کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے نیچے لمبارڈی اور وینس کا وسیع زرخیز میدان تھا، جس میں دریاؤں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان دریاؤں کے لیے ایلپس کی جھیلیں پانی بہم پہنچاتی تھیں۔ پھر جزیرہ نما میں کوہستان ایپی نائنز پھیلا ہوا تھا۔ جسے اٹلی میں ریڑھ کی ہڈی سمجھنا چاہیے۔ ٹھیک ریڑھ کی ہڈی کی طرح اس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے ملے جلے ہوئے تھے۔ سپنیریا کے جنوب مشرق میں آپوا کے ایلپس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اس سے آگے ٹسکنی کی سطح مرتفع تھی۔ پھر دریائے ٹائبر کا طاس آ جاتا تھا۔

دفاعی حیثیت سے یہ زمین خاصی سازگار تھی اور جرمنوں نے اس کی ہر خصوصیت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ پیچھے ہٹتے تو تمام پل، ریلوے سٹیشن اور پہاڑوں کی پناہ گاہیں تباہ کر دیتے اور اپنے پیچھے دور دور تک بری سرنگیں بچھا دیتے یا ایسے پھندے لگا دیتے کہ انھیں چھوتے ہی کوئی نہ کوئی آفت آ جاتی۔ اتحادی فوجوں کے لیے یہ چیزیں مصیبت کا باعث بن گئیں۔ بے شک اٹلی میں مطلع

عموماً صاف رہتا اور سرما میں دھوپ بڑی خوشگوار ہوتی لیکن ان آفات نے زندگی اجیرن بنادی۔ چنانچہ اتحادی فوجیں پہاڑوں کے اوپر اور دامن میں لڑتی بھڑتی آگے بڑھیں۔ پہلے گرد و غبار سے دم گھٹتا رہا۔ پھر موسلا دھار مینہ برسنے لگا۔ سڑکیں کیچڑ سے بھر گئیں۔ سب سے بڑی دقت یہ پیش آئی کہ قدم قدم پر بل کھاتی ہوئی ندیوں سے سابقہ پڑا۔

پیش قدمی کا راستہ ہموار کرنے کا کام 19 اگست 1943ء سے شروع ہوا جب اتحادیوں نے دشمن کے ہوائی اڈوں اور نقل وحمل کے مرکزوں پر طیاروں سے شدید حملوں کا آغاز کیا۔ 3 ستمبر کو منٹگمری کی آزمودہ آٹھویں فوج کے ڈویژنوں نے جن میں برطانیہ اور کینیڈا کی فوجیں شامل تھیں، آبنائے میسینا کو عبور کیا۔ توپ خانے اور طیاروں کی بمباری کے زیر حفاظت اٹلی کے ساحل پر اترے۔ انھوں نے ریجیو (کیلیبریا) میں مرکز قائم کیا۔ یہ مقام اٹلی کے بوٹ کی نوک پر واقع ہے۔ پھر کیلیبریا کی طرف پیش قدمی کی۔ چھے روز بعد امریکی آگے بڑھے ان کا مقصد تھا کہ نیپلز پر قبضہ کرلیں۔ امریکا کی نئی پانچویں فوج (نصف امریکی اور نصف برطانوی) جنرل کلارک کے زیر کمان طیاروں اور بیڑے کی حفاظت میں سلرنو کے قریب اتری۔ یہ مقام خلیج نیپلز سے کوئی پینتالیس میل جنوب مشرق میں ہے۔ پھر وسیع بیڑے میں سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں کا ایک ہجوم کناروں پر پہنچ گیا اور بہت سے سپاہی اتار دیے۔ پہلے مہینے میں ایک لاکھ پینتیس ہزار امریکی اور برطانوی فوج اتری، ایک لاکھ ٹن رسد اور تیس ہزار موٹر گاڑیاں۔

اس اثنا میں جرمنوں نے سکرنو پر اتحادی فوج اترنے سے ایک روز بعد روما پر قبضہ کرلیا اور ویٹیکن کی حفاظت اپنے ذمے لے لی۔ شمالی اٹلی، جنوبی فرانس اور ممالک بلقان میں جتنے اطالوی فوجی تھے انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ جرمن شمالی اٹلی میں پارما، کریمونا، برگامو اور پیویا پر قابض ہوگئے۔ چار روز بعد جرمنوں نے سکرنو پر جوابی حملہ کیا اور کچھ علاقہ واپس لے لیا۔

9 ستمبر کو برطانیہ کے پہلے ہوائی ڈویژن سے چھے ہزار منتخب سپاہیوں نے ٹورنٹو کے بحری مرکز پر قبضہ کرلیا جو مشرق میں اطالوی ایڑی کے اندر واقع تھے۔ یہاں سے وہ شمالی جانب یا اس کی جانب بڑھے اور بحیرۂ ریڈریاٹک پر نظم وضبط حاصل کرلیا۔ ستمبر کا مہینہ اطالویوں کے لیے بہت اچھا ثابت ہوا۔ اطالوی بوٹ کا زیریں حصہ ان کے قبضے میں آچکا تھا۔

یکم اکتوبر 1943ء کو پانچویں فوج کے کچھ حصے جرمنوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے ویسویس کے گرد گھومتے پومپی آئی اور ہرکوپینم کے کھنڈروں سے گزرتے ہوئے نیپلز میں داخل ہو گئے۔شہر شعلہ زار بنا ہوا تھا۔اس کی بندرگاہ ملبے سے اٹی پڑی تھی۔لوگ بھوکوں مر رہے تھے۔ٹائیفس کا زور تھا۔جرمنوں نے شہر چھوڑنے سے پہلے سخت انتقام لیا۔اتحادیوں کی فوجی حکومت نے ظلم و جور کی بارہ مختلف قسموں کی فہرست تیار کی:

1- جرمنوں نے پانی بہم پہنچانے کی بڑی نالی سات مختلف مقامات پر توڑی اور پانی کے تالاب خالی کر دیے۔

2- بدرروؤں کا نظام توڑ ڈالا۔

3- بجلی پیدا کرنے، ایک قسم کی بجلی دوسری قسم میں منتقل کرنے اور نظام برق کے دوسرے اہم حصوں کو تباہ کر دیا۔

4- نقل و حمل کا نظام درہم برہم کر ڈالا۔ریل کے ڈبے، بسیں، گھوڑے، بگھیاں سب ساتھ لے گئے۔

5- مخابرت کا نظام برباد کر دیا ٹیلیفون کا مرکز اور بجلی کا کارخانہ ڈائنامیٹ سے اڑا دیا۔

6- تمام بڑے بڑے ہوٹل مسمار کر دیے۔

7- پہاڑیوں کے اندر سے گزرنے کی جو سرنگیں تھیں وہ سب اڑا دیں۔جا بجا خاص وقت پر پھٹنے والے بم اور پھندے لگا دیے جن سے فوجی اور غیر مصافی آبادی کی جانیں تلف ہوئیں۔

8- تیرہ قید خانوں کے دروازے کھول دیے۔قاتلوں اور دماغی مجرموں کو رہا کر دیا، حالاں کہ آبادی بمباری کے باعث پہلے ہی مضطرب الحال تھی۔

9- آٹے کے تمام کارخانے برباد کر دیے اور یوں اہل نیپلز مکرونی اور اوٹنی سے محروم ہو گئے۔

10- نیپلز کی یونیورسٹی کو پٹرول چھڑک کر اور دستی بم پھینک کر آگ لگا دی گئی۔یہ دنیا کی تیسری قدیم ترین یونیورسٹی تھی (1224ء میں شہنشاہ فریڈرک دوم نے قائم کی تھی) اور دنیا میں علوم کے نہایت عظیم اداروں میں سے ایک تھی۔پہلی عالمی جنگ میں لوائیں کی یونیورسٹی

جلانے کے بعد جرمنوں کی وحشتِ قزاقی کا یہ بدترین واقعہ تھا۔

-11 ہسپتالوں میں سے مرہم پٹی کا پورا سامان، تمام آلات اور دوائیں اٹھا کر لے گئے۔

-12 بہت سے لوگوں کو یرغمال بنا کر لے گئے۔ان میں ایک بشپ اور ایک ایبٹ بھی شامل تھے۔

یہ وسیع پیمانے پر منظم تباہ کاری تھی۔ جرمن فوج کی جو دستاویزیں آٹھویں برطانوی فوج کے ہاتھ آئیں، ان سے واضح ہو گیا کہ جرمن فوجیوں کو انتہائی حد تک ہر چیز جلانے اور برباد کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ یونیورسٹی کی بربادی بالکل بے معنی تھی۔

اتحادی انجینئروں نے اہلِ نیپلز کی امداد سے سخت محنت کی اور بندرگاہ کی مرمت کر لی۔ اطالوی بیڑے نے چار آبدوزیں دیں، جنھوں نے ضروری صفائی کے کام کے لیے بجلی مہیا کی۔ایک مہینے کے اندر اندر بندرگاہ میں سے پچاس برباد کردہ چیزیں نکالی گئیں اور وہاں روزانہ پانچ ہزار ٹن رسد پہنچنے لگی۔ شہر کے پاس متعدد ہوائی اڈے تھے، جنھیں جلد سے جلد کارآمد بنا لیا گیا۔

مشرقی ساحل پر آٹھویں برطانوی فوج فوجیا پہنچ گئی اور وہاں کے ہوائی اڈوں پر قبضہ کر لیا۔ چند روز میں پرواز گاہوں کی جگہ فولادی چٹائیاں بچھا دی گئیں۔ ساتھ ہی پائپ لائنیں، ہوائی اڈے، جہاز مرمت کرنے والوں کی کارگاہیں وغیرہ کھل گئیں اور ہواباز اس علاقے میں پہنچنے لگے۔ فوجیا کی تسخیر بڑی اہم تھی۔ سسلی سے لڑاکا طیارے پہلے ہی پہنچ گئے تھے لیکن سکرنو میں صرف پندرہ منٹ ٹھہرتے تھے۔ اب فوجیا سے بھاری بمبار طیارے اٹلی بھر میں دور دور پھرنے لگے بلکہ آسٹریا اور بلقان کے مراکزِ نقل وحمل پر بھی پہنچنے لگے۔

فیلڈ مارشل کیسر لنگ پر اتحادیوں کا دباؤ بڑھا تو وہ والٹرنو کے شمالی کنارے کی طرف ہٹ گیا، جہاں پہلے سے دفاعی مورچے تیار کر لیے گئے تھے۔ اسی مقام پر 1860ء میں گیری بالڈی نے اہلِ نیپلز پر فتح پائی تھی۔

اتحادیوں کے لیے رومہ جانے کے دو ممکن راستے تھے اول وہ آپیا کے راستے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھتے یا لاٹینا کے راستے اندرونی پہاڑوں میں سے ہوتے ہوئے کاسینو کے کلیدی

قصبے کے پاس سے گزرتے۔ دونوں راستوں میں پیش قدمی سہل نہ تھی۔ 1943ء کے باقی مہینے وہ کیچڑ اور گرد و غبار میں گزرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ گاڑیاں ٹوٹتی رہیں۔ مسلسل بارشوں نے پل برباد کر ڈالے۔ جرمن اونچے ٹیلوں پر چڑھ جاتے تھے اور وہاں سے انگریزی امریکی فوجوں پر تباہی خیز آگ برساتے تھے۔ یہ بیچارے گھاٹیوں، شگافوں اور چٹانوں کے چھوٹے چھوٹے غاروں میں پناہ لیتے۔

اتحادیوں کو ہائی کمان کا از سرنو انتظام کرنا پڑا کیوں کہ آئزن ہاور کو حصار یورپ پر بڑے حملے کی تیاری کے لیے انگلستان بلا لیا گیا تھا۔ وہ منٹگمری، بریڈلے اور پیٹن کو بھی ساتھ لے گیا۔ اب جنرل الگزانڈر کو اٹلی میں اتحادی فوجوں کا کماندار اعلیٰ بنا دیا گیا۔ اس کے ماتحت جنرل کلارک، پانچویں امریکی فوج اور جنرل لیز آٹھویں برطانوی فوج کا کماندار بنا۔

اتحادیوں نے بھی اقدام کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ 22 فروری 1944ء کو بمبار طیاروں کی حفاظت میں اتحادیوں نے ایک اور شاندار چھلانگ لگائی اور آنزیو کے ساحل پر پہنچ گئے۔ یہ قصبہ رومہ کے جنوب میں تینتیس میل پر سمندر کے کنارے ہے۔ مقصد یہ تھا کہ خطِ گستاو کے بازو سے ہو کر آگے بڑھا جائے۔ برطانوی ڈویژن آنزیو کے شمال میں اترا اور امریکی ڈویژن جنوب میں نیٹونو کے پاس۔ چند روز میں ستر ہزار آدمی اور اٹھارہ ہزار گاڑیاں وہاں پہنچا دی گئیں۔ اگرچہ جرمن پہلے سے اس کے لیے تیار نہ تھے لیکن کیسرلنگ نے جلد ہی تین محوری ڈویژن آنزیو کے پاس کی پہاڑیوں پر پہنچا دیے۔ آنزیو کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اتحادیوں کے سامنے خطرے اور موت کے سوا کچھ نہ تھا۔ چٹانی کناروں پر کوئی ایسی جگہ نہ تھی، جہاں چھپ سکتے یا پناہ لے سکتے۔ جرمنوں کی طرف سے اتحادیوں پر آتشباری کا سیل جاری ہو گیا۔ امید یہ تھی کہ جلد سے جلد خط کو توڑتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ اب خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہاں ڈنکرک کی سی نوبت آئے گی لیکن اتحادیوں نے جگہ نہ چھوڑی۔ چودھویں جرمن فوج انھیں سمندر میں نہ دھکیل سکی۔ ہٹلر نے اپنی فوج کی اس ناکامی کو صریح تباہی قرار دیا۔

30

آفتاب جاپان کا غروب

بحرالکاہل کی جنگ

بحرالکاہل میں جاپانی قوت کو شکست دینے کے لیے امریکا کو اپنی ہنرمندی اور قوت برداشت سے سخت کام لینا پڑا۔ پرل ہاربر کے بعد دو سال میں جاپان وسیع علاقے پر قابض ہو چکا تھا نیز رسد کی بے شمار چیزیں اور طبعی وسائل اس کے ہاتھ آ چکے تھے۔ اس کے مقبوضات کا سلسلہ الیوشیائی جزائر سے جو شمال میں ہیں، جزائر سالومن تک پہنچ چکا تھا جو آسٹریلیا کے پاس ہیں۔ اس وسیع علاقے کے لیے بے خرخشہ مالک بن جانے کے بعد جاپانیوں نے اپنے اہم جنگی مقامات کے گرد ایسے استحکامات کر لیے تھے، جنھیں ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

کلاں تر مشرقی ایشیائی حلقہ خوشحالی کے اندر وزیراعظم ٹوجو نے جابجا قومی حکومتیں قائم کر دی تھیں جو بظاہر آزاد تھیں لیکن حقیقتاً جاپانیوں کے زیرنگرانی کام کر رہی تھیں۔ یہ کٹھ پتلیوں کی سی حکومتیں اتحادیوں کے خلاف جاپانیوں کو امداد دینے کا عہد کر چکی تھیں۔ ٹوکیو کی حکومت کا مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں پر جاپان کا قبضہ زیادہ مستحکم کر لیا جائے اور وہ تمام علاقے سلطنت جاپان کے اجزا بنا لیے جائیں جو پرل ہاربر کے وقت سے حاصل کیے گئے تھے۔

اتحادیوں کے لیے لازم تھا کہ جاپان کے اس دفاعی حلقے میں داخلے کا راستہ پیدا کیا جائے۔ یہ کام لمبے اور کثیرالمصارف تری و خشکی کے جوابی حملوں کے ذریعے سے انجام پا سکتا

تھا۔ ان کی ذمہ داری امریکا نے قبول کی۔ اس امر پر اتفاق تھا کہ یورپی محاذ جنگ کو تقدم حاصل ہے تاہم یہ بھی ضروری تھا کہ فوج اور سامان مشرق بعید میں پہنچتا رہے۔ امریکا کے جو کماندار بحرالکاہل میں تھے وہ دو سال تک محدود ذرائع سے کام لے کر دفاعی جنگ کرتے رہے۔ کبھی کبھی جارحانہ اقدامات بھی کر لیتے تا کہ رفتہ رفتہ انھیں بڑے حملے کے لیے مرکز مل جائیں۔ فیصلہ یہ تھا کہ پہلے جاپانی حلقے کا بیرونی حصہ توڑا جائے پھر سلطنت کے قلب کی طرف پیش قدمی کی جائے۔

جنگ کا پورا نقشہ واشنگٹن میں تیار کر لیا گیا تھا اور جنرل میک آرتھر کو جنوبی و مغربی بحرالکاہل کے وسیع تر دائرے میں بیڑے کی کمان سونپ دی گئی تھی۔ اس دائرے میں الیوشیائی جزائر سے جزائر سالومن تک تمام جزیرے شامل تھے نیز جزائر گلبرگ، جزائر مارشل، جزائر کیرولین اور جزائر میریانا۔ چین، برما اور ہندوستان کے دائرے میں براعظم ایشیاء کے اندر کمان پہلے جنرل سٹلول کے حوالے کی گئی۔ اگست 1943ء میں جنوبی و مشرقی ایشیاء کی کمان الگ کر دی گئی۔ ماؤنٹ بیٹن کو کماندار اعلیٰ بنا دیا گیا اور سٹلول اس کا نائب مقرر ہوا۔

منصوبہ یہ تھا کہ فضائی، بحری اور بری حملوں کے ذریعے سے مینڈک کی طرح چھلانگیں لگا لگا کر مختلف جزیروں پر قبضہ کیا جائے اور اسی طرح جاپان پہنچا جائے۔ ہر نئی فتح سے مزید حملوں کے لیے بندرگاہوں کی سہولتیں اور ہوائی اڈے ہاتھ آتے جائیں گے لیکن دشمن کے تمام حصاروں پر حملہ ضروری نہ تھا اکثر کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ جانا منظور تھا تا کہ جہاز رانی کے راستے بند کر کے جاپان کو مقبوضات سے منقطع کر دیا جائے۔ جاپانیوں نے بعض مرکزوں کی حفاظت کے اعلیٰ انتظامات کر لیے تھے، مثلاً ربال یا ٹرک۔ اتحادیوں کا فیصلہ یہ تھا کہ ان پر طیاروں سے بم گرائے جائیں مگر حملہ نہ کیا جائے۔ صرف چند مقامات چن لیے گئے تھے جنھیں لے لینے کے بعد جاپان کی ناکہ بندی بخوبی ہو سکے اور کم سے کم نقصان جان اٹھانا پڑے۔

امریکا نے بحرالکاہل میں نہایت طاقتور بیڑا جمع کر لیا جس کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور اس میں ہر قسم کے جہاز شامل تھے 1944ء تک امریکا کی بحری قوت برطانیہ سے تگنی اور جاپان سے کئی گنا زیادہ ہو گئی تھی۔ تین سال سے کسی قدر زیادہ مدت میں جہاز ایک ہزار چھہتر کے بعد چار ہزار ایک سو سڑسٹھ، جنگی جہاز تین سو چھیاسی کے بجائے چھ سو تیرہ طیارے ایک ہزار سات سو

چوالیس کی بجائے اٹھارہ ہزار دو سو انہتر ہو گئے تھے۔علاوہ بریں پہلے بحری جہازوں اور طیاروں کے لیے پانچ لاکھ آدمی تھے۔1944ء تک ان کی تعداد تیس لاکھ ہو گئی۔

یہ بھی ضروری تھا کہ بحرالکاہل کے بیڑے میں طیارہ بردار جہاز بکثرت بھیج دیے جائیں۔اگست 1944ء تک ہر جسامت کے ایک سو طیارہ بردار بحرالکاہل کے پانیوں میں تھے۔ان میں سے کم از کم بارہ نہایت بڑے سائز کے تھے۔یوں امیر البحر نمٹز نے بحرالکاہل کو وسعت میں پھرنا شروع کیا اور ہر جگہ اپنا مرکز ساتھ لیتا گیا۔ہر جنگی جہاز پر خواہ وہ کسی نمونے اور کسی جسامت کا تھا، رسد، مرمت وغیرہ کا پورا انتظام موجود تھا اور کسی چیز کے لیے دور افتادہ مرکزوں تک جانے کی حاجت نہ تھی۔اس بیڑے کا کام یہ تھا کہ سمندر کے راستے صاف کرے۔طیارے بھیج کر خاص خاص مقامات پر بم گرائے۔فوج جا بجا پہنچائے اور اس کے لیے رسد کا سلسلہ جاری رکھے۔

امریکیوں نے خشکی و تری کی جنگ کا بالکل نیا طریقہ ایجاد کیا۔بحرالکاہل میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے جزیرے موجود تھے جنھیں مونگے کی چٹانوں کا ایک وسیع سلسلہ قرار دینا چاہیے۔یہ چٹانیں ایک مرکزی کھاڑی کو گھیرے ہوئے تھیں۔نئے نمونے کی فوجیں اتارنے والی کشتیاں بڑی تعداد میں بنائی گئیں......تقریباً اسی ہزار۔ان سے ایسے پانیوں میں کام لیا جاتا تھا جو زیادہ گہرے نہ تھے۔بعض کشتیاں ربڑ کی چھوٹی چھوٹی تھیں جن میں چھ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔بعض میں گاڑیاں اور آدمی دونوں سوار کیے جاتے۔بعض متوسط درجے کی تھیں جن میں ساٹھ آدمی سوار ہوتے اور ساتھ تیس ٹن رسد لے لیتے۔ایسے جہاز بھی تھے جن میں ٹینک اور ایک سو بتیس آدمی سوار ہو سکتے۔پیادہ فوج کے لیے بڑی بڑی کشتیاں تیار کی گئیں، جن میں دو دو سو آدمی سوار ہو سکتے تھے۔بعض کشتیاں صرف ٹینکوں کے لیے تھیں۔بعض جہازوں پر گودیاں رکھ دی جاتیں اور جہاں ضرورت پڑتی، ان سے کام لے لیا جاتا۔ایک نہایت عجیب گاڑی تیار کی گئی جو خشکی پر ٹریکٹر کا کام دیتی، پھر سمندر میں کشتی کی طرح تیرنے لگتی۔غرض ہر چیز بڑے اہتمام سے تیار کی گئی۔عام طریقہ یہ تھا کہ پہلے مختلف جزیروں پر طیاروں سے بم برسائے جاتے۔بیڑا گولہ باری کرتا۔پھر کشتیوں کی قطاریں آدمی اور سامان لے جا کر کناروں پر اتار دیتیں۔انجینئر اترتے ہی گودیاں، ہوائی

اڈے، سڑکیں اور پل تیزی سے تیار کر دیتے۔

یہ کام سہل نہ تھا کیوں کہ جاپانیوں کے استحکامات بڑے خوفناک تھے اور دفاعی فوج مستحکم علاقوں میں رہتی جہاں حملہ آور فوج پر شدید آتشباری کر سکتی۔ جاپانیوں نے مختلف جزیروں پر پتھروں، ناریل کے شہتیروں، فولادی ریلوں اور کنکریٹ سے چھوٹی چھوٹی چوکیاں بنالی تھیں اور اوپر ریت کی تہیں جمادی تھیں۔ یہ چوکیاں بڑی مستحکم تھیں اور ایسے انداز میں بنائی گئی تھیں کہ اگر ایک چوکی پر قبضہ کیا جاتا تو اس پر متعدد چوکیوں سے آگ برسنے لگتی۔ ان میں سے اکثر پر صرف شدید بمباری یا نہایت زبردست حملے اور دست بدست جنگ کے بعد ہی قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ کام شدید نقصان کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔

یاماموٹو کی موت

17 اپریل 1943ء کو بحریات کے سیکرٹری فرینک نوکس کے دستخط سے ایک خفیہ مراسلہ گاڈل کینال ہنڈرسن کے ہوائی اڈے پر بھیجا گیا جس میں درج تھا کہ جاپانی بیڑے کا رئیس البحر یاماموٹو ربال چھوڑ کر جا رہا ہے جو جاپانیوں کا نہایت مضبوط حصار تھا اور وہ جنوبی و مغربی بحرالکاہل کے مرکزوں کا معائنہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک دو انجن والے بمبار طیارے میں سفر کرے گا اور اس کا عملہ ویسے ہی ایک اور طیارے میں ساتھ جائے گا۔ چھ جنگی طیارے اس کے ساتھ ہوں گے۔ یہ آٹھوں طیارے 10 بجے دوپہر کہیلی کے ہوائی اڈے پر اتریں گے جو بگائیں وِل کے جنوبی و مشرقی گوشے میں واقع ہے اور ربال سے کوئی تین سو میل جنوب میں ہے۔ مراسلے میں کہا گیا تھا کہ یاماموٹو کو تباہ کرنے میں انتہائی کوشش کی جائے۔

گاڈل کینال میں بڑی گرمجوشی کا اظہار ہوا۔ یہ خاص نشانہ تھا۔ یاماموٹو ہی نے پرل ہاربر اور مڈوے پر حملے کا منصوبہ تیار کیا تھا اور امریکی اس سے سخت نفرت کرتے تھے اور حد درجہ حقیر سمجھتے تھے۔ علاوہ بریں اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا (اگرچہ درست نہ تھا) کہ وہ وہائٹ ہاؤس میں صلح کی شرطیں لکھوانے کا مدعی ہے۔ چنانچہ یاماموٹو پر حملے کا کام اٹھارہ جہازوں کے ایک دستے کو سونپ دیا گیا۔ اس دستے کے پاس پٹرول کم تھا اور اس کے جہاز کہیلی کے آس پاس ہی پرواز

کر سکتے تھے۔قرار یہ پایا کہ پہلے چار جہاز حملہ کریں باقی چودہ ان کے پیچھے پیچھے جائیں اور ان کی حفاظت کریں۔ان چودہ جہازوں کا کام یہ تھا کہ دشمن کے جنگی طیاروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو مصروف پیکار رکھیں۔امید تھی کہ خود کہیلی سے امیر البحر کے استقبال کے لیے طیاروں کی خاصی تعداد فضا میں پہنچ جائے گی۔

18 اپریل کی صبح کو ہینڈرسن فیلڈ سے جو طیارے اڑے ان میں سے ایک کا ٹائر پھٹ گیا اور دوسرا انجن کی خرابی کے باعث واپسی پر مجبور ہوا۔دو اور جہاز حملہ آور دستے میں شامل کر دیے گئے اور حفاظت کے لیے صرف بارہ جہاز رہ گئے۔خیال تھا کہ ان کی پرواز مخفی رہے۔چنانچہ یہ بہت نیچے نیچے اڑتے رہے بلکہ بعض اوقات سمندر کی سطح کے ساتھ ساتھ بکائیں ول پہنچے۔مقررہ وقت سے چند منٹ پیشتر حملہ آور جہاز دس ہزار فٹ کی بلندی پر اور محافظ جہاز بیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے۔پھر عالمی جنگ کا ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔کامیابی امریکی طیاروں کے صحیح وقت پر پہنچ جانے اور جاپانیوں کی طرف سے پروگرام میں کوئی ردو بدل نہ ہونے پر موقوف تھی۔یاماموٹو وقت کا بڑا پابند تھا۔وہ ٹھیک ساعت میں پہنچ گیا ار امریکی خبر رساں ایجنسی کی اطلاع درست ثابت ہوئی۔سب سے پہلے وہ دو انجن والے طیارے نمایاں ہوئے جن میں یاماموٹو اور اس کا عملہ سوار تھا۔دس منٹ بعد جنگی طیارے نظر آئے۔کہیلی سے کوئی جنگی طیارہ مزید حفاظت کے لیے نہ اڑا۔یہ بڑا تعجب انگیز واقعہ تھا۔چند منٹوں کے اندر کام ختم ہوگیا۔چوبیس طیارے بری طرح جنگ میں الجھ گئے۔جن طیاروں پر یاماموٹو اور اس کا عملہ سوار تھا وہ اتنے نیچے اتر آئے کہ درختوں کی چوٹیوں کے قریب پہنچ گئے لیکن وہ بچ نہیں سکتے تھے۔دونوں کے دونوں شعلہ زار بن کر جنگل میں گر گئے۔بعد میں پتا چلا کہ یاماموٹو نشست گاہ پر مارا گیا۔اس کی تلوار گھٹنوں کے درمیان تھی۔جاپانی اپنے بحری ہیرو کی موت پر حزن وغم کے پیکر بن گئے اور انھوں نے اس حادثے کو بد قسمتی سے تعبیر کیا مگر انھیں یہ پتا نہ چلا سکا کہ امریکا کے بحری محکمۂ اطلاعات نے جاپانیوں کے مرموز ذریعہ مخابرت کی کلید معلوم کر لی تھی اور واشنگٹن کو یاماموٹو کے معائنے کی ایک ایک تفصیل سے آگاہی تھی۔

جنوبی و مغربی بحرالکاہل: جزائر سالومن اور نیوگنی

جنوبی و مغربی بحرالکاہل میں جاپانیوں کا کلیدی مرکز ربال نیوبٹن آئی لینڈ میں تھا۔اس کی حفاظت متعدد چھوٹے چھوٹے مرکزوں کے ذریعے سے ہو رہی تھی جو مجمع الجزائر بسمارک (نیوگنی کے شمال مشرق میں)، جزائر سالومن، جزائر ایڈمیریلٹی اور نیو آئرلینڈ میں واقع تھے۔امریکیوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ربال پر براہ راست حملہ نہیں کریں گے بلکہ اسے ہوائی حملوں سے بیکار بنا دیں گے۔پھر اسے بیچ میں چھوڑتے ہوئے دوگونہ حملہ کرتے ہوئے جزائر سالومن اور نیوگنی سے آگے نکل جائیں گے۔جزائر سالومن میں امریکی فوج کی امداد بحرالکاہل کا جنوبی بیڑا کر رہا تھا۔خیال تھا کہ وہ شمالی جانب جنگی اہمیت کے جزیروں کو یکے بعد دیگرے فتح کرتا جائے گا۔نیوگنی کی جانب امریکی اور آسٹریلیائی فوجیں جنرل میک آرتھر کے زیر کمان تھیں۔وہ مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھیں گی۔فیصلہ یہ تھا کہ دونوں حملہ آور فوجوں کے لیے زیادہ سے زیادہ فضائی حفاظت کا انتظام کر دیا جائے اور یہ کام پانچویں امریکی فضائی فوج (جس کا مرکز آسٹریلیا تھا) اور تیرہویں امریکی فضائی فوج (جس کے مرکز نیوکیلیڈونیا اور گاڈل کینال میں تھے) انجام دے گی۔فوجیں دشمن کے کمزور مقامات پر حملہ کریں گی اور جاپان کے طاقتور گروہوں کو مختلف گوشوں میں رکھے گی۔طیارے ربال کو تباہ کرتے رہیں گے۔اس طرح جاپانی فوج کا خطرہ ختم ہو جائے گا۔یہ زبردست پروگرام بڑی بصیرت اور قوت سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا گیا۔

جزائر سالومن میں پیش قدمی گاڈل کینال سے شروع ہوئی جہاں سے آخری جاپانی فوج فروری 1943ء میں نکالی جا چکی تھی۔21 فروری کو خشکی وتری کی زبردست فوج نے شدید جنگ کے بعد جزائر رسد لے لیے۔یہ جزیرے گاڈل کینال سے ساٹھ میل شمال مغرب میں تھے۔گاڈل کینال میں ایک ہوائی اڈہ تعمیر کرلیا گیا، جہاں سے دشمن کے اڈوں پر بم برسائے جاسکتے تھے مثلاً منڈا میں، جو نیوجارجیا آئی لینڈ میں ہے اور کولوم بنگارا میں جو وسطی جزائر سالومن میں ہے۔اس پیش قدمی پر جاپانیوں کو سخت غصہ آیا۔انھوں نے شمالی جزائر سالومن سے طیاروں کا ایک بیڑا بھیج دیا تا کہ نیوجارجیا کے متوقع حملے کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑیں۔16 جون 1943ء کو گاڈل

کینال کی فضا میں دونوں فضائی بیڑوں کے درمیان ٹکر ہوئی۔امریکا کی فوج اور بحریات کے پائلٹوں نے چھیانوے جاپانی طیارے گرالیے۔امریکا کے صرف چھے طیارے تلف ہوئے۔اسی روز واشنگٹن میں اعلان ہوا کہ 31 جولائی 1942ء سے صرف جنوبی بحرالکاہل کے حلقے میں جاپانیوں کے ایک ہزار تین سو سینتیس طیارے گرائے گئے۔دو ہفتے بعد امریکی فوجیں رینڈووا آئی لینڈ پر پہنچ گئیں۔یہ جزائر سالومن کے اس حلقے میں ہے جسے نیو جارجیا کہتے ہیں۔اترنے والی فوج اور جہازوں پر مسلسل حملوں میں ایک سو اکیس جاپانی طیارے برباد کیے گئے۔پھر منڈا پر ساحلی توپوں سے گولہ باری شروع ہوئی کیوں کہ رینڈووا پر قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔فضائی بیڑوں میں پھر ٹکر ہوئی جو چھے ہفتے جاری رہی۔جاپانیوں نے تقریباً ساڑھے تین سو طیارے برباد کرائے۔امریکیوں کا نقصان ایک سو طیاروں سے بھی کم تھا اور منڈا پر قبضہ ہو گیا۔پھر امریکی فوجیں کولوم بنگارا کے پاس سے گزرتی ہوئی ویلا،لاویلا آئی لینڈ میں پہنچ گئیں (15 اگست 1943ء)۔

اس اثنا میں بحری جنگ بھی ہوئی۔پہلے جاپانیوں نے نیو جارجیا اور لولوم بنگارا میں کمک پہنچانے کی کوشش کی۔پھر امریکہ کی بحری قوت کے لیے دعوت مقابلہ تھی۔چنانچہ 12 اور 13 جولائی 1943ء کو خلیج کولا اور خلیج ویلا میں بحری لڑائیاں ہوئیں۔6 اگست کو امریکی جنگی جہازوں نے دشمن کا ایک کروزر اور تین تباہ کن جہاز ڈبو دیے لیکن خود امریکیوں کا بھی ایک کروزر اور ایک تباہ کن جہاز ڈوب گیا اور تین کروزروں کو نقصان پہنچا،مگر بحری جنگ میں کسی کو فیصلہ کن فتح حاصل نہ ہوئی البتہ جاپانیوں نے اتنی لڑائی کو کافی سمجھ کر دونوں جزیروں کا تخلیہ شروع کر دیا۔

دوسری طرف میک آرتھر کی امریکی،آسٹریلیائی اور نیوزی لینڈی فوج شمال جانب نیوگنی کی طرف بڑھی۔ربال کو مشرقی جاپان سے منقطع کر دیا۔پیش قدمی کی رفتار دھیمی رہی،کیوں کہ ساحلی علاقے پر دلدلیں تھیں اور خشک پہاڑ تھے۔یہ دونوں چیزیں جاپانی دفاع میں خاص اہمیت رکھتی تھیں۔انتہائی جنوبی گوشے میں جاپانی فوجیں بونا اور سانندا پر تھیں۔یہ دونوں جزیرے 19 جنوری 1943ء کو فتح ہو گئے۔جنرل میک آرتھر نے کہا کہ بحیرۂ بسمارک کی لڑائی دوسری عالمی جنگ کی ایک نہایت فیصلہ کن لڑائی تھی۔اس نے جنوبی مغربی بحرالکاہل میں جاپان کی قوت ختم کر دی لیکن جاپانی اپنے ارادے پر قائم رہے۔ہوائی جہازوں کے نقصان سے جوش میں آ کر

انھوں نے ایک سو بلکہ اس سے بھی زیادہ بمبار طیارے بندرگاہ مور بی (نیوگنی) اور بندرگاہ ڈارون (آسٹریلیا) کے بحری اڈوں پر حملے کے لیے بھیج دیے۔ اتحادیوں نے خشکی، تری اور فضا میں سخت بدلا لیا۔

شمالی بازو: جزائر الیوشیائی

اب سب کی آنکھیں شمال کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جون 1942ء کے اوائل میں مڈوے کی لڑائی شروع ہونے والی تھی۔ اس وقت جاپانیوں نے مجمع الجزائر الیوشیا میں ڈچ ہاربر پر جو جزائر کے مشرقی سرے پر ایلاسکا کے قریب واقع تھا، بم برسائے۔ وہاں سے پلٹ کر دشمن نے کسکا اور آٹو لے لیے تھے جو جزائر کے انتہائی مغربی گوشے میں تھے۔ اس طالع آزمائی میں جاپان کو کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ کیلیفورنیا اور ریگن مین سراسیمگی پھیل گئی۔ کم از کم امریکا کے لیے یہ مشکل تھا کہ ان جزائر میں اڈے تعمیر کر کے ٹوکیو پر بم برسائے مگر امریکی اس وقت کچھ نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ بحری، فضائی اور بری قوت کا ہر حصہ جنوبی بحرالکاہل کے لیے ضروری تھا۔ تقریباً ایک سال گزر گیا، پھر جزائر الیوشیائی پر جوابی حملہ ہوا۔ 11 مئی 1943ء کو امریکہ نے بڑھتی ہوئی قوت کا مظاہرہ کیا۔ اسی روز دو امریکی فوجیں جاپان کے بڑے بحری مرکز کو ایک طرف چھوڑتی ہوئی آٹو اتر گئیں جو سلسلے کا انتہائی مغربی جزیرہ ہے۔ ایک فوج شمال میں خلیج الٹر اور دوسری جنوب میں خلیج سکر پر اتری۔

آئندہ تین ہفتے میں شدید جنگ ہوئی۔ زمین لڑائی کے لیے سازگار۔ نہ تھی۔ مقابل فوجوں کے درمیان دو ہزار فٹ بلند پہاڑ تھے۔ موسم سخت خراب تھا۔ کوئی بھی فریق اس میں فوجی قوت استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ جا بجا گہری دلدلیں، برفانی پانی، نم آلود برف اور مرطوب میدان موجود تھے۔ برابر کہر چھائی رہتی تھی۔ جاپانیوں نے پہاڑوں کے اطراف اور وادیوں میں جا بجا مستحکم مورچے بنا لیے تھے۔ جن پر میدانوں سے گھاس کاٹ کاٹ کر ڈال دی گئی تھی اور برف رکھ دی گئی تھی۔ ان کے آگے دور دور تک سرنگیں بچھا دی گئی تھیں اور پھندے لگا دیے گئے تھے۔

امریکیوں کی دو فوجیں گہری گھاٹیوں، ندیوں اور پہاڑی ڈھلانوں سے ہوتی ہوئی بندرگاہ چچاگوف پر بڑھیں جو آٹو میں دشمن کا مرکز تھا۔ اگرچہ امریکیوں کو بڑا نقصان پہنچا مگر 2 جون 1943ء تک انھوں نے جاپانی فوج کا بڑا حصہ ختم کر دیا۔ آٹو پر قبضے کے سلسلے میں امریکا کے خلاف جنگ کا ایک شدید الزام عائد ہوا۔ جسے اصطلاح میں بنزائی کہتے تھے۔ ایک امریکی سالار یاماساکی کی فوج مایوس ہوگئی کیوں کہ اس کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ ان لوگوں نے شور مچاتے ہوئے خودکشی کا فیصلہ کیا تاکہ اپنے آباؤ اجداد سے جاملیں۔ سپاہیوں کی قطاروں میں سے شور اٹھا کہ جاپانی خون کو شراب کی طرح پیتے ہیں۔ صرف چند افراد بچ سکے۔ گیارہ قیدی بنا لیے گئے۔ دو ہزار جاپانی امریکیوں نے دفن کیے۔ ٹوکیو میں یہ خودکشی کی یہ کہانی بڑے جوش و خروش سے چھاپی گئی اور اس پر خطوں کا ایک طومار شائع ہوا۔ عام لوگ اس وحشیانہ تعصب پر بڑے حیران ہوئے۔ بعض خطوں میں کہا گیا کہ کیا جنگ ایسی چیز ہے؟

بہر حال آٹو مستقل امریکیوں کو مل گیا۔ اس پر قبضے سے کسکا بالکل منقطع ہوگیا جو ایک سو ستر میل مشرق میں جاپانیوں کا مرکز تھا۔

وسطی بحرالکاہل

اتحادیوں نے جنوبی و مغربی نیز شمالی بحرالکاہل میں وسطی بحرالکاہل پر حملوں کے لیے دروازے کھول دیے تھے۔ یہاں جارحانہ اقدام کا مدعا یہ تھا کہ جاپانی سلطنت کے بیرونی حلقوں پر جزائر گلبرٹ، جزائر مارشل، جزائر کیرولین اور جزائر میریانا سے زبردست بری، بحری اور فضائی حملے کیے جائیں۔ پہلے اتحادیوں نے انتقاماً وسطی حصے پر طوفان برپا کیا۔ مقصد یہ تھا کہ جزائر گلبرٹ کے لیے جائیں جن کا رقبہ ایک سو چھیاسٹھ مربع میل تھا۔ یہ جزیرے پرل ہاربر کے جنوب مغرب میں اس بڑے مدور راستے پر واقع تھے جو ہوائی سے نیوگنی میں بندرگاہ مورسبی کی طرف جاتا ہے۔ جاپانیوں نے دسمبر 1941ء میں ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اتحادیوں کا اولین مقصد جزائر گلبرٹ سے ماکن اور تراوا تھے۔ پہلے اردگرد کے جزیروں پر طیاروں سے بم برسائے گئے۔ ماکن جزائر گلبرٹ کے شمال میں تھا۔ 20 نومبر 1943ء کو اس پر حملہ کیا گیا۔ اس کی چھوٹی سی فوج چند دن

میں بے دست و پا ہوگئی۔ وہ اس قدر متحیر ہو گئے کہ چاولوں سے بیئر شراب بنانے لگے اور خودکشی کے ذریعے سے مرنے کا عزم کر لیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ جزائر گلبرٹ بھی جزائر ایلوشیائی کی طرح مسخر ہو جائیں گے مگر یہ نہ ہوا۔ ٹوکیو میں جنگی کارفرما لاف زنی کر رہے تھے کہ تراوا کو دس لاکھ فوج بھی فتح نہیں کر سکتی۔ یہ سراسر مبالغہ آمیز دعویٰ تھا تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تراوا شیطان کا جہنم بنا رہا۔ یہ بحرالکاہل کا ایک خاص مجمع الجزائر تھا جس میں چوبیس کے قریب جزیرے مونگے کی چٹانوں کے ذریعے سے باہم وابستہ تھے اور ان کے گرد ایک کھاڑی تھی جو صرف چند فٹ گہری تھی۔ اس کا مستحکم مقام بیٹیو تھا جو تین میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا۔ جاپان کی بحری فوج کے تین ہزار آدمی اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ محصورین نے بہت سی چوکیاں تیار کر لی تھیں جن پر پانچ فٹ تک کنکریٹ چڑھا ہوا تھا اور اس کی دیواریں دس دس فٹ موٹی تھیں جو ریت اور مونگے سے بنائی گئی تھیں۔ پھر تار کے شہتیروں میں لوہے کی ریلیں رکھ کر چھت ڈال دی گئی تھی۔ امریکی طیاروں اور جنگی جہازوں نے ان غیر معمولی پائیدار چوکیوں پر ٹنوں بم گرائے۔ سارا جزیرہ شعلوں اور دھوئیں سے بھر گیا۔ یقیناً اس جہنم میں کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن 21 نومبر کو امریکی بحری فوج نے حملہ کیا تو بڑا سخت مقابلہ پیش آیا۔ معلوم ہوا کہ جاپانی فوج موجود ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ چھوٹا سا جزیرہ دشمن فوجوں سے پامال ہو چکا تھا۔

حملے کے ساتھ ہی امریکیوں نے قدم جما لیے۔ ڈیوڈ منروشوپ نے دوسری بحری رجمنٹ کی قیادت کی اور تراوا سے جنگ کی بڑی زبردست روداد بھیجی۔ اس نے کہا:

''ہمارا نقصان جان بہت ہوا، دشمن کا نقصان جان معلوم نہیں۔ ہم کامیاب ہو رہے ہیں۔''

چار روز اور گزر گئے۔ مدافعین خودکشی پر پہنچ گئے۔ امریکا کی بحری فوج کے نوسو چوراسی افسر اور آدمی مقتول اور لاپتہ رہے۔ دو ہزار بہتر زخمی ہوئے اور بحریات کی کچھ کشتیاں بھی ضائع ہوئیں۔ مقتولین کی تعداد گیارہ سو کے آس پاس تھی۔

تراوا پر خشکی اور تری کے اقدام میں بعض زبردست غلطیاں ہوئیں۔ بحری جہازوں کی بمباری صرف تھوڑی دیر جاری رہی۔ یہ کمزور تھی اور نشانہ درست نہ تھا۔ جو جنگی سامان استعمال

کیا گیا وہ غیر تسلی بخش یا بیکار تھا۔ بعض نامہ نگاروں نے غصے میں لکھا ''الم انگیز تر اور'' یا ''خونریز تر اور'' یا ''خوفناک تر اور''۔ دوسروں نے شکایت کی امریکا کا خون چند ایکڑ بیکار مرجانی زمین کے لیے بہایا گیا، البتہ اس سے بڑے قیمتی سبق سیکھے گئے اور ٹوکیو کا راستہ کھل گیا۔ یقیناً ایک ہزار جانیں تلف ہوئیں لیکن امریکا کے حملے نے بہت سی جانیں بچالیں۔ بحری فوج کے ساتھ بحری انجینئر بھی پہنچ گئے۔ تراوا ایک بہت بڑا مرکز بنا دیا گیا تاکہ جزائر مارشل پر حملہ کیا جاسکے۔

جزائر مارشل اور جزائر کیرولین

جزائر گلبرٹ کے شمال مغرب میں مجمع الجزائر مارشل تھا۔ ایلیٹ مورسن نے جو بحری مورخ تھا اسے ایک جاذب مقام قرار دیا۔ یہ جزائر 1885ء میں جرمنی کو دیے گئے تھے۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد جاپانیوں کی حکمداری میں رہے۔ اکثر جزیروں کے اردگرد کھلی کھاڑیاں تھیں۔ باشندوں میں اکثریت مائیکرونیشی نسل کی تھی۔

امریکیوں نے جلوئٹ اور ووٹجے کو ایک بازو پر جوڑا اور کواجالین کی طرف بڑھے جو دنیا کا سب سے بڑا مرجانی جزیرہ تھا چھیاسٹھ میل لمبا اور اٹھارہ میل چوڑا۔ پہلے امریکی بمباروں نے ہوائی اڈوں کو برباد کیا۔ پھر امریکی بحری بیڑے نے تراوا کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چار گھنٹے میں تین ہزار ٹن گولے اور بم گرائے لیکن اس سے جاپانیوں کی چوکیاں تباہ نہ ہوئیں جو ناریل کے تنوں، فولادی شہتیروں اور کنکریٹ سے بنی ہوئی تھیں۔ کواجالین پر فوجی حملے سے پیشتر دو مہینے بم برسائے جاتے رہے۔ کواجالین اور دوسرے جزیروں میں فوجیں اتارنے سے پیشتر دو ہمسایہ جزیروں کو بری طرح تباہ کرتے رہے۔ ان تینوں جزیروں پر سخت آتش گیر مادے کے پندرہ ہزار ٹن گولے گرائے گئے۔ جگہ جگہ بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے۔ پھر فوجیں اس جزیرے پر پہلی مرتبہ اتریں جو پرل ہاربر کے واقعے سے پیشتر جاپانیوں کا تھا۔ ساتھ ہی مہلک ٹینک پہنچے۔ کواجالین پر بربادی پھیلا دی گئی۔ کوئی عمارت باقی نہ رہی۔ جزیرہ ملبے کا ڈھیر تھا مگر اس بربادی کے باوجود جاپانیوں کی طرف سے کلدار توپیں اور بندوقیں چلتی رہیں۔

پھر دشمن کے فعل کے لیے امریکی فوجوں پر الزام لگایا گیا۔ جاپانیوں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ دستی بم ہاتھ میں لے کر ٹینک کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور جب تک بم پھٹ نہ جائے، وہاں

سے نہ ہلتے۔ بم کے ساتھ اس کا بازو اڑ جاتا لیکن ٹینک کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ جاپانی افسر تلواریں چمکاتے ہوئے ٹینکوں سے آ بھڑتے، مگر اس کا اثر کیا ہو سکتا تھا البتہ وہ امریکیوں کا ہدف خوب بنتے رہے۔ بظاہر امریکیوں نے بہت جلد سبق سیکھ لیا۔ اس مرتبہ ان کے تین سو چھپن آدمی مارے گئے۔ جاپانی مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار ایک سو بائیس تھی۔ دو سو چونسٹھ جاپانی گرفتار ہوئے۔ یہ کوئی معمولی جزیرہ نہ تھا بلکہ بڑا بحری حربہ کا مرکز تھا جہاں سے جاپانی نیو برٹن، نیوگنی اور سالومن کو رسد بھیجتے تھے۔ 16 فروری 1944ء کو امیر البحر سپر درپنس نے ایک حملہ آور فوج کے ساتھ کیرولین پر پیش قدمی کی۔ جاپانیوں کا بحری بیڑا میدان سے ہٹ چکا تھا۔ وہ اچانک پکڑے گئے۔ امریکی طیارہ بردار جہازوں سے ٹرک پر فضائی قوت کے زبردست حملے ہوئے۔ چند روز میں حکومت امریکا نے اعلان کیا کہ جاپانیوں کے دو سو ایک طیارے ٹرک میں برباد ہوئے نیز دو ہلکے کروزر، دو تباہ کن جہاز، ایک جنگی سامان کا جہاز، ایک بحری طیارہ بردار جہاز، دو تیل کے جہاز آٹھ مال کے جہاز ڈبوئے گئے۔ امریکا کے سترہ طیارے برباد ہوئے۔ خود ٹرک اور اس کی فوج پر جو پچاس ہزار تھی حملے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ یہ جزیرہ بھی بیکار ہو چکا تھا اور جنگ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

جزائر مارشل اور جزائر کیرولین میں امریکا کی فتوحات کا مطلب یہ تھا کہ جاپانی سلطنت کے بیرونی حلقے میں رخنے ڈال دیے گئے یا تو دفاعی استحکامات پر قبضہ کر لیا گیا جیسے کواجالین میں یا فوج کو بھوکوں مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا مثلاً جلوئٹ اور وو تجے میں یا ٹرک کی طرح اسے بیکار کر دیا گیا۔ ٹرک کا بڑا مرکز بیکار ہو گیا تو امریکا کی بحری قوت مغربی بحرالکاہل میں بے تکلف پھرنے لگی۔

چھٹا حصہ

اقوام متحدہ کی ظفر مندی

31

حصار یورپ پر یورش

(1)

تیاریاں

برطانیہ اور امریکا کے اعلیٰ کمانداروں کی طرف سے آئزن ہاور کو یہ ہدایت موصول ہوئی:

''آپ براعظم یورپ میں داخل ہوں گے اور دوسری اقوام متحدہ کے اشتراک سے ایسے اقدامات کریں گے جن کا مقصد یہ ہو کہ جرمنی کے قلب پر ضرب لگے اور اس کی مسلح فوجیں تباہ ہو جائیں۔''

جنوبی انگلستان ایک وسیع فوجی کیمپ بن گیا تھا۔ اس کی بندرگاہوں میں حملے کے لیے ایسا بیڑا جمع کر لیا گیا تھا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جنگی جہاز، نقل وحمل کے جہاز، فوجیں اتارنے والی کشتیاں، تباہ کن جہاز، بحری سرنگیں اٹھانے والے جہاز، غرض جنگ کے لیے نیز نقل وحمل کے لیے جو کچھ خیال میں آ سکتا تھا، وہ تاریخی بندرگاہوں میں جمع کر دیا گیا۔ گودیوں میں جنگی سامان کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ہر طرف انتہائی سرگرمی سے کام ہو رہا تھا اور فضا میں امید کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ لاکھوں فوجیں کھیتوں میں ٹھہری ہوئی تھیں یا سڑکوں پر کوچ کر رہی تھیں یا اترنے کی مشقوں میں مصروف تھیں یا نشانے لگا رہی تھیں۔ فضا میں طیارے پرواز کر رہے تھے تاکہ یورپ میں کام

شروع کرنے سے پہلے مشق پوری ہو جائے۔ آئزن ہاور نے کہا کہ بہت بڑی فوج جمع ہو چکی ہے۔ انسانوں کا وسیع مجمع اس انتظار میں تھا کہ اس کی سرگرمیوں کو آزادانہ کارفرمائی کا موقع دے دیا جائے۔ یہ فوجیں رودبار انگلستان سے گزرتے ہوئے خشکی و تری کا سب سے بڑا حملہ کرنے والی تھیں۔ پوری فوجوں کا معائنہ کرنے کے بعد آئزن ہاور نے تسلی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"اگر یہ فوجیں اسی شان سے لڑیں جس شان سے انھوں نے تربیت پائی ہے تو نازیوں کا خدا حافظ۔"

محض اعداد ہی حد درجہ حیرت انگیز تھے۔ صرف اس حملے کے لیے ڈیڑھ لاکھ آدمی، ڈیڑھ ہزار ٹینک، پانچ ہزار تین سو جہاز اور کشتیاں اور بارہ ہزار طیارے تھے۔ تین ڈویژن فوج صرف طیاروں کے ذریعے سے نارمنڈی میں اتاری جانے والی تھی۔ ساتھ ہی یعنی طیاروں کا یہ کام تھا کہ تمام پلوں، ریل کی سڑکوں، جرمنی کے استحکامات اور نارمنڈی کے راستوں کو برباد کر دیں۔ پھر پانچ ڈویژن ...... دو امریکی، دو برطانوی اور ایک کینیڈائی ...... ساٹھ میل چوڑے محاذ پر اتریں، جو کائن سے جزیرہ نمائے شربورگ تک پھیلا ہوا تھا۔ پہلے اڑتالیس گھنٹوں میں ایک لاکھ سات ہزار فوج، چودہ ہزار گاڑیاں اور ساڑھے چودہ ہزار ٹن رسد فرانسیسی ساحل پر اتار دی گئی۔ ان تیاریوں کے ساتھ دشمن کو دھوکہ دینے کا سلسلہ بھی جاری رہا تاکہ اس پر واضح نہ ہو سکے کہ حملہ کہاں مقصود ہے۔ جنوبی و مشرقی انگلستان میں ڈوور کے قریب اتحادیوں نے ایک فرضی کیمپ بنا لیا تھا اور ریڈیو کے ذریعے سے فوجوں کے نام غلط احکام جاری کیے جا رہے تھے۔ اتحادیوں کی یہ تدبیر بے حد کامیاب ہوئی اور نازیوں کی انیس ڈویژن فوج حملے سے چھ ہفتے بعد تک اسی علاقے کے سامنے رکی رہی۔

امریکیوں کی طرف سے جو خط امریکا بھیجے جاتے تھے وہ دس روز تک روکے جاتے تھے۔ صرف آئزن ہاور اور اس کے عملہ کو معلوم تھا کہ جب یہ مرموز پیغام بھیجا جائے گا: "خدنگ فولاد کو چھید رہا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فرانس میں جو لوگ خفیہ خفیہ اتحادیوں کے لیے کام کر رہے تھے، وہ سمجھ لیں کہ حملہ ہونے والا ہے۔

ہٹلر تلملا رہا تھا۔ اس کے شہروں پر بم برسائے جا رہے تھے اور ان کے پرخچے اڑ رہے

تھے۔شمالی افریقہ سے وہ محروم ہو چکا تھا۔سویز پر قبضے ہر امید ختم ہو چکی تھی۔اٹلی میں اس کی فوجیں روما تک دھکیلی جا چکی تھیں مگر فرانس اور ممالک زیریں میں اس کے پاس ساٹھ ڈویژن فوج موجود تھی جن میں سے آٹھ ڈویژنوں کو صرف ساحلی اور آس پاس کی حفاظت کا کام سونپا گیا تھا۔ہٹلر کی ساتویں فوج نارمنڈی، کوٹنٹن اور برٹنی کے سواحل کی حفاظت پر مامور تھی۔اس نے بالکل صحیح سمجھا تھا کہ اتحادیوں کی نقل و حرکت کا مرکزی نقطہ نارمنڈی ہی ہوگا۔یہیں اس نے اپنے زبردست ڈویژن اور بکتر بند فوج جمع کر رکھی تھی، حالاں کہ جرمنی کے بحری خبر رساں افراد نے بتادیا تھا کہ دریائے سین اور جزیرہ نمائے کوٹنٹن کے درمیان فوج اتاری نہیں جا سکتی۔ہٹلر نے زیادہ بھاری استحکامات کیلے کے علاقے میں کر رکھے تھے جو ڈوور کے عین سامنے تھا۔ہٹلر کے دفاعی استحکامات کا حاصل یہ تھا کہ دشمن کو سواحل ہی پر شکست دے کر واپس بھیج دیا جائے۔

گوئبلز نے اوقیانوسی حصار کو ساحلی استحکامات کا ایک بہت بڑا ہلال نما سلسلہ بتایا جو ہالینڈ سے رودبار کے ساتھ ساتھ خلیج بسکے کے سواحل سے ہوتا ہوا پرمنیز پہنچتا تھا اور بحیرۂ روم میں طولون تک جاتا تھا۔جرمنوں کے پاس استحکامات کے اس طویل خط کی حفاظت کے لیے آدمی موجود نہ تھے۔ہٹلر نے بڑی بڑی بندرگاہوں میں زیادہ فوج جمع کی۔جہاں جہاں اور مقامات ضروری تھے انھیں بھی مستحکم کر لیا۔فریڈرک اعظم اس طریق جنگ کو کبھی درست نہ مانتا۔وہ کہتا تھا کہ ہر چیز کی حفاظت کے لیے کوشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کسی بھی چیز کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

جرمن فوج بھی اب ویسی حوصلہ مند نہیں رہی تھی۔جیسی فتوحات کے ابتدائی دور میں تھی۔جانی نقصان بہت زیادہ ہو چکے تھے اور مقتولین و مجروحین کی کمی پوری کرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔گویا اب یہ فوج ویسی بے پناہ قوت نہیں رہی تھی، جیسی پہلے کسی زمانے میں تھی بلکہ مختلف قوموں کا مجموعہ تھی، جن میں ہنگری، پولینڈ، روس اور فرانس کے باشندوں کے علاوہ حبشی اور ہندوستانی بھی شامل تھے جو ڈویژن اوقیانوسی حصار کی حفاظت کے لیے مامور تھے۔ان میں زیادہ تر یا تو بوڑھے شامل تھے یا نوجوان اور وہ اجنبی بھی جنھیں جبراً بھرتی کر لیا گیا تھا لیکن ایسے لوگ بھی خاصے تھے جو جنگ کا پورا تجربہ رکھتے تھے۔

متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہٹلر نے اپنے سب سے بڑھ کر متحرک جرنیل فیلڈ

مارشل رومل کو بلایا جو افریقی فوج کا کماندار تھا اور اسے بی فوج کی کمان دے دی، جس میں مختلف فوجیں شامل تھیں: اٹھائیسویں کور ہالینڈ میں، پندرہویں فوج رود بار کے ساتھ ساتھ، ساتویں فوج نارمنڈی اور برٹنی میں۔ پانچ لاکھ آدمیوں کو آٹھ سو میل لمبے ساحل کی حفاظت پر لگا دیا گیا۔ اس فوج کے عقب میں فیلڈ مارشل رونسٹاٹ، فرانس اور ممالک زیریں کی فوجوں کا کماندار اعلیٰ تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب اتحادی یورپ میں اتر آئیں تو اس فوج کو معاً آگے بھیج دیا جائے۔

1944ء کے موسم بہار میں رومل اوقیانوسی حصار کو مستحکم کرتا رہا۔ اس کے زیر ہدایت مزدوروں اور سپاہیوں کے گروہ جا بجا کنکریٹ کے ذریعے سے توپیں نصب کرتے رہے اور ساحل پر سرنگیں بچھادی گئیں۔ ساحل کے عقب میں جو کھیت تھے وہاں بھی بڑے بڑے کھمبے گاڑ دیے گئے تاکہ طیارے اور گلائیڈر نہ اتر سکیں۔ کام کی رفتار سست رہی کیوں کہ فولاد اور کنکریٹ کی کمی تھی لیکن رومل نے نارمنڈی کے ساحلی علاقے کو مستحکم بنالیا۔ پانی کے اندر بھی ایسی رکاوٹیں کھڑی کردی گئی تھیں کہ کشتیاں فوج لے کر آئیں تو راستے ہی میں پھٹ جائیں۔ سرنگوں اور خاردار تاروں سے بکثرت فائدہ اٹھایا گیا۔ پھر جرمنوں نے جا بجا توپوں کے لیے محفوظ مقامات بنا لیے تھے اور کنکریٹ کی چوکیاں تعمیر کرلی تھیں۔ ان سے حملہ آور پر شدید آتش باری کی جاسکتی تھی جو سڑکیں اندرونِ ملک میں آتی تھیں ان میں جا بجا خندقیں کھود لی گئیں یا ایسی دیواریں بنادی گئیں جن سے ٹینک نہیں گزر سکتے تھے یا دور دور تک سرنگیں بچھادی گئیں۔ رومل نے کہا کہ لڑائی میں فتح و شکست کا فیصلہ سواحل ہی پر ہو جائے گا۔ پہلے چوبیس گھنٹوں کو فیصلہ کن سمجھنا چاہیے۔

جرمنوں نے بھی اتحادیوں کی طرح فریب آرائی کی کوشش کی۔ انھوں نے بھی جا بجا فرضی مستقر قائم کرلیے اور ٹینکوں کی قطاریں ادھر بھیجتے یا ریڈیو کے ذریعے سے غلط روداد یں نشر کرتے۔ برطانوی اور فرانسیسی کارکنوں کا ایک مجمع عظیم اس کام کے لیے مقرر تھا کہ یہ خبریں انگلستان بھیجتا جائے۔

پورے حملے میں موسم کو کلیدی عامل کی حیثیت حاصل تھی۔ اتحادیوں کا فیصلہ یہ تھا کہ 5 جون 1944ء کو چار بجے صبح حرکت شروع ہو جائے لیکن ایک روز پہلے موسم بہت خراب ہو گیا۔ اس کے متعلق رپورٹیں حوصلہ شکن تھیں۔ بتایا گیا تھا کہ بادل گھرے ہوئے ہیں ہوا تیز ہے، بڑی بڑی

موجیں اٹھ رہی ہیں۔ آئزن ہاور ضغطے میں پڑ گیا۔ ایسے حالات میں طیاروں کی طرف سے حفاظت کا کوئی انتظام ممکن نہ تھا اور توپوں کی آتش باری ٹھیک نشانے پر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں کنارے ہی پر رہ جاتیں۔ تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے آئزن ہاور نے بادل ناخواستہ چوبیس گھنٹے کی تاخیر کر دی۔

دوسرے روز ساڑھے تین بجے صبح اتنی تیز ہوا چلی جو تقریباً طوفانی تھی۔ آئزن ہاور نے پھر موسم شناسوں کی ایک کانفرنس کی۔ کپتان جے۔ ایم سٹیگ نے جو سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا کہا:

''میں سمجھتا ہوں، جناب والا! آپ کے لیے ہم نے امید کی ایک کرن دریافت کر لی ہے جو طوفانی ہوائیں اوقیانوس کی طرف سے آرہی ہیں وہ ہماری توقع کے خلاف زیادہ تیزی سے گزر رہی ہیں۔ ہماری پیشگوئی یہ ہے کہ 5 جون کے اواخر میں موسم خاصا اچھا ہو جائے گا اور اگلی صبح (6 جون) تک یہی حالت رہے گی۔ ہوا کی تیزی کم ہو جائے گی۔ بادل کسی قدر چھٹ جائیں گے۔ بریگیڈیئر جنرل بیڈل سمتھ نے اس ڈرامائی منظر کی کیفیت یوں بیان کی:

''پانچ منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ آئزن ہاور ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے کتابوں کی الماری تھی جو کمرے کے آخری حصے میں رکھی گئی تھی۔ میں نے ایک کماندار کی تنہائی اور علیحدگی کا پورا احساس کبھی نہیں کیا تھا جسے ایک زبردست اور اہم فیصلہ کرنا پڑا تھا...... وہ خاموش بیٹھا رہا...... معاملے کے ہر پہلو کا اندازہ کر رہا تھا...... آخر اس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ اس کے چہرے سے تشویش کی لہریں دور ہو چکی تھیں۔ اس نے کہا: ہم حملہ کریں گے۔''

یورپ پر حملہ

6 جون 1944ء سہ شنبہ کو صبح تین بج کر بتیس منٹ (نیویارک کا وقت) پر اتحادی افواج مقیم یورپ کے کماندار اعلیٰ کی طرف سے یہ خبر نشر ہوئی:

''جنرل آئزن ہاور کے زیر کمان متحدہ بحری فوجیں زبردست ہوائی قوت کی حفاظت میں اتحادی فوجوں کو شمالی فرانس کے ساحل پر اتارنے لگیں۔''

ایک منٹ بعد آئزن ہاور نے اپنا حکم پڑھ کر سنایا:

''اتحادی اقوام کے سپاہیو! ملاحو اور ہوابازو! آپ ایک بہت بڑا کام شروع کر رہے ہیں جس کے لیے ہم مدت سے تیاریاں کر رہے تھے۔ آزادی پسند اقوام کہیں بھی ہوں ان کی دعائیں اور امیدیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ بھی دوسرے محاذوں پر اپنے بہادر اتحادی بھائیوں کے ساتھ جرمنی کی جنگی مشین کو تباہی کے قریب پہنچائیں گے یورپ کی مظلوم اقوام کو نازیوں کے استبداد سے نجات دیں گے اور ہمارے لیے آزاد دنیا محفوظ کر لیں گے۔

آپ کا کام آسان نہیں۔ دشمن خوب تربیت پا چکا ہے۔ اس کے پاس اچھا ساز و سامان ہے اور وہ جنگیں کر کر کے خاصا تجربہ حاصل کر چکا ہے۔ یقیناً وہ وحشیانہ انداز میں لڑے گا لیکن اسی سال (1944ء) بہت کچھ ہو چکا ہے۔ 1940ء اور 1941ء کی نازی فتوحات ماضی کا ایک افسانہ بن چکی ہیں۔

جنگ کا پانسا پلٹ چکا ہے۔ دنیا کے آزاد لوگ دوش بدوش فتح کے لیے پیش قدمی کر رہے ہیں۔ مجھے آپ کے حوصلے، ادائے فرض کے خلوص اور جنگی ہنرمندی پر پورا بھروسہ ہے۔ ہم کامل فتح سے کم کوئی چیز قبول نہ کریں گے۔

خوش نصیبی آپ کا ساتھ دے۔ آیئے، اس بڑے اور اہم کام کا بیڑا اٹھاتے وقت عاجزانہ خدائے برتر و توانا سے دعا مانگیں۔''

10 بجے روز ویلٹ نے وہائٹ ہاؤس سے اہل امریکا کو خطاب کیا:

''میرے امریکی ہم وطنو! میں اس نازک ساعت میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ساتھ دعا میں شریک ہو جائیں۔ اے خدائے برتر و توانا! ہمارے بیٹے، جو ہماری قوم کا سر جوش ہیں آج ایک بہت بڑے جہاد کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہ اس لیے لڑتے ہیں کہ ہماری جمہوریت، ہمارا مذہب اور ہماری تہذیب محفوظ ہو جائے اور مصیبت زدہ انسانیت کو آزادی مل جائے۔ تو انھیں سیدھے اور سچائی کے راستے پر رکھ ان کے بازوؤں کو قوت عطا کر، ان کے دلوں کو مضبوط بنا دے ان کی ایمانداری کو مستحکم کر دے۔

خداوندا! انھیں تیری برکت کی ضرورت ہے۔ان کا راستہ بڑا طویل اور کٹھن ہے۔دشمن طاقتور ہے۔ممکن ہے وہ ہماری فوجوں کو پیچھے دھکیل دے۔یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں تیزی سے کامیابی حاصل نہ ہو لیکن ہم بار بار اس کام کو پورا کرنے کے لیے بڑھیں گے اور ہم جانتے ہیں، خداوندا کہ تیری رحمت اور تیرے فضل سے ہمارے بیٹے کامیاب ہوں گے، کیوں کہ ہمارا مقصد نیک ہے۔

خداوندا! حرص و آز کے داعیوں اور نسلی فخر و غرور کے ماتوں کی تسخیر میں ہماری مدد کر۔ہمیں اپنے ملک کی حفاظت اور دوسری قوموں کی حفاظت کے راستے پر چلا۔تیری رحمت سے دنیا متحد ہو جائے تو یقینی امن کا دور آ جائے۔ایسا امن جسے نالائق آدمیون کی منصوبہ بندی برباد نہ کر سکے گی۔ایسا امن جس میں تمام لوگ آزادی کے ساتھ رہیں گے۔اپنی دیانت دارانہ محنت کے ثمرات سے فائدہ اٹھائیں گے۔

''خدائے برتر و توانا! تیری رضا پوری ہو، آمین!''

حملے کے دن نصف شب کے تھوڑی دیر بعد بیڑا فرانسیسی ساحل کی طرف روانہ ہو رہا تھا اور ایک ہزار بمبار جہازوں نے جرمنوں کے ساحلی استحکامات میں آدمی اتارنے شروع کر دیے تھے۔دن چڑھا تو ایک ہزار امریکی بمبار طیاروں کا ایک اور بیڑا روانہ ہوا اور انگلستان سے اڑ کر فرانس کے اندر تک چلا گیا۔گویا انھوں نے ایک چھتری تان لی، جس کی حفاظت میں فوجیں ساحل پر اتریں۔نارمنڈی کے ساحل پر آتش باری سے ہر چیز تباہ کر دی گئی۔متحدہ ہوائی حملے کا یہ نہایت خوفناک مظاہرہ تھا۔

اتحادی طیاروں اور جرمن طیاروں میں پچاس اور ایک کی نسبت تھی (پانچ ہزار اتحادی جنگی طیارے رودبار کے محاذ پر مصروف کار تھے، مقابلے میں جرمنوں کے صرف ایک سو انیس طیارے تھے)۔آخر جرمن طیاروں نے خستہ حالی میں اپنے اڈے اٹھائے اور حلقہ پیرس کے عقب میں چلے گئے۔مہینوں سے اتحادی طیارے فرانسیسی اور بلجیمی ریلوں پر بم برساتے رہے تھے۔انجن برباد کر دیے، لائنیں توڑ دیں، سین اور لوار کے پل تباہ کر دیے۔جرمن ٹرین کے ذریعے سے فوجیں ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جا سکتے تھے لہٰذا انھوں نے شاہراہوں سے کام لینا چاہا۔وہاں بھی

بڑی بری طرح ہوائی حملوں سے انھیں تباہ کیا گیا مگر نارمنڈی پر کبھی شدت سے بم نہیں گرائے تھے۔حملہ سب کے لیے ایک حیرت انگیز جنگی چال ثابت ہوا۔نارمنڈی میں سب سے پہلے چھاتہ فوج گلائیڈروں میں سوار ہو کر اتری۔یہ امریکا کی نویں فضائی فوج تھی۔وہ آدھی رات کو ساحل سے گزرتے ہوئے میری اینگلو میں اترے۔یہ اس علاقے کے عقب میں تھا جس میں پانی بھر دیا گیا تھا۔امریکیوں کو ساحلی علاقے کے دو حصے دیے گئے تھے جن کے نام انھوں نے اپنی ریاستوں کے نام پر اوٹا بیچ اور اوماہا بیچ رکھ لیے تھے۔

چھاتہ فوج کے بہت سے آدمی جرمن فوج کے حلقے میں پہنچ گئے اور اسے حملے کے لیے تیاری کا حکم نہیں دیا گیا تھا لیکن بعض ایسے بھی تھے، جن کا ساتھ خوش نصیبی نے نہ دیا۔چوں کہ ہوا تیز تھی اور گھنی کہر پڑی ہوئی تھی اس لیے بعض آدمی اصل مقامات سے پینتیس پینتیس میل دور جا گرے۔بعض درختوں میں اٹک گئے۔بعض دلدلوں میں جا گرے۔بعض اپنے ساز و سامان اور چھتریوں کی بدولت اتنے بوجھل ہو گئے تھے کہ تین تین فٹ سے بھی کم پانی میں ڈوب گئے۔بہ ایں ہمہ طیاروں کے ذریعے سے تیرہ تیرہ ہزار فوج چار گھنٹوں کے اندر اندر فرانس پہنچا دی گئی۔ہر امریکی کو دس دس ڈالر کی رقم فرانسیسی سکوں میں دے دی گئی تھی۔پیتل کا ایک سمت نما دے دیا گیا اور ایک چھوٹے سے امریکی جھنڈے کا پرچم اس کی دائیں آستین کے ساتھ سی دیا گیا۔مزید مشرقی جانب چھٹا برطانوی ڈویژن تھا جو طیاروں کے ذریعے سے پہنچا۔یہ کل پانچ ہزار تین سو آدمی تھے اور اترتے ہی انھیں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی۔پھر طیاروں کے ذریعے سے پیادہ فوج پہنچ گئی اور اسے کائن کے قریب نو میل ملک کے اندر اتارا گیا۔امریکیوں نے جلد سے جلد متعلقہ علاقے پر قبضہ اور انگریز مشرقی جانب دریائے اورنے پر اترے۔اتحادی ڈویژنوں نے جلد ہی سواحل کے آس پاس حلقے قائم کر لیے اور فرانس کے اس حصے کو باقی یورپ سے الگ کر لیا۔اس اثنا میں اتحادی طیاروں نے جرمنوں کو پیرس سے نارمنڈی کی طرف حرکت کرنے کا موقع نہ دیا۔اس سلسلے میں سخت حملے کیے گئے۔دن نکلا تو فرانسیسی ساحل پر بحری بیڑے کی آتش باری شروع ہو گئی۔اس کی بھی تاریخ میں کوئی مثال نہیں تھی۔

امریکیوں کی طرف سے سرخ ہندوستانیوں کے جنگی نعرے بلند ہو رہے تھے۔وہ آتے

گئے۔ آدمیوں کے ساتھ کلدار توپیں، ساز و سامان اور ٹرک بھی آئے۔ اچھا کا کھانا اور لاکھوں گیلن پانی بھی آیا۔ اس روز کمکی فوج بھیجی گئی۔ چھتیس ہزار دو سو پچاس اوٹا بیچ میں، چونتیس ہزار دو سو پچاس اماہا بیچ میں، تراسی ہزار ایک سو پندرہ برطانیہ اور کینیڈا کے حلقوں میں۔

سب سے پہلے جرمنوں کی صفیں اوٹا بیچ کے بازو پر توڑی گئیں۔ یہاں فضائی ڈویژنوں نے جرمنوں کے ڈویژنوں کو شکست دی۔ خود امریکیوں کے مقتولین و مجروحین کی تعداد بھی اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی۔ یہیں امریکا کا چوتھا پیادہ ڈویژن اترا اور جرمنوں کے تمام استحکامات توڑ کر رکھ دیے۔ بایں ہمہ اس کے مقتولین و مجروحین کی تعداد صرف ایک سو ستانوے تھی لیکن دوسرے امریکی محاذ یعنی اماہا بیچ، نیز تین برطانیہ اور کینیڈا کے محاذوں پر سخت جنگ ہوئی۔ اماہا بیچ پر، جہاں فوجیں اتاری گئیں وہاں حفاظت کا طبعی انتظام بہت کم تھا۔ یہاں ریت کا محدب ٹیلا پچاس فٹ سے تین سو فٹ تک چوڑا تھا اور یہ ایک ڈھلان پر ختم ہوتا تھا جسے جرمنوں نے اعلیٰ پیمانے پر مستحکم کر لیا تھا۔ کنارے سے اندرون ملک میں جانے والے تمام راستوں پر سرنگیں بچھا دی گئی تھیں اور ان کی خوب حفاظت کی جا رہی تھی بلکہ اس حصے پر سرنگوں کے علاوہ خاردار تار بھی لگا دیے گئے تھے۔ امریکا کے پہلے اور انتیسویں ڈویژن کے چودہ سو آدمیوں نے ان مستحکم مقامات پر حملہ کیا۔ وہ ریت سے چمٹے رہے تاکہ توپوں کی آتش باری سے محفوظ رہیں۔ باقی رودبار میں دھکیلے گئے۔ بعض سمندر کی دیوار کے نیچے پھینکے گئے۔ یہاں اتحادیوں کا تقریباً ہر ٹینک کنارے پر اترنے سے پہلے ہی جرمنوں کی آتش باری سے یا تو خراب ہو گیا یا اڑا دیا گیا برطانیہ اور کینیڈا نے اپنے محاذوں پر زبردست بکتر بند فوج اتاری، جس میں ہر قسم کے ٹینک بھی تھے تاکہ سرنگوں کو صاف کر دیا جائے۔ چھوٹی چھوٹی چوکیاں اڑا دی جائیں اور جرمن دشمن بھی آتش باری ہوتی رہے۔ جرمن پیادہ فوج ان ہوٹلوں میں ٹھہری ہوئی تھی جو سمندر کے کنارے واقع تھے۔ اس نے جوابی حملہ کیا اور برطانیہ و کینیڈا کے چار ہزار آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ یہاں بھی بڑی خونریزی ہوئی۔

بہر حال بڑی افراتفری مچی۔ دس ہزار سات سو چوبیس آدمی زخمی اور قتل ہوئے۔ آٹھ ہزار بانوے قتل اور دو ہزار ایک سو بتیس مجروح ہوئے لیکن اتحادیوں نے براعظم میں قدم

جما لیے۔ جرمنوں کو غیر معمولی طریق پر حوادث سے سابقہ پڑا۔ ہٹلر کے جو افسر خبر رسانی کے لیے کیلیے میں مامور تھے وہ اس مرموز عبارت سے آگاہ تھے جو حملے کے وقت یورپ کے خفیہ کارکنوں کو آمادہ عمل کر دینے کے لیے تجویز ہوئی تھی۔ اس میں ایک فرانسیسی شاعر کی ایک نظم کے ابتدائی دو مصرعے شامل رکھے گئے تھے۔ پہلا مصرع یکم جون کو ایک جرمن ریڈیو نے سنا اور فیلڈ مارشل رومل، فیلڈ مارشل رونسٹاٹ اور جنرل جوڈل (جو برخس گارڈن میں ہٹلر کا چیف آف سٹاف تھا) کو بھیج دیے۔ پھر غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ایک مضحکہ خیز سلسلہ شروع ہو گیا۔ جوڈل نے سمجھ لیا کہ رونسٹاٹ نے فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا ہو گا۔ رونسٹاٹ نے فرض کر لیا کہ رومل نے حکم دے دیا ہو گا لیکن کسی نے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا۔

عین اس موقع پر رومل نے ایک شدید غلطی کی۔ موسم خراب تھا۔ چوں کہ پہلے اتحادیوں نے حملے کی تمام کوششیں خوشگوار موسم میں کی تھیں اس لیے رومل نے سمجھ لیا، حملہ نہیں ہو گا اور وہ موٹر میں سوار ہو کر جرمنی پہنچ گیا تا کہ بیوی کی سالگرہ منائے، ساتھ ہی ہٹلر سے مل کر کمک کے لیے درخواست کرے۔ جب اسے حملے کا پیغام ملا تو وہ تیزی سے مستقر کی طرف لوٹا مگر دفاع کے مرتبہ منصوبے پر عمل پیرائی میں چوبیس گھنٹے کی تاخیر ہو گئی۔ رومل کے علاوہ کوئی نصف درجن جرمن جرنیل اپنے ساحلی مستقروں سے غیر حاضر تھے اور دلچسپ چیز یہ ہے کہ بعض وہ کھیل دیکھنے چلے گئے جس میں فرانس پر اتحادیوں کے حملے کی نقل دکھائی جا رہی تھی۔ وہ بکتر بند ڈویژن ابتدائی دور ہی میں حملہ آوروں کو کچل سکتے تھے لیکن انھیں ہٹلر سے اجازت لیے بغیر جنگ میں شامل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جب حملہ ہوا تو ہٹلر سو رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کوئی حملہ آور فوج فرانس کے کسی حصے میں نو گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتی۔ وہ خواب آور گولیاں کھا کر سویا تھا اور جوڈل بھی اسے جگا نہیں سکتا تھا۔ رونسٹاٹ حملہ آور اتحادی قوت کی بے پناہی پر متحیر رہ گیا۔ اس نے ہٹلر کو ٹیلیفون کیا۔ 2 بجے بعد دوپہر سے پیشتر ہٹلر نے کانفرنس نہ بلائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ حملہ بھی ویسا ہی ہو گا جیسا پہلے دیپ پر ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے رونسٹاٹ کو حکم دے دیا کہ حملہ آوروں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دو لیکن وقت گزر چکا تھا۔ بڑی جرمن فوجیں عقب میں تھیں۔ اتحادیوں کے فضائی حملوں نے ان کے لیے

نقل و حرکت سخت مشکل بنا دی۔ وہ حملے سے ایک روز بعد تک لڑائی میں شریک نہ ہو سکیں اور ہٹلر نے عمل کا اصل وقت کھو دیا۔

یورپی حصار پر حملے کی قدم گاہ

ابھی سخت لڑائی ہونے والی تھی۔ اس کی کیفیت پہلے پانچ روز کی کارروائی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مشرقی حصے میں کینیڈا کی فوج سات میل اندر چلی گئی اور ان کے طلایہ گرد دستوں نے بایو کائن کی شاہراہ منقطع کر دی۔ برطانیہ کی دوسری فوج کائن پر بڑھی۔ اسے رومل کے اکیسویں بکتر بند ڈویژن سے سابقہ پڑا جس نے انگریزوں کو سمندر میں دھکیلنے کی ناکام کوشش کی۔ یہاں جرمنوں سے ایک بنیادی غلطی سرزد ہوئی۔ وہ پوری قوت سے جوابی حملے کی بجائے چھوٹے دستے کائن کے دفاع کے لیے بھیجتے رہے۔ تین روز میں برطانیہ اور کینیڈا کی فوجوں نے اپنی قدم گاہوں میں اتصال پیدا کر لیا۔

امریکا کی پہلی فوج اوتا بیچ سے ویرے کی طرف آگے بڑھی جو مغربی جانب ہے اور یہ اوماہا بیچ سے دریا کے مشرق کی طرف ہے۔ اوماہا بیچ پر جرمنوں نے مہلک آتش باری جاری رکھی اور امریکیوں کو بڑی مشکلات پیش آئیں۔ آخر بمبار طیاروں اور جنگی جہازوں کی گولہ باری نے جرمنوں کی توپیں برباد کر ڈالیں۔ پانچ روز میں جرمنوں کے دفاعی استحکامات کا بیرونی حصہ توڑا گیا۔ برطانیہ اور امریکا کے قبضے میں نارمنڈی کے ساحل کا اسی میل لمبا علاقہ آ گیا اور وہ بیس میل ملک کے اندر گھس گئے۔ نیز سولہ ڈویژن فوج فرانس کے ساحل پر پہنچ گئی۔

اتحادیوں نے اکیس دن کے اندر اندر دس لاکھ آدمی فرانس پہنچا دیے۔ مقابلے پر صرف چودہ جرمن ڈویژن تھے۔ حصار یورپ کے سواحل پر بندرگاہوں کی آسائشیں مہیا نہ تھیں اور یہ مسئلہ اتحادیوں کے لیے خاصا پریشان کن تھا لیکن جدت پسند اتحادی انجینئروں نے اس مشکل مسئلے کو حل کرنے کی دو تدبیریں اختیار کر لیں۔ اول یہ کہ کسی ایک پرانے تجارتی جہاز کو ڈبو کر لنگر گاہ تیار کر لی جاتی اور نسبتاً محفوظ پانیوں میں سامان اتارنے کا انتظام کر لیا جاتا۔ اس میں کوئی خاص نئی چیز نہ تھی البتہ اتحادی انجینئروں نے اس کا دائرہ وسیع کر لیا لیکن دوسری تدبیر حد درجہ عجیب و غریب تھی

اور غالباً پہلی مرتبہ اس سے میدان جنگ میں کام لیا گیا۔ حملے سے بہت پہلے انیس ہزار برطانوی کارکن کنکریٹ کی بہت بڑی بڑی چیزیں بنانے میں مصروف تھے جن کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ وہ چھ چھ منزل کے مکان تھے جنھیں زمین پر بچھا دیا گیا ہو۔ انھیں کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ چیزیں کس غرض سے بنوائی جارہی ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید ان میں غلہ بھر کر بھیجا جائے گا تاکہ یورپ کی غیر مصافی آبادی کا گزارہ ہو سکے۔ جرمن کارندوں نے فوراً برلن پیغام بھیجا کہ انگریز بڑے بڑے پشتے اور پاپے تیار کر رہے ہیں لیکن معلوم نہیں ان کا مقصد کیا ہے۔

انگریز کارکنوں یا جرمن کارندوں کو قطعاً علم نہ تھا کہ یہ مکمل مصنوعی بندرگاہیں تھیں۔ حملے سے تین ہفتے بعد ان تعمیرات میں سے دو کے بڑے بڑے حصے الگ الگ کر کے ایک درجن کشتیوں کے ذریعے سے بھیج دیے گئے۔ ساحل پر پہنچ کر انھیں جوڑ لیا گیا۔ ایک مصنوعی بندرگاہ امریکیوں کی قدم گاہ کے سامنے کھڑی کر دی گئی اور دوسری برطانوی محاذ کے سامنے۔ ان میں سے امریکی بندرگاہیں کبھی استعمال نہ کی گئیں۔ پھر 19 جون سے 22 جون تک شدید ہوا کا طوفان جاری رہا۔ چالیس سال سے ایسا طوفان کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس میں یہ بندرگاہ تباہ ہو گئی لیکن جو مصنوعی بندرگاہ برطانوی محاذ کے سامنے نصب کی گئی تھی وہ میکانکی اعتبار سے ایک نہایت خوبصورت چیز تھی۔ اسے تعمیر کا ایک شاندار کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ بحری جہاز اس میں لنگر انداز بھی ہو سکتے تھے اور ایسا انتظام بھی کر لیا گیا تھا کہ خاص اس کے پاس پانی کا زور کم ہو جائے۔ جہاں پانی روکا گیا تھا وہاں سے کنارے تک دس میل کے اندر فولادی کھمبے کھڑے کر دیے گئے تھے جن پر سامان اور آدمی اتارے جا سکتے تھے۔ اس مصنوعی بندرگاہ سے دس لاکھ فوج ماہ جون کے اندر اندر اتر کر ساحل پر پہنچی۔ جرمن جرنیل سپائیڈل کے نزدیک یہ چیز ایک فیصلہ کن حیثیت کی حامل تھی۔

اتحادیوں کے اولین مقاصد میں سے ایک شربورگ کی بڑی بندرگاہ تھی جو قدم گاہوں کے شمال میں واقع تھی۔ امریکی اس شہر کی طرف بڑھے تو جرمن پیچھے ہٹ کر استحکامات میں جا بیٹھے۔ جرمنوں نے اسے بحری حملے کے لیے ناقابل تسخیر بنا لیا تھا مگر انھوں نے خشکی کی جانب سے حملے کا امکان پیش نظر نہیں رکھا تھا۔ بالکل ایسی ہی کیفیت امریکیوں کو منیلا میں اور انگریزوں کو سنگاپور میں پیش آئی تھی۔ خشکی کی جانب سے اس کی حفاظت کا انتظام صرف اس قدر تھا کہ شہر کی

جانب آنے والے راستوں پر نصف دائرے کی شکل میں لکڑی کی باڑ لگا دی گئی تھی اور زمین دوز قلعے بنا لیے گئے تھے۔ حملے سے بیسویں دن اس پر قبضہ ہو گیا۔ تین پیادہ ڈویژن میجر جنرل کالنز کے زیر سرکردگی 22 جون 1944ء کو شربورگ پر حملہ آور ہوئے۔ اس سے پیشتر ایک ہزار بمبار طیاروں نے حملہ کیا ساتھ ہی رودبار کی طرف سے بحری بیڑے نے صحیح مقامات پر گولہ باری کی۔ اس آتش باری کی حفاظت میں پیادہ فوج آگے بڑھی۔ بعض استحکامات پر قبضہ کر لیا۔ بعض کو ایک طرف چھوڑتی ہوئی شہر میں داخل ہو گئی حالاں کہ دشمن کی طرف سے شدید آتش باری جاری تھی۔ چار روز بعد شربورگ کی جرمن فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ شربورگ کی بندرگاہ بھی نیپلز کی طرح جرمنوں کی منظم تباہ کاری کی ایک خاموش گواہ تھی۔ پانی کا زور روکنے کے لیے جو کچھ بنایا گیا تھا وہ سب برباد کر دیا۔ پانی کے اندر جو کھمبے لگائے گئے تھے ان میں سرنگیں بچھا دیں اور پھندے لگا دیے۔ امریکی انجینئروں نے فوراً برباد شدہ بندرگاہ کی مرمت کا کام شروع کر دیا لیکن اگست 1944ء تک سہولتوں سے پورا فائدہ اٹھانے کی نوبت نہ آ سکی اور مصنوعی بندرگاہ سے ہر قسم کا سامان ساحل پر اتارا جاتا رہا۔

32

حصار یورپ پر یورش

(2)

مشینی بم

ڈاکٹر گوئبلز کے پاس الفاظ کی کمی نہ تھی۔ جرمنی کی روز افزوں تباہی کے لیے اس نے معذرتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب اس نے یہ کہنا شروع کیا:

''اے اہل جرمن! اپنی جگہ ڈٹے رہو۔ فیوہرر پر بھروسہ رکھو۔ کیا اس نے یہ وعدہ نہیں کر رکھا کہ دشمن کو خون اور جانوں کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی؟ ہٹلر کو امور جنگ میں حیرت انگیز مہارت حاصل ہے۔ وہ بہت جلد ایک خفیہ حربے سے کام لے گا۔ اس حربے کی قوت اتنی زیادہ اور تباہ کاری کی صلاحیت اس درجہ خوفناک ہے کہ روز ویلٹ اور چرچل گھٹنوں کے بل گر کر رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

اتحادی کمانداراعلیٰ کو پہلے ہی خفیہ ذرائع سے علم ہو چکا تھا کہ جرمن ایک آخری حربے کی تلاش میں ہیں۔ ایٹمی بم کے لیے مسابقت جاری تھی۔ جرمن سائنس دانوں کو ایٹمی قوت سے کام لینے کا راز معلوم ہو چکا تھا لیکن آدمیوں اور جنگی سامان کی قلت کے باعث وہ کام آگے نہ بڑھا سکے۔ ایک سبب یہ بھی ہوا کہ ہٹلر کو ایسے منصوبوں پر زیادہ بھروسہ نہ تھا جن کی تکمیل وقت کی محتاج

ہو۔علاوہ بریں 1943ء میں اتحادیوں نے ناروے کے اندر جرمنوں کی ایک کارگاہ پر حملہ کر کے اسے شدید نقصان پہنچا دیا تھا۔اسی کارگاہ میں ایٹم کے متعلق چھان بین ہو رہی تھی۔

یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ جرمن ایک اور خفیہ حربے کے لیے کام کر رہے ہیں مگر اس کا صحیح پتا نہ چل سکا۔مئی 1942ء میں اتحادیوں نے مختلف تصاویر سے یہ پتا لگایا کہ راکٹ کے متعلق پینی منڈی میں چھان بین ہو رہی ہے۔یہ بحیرۂ بالٹک میں ایک جزیرہ تھا جس میں جنگل ہی جنگل تھے۔اس قسم کی کارگاہ ایک اور جگہ قائم تھی۔اتحادیوں نے پینی منڈی کو اولین نشانہ قرار دے لیا۔چنانچہ اگست 1943ء میں برطانوی طیاروں کی ایک بہت بڑی قوت نے اس جزیرے کو بری طرح تباہ کر دیا۔پھر کیلے سے شربورگ تک ساحل فرانس پر مسلسل حملے جاری رہے کیوں کہ معلوم ہوا تھا یہاں راکٹ بم کے اڈے قائم کیے جا رہے ہیں جہاں ریل کے ذریعے سے بم پہنچائے جائیں گے۔

13 جون 1944ء کو یہ خفیہ حربہ روشنی میں آ گیا اور لندن پر راکٹ بم گرا۔ہٹلر کا یہ پہلا انتقامی حربہ تھا۔یہ بم ایک چھوٹے سے طیارے کی شکل میں تھا جس پر کوئی پائلٹ سوار نہ ہوتا۔جہاں اسے پھینکنا منظور ہوتا، وہاں ساڑھے تین سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے یہ پہنچتا اور اس میں ایک ٹن آتش گیر مادے بھرے ہوتے یہ گرتے ہی پھٹ جاتا۔

انگریزوں نے فوراً اس مشینی بم کے خلاف دفاعی تدبیریں اختیار کر لیں۔مثلاً غباروں کا دفاعی حلقہ اور زیادہ مستحکم کر لیا۔کینٹ اور سسکس میں طیارہ شکن توپیں زیادہ تعداد میں نصب کر دیں۔بہت سے راکٹ بم نصف راہ ہی میں برطانوی طیاروں نے تباہ کر دیے مگر جو لندن پہنچ سکے ان سے جان و مال کا سخت نقصان ہوا اور لوگوں کے اعصاب پر بھی گہرا اثر پڑا۔12 جون 1944ء سے 20 جون 1944ء تک آٹھ ہزار راکٹ بم برطانوی دارالحکومت پر پھینکے گئے جن میں سے دو ہزار تین سو یا تقریباً ایک چوتھائی نشانے تک پہنچ سکے۔ان سے چار ہزار پانچ سو اناسی آدمی مارے گئے پندرہ ہزار نو سو چونتیس زخمی ہوئے۔پچیس ہزار عمارتیں تباہ ہو گئیں اور ہزاروں عمارتوں کو نقصان پہنچا۔یہ راز اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ ہٹلر نے راکٹ بم پورٹ سمتھ اور ساؤتھیمپٹن کے حلقے میں کیوں نہ پھینکے جہاں فرانس پر حملے کا سامان جمع تھا اور کیوں اس خوفناک

حربے کو غیر مصافی آبادی کے خلاف استعمال کیا؟

اگست 1944ء میں فیوہرر نے دوسرا راکٹ بم چلانے کا حکم دیا۔ یہ ساٹھ ستر میل کی بلندی پر اڑتا اور اس کی رفتار تین ہزار میل فی گھنٹہ تھی۔ اس میں بھی ایک ٹن آتش گیر مادے بھرے ہوتے۔ یہ عین نشانے پر پہنچ کر نیچے گرتا اور پھٹنے سے پہلے زمین میں دھنس جاتا۔ پہلے راکٹ بم کے برعکس، جس کا نام وی ایک تھا۔ دوسرا راکٹ بم (جس کا نام وی او وتھا) نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کے متعلق پتا ہی اس وقت چلتا، جب یہ پھٹتا۔ اس مکروہ حربے نے بھی آٹھ ہزار قیمتی جانیں لیں۔ جرمنی نے 1940ء میں انگلستان پر برق رفتار بمباری کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس میں بھی تقریباً اتنی ہی جانیں تلف ہوئی تھیں۔ اواخر اگست 1944ء میں راکٹ بم اینٹورپ اور لیج کے لیے وقف کر دیے۔ اینٹورپ میں وہ بندرگاہ کو تباہ کرنا چاہتے تھے لیج میں امریکیوں کے بعض فوجی انتظامات کو۔

یہ دونوں بڑے خوفناک حربے تھے لیکن آخر نتیجہ اس کے سوا کوئی نہ نکلا کہ یہ بہت کم کام دے سکے اور بہت دیر میں بروئے کار آئے۔ اگر یہ جنگ کے ابتدائی دور ہی میں استعمال کر لیے جاتے تو اغلب ہے اتحادیوں کی فتح میں تاخیر ہو جاتی یا وہ فتح پا ہی نہ سکتے مگر اب وہ شکست خوردہ اور مرتے ہوئے ہٹلر کی آخری ہچکیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

جنگ نارمنڈی

شربورگ پر قبضے نے ہٹلر کی وہ تمام امیدیں برباد کر ڈالیں جو اتحادیوں کو سمندر میں پھینکنے کے لیے اس نے قائم کر رکھی تھی۔ اتحادیوں کے لیے دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ نارمنڈی پر قبضہ کر لیں۔ اس کے لیے خوشگوار ممکنات موجود تھے۔ برطانیہ اور امریکا کی قدم گاہیں محفوظ ہو چکی تھیں اور کمک برابر پہنچ رہی تھی۔ دوسرے ڈنکرک کے خطرے زائل ہو چکے تھے۔ اتحادی قدم گاہ کے مشرقی سرے پر دوسری برطانوی فوج تھی جس کی کمان لیفٹیننٹ جنرل ڈیمپسی کے ہاتھ میں تھی اور اس میں کینیڈا کے ڈویژن بھی شامل تھے۔ مغربی سرے پر امریکا کی پہلی فوج لیفٹیننٹ جنرل بریڈلے کے زیر کمان تھی۔ یہ دونوں فوجیں مل کر اکیسویں نمبر کی فوج بنی جس کا سالار جنرل منٹگمری

تھا اور حملہ آور بری افواج کی کمان اس کے حوالے کی گئی تھی۔ 23 جولائی کو کینیڈا کی پہلی فوج لیفٹیننٹ جنرل کریرار کی سرکردگی میں تیار کی جارہی تھی۔ اسے بھی منٹگمری کے زیر کمان آنا تھا۔ یکم اگست سے امریکا کی تیسری فوج لیفٹیننٹ جنرل پیٹن جونیئر کے زیر کمان اس فوج میں شامل ہونے والی تھی جو جنرل بریڈلے کے زیر کمان تھی، ہاجز کو بنادیا جانا تھا۔ جب تک جنگ نارمنڈی میں محدود رہی، اتحادیوں کی اس تنظیم میں کوئی فرق نہ آیا۔

مغربی سمت میں انگریزوں کے سامنے کھلے میدان تھے جہاں ٹینکوں سے بخوبی کام لیا جاسکتا تھا لہٰذا جرمنوں نے اپنی بکتر بند قوت کاٹن کے اردگرد جمع کردی۔ 25 جون 1944ء کو (شربورگ کے سقوط سے بھی پہلے) برطانوی فوج جنوبی سمت سے کائن پر بڑھی لیکن دشمن کے ٹینکوں نے شدید مزاحمت کی۔ جرمنوں کا جوابی حملہ اس قدر سخت تھا کہ برطانوی فوج کو رک جانا پڑا لیکن اتنا سخت نہ تھا کہ فیصلہ کن شکست دی جاسکتی۔ جرمنوں کے پاس کمک جلد نہیں پہنچ سکتی تھی کیوں کہ اتحادیوں کی فضائی قوت ان سڑکوں اور ریلوں پر بم گرارہی تھی جو نارمنڈی کی طرف آتی تھیں۔ برطانوی طیاروں نے شدت سے کائن پر بم برسائے۔ جولائی 1944ء کے اوائل میں برطانوی فوج نے پھر کائن پر حملہ کیا مگر وہ صرف نصف شہر لے سکی۔ 18 جولائی کو فضائی بمباری کے بعد آخری حملہ کیا اور شہر لے لیا۔ ساتھ ہی بارشیں شروع ہوگئیں اور گردوپیش دلدل کا سمندر پیدا ہوگیا۔ اس پر اتحادیوں نے جارحانہ اقدامات مشرقی حصے سے شروع کردیے جہاں امریکی فوج تھی اور یہ حملہ سان لو کے قریب سے شروع ہوا جو مزید مغربی جانب تھا۔

یہاں جولائی کا اکثر حصہ امریکیوں نے سان لو کے لیے جنگ میں صرف کردیا جو اہم سڑکوں کا مرکز اور نارمنڈی کا دارالحکومت تھا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی جسے پوری جنگ کی چند شدید لڑائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ حملے کے دن سے بھی زیادہ مصیبت خیز تھی۔ جہاں کہیں کسانوں نے گھر بنا رکھے تھے ان میں دشمن بیٹھ گیا تھا اور ایک ایک گھر سے اسے خارج کرنا پڑا۔ سان لو کے اردگرد امریکی ٹینک سینکڑوں بھاری پشتوں میں پھنس گئے۔ ان پر خاردار جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ نارمنڈی کی تمام سڑکوں اور پگڈنڈیوں کی یہی کیفیت تھی۔ ان کی وجہ سے دشمن کو دفاع کا قدرتی موقع مل گیا کیوں کہ ٹینک سڑکوں سے ادھر ادھر نہیں ہوسکتے تھے۔ جب ٹینکوں میں رکاوٹوں

کو کاٹنے والے آلے لگا دیے گئے تو خاردار جھاڑیوں کے اس علاقے میں پیش قدمی کا موقع ملا۔ سان لو کے ساتھ ہی جنرل بریڈلے سان لو اور پریرز کی سڑک پر زبردست حملے کا ارادہ کر لیا جو سان لو کے مغرب میں تھی۔ فیصلہ یہ تھا کہ کائن کی طرح پہلے بمبار طیارے خوب گولہ باری کر لیں، اس کے بعد پیادہ فوج اور ٹینک بڑھیں۔ 26 جولائی کو ہاجز کی پہلی فوج نے حملہ کیا اور جلد ہی دشمن کی صفوں میں شگاف ڈال کر یہ فوج آگے بڑھ گئی۔ بریڈلے نے فوراً تیسری فوج کو جنرل پیٹن کی سرکردگی میں ایورانچز پر بڑھنے کا موقع دے دیا جو جزیرہ نمائے کوٹنٹن کے قاعدے پر واقع تھا تا کہ ہموار علاقے پر پہنچ جائے۔ اب جنوب اور مشرق کا دروازہ کھلا تھا امریکی فوجیں نارمنڈی سے نکل کر دشمن کو برٹنی میں بند کر سکتی تھیں۔ پھر مشرق اور شمال مشرق کا رخ کرتی ہوئی فرانس میں سے گزر سکتی تھیں۔ پیٹن نے ایک فوج برٹنی کی طرف بھیج دی اور باقی پوری فوج کو ٹینکوں کے ساتھ مشرقی جانب جانے کا حکم دے دیا جدھر ہاجز کی پہلی فوج جا رہی تھی۔

جب ٹینک ایورانچز سے آگے بڑھے تو نارمنڈی کی جنگ، جنگ فرانس میں ضم ہوگئی۔ چالیس میل روزانہ کی رفتار سے امریکی ٹینکوں کے دستے جنوبی جانب بڑھے اور انھوں نے زینے پر حملہ کر دیا جو برٹنی کا مرکز حکومت تھا۔ پھر تین دستے مغربی جانب مڑے اور ساحل تک ایک وسیع گزرگاہ پیدا کر لی۔ سان مالو جو شمالی ساحل پر تھا 17 اگست کو مسخر ہو گیا لیکن بریسٹ، لوریاں اور سان لزائر کی فوجیں برابر لڑتی رہیں۔ پھر جنگ کا زور مشرق کی طرف ہو گیا اور بریسٹ کے سوا دشمن کی باقی فوجوں کو محصور چھوڑ کر امریکی مشرقی جانب چلے گئے۔

عام فوجی دل و دماغ کے لیے حالات کا تقاضا یہ تھا کہ جرمن فوجیں نارمنڈی سے پیچھے ہٹالی جاتیں لیکن ضدی اور خودسر ہٹلر نے ساتویں جرمن فوج کے چار بکتر بند ڈویژنوں کو حکم دے دیا کہ مغرب کی جانب جوابی حملہ کریں تا کہ وہ مورتین سے گزرتے ہوئے ایورانچز پہنچ جائیں۔ اس طرح اتحادیوں نے جو گزرگاہ پیدا کی ہے وہ دو حصوں میں بٹ جائے اور بکتر بند ڈویژن سمندر کے کنارے پہنچ جائیں۔ ہٹلر کے دل میں ہمیشہ سمندر موجزن رہا اور اسی کو وہ اتحادی قوت کا مدفن قرار دیتا تھا۔

7 اگست 1944ء کو جرمنوں کا بڑا حملہ ایورانچز کی طرف ہوا۔ وہ بڑی تندی اور تیزی سے

لڑے۔ معلوم ہورہا تھا کہ ہٹلر پیچھے سے تازیانے لگا رہا ہے۔ وہ امریکی صفوں کو توڑ کر چند میل آگے بھی بڑھ گئے اور پانچ روز انھوں نے مفتوحہ علاقہ قبضے میں رکھا مگر جرمنوں کے بڑھے ہوئے حصے کے اردگرد ایک چہارگانہ پھندے کے انتظام کر دیا گیا تھا۔ پہلی امریکی فوج کے بڑے حصے نے مورتین پر جرمنوں کا زور روکا۔ اسی فوج کا ایک حصہ پیٹن کی تیسری فوج میں شامل ہو کر شمالی جانب مڑ گیا اور دشمن کے بڑھے ہوئے حصے کے بائیں بازو یعنی ارجنٹن پر ضرب لگائی۔ عین اسی وقت برطانیہ کی دوسری فوج مغربی جانب اپنی جگہ جمی کھڑی رہی اور کینیڈا کی پہلی فوج نے کائن سے جنوبی و مشرقی جانب فیلائز کی طرف حرکت کی تاکہ جرمنوں کے دائیں بازو پر ضرب لگائے۔ فلائز اور ارجنٹن کے حصے میں سنسنی کی حرکت کمال پر پہنچ گئی اور جرمنوں کی دو میدانی فوجوں کا بڑا حصہ نرغے میں آ گیا۔

16 اگست سے 21 اگست تک محاصرہ اتحادی بے پناہ انداز میں دشمن کے بچاؤ کا ہر راستہ بند کرتے گئے اور جرمنوں کا گلا گھٹتا گیا۔ ہزاروں مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ پچاس ہزار پکڑے گئے اور یہی لوگ تھے جو ساتویں جرمن فوج سے باقی بچے تھے۔ باقی حصوں پر بمبار طیاروں نے پے در پے ضربیں لگائیں اور وہ بے ترتیبی کے ساتھ دریائے سین کی طرف ہٹ گئے۔ گویا نارمنڈی کی جنگ ختم ہو گئی اور اتحادیوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

رومل کی خودکشی

وسط جولائی 1944ء تک اتحادی فوجیں دشمن کا حلقہ توڑتی ہوئی پیرس پہنچ جانے والی تھیں۔ جرمنوں کی حالت نازک ہو چکی تھی۔ کمک اور رسد کے راستے فضائی بمباری سے درہم برہم ہو رہے تھے۔ اتحادی روزانہ نئی فوجیں کنارے پر پہنچا رہے تھے اور بے شمار سامان چلا آ رہا تھا۔

17 جولائی 1944ء کی صبح کو فیلڈ مارشل رومل کھلی موٹر میں سوار ہو کر محاذ کی طرف بڑھا تاکہ اپنی تھکی ماندی اور ہمت باختہ فوجوں میں نظم قائم کرنے اور انھیں پھر ایک مرتبہ مقابلے کے لیے تیار کر دے۔ وہ اگلے مورچوں کا معائنہ کرتا ہوا واپسی کے لیے موٹر میں بیٹھا۔ لیوار واور دیموتیا

کے درمیان اتحادی جنگی طیاروں کو ایک موٹر نظر آئی جو بالکل اکیلی تھی۔ تین طیاروں نے غوطہ لگایا اور گولیاں چلا دیں۔ موٹر درختوں کے جھنڈ میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی مگر چھپ نہ سکی۔ ان طیاروں کے پائلٹوں کو مطلق اندازہ نہ تھا کہ موٹر میں کتنی بڑی شخصیت سوار ہے۔ ڈرائیور مارا گیا رومل بری طرح زخمی ہوا۔ اس کی کھوپڑی، رخسارے کی ہڈیاں اور کنپٹیاں پھٹ گئیں نیز بائیں آنکھ کو سخت نقصان پہنچا۔ وہ زندہ نہیں بلکہ بڑی حد تک مردہ تھا، جب اسے جرمن طیاروں سے ہسپتال میں پہنچایا گیا۔ 24 جولائی تک اس کے ہوش وحواس بحال نہ ہو سکے۔

1944ء کے موسم بہار میں ہٹلر نے رومل کو یورپ منتقل کر دیا تھا تاکہ فرانس پر متوقع اتحادی حملے کے خلاف دفاعی استحکامات کی تیاری میں مدد دے۔ اس وقت تک رومل اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ جس لیڈر کو وہ قوم میں اتحاد پیدا کرنے والا اور رسوائی کی ذلت سے نجات دلانے والا سمجھ کر انتہائی احترام کا مستحق جانتا تھا وہ تو ایک بے پایہ بت ہے۔ رومل نہایت اچھے احساسات کا حامل تھا۔ وہ اس بدفطرت اور بدزبان طالع آزما کو زیادہ عرصے تک گوارا نہیں کر سکتا تھا جو جرمنی کی نیک نامی کو داغدار کر رہا تھا۔

اس نے ضمیر کا جائزہ لیا اور فیصلہ کر لیا کہ جرنیلوں کے اس گروہ میں شامل ہو جائے جن کا رئیس جنرل لڈول بیک تھا اور جو ہٹلر کا تختہ الٹنے کے لیے سازش کر رہے تھے لیکن 20 جولائی کے بم سے ہٹلر بچ گیا۔ اس وقت رومل زخموں سے بے ہوش ہسپتال میں پڑا تھا اور اسے یہ خبر ہی نہ تھی کہ سازشیوں نے ہٹلر کی موت کے بعد خود اسے مملکت کا نیا رئیس چن لیا ہے۔ ڈکٹیٹروں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنا اقتدار محفوظ رکھنے کی خاطر ان لوگوں پر خاص نظر رکھتے ہیں جو ان کے جانشین بننے والے ہوں۔ رومل میدان جنگ کا لاثانی سالار تھا۔ جرمن فوجیں اسے مثالی جرنیل سمجھتی تھیں۔ وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ نازی پارٹی میں ہٹلر کے سوا بھی کوئی قومی لیڈر رہو۔ علاوہ بریں ہٹلر کی نگاہوں میں رومل نارمنڈی کی شکست کا ذمہ دار تھا۔ 21 جولائی 1944ء کو (واقعہ بم سے ایک روز بعد) ایک سازشی نے رومل کو بھی شریک سازش بتایا۔ رومل کے لیے یہ بے نصیبی کا ایک نہایت ناقابل یقین واقعہ تھا۔ جنرل سٹوال نیجل نے خودکشی کی کوشش کی لیکن عمل جراحی ہو جانے کے بعد ہوش سنبھالا تو رومل کا نام اس کی زبان پر آ گیا۔ ہٹلر کے لیے اتنی شہادت کافی تھی۔ اسے ایک

بالقوہ حریف سے نجات پانے کا اچھا بہانہ مل گیا تھا۔ رومل کے زخم بھر گئے تو اس نے اپنی زبان روکنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا:

''ہٹلر جھوٹا ہے۔ اب وہ پالکل پاگل ہو چکا ہے۔''

رومل نے اپنے ڈاکٹر سے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ یہ دیوانہ اپنا خاتمہ کرنے سے پہلے ہر جرمن کو قربانی کا بکرا بنا کر رہے گا۔ غالباً رومل کو علم تھا کہ آئندہ خود اسے قربان ہونا پڑے گا۔

14 اکتوبر 1944ء کو جرنیل برگ ڈارف اور جرنیل میزل (جو ہٹلر کے خاص پٹھو تھے) رومل سے ملاقات کے لیے آئے جو زخموں سے صحت یابی کے لیے گھر چلا گیا تھا۔ ان دونوں نے بتایا کہ سازشیوں نے اس کے خلاف کیا کیا شہادتیں پیش کی ہیں۔ جرمن فوجی افسر پر کوئی الزام لگے تو اس کے لیے ایک عزت مندانہ طریقہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ موت ہے۔ اب آپ چاہیں تو زہر کھا کر مر جائیں اور چاہیں تو عدالت عوام کے سامنے حاضر ہو کر اپنا دفاع پیش کریں۔ رومل کو صاف نظر آ رہا تھا کہ گھر کے اردگرد نازی طوفانی فوج کے آدمی کلدار توپیں لیے کھڑے ہیں۔ پندرہ منٹ میں رومل ختم ہو گیا۔

اس کی لاش پر عمل جراحی کی ممانعت کر دی گئی۔ لاش اس کی بیوی کو دے دی گئی۔ ساتھ ہی بتا دیا گیا کہ اس کا شوہر دماغی فالج کا شکار ہو گیا۔ جرمن اخباروں نے اعلان کر دیا کہ فیلڈ مارشل رومل نے ان زخموں کے باعث وفات پائی جو موٹر میں اسے لگے تھے۔ وطن کے اس فرزند جلیل و عظیم کے لیے تحسین کے بڑے بڑے خراج پیش کیے گئے۔ ہٹلر نے حکم دے دیا کہ رومل کو تمام سرکاری اعزازات کے ساتھ دفن کیا جائے۔

جنوبی فرانس پر حملہ

فیلائز کے حلقے میں محصور کو کچلا جا رہا تھا تو ایک وسیع دائرے میں اتحادیوں نے نئے زرغے کا انتظام کر لیا یعنی جنوبی جانب سے فرانس پر حملہ ہو گیا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتے ہوئے جرمنوں کے لیے ایک اور پھندا تیار کر لیا جائے۔ اتحادیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ انیسویں جرمن فوج پر ضرب لگائی جائے جو کمزور ہو چکی تھی اور طولون سے ریس تک ایک سو میل لمبے ساحل کی

حفاظت کر رہی تھی۔ اس طرح جو جرمن فوج نارمنڈی سے آگے بڑھ رہی تھی جنوبی فوج اس سے اتصال پیدا کر لے۔ دو ہفتے کی مسلسل فضائی اور بحری گولہ باری سے اس نئے حملے کے لیے راستہ ہموار کر لیا گیا۔ اٹلی اور کارسیکا کے اڈوں سے اڑ کر اتحادی طیاروں نے فرانسیسی رویرا کے تمام ریلوے سٹیشنوں اور مخابرت کے سلسلوں کو بری طرح برباد کیا۔ پھر 15 اگست 1944ء کو نہایت خوشگوار موسم میں ایک بڑا بیڑا جس میں پندرہ سو جہاز تھے تولون اور کان کے درمیان ساحل کے سامنے نمودار ہوا۔ سب سے آگے ساتویں امریکی فوج تھی جس کا سالار الگزانڈر پیچ تھا۔ پہلی فرانسیسی فوج کے اجزا بھی اس میں شامل تھے، جن کا سالار تسینی تھا۔ امریکی چھاتہ فوج بھی ساتھ تھی۔ یہ سب آزمودہ کار سپاہی تھے جنھیں لڑائیوں کا وسیع تجربہ تھا۔

یہ فوج ساحل پر اتری تو فرانس کی داخلی فوجیں اس کے ساتھ شامل ہو گئیں جو جرمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے مضطرب تھیں۔ اگرچہ ان کے پاس ساز و سامان زیادہ نہ تھا مگر وہ لوگ اطراف ملک سے واقف تھے۔ انھوں نے اتحادیوں کی بیش بہا امداد کی جو فرانسیسی جرمنوں سے مل گئے تھے ان سب کو بری طرح مارا گیا اور یہ نجات دہندہ فوج کے دوش بدوش لڑتے رہے۔

سب سے پہلے بحیرۂ روم کی بندرگاہوں پر قبضہ کیا گیا۔ یہ کام دو ہفتے میں انجام پا گیا۔ ایک اتحادی فوجی افسر نے کہا کہ سلرنو (اٹلی) کے مقابلے میں پرووینس (جنوبی فرانس) اندر اترنا ایسا ہی تھا، جیسے چھاپہ مار جنگ کی جائے۔ دو دن کی لڑائی کے بعد اتحادیوں کے مقتولین و مجروحین کی تعداد صرف پندرہ سو تھی۔

جرمن سمجھے بیٹھے تھے کہ پہلے اٹلی کے اندر جنیوا پر حملہ ہوگا لیکن اس نئے حملے نے وقت اور مقام کے لحاظ سے انھیں بالکل اچانک جالیا۔ نارمنڈی اور برٹنی میں ہٹلر بڑے اطمینان سے جما رہتا مگر اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ جنوبی جانب سے اس کا بازو بری طرح زد میں آ گیا ہے۔

جنوبی بندرگاہوں میں اتحادیوں نے قدم جما لیے تو وہ تیزی سے شمالی جانب بڑھے اور دس روز میں ایوینان سے گزرتے ہوئے مادی رون میں مونٹ پسمار کے اوپر جا پہنچے۔ یہ مقام بحیرۂ روم سے ایک سو میل پر تھا۔ چھوٹے چھوٹے جرمن دستوں نے روکنے کی کوشش کی اور وہ تباہ کر دیے گئے۔ حملہ آور اتحادی فوج لیونز اور دیجون پر بڑھی۔ مشرقی جانب مزید فوجوں نے بڑی

سڑک پر گرینوبل کا رخ کر لیا۔ یہاں بھی تھوڑی سی مزاحمت ہوئی۔ ہزاروں قیدی ہاتھ لگے۔ اب تمام اتحادی فوجوں نے سوئٹزرلینڈ سے سمندر تک ایک محاذ کی صورت اختیار کر لی۔

پیرس کی آزادی

اب یہ سوال سامنے آیا کہ پیرس کا کیا جائے۔ اتحادیوں کے اعلیٰ کمانداروں نے پیرس پر براہ راست بمباری سے احتراز میں کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہیں رکھا تھا۔ انھوں نے ریلوے لائنوں پر صرف شہر کے باہر بم گرائے، اندر کی کسی چیز کو نقصان نہ پہنچنے دیا۔ آئزن ہاور نے کہا: اس موقع پر ہم ایندھن اور گولی بارود میں سے جتنا بھی زیادہ بچا سکتے، بچانے کے لیے کوشاں تھے تاکہ اپنی فوجیں زیادہ سے زیادہ فاصلے پر آگے لے جائیں اور مجھے امید تھی کہ شہر پر براہ راست قبضہ ملتوی رہے گا، یہاں تک کہ اطلاع مل جائے، شہری بھوک یا تکلیف میں مبتلا ہیں لیکن شہر کے اندر جو کچھ واقع ہو رہا تھا وہ آئزن ہاور کے لیے مجبوری کا باعث بن گیا۔ اگست 1944ء کے پہلے تین نازک ہفتوں میں ان جرمنوں نے باہر نکلنا شروع کیا جو پیرس میں بیٹھے تھے بہت سے باہر نکل گئے تاکہ پلوں کے بغیر دریاؤں سے گزر جائیں اور بعض گزر بھی گئے اور بعض راستوں میں پکڑے گئے جو جنگی فرانسیسی فوجی پیرس کے اندر موجود تھیں، انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں۔ 19 اگست کو بیس ہزار ملی فرانسیسی فوج نے بغاوت کی ساتھ ہی آئزن ہاور نے تیزی سے ان کی حمایت کے لیے تدبیریں اختیار کر لیں۔

پھر دو رویہ حملہ ہوا اور امریکا کے شرمن ٹینک دو ہلالی قطاروں میں پیرس کی طرف بڑھے۔ ایک قطار چارترے اور لیانز سے گزرتی ہوئی جنوبی سمت گئی دوسری عین اسی وقت دریائے سین کے شمال میں نمودار ہوئی۔ یکا یک ٹینک شہر کے باہر ٹھہر گئے۔ جنرل بریڈلے نے فیصلہ کر لیا کہ شہر میں سب سے پہلے داخل ہونے کا اعزاز فرانسیسی جرنیل لے کلارک کو دیا جائے جسے دوسرے فرانسیسی بکتر بند ڈویژن سے تعلق تھا اور جس نے تین سال پیشتر افریقی مہم کے آخری دور میں صحرا میں سے حیرت انگیز مشکلات سفر برداشت کر لی تھیں تاکہ برطانیہ کی آٹھویں فوج میں شامل ہو جائے۔ 25 اگست 1944ء کو دو بجے بعد دوپہر جنرل لے کلارک نے اعلان کیا کہ دس

ہزار جرمنوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

26 اگست کو جنرل ڈیگال شہر کی کشادہ سڑکوں پر پھرا اور آبادی جوش سے دیوانی ہو رہی تھی۔ خود ڈیگال نے کہا:

''میں پیدل چلا۔ یہ دن ایسا نہ تھا کہ فوج ہتھیار چمکاتی اور باجے بجاتی ہوئی سامنے سے گزرتی۔''

چوں کہ سب لوگوں نے چارلس ڈیگال کو جانکنی کی حالت میں اپنی آخری پناہ گاہ اور امید کا واحد نشان قرار دے لیا تھا اس لیے اس شخص کو منظر عام پر لانا ضروری تھا تا کہ اسے دیکھ کر قومی اتحاد میں مزید جلا پیدا ہو جاتی۔

چار سال کے قبضے کے بعد پیرس نے آزادی حاصل کی۔ یہ اتحادیوں کا پہلا دارالحکومت تھا جو جرمنوں سے واپس لیا گیا۔ پر جوش شادیانوں کا سلسلہ تین روز جاری رہا۔ پھر جنرل آئزن ہاور نے آرک دائر یونف سامنے سے گزرتی ہوئی امریکی اور فرانسیسی فوجوں کی سلامی کی جو شانز ایلزے کی طرف گئیں لیکن یہ اتحادی فوجوں کے لیے ایک عارضی وقفہ تھا جو جنگ کی گرمجوشی میں الجھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ موٹر سوار دستے دریائے سین کو عبور کرتے ہوئے جرمنی کی طرف بڑھے تا کہ بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں کمی نہ آئے۔

جرمنی کی طرف فوج کا ہنگامہ خیز کوچ

فرانس کی دوسری جنگ ہٹلر کے لیے سخت گرانباری کا باعث ہوئی۔ نارمنڈی کے حملے کے وقت کے مقتولین و مجروحین پانچ لاکھ سے کم نہ تھے۔ تقریباً بیس پیادہ اور پانچ بکتر بند ڈویژن بالکل بیکار ہو چکے تھے۔ بارہ مزید پیادہ ڈویژن خاصا نقصان اٹھا چکے تھے۔ اب فیوہرر کے شکست خوردہ لشکر، فیلڈ مارشل ماڈل کے زیر کمان مشرق کی طرف آگے جا رہے تھے کہ خط سیگ فریڈ کے پیچھے پناہ لیں۔

اتحادیوں کے لیے صورت حالات خاصی روشن ہو گئی تھی۔ 5 ستمبر 1944ء کو بیس لاکھ سے زیادہ فوج اور پینتیس لاکھ ٹن سے زیادہ رسد یورپ کے ساحل پر پہنچا چکے تھے۔ نارمنڈی کی قدم

گاہوں سے ٹرکوں کے قافلے ایندھن اور گولہ بارود تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی ہوئی فوجوں کو پہنچا رہے تھے۔ اتحادیوں کا نقصان بھی بہت ہوا۔ مقتولوں اور مجروحوں کی تعداد دولاکھ چوبیس ہزار تھی مگر فاتحین کے لیے یہ جاننا باعث اطمینان تھا کہ دشمن کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔

پیرس کی آزادی کے بعد اتحادیوں کے چار مختلف لشکر ایسی برق رفتاری سے مشرق کی طرف بڑھے کہ 1940ء میں جرمنوں نے پہلی جنگ فرانس میں جس تیزی سے پیش قدمی کی تھی وہ بھی ہیچ رہ گئی تھی۔ اتحادی لشکر تقریباً ایک درجن مختلف راستوں سے مشرقی فرانس اور بلجیم ہوتے ہوئے جا رہے تھے اور ان کی روزانہ رفتار بیس میل سے پچاس میل تک تھی۔ انتہائے شمال میں یعنی اتحادیوں کے بائیں بازو پر کینیڈا کی پہلی فوج نے جرمنوں کو لہادر اور روئین کے نیچے نرغے میں لے لیا (22 اگست 1944ء)۔ چنانچہ یہ جرمن فوج دیپ میں بند کر دی گئی اور کینیڈا کی فوج بے تکلف سرحد بلجیم کی طرف بڑھی۔

عین اسی وقت ہاجز کی پہلی امریکی فوج اتحادی خطوط کے وسط میں پیش قدمی کر رہی تھی۔ اس نے تیزی سے دریائے سین کو عبور کیا پھر مشرقی جانب مارنے اور ایسنے کو عبور کرتے ہوئے لاؤن لے لیا۔ پھر سیڈان پر حملہ کیا اور 31 اگست 1944ء کو بلجیم کی سرحد پر پہنچ گئی۔ اس پہلی فوج نے پانچ پسپا ہونے والے جرمن ڈویژنوں کا راستہ منقطع کر دیا اور بائیس ہزار قیدی گرفتار کر لیے۔ پھر بلجیم میں داخل ہوئے۔ 25 ستمبر کو لیج پر، 2 ستمبر کو برسلز پر اور 4 ستمبر کو اینٹورپ پر قبضہ کر لیا۔ گویا بلجیم کے یہ تین کلیدی شہر تین دن میں لے لیے۔

اتحادی محاذ کے انتہائی جنوبی بازو پر پیٹن کی تیسری فوج تھی اس نے بھی تیز رفتاری قائم رکھی۔ وہ پیرس کے جنوب میں سے گزری۔ اس کا بکتر بند دستہ 27 اگست کو دریائے مارنے پر پہنچ گیا۔ فوجوں کے اس سیل کے پیچھے بیس ہزار جرمن رہ گئے جو خلیج بسکے سے چلے تھے تاکہ شمالی فرانس میں سے ہوتے ہوئے اور اتحادی صفوں میں سے گزرتے ہوئے جرمنی پہنچ جائیں۔ یہ مقصد پورا نہ ہو سکا اور سب کے سب گرفتار ہو گئے۔

16 ستمبر 1944ء کو پیچ کی ساتویں فوج، جو جنوبی فرانس سے آرہی تھی ویجون پر تیسری امریکی فوج سے مل گئی۔ گویا حیرت زدہ دشمن کے لیے پھندے کا ایک اور حلقہ تیار ہو گیا۔ اس اثناء

میں اتحادی قوت فرانس اور بلجیم کی بندرگاہوں کی طرف متوجہ ہوئی جو رود بار انگلستان میں واقع تھیں۔ یہاں لڑائی کا سب سے بڑا بوجھ کینیڈا کے ڈویژن نے برداشت کیا۔ یکم ستمبر کو ڈیپ، 8 ستمبر کو آسٹنڈ 18 ستمبر کو بولون اور 30 ستمبر کو کیلے لے لیا۔

ساحل اوقیانوس پر فرانس کی تین بندرگاہوں کی حفاظت پر جو جرمن فوجیں مامور تھیں وہ مدافعت پر ڈٹی رہیں۔ طیاروں اور آبدوزوں کے ذریعے سے انھیں رسد پہنچائی جاتی تھی۔ اتحادیوں کے اعلیٰ کمانداروں کو یقین تھا کہ یہ بندرگاہیں بہرحال قبضے میں آجائیں گی لہٰذا انھوں نے ان کے لیے جانیں ضائع کرنا گوارا نہ کیا اور انھیں پیچھے چھوڑ دیا۔ 18 ستمبر کو امریکا کی نویں فوج نے بریسٹ لے لیا جو انتہائے شمال مغرب میں تھا۔ چھتیس ہزار قیدی ہاتھ آئے لیکن بندرگاہ کو اتنا نقصان پہنچ چکا تھا کہ اتحادیوں کے رسد رساں جہاز اس سے کام نہ لے سکے۔

17 ستمبر 1944ء کو طیارہ فوج (بیس ہزار آدمی، ڈیڑھ ہزار گاڑیاں اور چار سو پچیس گلائیڈر) انگلستان کے مرکزوں سے اٹھا کر ہالینڈ میں پھینک دی گئی۔ چند روز میں یہ تاریخ کی سب سے بڑی فضائی مہم بن گئی۔ امریکی حسب قرارداد ایندھوون پر اترے۔ انھوں نے مخابرت اور نقل و حمل کے بڑے بڑے مرکزوں پر قبضہ کر لیا اور وہ برطانیہ کی دوسری فوج کے عناصر سے اتصال پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ہالینڈ کی طرف سے آئے تھے۔

ایک امریکی جیش نجمجن میں اترا، جہاں دریائے وال بہت وسیع اور تیز ہے اور اس پر فولاد (اور کنکریٹ) کا ایک بڑا پل بنا ہوا تھا۔ جرمن پل کے جنوبی سرے کی حفاظت کر رہے تھے۔ امریکی چھاتہ فوج نے تیزی سے کارروائی کا ایک منصوبہ بنایا اور بڑی بہادری سے کینوس کی نازک کشتیوں میں بیٹھ کر دریائے وال کو عبور کر لینا چاہا۔ اس طرح وہ شمالی جانب سے بڑے پل پر پہنچ گئے۔ جوں ہی چھاتہ فوج کے آدمی پل کے شمالی سرے پر پہنچے جنوبی جانب سے برطانوی ٹینک دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے نمودار ہو گئے۔ جرمنوں نے یہ پل اڑانے میں اس لیے تاخیر کی تھی کہ ممکن ہے نجمجن پر جوابی حملے کی نوبت آجائے اور یہ پل استعمال کرنا پڑے مگر وقت گزر چکا تھا۔

یہاں تک سب معاملات ٹھیک رہے لیکن آرنہم کارروائی مصیبت کا باعث بن گئی جو شمال میں دس میل پر تھا۔ یہاں پہلے برطانوی طیارہ ڈویژن کے آٹھ ہزار آدمی (جنھیں اصطلاحاً سرخ

پوش شیاطین کہا جاتا تھا) اتارے گئے۔ ان کے ذمے سب سے مشکل کام لگایا گیا تھا کیوں کہ ان کے لیے پیادہ فوج کا زیادہ سے زیادہ انتظار کرنا لازم تھا۔ جرمنوں نے بڑی شدت سے جوابی کارروائی شروع کی۔ وہ ایسی تندی کے ساتھ ڈیمپسی کی فوج پر حملہ آور ہوئے کہ وہ بیچارہ صرف دو رجمنٹیں زیریں رہائن کی طرف بھیج سکا۔

غرض اپنے منقطع حلقے میں بہادرانہ مزاحمت کے بعد سرخ پوش شیاطین کو نکال کر برطانوی حلقوں میں پہنچایا گیا۔ وہ صرف دو ہزار رہ گئے۔

برطانوی طیارہ بردار فوج توقع کے مطابق کام نہ کر سکی۔ مخابرت اور نقل و حمل کے سلسلے کاٹ دیے گئے لیکن موسم کی خرابی کے باعث فضائی امداد نہ مل سکی اور سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ پہلی طیارہ فوج کے اترتے ہی اتحادیوں کا جنگی منصوبہ جرمنوں کے ہاتھ آ گیا۔

اتحادی اقوام کو اس سے بڑی مایوسی ہوئی۔ انھیں امید پیدا ہو گئی تھی کہ برلن پہنچنے کا صحیح راستہ نکل آئے گا۔ اب یہ واضح ہو چکا تھا کہ جرمنی کی طرف اتحادیوں کی پیش قدمی اس پیمانے پر جاری نہیں رہ سکتی جس پیمانے پر اب تک جاری رہی تھی۔ پہلے دشمن کے محاذ کی حیثیت سیالی تھی اب وہ تھوڑی سی فرصت پا کر زیادہ سخت ہو گیا تھا۔ اتحادیوں کے لیے بھی ضروری تھا کہ ٹھہر جائیں، فوجوں کو آرام دیں، مزید کمک حاصل کریں اور فوجیں از سر نو ترتیب دیں۔ گویا جرمنی کی سرحد پر پہنچ کر پھر ایک سرما سخت لڑائی میں گزارنا ناگزیر ہو گیا اور محاذ دریائے ماس کے دہانے سے جو ہالینڈ میں ہے سوئٹزرلینڈ تک پھیلا ہوا تھا۔ سب سے پہلا کام یہ تھا کہ ان جرمنوں کو ختم کیا جاتا جو شیلڈ کے کنارے کنارے ساٹھ میل کی وسعت میں رینٹورپ سے سمندر تک پھیلے ہوئے تھے۔

33

ہٹلر کے لیے آہنی جال
(1)

اٹلی میں آخری جارحانہ اقدام

1943ء اور 1944ء کے سرما میں جنگ ویسی ہی تیزی سے جاری رہی جیسی عالمی جنگ کے کسی دوسرے محاذ پر تھی۔ اتحادی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے لیکن یہ کام بڑا سخت تھا۔ آنزیو میں اتحادی فوجیں رکی ہیں اور کاسینو پر زبردست حملہ ناکام ہوا۔ اتحادیوں کے ہائی کمان نے فوجیں از سر نو ترتیب دیں۔ پانچویں امریکی فوج کو مغربی ساحل پر بھیج دیا۔ آنزیو کی قدم گاہ میں مزید کمک پہنچائی اور آٹھویں برطانوی فوج کو پانچویں امریکی فوج کی جگہ کاسینو کے آس پاس بھیج دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ روما پر حملے کے لیے زبردست قوت فراہم کرلی جائے۔

ادھر تیاریاں ہو رہی تھیں ادھر اتحادیوں کی فضائی قوت نے حملے شروع کر دیے جن کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی اٹلی سے شمالی اٹلی کی طرف جو تین بڑی ریلوے لائنیں اور سڑکیں جاتی تھیں، انھیں تباہ کر دیا جائے۔ وہ بڑی بڑی قطاروں میں پرواز کر کے بم برسانے لگے۔ ریل کے سٹیشن، پل اور آبی گزرگاہیں منظم طریق پر برباد کر دی گئیں۔ صرف اپریل 1944ء میں انھوں نے اکیس ہزار مرتبہ بم گرائے۔ آتش بجاری کے اس سیل سے بچنے کے لیے جرمن مجبور ہوئے کہ سمندر کے راستے رسد منگوائیں اور سمندر کے راستے برطانوی بیڑے نے روک رکھے تھے۔ گویا ہٹلر سلا کی چٹان اور

چیر بڈس کے گرداب کے درمیان پھنس گیا۔ متوقع جارحانہ اقدام کے مقابلے کی غرض سے فیلڈ مارشل کیسرلنگ کے لیے دو پہاڑی حدیں تھیں جو خود مستحکم کر لی گئی تھیں۔ اول خط گستاؤ جس کا مرکز کاسینو تھا اور وہ گیری گریانو اور ریپیڈ دو دریاؤں کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور خط خطِ مدافعت بنایا گیا جس کا نام خط ایڈولف ہٹلر رکھا گیا۔ یہ ایک مثلث نما خط تھا جو پونٹی کورودے سے ایگو نیو پھر پیوماں جاتا تھا۔ اوائل مئی 1944ء میں کیسرلنگ نے حکم دے دیا کہ پونٹائن کی دلدلوں میں پانی بھر دیا جائے جو کاسینو اور آنزیو کے محاذوں کے درمیان تھیں۔ 11 مئی 1944ء کو پانچویں اور آٹھویں فوجیں ایک ساتھ بڑھیں۔ دوسرے روز گیری گریانو اور ریپیڈیو سے گزرتے ہوئے کئی میل کا فاصلہ طے کر لیا گیا۔ ایک ہفتے کی شدید جنگ کے بعد اتحادیوں نے خط گستاؤ کو توڑ دیا۔ پولستانی فوجیں مونٹی کاسینو کے عقب میں پہنچ گئیں اور برطانوی افواج سے مل کر انھوں نے گھیرا ڈال لیا۔ اس طرح خانقاہ اور قصبہ دونوں پر قبضہ کر لیا۔ قصبہ برطانوی فوج نے لے لیا خانقاہ پولستانی فوج نے پولستانی خود کیتھولک تھے انھوں نے مونٹی کاسینو پر اپنا پرچم لہرایا۔ پندرہ سو قیدی اتحادیوں کے ہاتھ آئے۔

آٹھویں فوج خط ہٹلر سے گزرتی ہوئی رومہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پانچویں فوج نے بھی آہستہ آہستہ لیپیا کے راستے آنزیو کی طرف پیش قدمی کی۔ 23 مئی کا دن قابل یادگار تھا۔ برطانوی اور امریکی فوجوں نے بھاری فضائی امداد کے ساتھ آنزیو سے زبردست جارحانہ اقدام کیا۔ آزمودہ کار فوجیں سامنے کا حلقہ توڑ رہی تھیں جو فرانسیسی کلارک کی پانچویں فوج کے ساتھ تھے انھوں نے وادی بیری کے مغرب میں جرمنوں کے خطوط مدافعت توڑ دیے۔ اس طرح امریکا، برطانیہ اور کینیڈا کی فوجیں آگے بڑھ سکیں۔ تعزیر کا سلسلہ بے توقف جاری رہا۔ اگلے روز جنگی بمبار طیاروں نے جرمنوں کے ان قافلوں پر حملہ کیا جو سڑک کے راستے آ رہے تھے۔ کم از کم چھ سو سے زیادہ موٹر گاڑیاں تباہ ہوئیں یا انھیں شدید نقصان پہنچا۔ جرمنوں نے زبردست قوت سسٹرنا میں جمع کر رکھی تھی۔ امریکا کی ایک ہزار میدانی توپوں نے وہاں مہلک آتش باری شروع کی۔ جرمنوں نے کوئی بارہ مرتبہ ٹینکوں سے جوابی حملے کیے لیکن ہر مرتبہ انھیں مار کر پیچھے ہٹا دیا گیا۔ 25 مئی کو مزید گیارہ سو اکہتر جرمن گاڑیاں تباہ کی گئیں یا انھیں نقصان پہنچایا گیا۔

4 جون 1944ء کو ساڑھے سات بجے صبح پانچویں امریکی فوج کا 88واں ڈویژن جنرل کلارک کی سرکردگی میں پیانا وینزیا پہنچ گیا جو رومہ کے قلب میں واقع تھا۔ اتحادی ٹینکوں میں جو لوگ سوار تھے ان کا خیر مقدم تالیوں، پھولوں، پھلوں، بوسوں اور کانتی (سرخ اطالوی شراب) سے کیا گیا۔ لوگ بے حد شکر گزار تھے۔ انھیں خوف تھا کہ شہر برباد کر دیا جائے گا۔ اسی روز ہٹلر کی طرف سے اعلان ہو گیا تھا کہ جرمن فوجوں کو رومہ کے شمال مغرب میں ہٹانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ کیسرلنگ نے ویٹیکن کے ذریعے سے رومہ کو کھلا شہر قرار دینے کی تجاویز بھیج دی تھیں۔ صدر روزویلٹ نے کہا کہ پہلا محوری دارالحکومت ہمارے قبضے میں آ گیا، دو ابھی باقی ہیں۔

17 جون 1944ء کو پانچویں فوج لیگھارن پہنچ گئی۔ وہ بعض اوقات سات میل روزانہ کے حساب سے بڑھتی رہی۔ لیگھارن میں گودیاں برباد کر دی گئی تھیں۔ بندرگاہ کو درجن جہاز ڈبو کر ناقابل استعمال بنا دیا گیا تھا۔ نیپلز کی طرح یہاں بھی امریکی انجینئروں نے بڑی مستعدی سے بندرگاہ کی درستی کا انتظام کر لیا اور یہ مقام رسد کا ایک مرکز بن گیا۔

پانچویں فوج مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی۔ پولستانیوں نے بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے انکونا پر قبضہ کر لیا۔ آٹھویں برطانوی فوج مرکز میں تھی۔ اسے سخت مدافعت سے سابقہ پڑا لیکن وہ پسروجیا پہنچ گئی برطانوی طلایہ گردو ستے ٹسکنی میں سے گزرتے ہوئے 4 اگست 1944ء کو فلارنس کے حوالی میں پہنچ گئے اور اس خوبصورت اطالوی شہر کو بری طرح تباہ حال دیکھا۔

لیکن ابھی کام ختم نہیں ہوا تھا۔ 9 اپریل 1945ء کو جنرل کلارک کی فوج پھر آگے بڑھی۔ تین روز بعد اتحادیوں نے اپنی ناٹرز کے مورچوں سے آخری جارحانہ اقدام شروع کیا۔ ایک ہفتے کی شدید جنگ کے بعد وہ وادی پو میں داخل ہو گئے اور جنوب و مغرب سے بولون پہنچ گئے۔ اس نے پاڈوا، وینس اور میسٹر آزاد کرا لیے۔ ادھر پانچویں امریکی فوج بریز کے راستے کے ساتھ ساتھ رپس کے دامن کی طرف بڑھی، پھر وادی پو کے ساتھ ساتھ میلان پہنچ گئی۔ آٹھویں برطانوی فوج نے لیسٹ پر پیش قدمی کی اور یوگوسلاویہ کے مجاہدوں سے ٹریسٹ کے شمال میں ربط پیدا کر لیا۔ تم مئی کو اٹلی میں جرمنوں کا مستقر غیر مشروط حوالگی پر راضی ہو گیا۔

سلرنو سے وادی پو تک بڑی خونریز لڑائیاں کرنی پڑیں۔ ہٹلر کے خلاف بڑے اقدامات مشرقی و مغربی محاذوں پر ہو رہے تھے لیکن اٹلی کے محاذ کی اہمیت معمولی نہ تھی۔ یہاں جرمنوں کی چودہ ڈویژن فوج لڑ رہی تھی۔ ہٹلر نے ساری دنیا پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے جو سعی کی تھی چودہ ڈویژن فوج بھی اس میں ایک اہم عامل کی حیثیت رکھتی تھی۔

جرمنوں کا جوابی حملہ

ہٹلر کی جو تیسری رایش ایک ہزار سال تک قائم رہنے والی تھی وہ روز بروز سکڑتی چلی جا رہی تھی اور اس کی رگ رگ سے خون حیات بہہ رہا تھا۔ ہر محاذ پر اتحادی قوت لہریں لیتی ہوئی جرمنی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ جرمن فوج کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ مغرب میں اتحادی خط سیگ فریڈ پر پہنچ گئے تھے اور جرمنی کے اندر گھس جانے کے لیے تیار تھے۔ جنوبی جانب اٹلی کی فوجیں شمال کا رخ کیے ہوئے زور شور سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ مشرقی جانب روسی فوجیں مشرقی یروشیا میں جرمنوں کی سرزمین پر قدم رکھ چکی تھیں اور وہ وارسا نیز بوڈاپسٹ سے جرمنی کلاں کے اندر داخل ہونے والی تھیں۔ جرمنی تباہی کی ایک خوفناک چکی میں پس رہا تھا لیکن بھیڑیے کے دانتوں میں زہر کا مادہ ختم نہیں ہوا تھا۔

ہٹلر نے خفیہ خفیہ ایک نیا منصوبہ تیار کیا جسے درحقیقت اس کی آخری بازی سمجھنا چاہیے۔ اس کا مرموز نام "موسم خزاں کی کہر" رکھا گیا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ جتنے آدمی اور جتنا سامان مل سکے، وہ سارے کا سارا مغربی جانب بھیج دیا جائے۔ آردنس کے مقام پر اتحادیوں کے خلاف ایک زبردست ضرب لگائی جائے۔ یہی مقام ہے، جسے جرمنی کے بڑے بڑے ماہرین جنگ ایک محبوب شکارگاہ سمجھتے تھے۔ اس مقام پر اتحادی فوجوں کی تعداد کم تھی اور انھیں توڑتے ہوئے آگے بڑھ جانا بالکل تعجب انگیز نہ تھا۔ ہٹلر چاہتا تھا کہ اس حملے سے اتحادیوں کو متحیر کر دے جو کسی بھی جگہ حملے کے متوقع نہ تھے، موسم خراب تھا۔ ہوائی جہاز فضا میں اڑ نہیں سکتے تھے۔ ہٹلر کو یہ ضرب لگا کر آگے بڑھ جانے کی امید تھی۔ اسے یقین تھا کہ اتحادی صفوں کو توڑتے ہوئے آگے نکل جائے گا تو ہموار میدانی علاقے میں جدھر چاہے گا نکل جائے گا۔ نامور اور لیج کے درمیان تمام

پلوں پر قبضہ کرلے گا۔ برسلز کے پاس سے گزر جائے گا اور سیدھا رینٹورپ پہنچ جائے گا، ساتھ ہی جنگ کا پورا نقشہ بدل جائے گا۔ ہٹلر اس منصوبے کو یقینی طور پر کامیاب سمجھتا تھا۔

ہٹلر کی تجویز یہ تھی کہ سب سے بڑی ضرب مرکز پر لگائی جائے۔ شمال میں ذرا کم قوت رہے اور وہ صرف شمالی لکسمبرگ اور جنوبی و مشرقی بلجیم میں سے ایک خط رو کے رکھے تاکہ بڑے حملے کی حفاظت کا فرض انجام پائے۔ اس اچانک حملے کے لیے بیس ڈویژن پانچویں اور چھٹی بکتر بند فوجوں نیز ساتویں فوج لے گئے جو زیادہ تر پیادہ تھی۔ آگے چل کر ان ڈویژنوں کی تعداد پچیس کر دی گئی۔ فیلڈ مارشل رونسٹاٹ کو دس بکتر بند ڈویژن دے دیے گئے اور اسی کو سب سے آگے رکھا گیا کیوں کہ 1940ء سے اسے آردنس کے میدان جنگ کا پورا تجربہ تھا۔

فان رونسٹاٹ کو اس کارروائی پر چنداں اعتماد نہ تھا۔ اس نے ہٹلر کے خلاف رائے دی لیکن فیوہرر فیصلہ کر چکا تھا۔ 15 دسمبر 1944ء کو فان رونسٹاٹ نے حکم جاری کیا:

"مغربی محاذ کے سپاہیو! تمہارے کام کا خاص وقت آپہنچا۔ اب سب کچھ معرض خطر میں ہے۔"

16 دسمبر 1944ء صبح کو اچانک جو حملہ ہوا اس کا مقابلہ صرف پرل ہاربر سے کیا جا سکتا ہے۔ جرمنی کی اڑھائی لاکھ سے زیادہ بہترین فوج نے آردنس پر ضرب لگائی۔ پہلے توپوں نے امریکیوں کے خلاف ستر میل کے محاذ پر شدید گولہ باری کی۔ دو امریکی ڈویژن نووارد تھے۔ دو اور ڈویژن مختلف جنگوں کے تھکے ماندے باقیات سے مرکب تھے۔ ہٹلر نے حکم دے دیا کہ جرمنی کی فضائی فوج میں سے جو بھی طیارہ باقی ہے وہ رونسٹاٹ کے حوالے کر دیا جائے۔

آٹو سکورزنی وہ شخص تھا جس نے مسولینی کو قید سے نجات دلائی تھی۔ اس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ جرمن فوجوں کا بھیس بدل کر انھیں امریکی فوجوں کے بیچ میں داخل کر دیا جائے۔ وہ لوگ دریائے میوز کے پلوں پر قبضہ کرلیں گے تاکہ انھیں اڑایا نہ جا سکے۔ سکورزنی ہفتوں پیشتر اپنے سپاہیوں کو امریکی بن جانے کی تعلیم دیتا رہا مثلاً بتایا کہ امریکی سگریٹ اٹھاتے ہی منہ میں رکھ لیتے ہیں مگر جرمن اسے پہلے لبوں سے تر کر لیتے ہیں۔ امریکی دیا سلائی جلاتے ہیں تو اندر کی طرف کھینچتے ہیں باہر کی طرف نہیں۔ مگر یہ پوری مہم ناکام رہی اگرچہ کچھ آدمی امریکی صفوں میں پہنچ ضرور

گئے۔ جب ایک جرمن افسر امریکیوں نے گرفتار کر لیا تو اس کے پاس سے تمام خفیہ منصوبے مل گئے اس طرح یہ پوری کوشش ناکام رہی۔ اگرچہ موسم خراب تھا اور سڑکوں کی حالت اچھی نہ تھی لیکن رونسٹاٹ کا جارحانہ اقدام مرکز میں بڑی تیزی سے زور پکڑ گیا۔ وہ پہلے ہی دن بارہ میل آگے نکل گیا۔ گویا پھر وہی برق رفتار جنگ شروع ہو گئی جس نے ابتدائی دور کی یاد تازہ کر دی۔ برطانوی اور امریکی پیادہ فوجوں نے بڑی ہمت سے حملہ روکنا چاہا۔ جن راستوں سے جرمن بڑھ رہے تھے ان پر بڑے بڑے درخت کاٹ کاٹ کر ڈال دیے مگر نازی سیل ان کے اوپر سے اور اطراف سے گزرتا گیا۔ کہر، برف اور شدید سردی نے ابتری میں اضافہ کر دیا۔ بعض اوقات ایسی حالت پیدا ہو جاتی کہ محاذ یا عقب میں کوئی تمیز نہ ہو سکتی۔ بہرحال اتحادی فوجوں کی وسط میں پینتالیس میل چوڑا اور پینسٹھ میل لمبا رخنہ پیدا کر دیا گیا۔ فان رونسٹاٹ تمام حلقے توڑ کر نکل جانے والا تھا۔

عین اس وقت جرمنوں کے مرکز میں ایک غیر متوقع مشکل پیش آئی۔ یہاں قصبہ بیسٹون واقع تھا جو جنوبی آرڈنس کی کلید سمجھا جاتا تھا۔ یہ قصبہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں سے سڑکوں کا جال اس طرح نکلتا تھا جس طرح پہیے سے ڈنڈے نکلتے ہیں۔ اگر بیسٹون اتحادیوں کے قبضے میں رہتا تو وہ جرمنی کے پورے اقدام کو انتہائی خطرے میں ڈال سکتے تھے۔ رونسٹاٹ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی چنانچہ اس کی فوجوں کی ٹکر براہ راست دسویں بکتر بند ڈویژن سے ہو گئی جس کے پاس شرمن ٹینک تھے۔ امریکا کے یہ میکانکی دیو پیکر بیسٹون کے بازاروں میں سے جن کے فرش ان گھڑ پتھروں کے تھے گزرتے ہوئے مشرقی جانب مڑے اور تین پیش رو جرمن دستوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ قصبے کی سڑکوں، کھیتوں اور جنگل میں ٹینکوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ چھتیس گھنٹے تک دسواں بکتر بند ڈویژن اور دوسرے عناصر لڑتے رہے۔ براہ راست حملے سے بیسٹون نہ لیا جا سکا تو رونسٹاٹ نے اپنی منتخب فوج کے بھاری دستے جنوبی اور شمالی سمت سے قصبے کو گھیرے میں لے لینے کے لیے بھیج دیے مگر نتیجہ مشتبہ رہا۔

یہ زبردست ناگہانی حملہ امریکیوں کی غفلت نہیں جرمنوں کی صلاحیت کا نتیجہ تھا۔ موسم اتنا خراب تھا کہ طیارے دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھے۔ جب ہٹلر کے ارادے واضح ہو گئے تو آئزن ہاور نے بڑی تیزی اور عزم سے قدم اٹھایا۔ 19 دسمبر 1944ء کو (آرڈنس پر جرمنوں کے جارحانہ اقدام

سے تین روز بعد) اعلیٰ کماندار نے فیلڈ مارشل منٹگمری کو ان تمام متحدہ افواج کا کماندار بنادیا جو اردنس میں جرمنوں کی پیش قدمی کے شمالی جانب تھیں۔

ان انتظامات کے علاوہ آئزن ہاور نے جنرل پیٹن کو ٹینکوں اور پیادہ فوج کے ساتھ جرمن پیش قدمی کے جنوبی حصے میں بھیج دیا ساتھ ہی حکم دے دیا کہ لکسمبرگ اور آرلن سے ہوتے جایئے اور بیستون کی امداد کا بندوبست کیجیے۔ ایک فضائی ڈویژن پہلے بھیج دیا گیا تھا جو دشمن کی صفوں کے عقب میں کارفرما ہوا اور اس طرح بیستون کے دسویں بکتر بند ڈویژن کے لیے تقویت کا سامان کیا۔

بیستون کے لیے جنگ بڑی خوفناک اور مہلک تھی۔ شہر کے اردگرد جرمنوں نے جتنے مورچے بنالیے تھے ان سے انتہائی صحت کے ساتھ امریکیوں پر گولہ باری کی جاتی تھی۔ سرما اور برف باری کے باوجود امریکیوں نے بڑی بہادرانہ جنگ کی۔ ہر پہاڑی اور ہر راستے کی حفاظت میں خون بہایا۔ ان کے لیے لازم تھا کہ مقابلہ کرتے رہتے ورنہ آردنس کا پورا علاقہ دشمن کے لیے کھل جاتا۔

رونسٹاٹ بیستون کا گلا گھونٹنے کے بجائے خود پریشان ہوگیا کیوں کہ اس نے محدود دائرے میں جو پیش قدمی کی تھی اس پر دونوں طرف سے زبردست اتحادی ڈویژن دباؤ ڈالتے چلے آرہے تھے۔ مطلع صاف ہوا تو پانچ ہزار سے زیادہ اتحادی طیاروں نے محاذ کے عقب میں سڑکوں اور ریلوے لائنوں پر بموں کا فرش بچھادیا اور جرمنوں کا نظام رسد معطل کردیا۔ نیز جرمنوں پر توپوں کے گولے مہلک طریق پر برسنے لگے۔ تاہم ہٹلر اس جنگ میں ڈویژن پر ڈویژن بھیجتا گیا۔ آخری ڈویژن چنداں بلند حیثیت کے نہ تھے، بلکہ زیادہ تر بوڑھے یا نوجوان تھے، جنھیں پوری تربیت نہیں ملی تھی۔ کرسمس کے دن رونسٹاٹ پر واضح ہوگیا کہ وہ لڑائی ہار چکا ہے لیکن ہٹلر کا اصرار جاری تھا کہ بڑھے ہوئے حصے کو مزید پھیلایا جائے۔

مغربی محاذ پر جرمن فوج کی یہ آخری اضطراری حرکت تھی جس سے جنگ کے انجام میں تھوڑی سی تاخیر ہوگئی۔ اس میں ایک لاکھ بیس ہزار جرمن مقتول، مجروح یا اسیر ہوئے۔ کم از کم پانچ سو ٹینک اور [illegible] طیارے برباد ہوگئے [illegible] لڑائی کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ برطانیہ اور امریکا

کی پیش قدمی تقریباً ایک مہینے کے لیے رک گئی۔ اس سے روسیوں کے سوا کسی کو فائدہ نہ پہنچا کیوں کہ ہٹلر نے مشرق میں جنگ کے لیے جو فوجیں محفوظ رکھی تھیں وہ جنگ آرڈنس کی قمار بازی میں ختم ہو گئیں۔ سب سے بدتر واقعہ یہ تھا کہ جرمنوں کے رہے سہے حوصلے پر بھی ایک خوفناک ضرب لگی۔ اب صاف معلوم ہو چکا تھا کہ اتحادیوں کی طرف سے سارا پیلیٹی نیٹ اور روہر کو جو خطرہ ہے اسے زیادہ دیر تک روکا نہیں جا سکتا۔ امریکیوں کے مقتولین، مجروحین اور لاپتہ آدمیوں کی تعداد چھہتر ہزر آٹھ سو نوے تھی۔ یہ بڑی بھاری قیمت تھی لیکن امریکیوں نے ہٹلر کے جنگجوؤں پر حوصلہ مندی اور ساز و سامان کی برتری آشکارا کر دی۔ صرف اپنے استقلال اور خون ہی کی بدولت امریکیوں نے تاریخ میں نام پیدا کیا۔

جرمنوں پر ہوائی حملے

''اگر برلن پر ایک بھی بم گرا تو مجھے بھگوڑا سمجھ لینا۔''

یوں فیلڈ مارشل گوئرنگ نے جرمنی کی فضائی قوت کے متعلق جنگ کے ابتدائی دور میں لاف زنی کی تھی اور واقعی اس وقت یہ لاف زنی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

بظاہر گوئرنگ نے فضائی فوج صرف ایک مختصری جارحانہ جنگ کے لیے تیار کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے برق رفتار جنگ میں پیش رو کے طور پر استعمال کیا جائے اور دشمن کے دل میں ہراس پیدا کرنے کا حربہ تصور کیا جائے مگر طیاروں کی ساخت میں جرمن بہت پیچھے رہ گئے۔ زیادہ سے زیادہ طیارے فراہم کرنے کی غرض سے ہٹلر نے مختلف نمونے ختم کر کے صرف دو نمونوں پر زور دیا اور بڑے اعلیٰ درجے کے جہاز تیار کر لیے۔ اس کے باقی طیارے تھوڑے فاصلے پر بمباری کر سکتے تھے اور دفاع کا کام بھی دے سکتے تھے لیکن لمبی پرواز کرنے والے بڑے بمبار طیاروں میں سے اس کے پاس کوئی ایسا نہ تھا جو برطانیہ کے لین کاسٹر طیاروں یا امریکا کے آڑن قلعوں کا مقابلہ کر سکتا۔ پھر جنگ برطانیہ میں ثابت ہو چکا تھا کہ جرمن فضائی فوج بظاہر کتنی ہی ناقابل شکست معلوم ہو مگر وہ خاص جنگی مقاصد کے لیے قطعاً منظم نہیں کی گئی تھی۔ یہ ایک بہت بڑی خامی تھی۔

20 مئی 1942ء کی رات کو ایک واقعہ پیش آیا، جس نے تیسری رائش کے طول وعرض میں

خوف کی لہریں دوڑا دیں۔ برطانیہ کے ایک ہزار سے زیادہ طیاروں نے کولون پر حملہ کیا اور نوے منٹ میں دو ہزار ٹن بم گرائے۔ تین روز بعد ایسا ہی ایک حملہ ایسن پر ہوا، جہاں کرپ کے شہرۂ آفاق جنگی کارخانے موجود تھے۔ ہٹلر یہی زبان سمجھتا تھا۔ لندن پر جرمن طیاروں کے حملوں کے برعکس برطانوی طیاروں نے بھاری تعداد میں حملے کیے اور کمال یہ ہے کہ برطانوی بمبار مختلف سمتوں سے عین وقت پر ایک جگہ بمباری کے لیے آ موجود ہوتے۔ پھر وہ عجیب چالیں چلتے۔ مثلاً سب سے پہلے جنگجو طیاروں کی قطاریں آتیں اور دشمن کے طیاروں کو الجھا کر دوسری طرف لے جاتیں۔ اس کے بعد بمبار بہ اطمینان بم برساتے۔

1943ء میں جو حالات پیش آئے ان کے سامنے 1942ء کے واقعات بھی ہیچ رہ گئے۔ اس وقت تک برطانیہ نے ایسے بمبار طیارے تیار کر لیے تھے جن میں آٹھ آٹھ ٹن بم سوار کیے جا سکتے تھے حالاں کہ اس سے پیشتر صرف دو ٹن کا بوجھ اٹھانا ممکن تھا۔ جب امریکا کی آٹھویں فضائی فوج برطانیہ پہنچ گئی تو اتحادیوں کی قوت ضرب بدرجہا زیادہ بڑھ گئی۔ انگریز رات کو ایک ایک مقام پر زیادہ سے زیادہ بم برساتے تھے لیکن امریکیوں کو یہ پسند نہ تھا کہ خاص نشانوں پر دن کے وقت بم برسائیں۔ اڑن قلعوں میں دفاع کا زبردست سامان موجود تھا اور بم متعین جگہ پر گرانے کے آلے اعلیٰ پیمانے پر پہنچائے جا سکتے تھے۔ ان کے ذریعے سے بال بیئرنگ اور مصنوعی ربڑ کے کارخانوں، چھان بین کے مرکزوں، فولاد سازی کی مشینوں، بجلی گھروں، ریل کی سڑکوں، پانی کے بندوں اور آبیاری کی نالیں پر بم برسائے۔ آخری دور میں ان اڈوں کو تباہ کیا جہاں سے وی ون اور وی ٹو راکٹ لندن پر پھینکے جاتے تھے۔

رفتہ رفتہ تکنیک میں بھی انقلابی اصلاحات ہوگئیں۔ ریڈار کے نشو و ارتقا سے اتحادی طیاروں کو ہر موسم میں حملے کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ خراب موسم اور رات کی تاریکی میں بھی ٹھیک نشانوں پر بم گراتے۔ شمالی افریقہ کی فتح کے بعد انگلستان اور شمالی افریقہ کے درمیان طیاروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ انگلستان سے جو طیارے اڑتے، راستے میں بم گراتے ہوئے شمالی افریقہ پہنچ جاتے۔ شمالی افریقہ سے اڑتے تو پھر بم برساتے۔ اسے ''شٹل بمنگ'' کا نام دے دیا گیا۔ اس طرح ہوائی جہازوں کا نقصان بہت کم رہ گیا۔ جب اتحادی فوجیں اٹلی میں پہنچ گئیں تو

درمیانی فاصلہ اور بھی کم ہو گیا۔ اتحادی چاہتے تھے کہ اٹلی اور روس کے درمیان بھی اسی قسم کا سلسلہ جاری کر لیں لیکن روسیوں کے شکوک و شبہات نے اس تجویز پر عمل کا موقع نہ دیا۔

حملے صرف رہور کے علاقے تک محدود تھے بلکہ شمال میں ناروے سے جنوب میں اٹلی تک اتحادی بمبار ہٹلر کے یورپ حصار پر پرواز کرتے ہر جگہ موت اور تباہی پھیلاتے۔ انھیں ایسے ہدف زیادہ پسند تھے: تھوین فرٹ جہاں بال بیئرنگ کے کارخانے تھے سان نزائر اور لوریاں جہاں آبدوزوں کے مرکز تھے۔ جہاں تیل صاف کرنے کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ نورمبرگ، جہاں ڈیزل انجن تیار ہوتے تھے سکوڈا (چیکوسلواکیہ) جہاں اسلحہ کے کارخانے تھے جینا، جہاں آلاتِ مناظر و مرایا کا کارخانہ تھا، کیسل جہاں انجن بنتے تھے۔

ان حملوں نے جرمنی کی جنگی تیاریوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ ساتھ نقل و حمل کے وسائل درہم برہم ہو گئے مثلاً ریلوے کے جنکشن، نہریں اور پل۔ مئی 1944ء کے صرف ایک مہینے میں اتحادی بمباروں نے نوسو انجن اور سولہ ہزار مال گاڑیاں صرف مغربی یورپ میں تباہ کر ڈالیں۔

برطانیہ نے فضائی کارروائیوں کا ریکارڈ بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا۔ مختلف مہینوں کا خلاصہ پیش نظر رکھ لیا جائے تو حملوں کے دائرے اور وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے:

''اگست 1944ء: برطانوی بمباروں نے تیس دنوں اور چھبیس راتوں میں حملے جاری رکھے۔ دن کے دس ہزار چھاپوں میں چالیس ہزار ٹن بم گرائے۔ پچیس ہزار ٹن راتوں کو گرائے گئے۔ ان اقدامات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (1) جرمنی کے اہم جنگی مقامات پر حملے۔ ان میں ایسے مقامات بھی شامل تھے جن پر بمباری سے روسی فوجوں کو مدد ملی (2) جرمنی کے ان کارخانوں پر حملے، جہاں پٹرول تیار ہوتا تھا نیز پٹرول کے ذخیروں کی تباہی (3) فرانس میں اتحادی فوجوں کی براہ راست امداد (4) راکٹ بموں کے اڈوں اور ذخیروں پر حملے......

ستمبر 1944ء: برطانوی بمباروں نے ہر روز حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ شبینہ حملے صرف چوبیس راتوں میں ہوئے۔ ان حملوں میں باون ہزار چار سو ٹن بم گرائے گئے۔ سینتیس ہزار چار سو دن کو، پندرہ ہزار رات کو۔ اکیس ہزار ٹن بم جرمنی پر اور بعض جرمن شہروں پر پہلے گرائے جا چکے تھے جنھیں جنگی نقطہ نگاہ سے ضروری سمجھا گیا تھا۔ اب وہ شہر جرمن فوجوں کے لیے رسد اور نقل و حمل

کے مرکز ہیں لہٰذا پھران پر بم برسائے گئے......

اکتوبر 1944ء: برطانوی بمباروں نے جرمنی میں پچاس ہزار ٹن بم اور متصرفہ علاقے میں دس ہزار ٹن بم گرائے۔ بڑے حملے پندرہ جرمن شہروں پر ہوئے......"

جرمنوں نے خود شہروں پر بمباری کی ابتدا کی تھی اگرچہ بعض شہروں کے کھلے ہونے کے بھی اعلان ہو چکے تھے۔ اتحادیوں کو اسی انداز میں جواب دیتے وقت تامل نہ ہوا۔ ہٹلر کو راٹرڈم اور کوونٹری کے حملوں کا ہزار گنا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ 24 جولائی 1943ء کے بعد چھ روز تک جرمنی کی سب سے بڑی بندرگاہ پر آٹھ ہزار ٹن آتش گیر بم گرائے گئے۔ ہیروشیما سے پیشتر یہ سب سے بڑا فضائی حملہ تھا۔ ہزاروں مارے گئے، شہر کا تین چوتھائی حصہ تباہ ہو گیا۔ اسی طرح جرمنی کے بڑے بڑے شہر یکے بعد دیگرے تیس فیصد سے اسی فیصد تک تباہ کر دیے گئے۔ برلن کے قلب میں ساڑھے چھ ہزار ایکڑ یا دس مربع میل زمین بالکل ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ اس کے مقابلے میں جرمن فضائی فوج لندن کا صرف چھ سو ایکٹر رقبہ تباہ کر سکی تھی۔

یہ ہوائی حملے بربادی کی منظم مہمیں تھے اور ہٹلر کے اس دعوے کا قاطع ثبوت کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔ تین لاکھ سے زیادہ جرمن ہوائی حملوں میں مارے گئے۔ سات لاکھ اسی ہزار زخمی ہوئے۔ تقریباً اسی لاکھ بے خانماں ہو گئے۔ جنگ کے بعد دس لاکھ مزدور ملبے کی صفائی، سڑکوں، ریلوں اور نہروں کی مرمت کے کام پر لگائے گئے۔ اس سے جرمنوں کی ہمت اور حوصلے پر کاری ضرب لگی۔

اتحادیوں کے لیے بھی یہ بربادی ارزاں نہ تھی۔ برطانیہ کے کل بائیس ہزار طیارے اور اناسی ہزار دو سو اکیاسی ہواباز تلف ہوئے۔ امریکی نقصان اٹھارہ ہزار طیاروں اور اناسی ہزار چھ سو پچیس ہوابازوں پر مشتمل تھا۔ صرف شویمفرٹ پر حملے میں جرمنی کے اندر بال بیئرنگ کی صنعت نصف رہ گئی۔ اس میں اتحادیوں کے ساٹھ طیارے اور پانچ سو ترانوے آدمی تلف ہوئے۔ جنرل آئزن ہاور نے کہا:

"فضائی قوت نے جہاں جہاں حملے کیے کام کی تمام چیزیں تباہ کر دیں۔ بڑے بڑے فضائی حملوں میں تباہی تقریباً کمال پر پہنچ گئی۔"

34

ہٹلر کے لیے آہنی جال

(2)

یالٹا کانفرنس

1945ء کے اوائل میں اتحادیوں نے زبردست اور شاندار فتوحات حاصل کیں۔ نارمنڈی پر کامیاب حملہ ہوا۔ پیرس، برسلز اور رومہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ برطانیہ اور امریکا کی فوجی لہریں رہائن تک پہنچ گئیں۔ یورپ میں جنگ خاتمے کے قریب آ گئی تھی۔ جاپان کی شکست کے بعد عالمی جنگ ختم ہو جاتی۔ اس سازگار حالت میں تین بڑے......روز ویلٹ، چرچل اور سٹالین......4 فروری سے 12 فروری 1945ء تک یالٹا میں بات چیت کرتے رہے جو کریمیا میں واقع ہے اور کریمیا بحیرۂ اسود کے اوپر روسیوں کو وہ صوبہ ہے جسے تازہ تازہ جرمنوں سے واپس لیا گیا تھا۔ اس بات چیت کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کے بعد تمام معاملات کے تصفیے کے لیے بنیادی امور طے ہو جائیں۔

8 فروری 1945ء کو سٹالین نے دعوت طعام دی۔ اس میں جامہائے صحت کا ایک سلسلہ جاری ہوا۔ اس موقع پر انتہائی خوشی کا مظاہرہ کیا گیا۔ سٹالین نے چرچل کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے کہا:

''وہ دنیا بھر میں شجاع ترین رکن حکومت ہے۔ یہ بڑی حد تک چرچل کے عزم اور انگلستان کی استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ تنہا اٹھا اور جرمنی کی قوت ایسے موقع پر تقسیم کر دی جب دنیا ہٹلر کے سامنے سربسجود ہو چکی تھی۔''

سٹالین نے کہا:

''تاریخ میں صرف چند ایسی مثالیں ہیں جب ایک آدمی کا عزم دنیا کی آئندہ تاریخ کے لیے اس درجہ اہم ثابت ہوا۔''

چرچل نے جواب میں سٹالین کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے کہا:

''سٹالین قوی و عظیم ملک کا قوی و عظیم قائد ہے، جس نے جرمنی کی جنگی مشین کا پورا زور صابرانہ برداشت کر لیا اور ظالموں کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کیا۔ مجھے یقین ہے کہ امن میں بھی سٹالین اپنی قوم کی رہنمائی منزل بہ منزل کامیابی کی طرف رہے گا۔''

پھر سٹالین نے صدر جمہوریۂ امریکا کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے کہا:

''اگرچہ صدر کا ملک براہ راست خطرۂ جنگ میں مبتلا نہ ہوا لیکن صدر روز ویلٹ ہی ان تمام حربوں کا اعلیٰ ترین مجوز تھا جس نے دنیا بھر کو ہٹلر کے خلاف متحرک کر دیا۔ صدر نے ادھار پٹے کا جو منصوبہ منظور کیا وہ ہٹلر کے خلاف اتحادیوں کا ممتاز ترین اور حد درجہ اہم کارنامہ تھا۔''

یہ شیریں گفتاری، کشادہ جبینی، دوستی اور ایک دوسرے کی تحسین غالباً روسی شراب کا کرشمہ تھی، حقیقی حالت یہ نہ تھی۔ جنگ کے دوران ہی میں بہت سی علامتیں نمایاں ہو چکی تھیں جن سے واضح ہوتا تھا کہ محوریوں کے خلاف جس اجتماع کو حلیف قومیں اور مطمئن کنبہ قرار دیا جاتا تھا اس کے حالات سازگار نہ تھے۔ مغربی جمہوریتوں کے لیڈروں کو امید تھی کہ وسیع راکھ میں سے ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے صدی کے تیسرے عشرے میں آزاد خیال یورپ میں سے اٹھے تھے لیکن انھوں نے سٹالین کے بے لچک ارادے کا صحیح اندازہ نہیں کیا تھا۔ روسی ڈکٹیٹر کے نزدیک 1945

ء کی مغربی جمہوریتیں 1939ء کی طرح سوویت روس کے لیے خطرہ تھیں اگر چہ اس خطرے کی حیثیت فاشزم سے دوسرے درجے کی تھی۔ لینن کے شاگرد کی معیت میں سٹالین سرمایہ دار دنیا کی تدفین کا منتظر تھا۔ سٹالین کے نزدیک اس کے ملک کی حفاظت اسی صورت میں ہوسکتی کہ مشرقی یورپ، مشرق قریب اور مشرق بعید میں اقتدار کی حیثیت حاصل کر لیتا۔ یعنی وہ اس درجے پر پہنچ جاتا جو بیسویں صدی کے اوائل میں بحالتِ ضعف ضائع کر دیا۔ بعض خلا پُر کیے جانے والے تھے۔ سٹالین متعدد علاقوں پر اپنا سیاسی اثر قائم کر لینا چاہتا تھا، خصوصاً اس لیے کہ اسے کسی اہم مخالفت کا اندیشہ نہ تھا۔

غرض یالٹا میں مغربی مدبروں اور روسی ڈکٹیٹر کے درمیان براہ راست تصادم ہوا۔ مغربی مدبر منشورِ اوقیانوس کے مقاصد پر جمے کھڑے تھے۔ سوویت ڈکٹیٹر کو یقین تھا کہ سوویت طریق حیات اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک دنیا کا کوئی نہ کوئی بڑا علاقہ کسی اجنبی حکومت کے تابع رہے گا۔ بایں ہمہ یالٹا میں بڑے نازک فیصلے کیے گئے:

دنیا کی آئندہ تنظیم

اس امر پر اتفاق ہوگیا کہ قیامِ امن عالم کے لیے ایک عالمی تنظیم کی داغ بیل ڈالی جائے اور ایک کانفرنس 25 اپریل 1945ء کو سان فرانسسکو میں بلائی جائے جس میں ڈمبرٹن روکس کی تجاویز کے مطابق ایک منشور تیار کر لیا جائے۔

جرمنی پر قبضہ اور نظم و ضبط

نازی جرمنی پر شرائط صلح عائد کرنے اور ان پر عمل کرانے کے لیے پالیسی اور منصوبے مشترک رہیں گے۔ تصرف کے تین جداگانہ حلقے ہوں گے۔ نظم و ضبط کے ایک مرکزی کمیشن کے ذریعے سے نظم و نسق میں ارتباط قائم رکھا جائیگا۔ فرانس کو دعوت دی جائے گی کہ وہ بھی ایک حلقہ سنبھال لے اور نظم و ضبط کا چوتھا رکن بن جائے لیکن سٹالین نے یہ واضح کر دیا کہ امید ہے چوتھا حلقہ ان حلقوں میں پیدا کیا جائے گا جو برطانیہ اور امریکا کے حوالے ہوں گے۔ جرمنی سے آئندہ سلوک کے متعلق سخت بیان دیا گیا:

''ہمارا اٹل مقصد یہ ہے کہ جرمنی کی عسکریت اور نازیت تباہ کردی جائے اور پختہ انتظام کرلیا جائے کہ جرمنی پھر دنیا کے امن میں خلل نہ ڈال سکے گا۔ہم فیصلہ کرچکے ہیں کہ جرمن فوجوں سے ہتھیار لے لیے جائیں گے اور انھیں توڑ دیا جائے گا۔ جرمن جنرل سٹاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا جائے گا جس نے بار بار جرمن عسکریت میں نئی روح پھونکنے کا انتظام کرلیا۔ جرمنی کا پورا فوجی ساز و سامان لے لیا جائے گا یا تباہ کردیا جائے گا۔ جرمنی کی وہ صنعت ختم کردی جائے گی یا اسے قبضے میں لے لیا جائے گا جو جنگی سامان کی تیاری میں کام آسکتی ہے۔ تمام جنگی مجرموں کو منصفانہ اور فوری سزا دی جائے گی اور جرمنوں نے جو بربادی کی، اس کے لیے ٹھیک تاوان ان کے ذمے ڈالا جائے گا۔ نازی پارٹی محو کردی جائے گی۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ جرمن قوم کو تباہ کریں مگر جب نازیت و عسکریت کا استحصال ہوجائے گا تو جرمنوں کے لیے شریفانہ زندگی بسر کرنے کی امید پیدا ہوگی اور وہ جمعیت اقوام میں اپنا اقتدار حاصل کرسکیں گے۔''

مشرق بعید کے متعلق مفاہمت

جن شرطوں پر روس نے جاپان کے خلاف شرکت جنگ پر آمادگی ظاہر کی وہ خفیہ رکھی گئیں۔ چین کائی شک کو بھی ان کا مطلق علم نہ ہوا حالاں کہ اسے اس معاملے سے براہ راست تعلق تھا۔ تین بڑوں نے اتفاق کرلیا کہ جرمنی کی حوالگی اور یورپ میں جنگ کے خاتمے سے دو یا تین مہینے بعد روس جاپان کے خلاف میدان جنگ میں آجائے گا لیکن روسیوں نے اس کے لیے بھاری شرطیں عائد کردیں مثلاً کہا کہ بیرونی منگولیا کا چینی صوبہ جو تیسرے عشرے سے اہل منگولیا کی جمہوریت چلا آتا تھا اور مستقل تھا اسے ہمیشہ کے لیے خود اختیاری حکومت دے دی جائے گی اور 1904ء میں جاپان نے دھوکے سے حملہ کرکے روس کے جن سابقہ حقوق کی خلاف ورزی کی تھی وہ بحال کردیے جائیں گے۔

علاوہ بریں جزائر کوریل روس کو دے دیے جائیں گے۔ یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ بیرونی منگولیا

بندرگاہوں اور مذکورہ ریلوے لائنوں کے متعلق اتفاق چین کائی شک کی رضامندی کے بعد ہوسکے گا۔ صدر روزویلٹ نے ذمہ اٹھایا کہ وہ چین کائی شک سے رضامندی حاصل کرلیں گے۔

جنگ کے بعد مشرقی یورپ کی تنظیم

جنگ خاتمے کے قریب پہنچی تو روس نے مشرقی یورپ میں اہم سیاسی فوائد حاصل کر لیے۔ اتحادی اس اصول پر کام کر رہے تھے کہ جنگ کے خاتمے تک ہر بڑی طاقت کو اس علاقے کی سیاسی زندگی پر نگرانی کا حق حاصل ہوگا جو محوریوں کے ہاتھ سے نکل کر اس طاقت کی فوجوں کے قبضے میں جائیں گے۔ سوویت یونین نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ جاپان کے شمال میں مشرقی یورپ کا پورا علاقہ اس کا ہے۔ فن لینڈ، بلغاریہ، ہنگری، رومانیہ متارکے کی شرطوں پر دستخط کر چکے تھے جن کے مطابق ان قوموں پر روس کو عملاً پورا سیاسی و اقتصادی اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ یونان، یوگوسلاویا اور البانیہ میں کمیونسٹ گوریلے سوویت یونین کی انگیخت پر جلاوطن حکومتوں کے خلاف بغاوت اختیار کیے بیٹھے تھے۔ چیکوسلواکیہ کی جلاوطن حکومت نے 1943ء میں سوویت یونین کے ساتھ بیس سال کے لیے اتحاد کرلیا تھا۔ پولینڈ کی جلاوطن حکومت نے سوویت روس سے تعلقات توڑ لیے تھے۔ وہ اپنے فیصلے پر قائم رہی۔ بہرحال مشرقی یورپ سٹالین کی آہنی گرفت میں آچکا تھا۔ یالٹا میں تین بڑوں نے اتفاق کرلیا کہ پولینڈ کی مشرقی سرحد خط کرزن کے مطابق ہوگی (یہ خط اتحادیوں کے اعلیٰ کمانداروں نے دسمبر 1919ء میں کھینچا تھا)۔ البتہ بعض حصوں میں اس کے اندر تبدیلیاں کرلی گئی تھیں اور یہ تبدیلیاں پولینڈ کے حق میں تھیں۔ تین بڑوں نے یہ بھی تسلیم کرایا کہ پولینڈ کو شمالی و مغربی جانب خاصا علاقہ مل جانا چاہیے۔ اس سے مقصود مشرقی جرمنی تھا۔ سٹالین نے اتفاق کرلیا کہ پولینڈ اور یوگوسلاویہ میں کمیونسٹوں کی جو حکومتیں روس کی نگرانی میں بنی تھیں، انھیں وسیع کردیا جائے گا تاکہ جلاوطن حکومتوں کے نمائندے بھی شریک ہوسکیں۔

آزاد کردہ یورپ کے متعلق اعلان

تینوں بڑوں نے اتفاق کیا کہ یورپ میں نظم قائم کیا جائے اور قومی اقتصادی کی تعمیر نو ایسے طریقوں سے کی جائے کہ آزاد شدہ قومیں نازیت اور فاشیت کے باقیات کو تباہ کرسکیں اور اپنے

جمہوری ادارے پیدا کرلیں۔ نازک اہمیت کا ایک بیان اس معاملے کے متعلق شامل کرلیا گیا:

''ایسے حالات کو تقویت پہنچانا جن میں آزاد شدہ قومیں مندرجہ ذیل حقوق استعمال کرسکیں۔ تینوں حکومتیں (جہاں ان کی رائے کے مطابق ماحول کا تقاضا ہو) بالاشتراک ہر اس آزاد شدہ یورپی مملکت یا یورپ میں محوریوں کی سابقہ حلیف مملکت کے لوگوں کی مدد کریں (1) داخلی امن کے قیام کے لیے حالات پیدا کرنا (2) مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کے لیے فوری تدبیر عمل میں لانا (3) ایسی عارضی حکومتیں قائم کرنا جو آبادی میں جموری عناصر کی نمائندہ ہوں اور اقرار کریں کہ عوام کی مرضی کے مطابق حکومتوں کے آزادانہ انتخابات کا جلد از جلد انتظام کریں گی (4) جہاں ضرورت ہو ایسے انتخابات کے لیے سہولتیں بہم پہنچانا۔''

یہ یالٹا کی مشہور مفاہمت تھی، جس کے لیے بحث ونزاع کے دھوئیں میں تاریک ہوجانا مقدر تھا لیکن جب یہ مفاہمت ہوئی تھی تو اس کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا تھا۔ رابرٹ شروڈ نے ہمیں بتایا ہے:

''امریکی مندوبوں کا رویہ، جن میں روزویلٹ اور ہاپکنز بھی شامل تھے یالٹا سے رخصت ہوتے وقت انتہائی شادمانی کا تھا۔ انھیں یقین تھا اور برطانوی رفقاء اسے درست سمجھتے تھے کہ یہ کانفرنس ایسی تمام کانفرنسوں سے بدرجہا زیادہ حوصلہ افزا رہی۔ پھر برطانوی اور امریکی ممتاز ترجمانوں نے فوراً اس کا خیر مقدم کیا تو کام کے متعلق ان کا احساس اطمینان بدرجہا بڑھ گیا۔''

جنگ جرمنی

ہٹلر نے جنوری 1945ء کے آغاز اور انجام پر جرمنوں کے نام دو آخری تقریریں ریڈیو پر نشر کیں۔ ان دونوں تقریروں کے درمیان مشرق اور مغرب کی طرف سے دوز بردست جنگی اقدام ہوئے جن کے نتیجے میں تیسری رائش نے شکست کھائی۔

''سال نو کی تقریر میں ہٹلر نے شکست خوردہ ذہنیت کے لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ اس بے پناہ

جنگ بقا میں برباد ہو جائیں گے۔ جنگ 1946ء سے پہلے ختم نہ ہوگی اِلّا اس صورت میں کہ جرمنی فتح حاصل کرے کیوں کہ جرمنی ہتھیار ڈالنے پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ پھر وہی فرسودہ باتیں کہی گئیں یعنی ہم جانتے ہیں کہ جمہوریتوں کے مدبر بالشویک اور یہودی جرمنی کو غلام بنانا چاہتے ہیں نوجوانوں کو کمزور بنانا چاہتے ہیں، کروڑوں افراد کو بھوکا مارنا چاہتے ہیں۔ ہم دشمن کے مقاصد سے آگاہ ہیں۔ اگر ہم اس جنگ میں ہار گئے تو جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ہم اپنے وطن، جرمن قوم کی بقا، اپنی ثقافت اور اپنی خوشحالی کے لیے لڑ رہے ہیں۔

دوسری تقریر (20 جنوری 1945ء) ہٹلر کی حکمرانی کے تیرہویں سال کے آغاز پر کی گئی تھی۔ اس میں اس نے ایک غیر معمولی امداد کا ذکر کیا اور کہا:

''خدائے قادر و توانا اس فرد کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے گا جس نے زندگی میں اس کے سوا کچھ نہ چاہا کہ اس قوم کو ایک ایسی تقدیر سے محفوظ کر دے جس کی وہ مستحق نہ تھی۔''

پھر اس خدا پرستانہ عجز کے بعد دھمکیاں دینی شروع کر دیں:

''مجھے امید ہے کہ ہر جرمن اپنا فرض آخر تک ادا کرے گا۔ میں ہر مرد اور ہر لڑکی سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ جنگ میں انتہائی استقلال سے معاون رہے گی جو ہماری پشت میں چھرا گھونپے گا وہ ذلت کی موت مرے گا۔''

ان دو تقریروں کے درمیان نازیوں کی حالت نزاکت سے مایوسی پر پہنچ گئی۔ اتحادیوں اور روس کی فوجیں...... جنکی تعداد ایک کروڑ تھی...... مشرق و مغرب دونوں جانب سے جرمنوں کے خلاف حرکت میں آئیں۔ انھوں نے بڑے بڑے جارحانہ اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کیا جس میں تیسری رائش کو واقعی پیس کر رکھ دیا گیا۔ فیوہرر نے دو بڑی چالیں ایجاد کی تھیں، ایک برق رفتار جنگ، دوسری دشمن کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نرغے میں لینا اور تباہ کر دینا۔ اب یہ دونوں چالیں اس کے خلاف استعمال ہوئیں اور جرمنی کا حصار یورپی حصار کے مقابلے میں بھی بہت جلد سکڑ کر رہ گیا۔

روسیوں نے سٹالین گراڈ سے مغربی جانب ایک ہزار میل سے زیادہ پیش قدمی کی۔ تاریخ میں یہ عظیم الشان ترین عسکری رجعتوں میں سے ایک ہے۔ جنوری 1945ء تک ان کے تین زبردست لشکر جرمنی سے گزرتے ہوئے برلن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ روسی فوجیں چیکوسلواکیہ میں سے گزریں تاکہ مشرقی پروشیا منقطع ہو جائے اور سیلیشیا کی جنگی صنعتیں پامال کی جاسکیں۔ فروری 1945ء میں وہ مشرقی پروشیا سے دریائے وسچولا کے زیریں حصے کی طرف بڑھیں اور بالائی وسچولا کی طرف سے اوڈا کی طرف حرکت میں آئیں۔ مارچ 1945ء تک مارشل زوکوف دائیں ہاتھ کونگز برگ اور بائیں ہاتھ برسیلا لے چکا تھا۔ اس طرح برلن پر آخری اقدام کے لیے اس کے بازو محفوظ ہو گئے تھے۔ جنرل مینیوفل نے بعد میں لکھا:

"12-13 جنوری 1945ء کو روسیوں نے بیرالوف سے اپنا بڑا جارحانہ اقدام شروع کیا۔ اس سے مغربی محاذ پر فوراً اثر محسوس ہوا، یعنی مشرقی محاذ پر فوجیں پوری تیزی سے بھیج دی گئیں...... فوجوں کی بڑی تعداد اور ساز و سامان جنگ منتقل کرنے کے سلسلے میں ایندھن کی دیرینہ اور تشویشناک قلت پر جو اثر پڑا، اس کا تصور خود کر لیجیے...... ہمارے کماندار اعلیٰ کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اس طرح فوجیں کتنی تھک چکی تھیں جو مزید فوجیں جنوری میں بھیجی گئیں وہ کمیت و کیفیت دونوں میں ناکافی تھیں...... اتحادی طیاروں کی بمباری سے جرمنی کی صنعت اسلحہ زیادہ سے زیادہ تباہ ہو رہی تھی جو سپاہی مغربی محاذ پر تھے وہ آخری فتح کی امید کھو بیٹھے۔"

یہ صورت حال کا صحیح جائزہ تھا۔ جرمنوں کے لیے دن یا رات میں آرام کا کوئی لمحہ نہ تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے آخری مہینوں کی طرح پھر ایک مرتبہ نوجوان لڑکے اور بوڑھے آدمی میدان جنگ میں بھیجے گئے جو جسمانی اعتبار سے کمزور تھے۔ مشرقی پروشیا سے پناہ گیروں کی جو قطاریں آرہی تھیں انھوں نے سڑکیں روک لیں۔ برلن میں لوگوں کے کھانے کے لیے یا تو کچھ نہ تھا یا بہت کم تھا۔ وہاں فساد ہونے لگے۔ جرمنوں کے لیے مغرب میں بھی صورت حال یکساں تاریک تھی۔ اس محاذ کی زبردست اتحادی فوجیں مختلف مقامات پر حملے کرنے والی تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اتحادی فوجیں ایک طویل توڑے کی حیثیت رکھتی تھیں جسے چھوتے ہی جرمنی پر حملوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ رہائن کو جرمنی کی مغربی خندق سمجھا جاتا تھا اور خیال تھا کہ وہاں حملہ آور رک جائیں

گے اور انھیں پیچھے پھینکا جا سکے گا۔ بے شک اتحادیوں کی تیز رفتاری اور ہنر مندی کے متعلق جرمنوں کی مزید خام خیالیاں ختم ہو گئیں۔

اعلیٰ کمانداروں نے رہائن پر پہنچنے کے لیے تین مرتبہ مہموں کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ شمال میں کینیڈا کی پہلی، برطانیہ کی دوسری اور امریکا کی تیسری فوج منٹگمری کے زیر کمان دو اقدام کر لینے والی تھیں۔ ایک کا مقصد یہ تھا کہ ہالینڈ میں دریائے رہائن کے زیریں حصے کو عبور کیا جائے۔ یہ فوج پہلے جنوبی و مشرقی حصے میں دریائے ماس اور دریائے رہائن کے درمیان ضرب لگاتی۔ پھر زیگفرڈ لائن کے عام خط پر پہنچ جاتی۔ اس سے نیچے امریکا کی نویں فوج تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ شمال و مشرق کی طرف بڑھتی ہوئی رہائن پہنچے اور اس کا دایاں بازو جو نیوس پر ہو۔ ان دونوں فوجوں کو ایک مثلث کی شکل میں جو دریائے ماس اور دریائے رہائن سے بنتی، جرمنی پر ضرب لگانی تھی۔ پھر رہائن کے مغربی کنارے کو صاف کر لینا تھا، جو روہر کے سامنے تھا۔ وسط میں بارہویں امریکی فوج تھی، جس میں پہلی اور تیسری فوجیں شامل تھیں۔ ان کا کماندار جنرل بریڈلے تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ دریائے موزیل کے شمال میں کولون، وان کوبلز کے درمیان بڑھے اور اس علاقے کو صاف کر لے۔ جنوب میں چھٹی امریکی فوج تھی جو ساتویں امریکی اور پہلی فرانسیسی فوج (کماندار جنرل ڈیورس) سے مرکب تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ موزیل کے جنوب میں رہائن کی طرف بڑھے اور مینز کے جنوب میں فرائی برگ پہنچے پھر کوبلز کے جنوب میں تیسری امریکی فوج کے جنوبی بازو سے مل جائے۔

اس طرح ان فوجوں کے اقدامات سے رہائن کا پورا مغربی کنارا صاف ہو جاتا۔ ان تمام منصوبوں پر اس خوبصورتی سے عمل ہوا کہ محض منصوبے کا بیان کر دینا ہی اصل نقشہ سامنے لے آتا ہے۔ آرڈنس میں شکست کھانے کے بعد جرمن اس قابل نہیں رہے تھے کہ رہائن کی طرف اتحادیوں کے کسی حصے کو موثر طریق پر روک سکیں۔

فروری 1945ء کے اوائل میں موسم جرمنوں کے لیے سازگار تھا۔ برف پگھلنی شروع ہو گئی تھی۔ دریاؤں میں پانی آ گیا تھا۔ کھیت جھیلیں بن گئے تھے۔ بایں ہمہ 8 فروری 1945ء کو پہلی امریکی اور دوسری برطانوی فوجوں نے جو اتحادی خط کے شمالی گوشوں میں تھیں اپنے منصوبے کے

مطابق اقدام شروع کیا۔ پہلے زبردست فضائی حملے کیے گئے پھر نجمچن کے جنوب مشرق میں جارحانہ اقدام ہوا۔ یہ جنگ کی خونریز ترین لڑائی بن گیا۔ موسم اچھا نہ تھا اس لیے بکتر بند دستے تیزی سے بڑھ نہ سکے۔ حملے ایک وقت تک دلدلی زمین ہی تک محدود رہے لیکن جرمنوں کو رفتہ رفتہ پیچھے دھکیلا گیا۔ 21 فروری 1945ء تک کینیڈا اور برطانیہ کی فوجیں رہائن پہنچ گئیں۔ جرمنوں نے پُل اڑا دیے اور دریا کے پار چلے گئے۔

اس وقت اور فروری کے آخری ہفتوں میں اتحادیوں نے اپنی پوری فضائی قوت متحرک کردی...... امریکی بارہویں اور پندرہویں فضائی فوج اٹلی میں، آٹھویں اور نویں فضائی فوج مغربی محاذ پر، نیز برطانیہ کی تیسری فضائی طاقت نے...... فضائی حملوں سے جرمنی کے وسائل نقل وحمل پر بہت بڑے حملے کیے۔ دو روز میں (22 اور 23 فروری) سولہ ہزار سے زیادہ حملے ہوئے اور بیس ہزار ٹن بم پھینکے گئے۔ جرمن ہوائی فوج کچھ نہ کرسکی۔ پورا جرمنی دردناک تباہی کا ہدف بن گیا۔

اس اثنا میں نویں امریکی فوج جو شمالی بازو کے جنوبی حصے پر تھی دریائے روہر پر پہنچی ہوئی تھی جہاں جرمن وہ بندوں کی حفاظت کرتے رہے۔ انھیں کے ذریعے سے دریا کے پانی کا انتظام کیا گیا تھا۔ امریکی حملے کے مقابلے کے لیے جرمنوں نے 7 فروری 1945ء کو سویمینوئل بند کے دروازے اڑا دیے۔ اس طرح دریا کو عبور کرنا مشکل ہوگیا اور اردگرد کا علاقہ پانی سے بھر گیا۔ جلد ہی دریا اپنی اصل سطح سے چار فٹ اونچا ہوگیا۔ امریکی فوج نے دو ہفتے انتظار کیا۔ آخر پانی کھڑا ہوا اور امریکیوں نے کشتیوں میں دریا کو عبور کیا۔ 13 مارچ تک شمالی جانب دریائے رہائن کا مغربی کنارا اتحادیوں کے قبضے میں آچکا تھا۔

وسطی حصے میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی۔ جرمنی کی دریائی سرحد ٹوٹنے لگی۔ امریکی فوجوں کے زبردست متحدہ حملے آگے بڑھے۔ 7 مارچ کو کولون لے لیا گیا۔ اس سے پیشتر شہر پر طیاروں اور توپ خانے سے سخت بمباری ہوچکی تھی۔ جرمنوں نے ہوہنیز ولرن پُل اڑا دیا۔ عین اس موقع پر تیسری امریکی فوج کوبلنز کے قریب رہائن پر پہنچ گئی۔ جنرل پیٹن کے چوتھے بکتر بند ڈویژن نے اٹھاون گھنٹے میں پینسٹھ میل کا فاصلہ طے کیا۔ اب پہلی امریکی فوج جنوبی جانب مڑی تاکہ تیسری فوج سے اتصال پیدا کرلے۔

35

ہٹلر کے لیے آہنی جال

(3)

ریمی جن کا پُل

7 مارچ 1935ء کو خوش نصیبی کا ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ فوجی سرگزشتوں میں اسے حد درجہ خوش نصیب واقعات میں شمار کرنا چاہیے۔ اتحادیوں یا جرمن کمانداروں کو ہرگز توقع نہ تھی کہ رہائن کو بآسانی عبور کیا جا سکے گا۔ 1805ء میں نپولین کے بعد کسی نے بھی یہ دریا کامیابی سے عبور نہیں کیا تھا۔ رہائن وسطی حصے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا جہاں مشرقی کنارے پر بلند پہاڑ موجود ہیں اور جرمن وہاں دفاع کے لیے مہلک آلات نصب کر سکتے تھے۔ آئزن ہاور نے کہہ رکھا تھا کہ تمام فوجوں کو...... عبور دریا کے ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

7 مارچ کو سارجنٹ الگزانڈر ڈریبک نے امریکا کے نویں بکتر بند میں شامل تھا اپنی پلٹن کو دشمن کی آتش باری میں سے گزار کر اصل مقصد کی طرف پیش قدمی کی۔ مقصد یہ تھا کہ ریمی جن پر قبضہ کر لے جو بون اور کوبلنز کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ ڈریبک اور اس کے ساتھیوں کو حکم دے دیا گیا کہ اپنے دفاعی مورچوں میں ڈٹے رہیں تاکہ شمالی جانب کی فوجیں پوری قوت سے حملہ کر کے دریا عبور کر سکیں۔

پسپا ہوتے ہوئے جرمنوں نے رہائن کے تمام پُل ایک ایک کر کے توڑ دیے تھے۔ جرمن کپتان کو بھی حکم مل چکا تھا کہ ریمی جن پر لیوڈنڈارف کے نام پر جو پل بنایا ہوا ہے اسے چار بجے شام تک توڑ دے۔ ساڑھے تین بجے شام کو پُل توڑنے کی پہلی کوشش کی گئی مگر صرف مغربی حصے میں ایک گڑھا پڑا اور پُل سلامت رہا۔

34 سالہ سارجنٹ نے اپنی کہانی یوں بیان کی:

''ہم ڈرتے ہوئے پُل کے وسط میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی شور مچا رہے تھے میں نے ٹھہرنا گوارا نہ کیا کیوں کہ جانتا تھا کہ اگر ہم بڑھے چلے گئے تو دشمن ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ میری پلٹن نے قطار بنا رکھی تھی اور ہم میں سے کسی کو گزند نہ پہنچی۔ ہم نے ان گڑھوں میں پناہ لی جو بمباری کے باعث بن گئے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کا انتظار کیا بس یہ ہے پوری داستان پوری۔''

غرض 4 بجے شام ایک سو سے زیادہ آدمی پُل پر سے گزر گئے۔ پھر امریکی انجینئر پُل پر پہنچ گئے۔ انھوں نے تیزی اور مستعدی سے کام لیتے ہوئے شہتیروں کے بھاری سہارے پُل کے نیچے لگا دیے۔ اس طرح ٹرک، ٹینک اور ٹرینیں گزرنے لگیں۔ چوبیس گھنٹے میں آٹھ ہزار سے زیادہ فوج دریائے رہائن عبور کر گئی۔ پاس ہی دو اور عارضی پُل بنا دیے گئے۔ ایک ساڑھے انتیس گھنٹے میں اور دوسرا ساڑھے انتالیس گھنٹے میں جرمنوں نے شدت سے جوابی حملہ کی۔ جرمن فضائی فوج نے اکیس نئے جیٹ غوطہ خور طیارے تینوں پلوں پر حملے کے لیے بھیجے۔ پانچ کے سوا سب طیارے یا تو خود گر گئے یا مار کر گرا دیے گئے۔ گیارہ وی ٹو راکٹ بم پلوں کے پاس پھٹے اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا۔

ریمی جن کے پل سے مردانہ وار گزر جانے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب معاہدہ ورسائی کے خلاف رہائن لینڈ میں جرمن فوجوں کی آمد پر نو سال پورے ہو چکے تھے۔ ایسے مواقع شاذ ہی جنگ میں پیش آتے ہیں جن کے نتیجے بے اندازہ ہوں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جرمنی کو ایک سرجن کے نشتر سے کھول دیا گیا ہے۔ جنرل آئزن ہاور نے کہا:

''یہ میرے لیے جنگ کا ایک نہایت خوشگوار لمحہ تھا۔ ایسے واقعے کا مجھے خواب و

خیال بھی نہ تھا۔ہم ایک مستقل پل پر سے گزرتے ہوئے رہائن عبور کر چکے تھے۔
جرمنی کے قلب کی روایتی دفاعی رکاوٹ میں شگاف ڈالا جا چکا تھا۔"
جرمنی کے قلب کے لیے شدید خطرہ پیدا ہو گیا اور اس پر آخری جارحانہ اقدام کے لیے قدم گاہ مل گئی۔

جرمن فوجی تو وزن کھو بیٹھے۔وہ ریمی جن کے تباہی خیز واقعے پر سخت غمگین تھے۔ہٹلر نے بعد میں اعتراف کیا کہ نارمنڈی کی قدم گاہ اور ریمی جن کی قدم گاہ نے جرمنی کی تقدیر پر آخری مہر لگا دی۔جن چار افسروں کو ذمہ دار قرار دیا گیا تھا، انھیں کورٹ مارشل کے بعد گولی سے اڑا دیا گیا لیکن جرمن کپتان اس لیے محفوظ رہا کہ وہ امریکیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا تھا۔

اب ہٹلر نے جوش غیظ میں رونسٹاٹ کو مغرب کی جرمن فوجوں کی کمانداری سے الگ کر کے یہ منصب کیسلرنگ کو دے دیا تھا جو اٹلی میں اتحادی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔جنگ کے بعد گوئرنگ نے کہا: ریمی جن کے پل پر قبضے نے رہائن کا طویل دفاع ناممکن بنا دیا اور دریا کے ساتھ ساتھ ہمارا پورا دفاعی منصوبہ درہم برہم ہو گیا۔ہم نے ریمی جن کے پل پر محفوظ فوجیں پہنچائیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ مینز اور مینہائیم کے درمیانی حصے کی پوری حفاظت نہ ہو سکی۔

پھر ایک اور سنسنی پیدا کر دینے والا واقعہ پیش آیا جس نے جرمنوں کو ہراس زدہ رکھا۔چند ہی روز میں امریکی انجینئروں نے جن کی تعداد پچھتر ہزار تھی، باسٹھ نئے پل تعمیر کر لیے۔ان میں سے چھیالیس چپٹے پیندے کی کشتیوں کے پل تھے، گیارہ مستقل شاہراہیں اور پانچ ریل کے پل۔چپٹے پیندے کی کشتیوں کے پل بہت مفید ثابت ہوئے کیوں کہ ان پر سے بھاری فوجی سامان گزارا جا سکتا تھا۔ایسا ہر ایک پل تین سو تیس گز لمبا تھا اور یہ صرف دس گھنٹے اور گیارہ منٹ میں بنایا گیا تھا۔

ریمی جن کی قدم گاہ کو مرکز بناتے ہوئے سات فوجیں شمالاً جنوباً دریا عبور کر گئیں۔انھوں نے ہر قسم کے ذریعے سے عبور دریا کے لیے اختیار کیے۔بحری بیڑے نے بھی اس کام میں ہاتھ بٹایا۔25 مارچ 1945ء تک سات کی سات فوجیں رہائن عبور کر چکی تھیں اور اتنے ٹینک جمع ہو چکے تھے جتنے کبھی جمع نہ ہوئے۔یہ ٹینک ان فضائی فوجوں تک پہنچنے ضروری تھے جو جرمنوں کی صفوں کے پیچھے اتار دی گئی تھیں۔ان کے مقابلے کے لیے جرمنوں کے پاس ستر ڈویژن تھے مگر ہر

ڈویژن کے افراد کی تعداد بھی کم تھی اور ان میں ہمت وحوصلہ بھی ویسا نہ تھا۔

روہر کی تسخیر

سار اور پیلاٹینیٹ سے دشمن کو پار کرنے اور رہائن کی روک سے گزرنے کے بعد اتحادیوں نے روہر کو نرغے میں لے کر مسخر کرنے کی طرف توجہ کی۔ یہ جرمنی کا صنعتی قلب تھا۔ یہیں ایسن میں کرپ کی بڑی بڑی فولادی بھٹیاں تھیں۔ یہیں مہل مائم میں تھائیسن کے کارخانے تھے اور شہروں میں بھی کلیدی صنعتیں تھیں۔ روہر کی توپوں اور فولاد کے بغیر ہٹلر کی فوج بے دست وپارہ جاتی۔ روہر کو جرمنی سے الگ کرنے سے پہلے فضائی بمباری شروع ہو چکی تھی۔ مارچ 1945ء کے تیسرے ہفتے میں اس حلقے پر کم از کم بیالیس ہزار حملے کیے گئے۔ ریل کے اٹھارہ بڑے بڑے پلوں اور آبپاری کی نالیوں پر ضربیں لگیں۔ بہت سی بڑی بری بھٹیاں برباد ہو گئیں۔ ہر ہوائی اڈے میں گڑھے پڑ گئے۔ ہٹلر نے پھر یہی فیصلہ کیا کہ وہ مقابلہ کرے گا اور لڑے گا۔ اس نے حکم دے دیا کہ روہر کو ایک اور قلعہ بنا دیا جائے۔ ہٹلر کا قاعدہ یہ تھا کہ جہاں اس کی فوجوں پر زبردست ضرب لگتی، وہ اسے ایک نیا قلعہ بنا دیتا۔ گویا سمجھتا تھا کہ صرف لفظوں کا جادو ہی ہر چیز کو تبدیل کر کے رکھ دے گا۔ روہر کی حفاظت کے لیے اس نے تمام سن رسیدہ آدمیوں کو بھیج دیا جو اس کے ہاتھ آ سکے۔ ان میں ایسے بریگیڈ بھی شامل تھے جو جسمانی اعتبار سے نااہل ہو چکے تھے۔ اتحادیوں نے اس مرتبہ اپنے نقشے پر نہایت عمدگی سے عمل کیا۔ 24 مارچ 1945ء کو سمپسن کی نویں امریکی فوج نے نصف دائرے کی صورت میں روہر کے شمالی کناروں پر حملہ کیا۔ اس نے ایسن اور ڈارٹمنڈ کے اوپر سے لپسٹارٹ کا رخ کیا۔ جرمنوں نے سخت مقابلہ کیا۔ عین اس موقع پر جنرل ہاجز پہلی امریکی فوج کے ساتھ ریمی جن کے حلقے سے آگے بڑھا اور روہر کے مشرقی بازو کا چکر لگاتا ہوا نکل گیا۔

آئزن ہاور نے 3 مارچ 1945ء کو پھر ایک اعلان جاری کیا جو جرمن فوجوں اور جرمن قوم کے نام تھا۔ فوجوں سے کہا گیا تھا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں، قوم سے کہا گیا تھا کہ وہ فصلیں کاشت کرے۔ آئزن ہاور نے بتا دیا کہ ان کی حالت یاس خیز ہے۔ مزید مزاحمت سے مصائب میں اضافے کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ اس پوری خونریزی کو ختم کر دوں لیکن ابھی تک

ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کی گرفت ملک پر اتنی مستحکم ہے اور اس پر ہر جگہ اتنی سختی سے عمل ہو رہا ہے کہ قوم لڑائی جاری رکھنے پر مجبور ہے۔

یکم اپریل 1945ء کو امریکا کی نویں اور پہلی فوجیں لپسٹارٹ میں مل گئیں اور روہر نرغے میں آ گیا۔ یہاں فیلڈ مارشل والٹر موڈل جرمن فوجوں کا کمانڈار تھا۔ یہ فوجیں ایک ایسے دائرے میں محصور ہو گئیں۔ جس کا قطر اسی میل تھا۔ آئندہ دو ہفتے کے اندر روہر کا صنعتی علاقہ دو حصوں میں بانٹ لیا گیا اور اس کے مدافعین کو منظم طریق پر تباہ کر دیا گیا۔ چار لاکھ سے زیادہ جرمن اتحادیوں کے قبضے میں آئے۔ 21 اپریل 1945ء کو موڈل نے لوئس برگ کے قریب ایک جنگ میں خودکشی کر لی کیوں کہ وہ ہٹلر کے احکام پر عمل نہ کر سکنے کے باعث مایوس ہو چکا تھا۔ یہ جرمنی کے دیوتاؤں کی آئندہ خونیں شفق کی تمہید تھی۔

جرمنی کے اندر

جنگ کو طول دینا بے معنی تھا۔ تیسری رایش کا شیرازہ کھل رہا تھا اور اتحادی فوجیں تیزی سے اندر جا رہی تھیں۔ اکیس ڈویژن بری طرح کٹ چکے تھے لیکن ہٹلر کی طرف سے حکم ہو رہا تھا کہ روہر کی فوجیں، اتحادیوں پر عقب سے حملہ کریں۔ روہر ختم ہوتے ہی جنرل ڈبورس کی چھٹی فوج مشرقی جانب جرمنی کے اندر گھس گئی۔ ساتویں امریکی فوج نے 29 مارچ 1945ء کو منیم لے لیا۔ ورزبرگ اور شوین فرٹ کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ بعد کی فتوحات کا سرسری نقشہ یوں ہے:

نورمبرگ: نازیت کا مرکز 20 اپریل

میونخ: 30 اپریل

کارلس رہ: (فرانسیسی فوج کے ہاتھ آیا) 9 اپریل

سٹٹ کارٹ: 21 اپریل

اگلے روز یہ فوج سوئٹزرلینڈ کی سرحد پر پہنچ گئی۔ پھر فرانسیسی فوج نے فریڈرک شافن لے لیا اور 30 اپریل کو آسٹروی سرحد میں داخل ہو گئی۔

سب سے تیز رفتار پیٹن کی تیسری فوج تھی۔ وہ بجلی کی تیزی کے ساتھ ہٹلر کی شاہراہوں پر سے گزری۔ اس کے ٹینکوں نے جینا کے نزدیک دریائے سال عبور کیا۔ دوسرے عناصر جنوب کی طرف بڑھے اور بیروتھ لے لیا۔ پھر چیمنٹز کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کوہستان ہرز کی جانب پیش قدمی کی۔ 23 اپریل کو چیکوسلواکیہ کیا سرحد عبور کرلی۔

جرمن قصبے اور شہر یکے بعد دیگرے فتح ہوتے گئے۔ مختلف فوجوں کا تعاون حیرت انگیز تھا۔ ٹینکوں کی تیز رفتار، انجینئروں کی مستعدی پر موقوف تھی۔ وہ جتنی تیزی کے ساتھ راستے سرنگوں سے پاک کرلیتے اتنی ہی تیزی سے فوجیں آگے بڑھتیں۔ توپ خانے کے آدمی ٹینکوں کی مرمت کرتے جاتے اور سگنل دینے والے آمد و رفت کے خطوط قائم رکھتے۔ ہوائی جہاز بھی ہر کام بری فوجوں کے تعاون سے کرتے۔ اگرچہ جرمن فوجوں کو اعلیٰ درجے کی تربیت مل چکی تھی اور مدت سے لڑائی کا گہرا تجربہ بھی تھا لیکن وہ پیٹن کی تیزی کا مقابلہ نہ کرسکیں۔

اب اتحادی فوجوں نے بڑے محاذ کے اس خط پر ٹھہرنا شروع کیا جس کا فیصلہ روسیوں کے ساتھ یالٹا میں ہو چکا تھا۔ جرمن فوجیں ایسی تیزی سے ہتھیار ڈال رہی تھیں کہ قید خانوں میں جگہ نہ رہی۔ لاکھوں نے روسیوں کی بجائے مغربی اتحادیوں کے پاس جوانگی بہتر سمجھی۔ بعض نے موت کو قید پر ترجیح دی اور زہر یا رسے یا بندوق سے خودکشی کرلی۔

اتفاق سے پیٹن کی فوجوں کو نازیوں کے ایک دفینے کا علم ہوگیا جو نمک کی ایک کان کے زیریں حصوں میں تھا۔ اس سے پچیس کروڑ ڈالر کا سامان ملا جس میں سونا، چاندی اور سونے کے سکے اور بیش قیمتی روغنی تصاویر تھیں۔ یہ سب چیزیں یورپ کے مختلف حصوں سے لوٹ کر یہاں جمع کی گئی تھیں۔

وارسا کا راستہ

ماسکو کی وہ توپیں جو خاص تقریبات پر چلائی جاتی تھیں 1944ء میں بہت مصروف رہیں۔ اسی سال مغربی جمہوریتوں نے براعظم پر حملہ کیا۔ اسی سال روسیوں کو مشرقی محاذ پر ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں جن سے انھیں سانس لینے کا موقع مل گیا۔ چرچل کے لفظوں میں روسی

فوجیں جرمن فوج کی آنتیں نکال نکال کر باہر پھینک رہی تھیں۔ شمال، اوسط اور جنوب میں جرمنوں پر پے در پے ضربیں لگ رہی تھیں اور روس کا سٹیم رولر مغربی جانب حرکت میں آ گیا تھا۔ ہٹلر کی حالت نازک تھی۔ اس وقت تک روس کی فوجی قوت بے پناہ ہو گئی تھی۔ یعنی تقریباً پچاس لاکھ آدمی یا تین سو ڈویژن بیس لاکھ جرمنوں اور دو سو ڈویژن محوری فوجوں کے مقابلے میں تھے۔ جرمنوں پر متواتر ضربیں لگتی گئیں:

ضرب لینن گراڈ

لینن گراڈ اور نوو گروڈ کے حلقے میں جرمنوں نے مستقل دفاعی استحکامات کر لیے تھے۔ ان میں چوکیاں بھی شامل تھیں، پھندے بھی اور بری سرنگیں بھی۔ ہٹلر کا حکم تھا کہ فوج ڈٹ کر مقابلہ کرے، خصوصاً اس لیے کہ اگر جرمن پیچھے ہٹتے تو ان کا حلیف فن لینڈ بالکل الگ رہ جاتا۔ جنوری 1944ء میں روسیوں نے ہٹلر کے تیس ڈویژنوں پر توپوں سے ایسی شدید گولہ باری کی کہ ان کے استحکامات کے پرخچے اڑ گئے اور فیوہرر کے دانت بجنے لگے۔ اس مہینے کے آخر تک روسی فوج بالٹک کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ضرب نمبر 2 مغربی یوکرائن

مغربی یوکرائن میں کیف کی مغربی جانب بالائی دریائے نیپر اور دریائے بگ کے درمیان جرمنوں نے پچاس میل چوڑا محاذ بنا رکھا تھا۔ فروری 1944ء میں روسی ٹینکوں نے اسی محاذ پر حملہ کیا اور جرمنوں کو مار مار کر پیچھے ہٹا دیا حالاں کہ جرمن اس حصے کو روسیوں کے لیے چوہے دان کہہ رہے تھے۔ چنانچہ انھیں دریائے نیسٹر کے پار جانے پر مجبور کر دیا گیا جہاں سے وہ 1940ء میں چلے تھے۔ گویا ایک ہزار دنوں میں ہٹلر کی فوجوں نے اپنی سرحد سے سٹالین گراڈ اور والگا تک سفر کیا۔ پھر مار کھاتے کھاتے اسی جگہ پہنچ گئیں جہاں سے چلی تھیں۔

ضرب نمبر 3 کریمیا

دشمن کو غیر متوازن رکھنے کی غرض سے روسی کبھی ایک محاذ پر لڑتے اور کبھی دوسرے محاذ

پر۔ اپریل اور مئی 1944ء میں انھوں نے جنوبی جانب زبردست جارحانہ اقدام شروع کیا۔ سباسٹوپول، بحیرۂ اسود میں سب سے بڑی بندرگاہ تھا اسے روسیوں کا جبل طارق کہا جاتا تھا۔ وہ اس وقت تک جرمنوں کے قبضے میں تھا اگرچہ رومانوی اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ 9 مئی کو ایک بے پناہ روسی فوج نے شہر پر حملہ کیا۔ دشمن کو باہر نکال دیا اور چند روز میں پورا جزیرہ نمائے کریمیا چھین لیا گویا جنوبی روس کا ملا جرمنوں کے قبضے سے آزاد ہو گیا۔

ضرب نمبر 4 فن لینڈ

جون 1944ء میں حملے کا زور پھر شمالی جانب منتقل ہو گیا۔ پرانا خط منیر ہیم جگہ جگہ سے توڑا گیا۔ 3 جون کو روسیوں نے دائی پر لی پر حملہ کی اور فنوں کو شکست فاش دی۔

ضرب نمبر 5 سفید روس

سمولنسک کے مغرب میں جرمنوں نے ایک ایسی سرحد قائم کر لی تھی جسے وہ جرمنی کی مشرقی سرحد قرار دیتے تھے۔ یہ سرحد وسطی محاذ پر وتابسک سے ارشا، پھر موحیلیف اور بوگراواسک جاتی تھی۔ یہاں روسیوں نے جون اور جولائی میں دشمن پر ایک آہنی ضرب لگائی جسے اصطلاحاً جوف معدہ کی ضرب قرار دینا چاہیے۔ اس ضرب کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسی ایک ہفتے کے اندر اندر مغربی جانب بڑھتے ہوئے دریائے بیری، بینا کو عبور کرتے ہوئے منسک کے حلقے میں پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی مدت گزرنے کے بعد وہ پولینڈ اور لتھوانیا میں دریائے نیمن کے قریب آ گئے تھے اور مشرقی پروشیا کی سرحدوں کو ان سے خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔

ضرب نمبر 6 پولینڈ

جولائی اور اگست میں روسیوں نے لودو (گلیشیا) لے لیا اور ان کا ایک ہراول دستہ کرا کو پہنچ گیا۔ دوسرا وچولا کو عبور کرتا ہوا وارسا کے حوالی پر بڑھا۔ عین اسی وقت روسی فوجیں جنوبی جانب کوہستان کارپتھین میں پہنچ گئیں۔

ضرب نمبر 7 بلغاریہ اور رومانیہ

اگست 1944ء میں روسیوں نے دریائے نیسٹر عبور کیا اور ہٹلر کے حلیف رومانیہ کے خلاف ایک خوفناک اقدام شروع کر دیا۔ کشی نیو کے قریب زبردست جنگ ہوئی جس میں جرمنوں کے بارہ ڈویژن اور رومانیہ کی پوری فوج ختم ہوگئی۔ جب رومانیہ کی فوج ہی نہ رہی تو وہ لڑائی میں کیا ٹھہر سکتا تھا؟ اس نے فوراً روس کے ساتھ متارکہ کر لیا۔ بلیسر یلیا اور بکوونا روسیوں کو دینے کے علاوہ تیس کروڑ ڈالر تاوان قبول کر لیا جو چھ سال میں ادا کر دینا تھا۔

رومانیہ لڑائی سے نکلا تو بلغاریہ کی باری آگئی جو کبھی زبردست جنگجو حریف نہ تھا بلکہ اس نے روس کے خلاف جنگ کا اعلان بھی نہیں کیا تھا۔ اگست 1944ء میں بلغاروی سفیر خفیہ اتحادیوں سے قاہرہ میں ملے اور اوائل ستمبر میں ایسا کابینہ مقرر کر لیا جو اتحادیوں کا حامی تھا۔ روسی فوج ملک میں پہنچی۔ 8 اکتوبر کو بلغاریہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور 28 اکتوبر کو ماسکو میں متارکے پر دستخط ہو گئے۔

ضرب نمبر 8 بحیرۂ بالٹک

وارسا اور برلن پر حملے کے سلسلے میں شمالی حصے کو دشمن سے پاک کر لینا ضروری تھا۔ چنانچہ روسی فوجیں فن لینڈ اور بالٹک کے حلقوں میں پھر نکلیں۔ ستمبر 1944ء میں شکست خوردہ فنوں نے متارکے پر دستخط کر دیے اور ان کی فوجی سرحد وہی رکھی گئی جو 1940ء کی روسی وفنی جنگ کے بعد مقرر ہوئی تھی البتہ پیسامو کا علاقہ روس نے لے لیا جو جرمن ریاست ہائے بالٹک میں تھے وہ نرغے میں آگئے اور تباہ کر دیے گئے۔ ٹارٹو (استھونیا) 25 اگست کو ٹیلین (استھونیا) 22 ستمبر کو اور ریگا (لیٹویا) 10 اکتوبر کو قبضے میں آگئے۔

ضرب نمبر 9 ہنگری اور یوگوسلاویہ

روسی ریچھ نے آئندہ اپنا زور ہنگری میں دکھایا جو یورپ میں ہٹلر کا آخری حلیف تھا۔ اکتوبر 1944ء میں امیر البحر ہورتھی نائب السلطنت ہنگری نے جرمنوں کی مذمت کی کہ انھوں

نے ہنگری کے استقلال کی خلاف ورزی کی، ساتھ ہی کہہ دیا کہ ہم روسیوں سے متارکہ کر لیں گے۔ ہورتھی کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ فاشزم کی حامی حکومت قائم ہوگئی۔ نومبر اور دسمبر 1944ء میں روسی فوجیں ہنگری پہنچیں تو ان کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا اور انھیں ہٹلرزم سے نجات دلانے والی قرار دیا گیا۔ 20 جنوری 1945ء کو ہنگری نے متارکے پر دستخط کر دیے۔

اس اثنا میں یوگوسلاویہ کے جنگجو گوریلے جرمنوں کی صفوں پر تیز چھاپے مار رہے تھے۔ روسی فوج مشرقی جانب سے آرہی تھی۔ ٹیٹو کے چھاپہ مار دستے شمالی جانب بڑھے تاکہ روسیوں سے اتصال پیدا کریں۔ 12 اکتوبر 1944ء کو یوگوسلاویہ کا دارالحکومت بلغراد نیز دوبرونک روسیوں اور یوگوسلاویہ نے آزاد کرایا۔

ضرب نمبر 10 پولینڈ

وارسا کے حصار پر روسیوں کا حملہ 1944ء کے نصف آخر میں ہوا۔ جولائی کے اختتام پر مارشل روکوسوسکی ایک وسطی روسی فوج کی کمان کرتا ہوا وارسا پہنچا۔ اس سے پہلے وہ وچولا کو عبور کر کے وارسا لے لینا چاہتا تھا کہ مغربی حلیف دریائے رہائن کو عبور کر سکیں۔ اس اثنا میں پولستانی جرنیل بورکوموروسکی خفیہ پولستانی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اس نے روسیوں کی طرف سے اصرار کی بنا پر کھلم کھلا جنگ شروع کر دی اور شہر کے مختلف حصے لے لیے لیکن روکوسوسکی نے اچانک اپنی فوجیں وارسا کے باہر ٹھہرا دیں۔ اس پر جرمنوں نے فرصت پا کر پولستانی محبان وطن کو بری طرح سزا دی۔ یہ وحشیانہ قتل عام تھا۔ جرمنوں نے بھاری توپوں اور ٹینکوں سے کام لے کر وہ علاقہ بری طرح تباہ کر دیا جس میں دس لاکھ پول رہتے تھے اور وارسا کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ یہ محبان وطن ساٹھ روز تک مقابلہ کرتے رہے۔ وہ بازاروں، تہ خانوں اور زمین دوز نالیوں میں لڑے لیکن جرمنوں نے انھیں محو کیے بغیر نہ چھوڑا۔

اکثر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وارسا کا یہ دردناک حادثہ روسیوں نے دانستہ پیدا کیا۔ کہا جاتا تھا کہ روسی ہائی کمان نے وارسا میں داخلہ اس وقت تک ملتوی رکھا جب تک پولینڈ کی خفیہ فوج بالکل تباہ نہ ہو جائے کیوں کہ وہ فوج جلاوطن پولستانی حکومت مقیم لندن کی طرفدار تھی۔ یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ روسی ہائی کمان نے مغربی حلیفوں کو اپنی فوجوں کے عقبی ہوائی اڈے

استعمال کرنے کی اجازت نہ دی۔ مغربی حلیف چاہتے تھے کہ اجازت مل جاتی تو محبان وطن کی امداد کے لیے ہوائی جہازوں کا انتظام کر دیتے۔ روسیوں نے خود پولستانیوں پر الٹا الزام عائد کر دیا کہ وہ جلد جوش میں آکر بروئے کار آ گئے اور اس طرح رسد کی زیادہ بڑی مقدار جرمنوں کے ہاتھ لگی۔

ادھر مغرب میں اتحادیوں کے جوابی حملے شروع ہوئے ادھر جرمنوں نے جنوری 1945ء میں وارسا اور بوڈاپسٹ پر جوابی حملے شروع کر دیے اور دونوں شہر تقریباً برباد ہو گئے۔ روسی فوجوں نے ژوکوف، روکوسوسکی اور کونیف کی سرکردگی میں ان جوابی حملوں کا پورا زور برداشت کر لیا۔ پھر انتہائی بے پناہ قوت سے حملہ کیا جو شمال میں مشرقی پروشیا سے وارسا ہوتا ہوا بوڈاپسٹ تک آتا تھا۔ مغرب کی طرح مشرق میں بھی جرمن بندرگاہوں سے چمٹے رہے۔ میمل 27 جنوری کو فتح ہوا اور لتھوانیا جرمنوں سے بالکل آزاد ہو گیا۔

روسیوں اور امریکیوں کا اتصال

حصار جرمنی مشرق و مغرب کی جانب سے اخروٹ توڑنے والے ایک بہت بڑے سروتے کی گرفت میں آ گیا تھا۔ 25 اپریل 1945ء کو امریکا اور روس کی فوجیں تورگاپر مل گئیں جو دریائے ایلب پر برلن سے تقریباً پچھتر میل جنوب میں ہے۔ پانچویں امریکی کور کے انہترویں ڈویژن سے جو طلایہ گرد دستے آگے آگے جا رہے تھے انھوں نے اٹھارھویں روسی ڈویژن کے بعض عناصر سے اتصال پیدا کر لیا جو مارشل کونیف کے زیر کردگی تھے۔ دوسرے روز مایوس و افسردہ جرمن فوجوں کے جیش مغربی جانب روانہ ہوئے تاکہ روسیوں کے انتقام سے بچ جائیں۔ امریکیوں اور روسیوں نے پرجوش طریق پر خوشیاں منائیں۔

6 مئی 1945ء کو جرمنوں کی حوالگی سے تھوڑی دیر پہلے "نیویارک ٹائمز" کے فوجی نقشے میں دکھایا گیا: برطانوی فوجیں کوپن ہیگن میں داخل ہو رہی تھیں۔ ممالک زیریں میں نازیوں اور محبان وطن کے درمیان جھڑپیں جاری تھیں۔ روسی فوجوں نے یوزڈم اور وولن کے جزیرے اور سوائن منڈے کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جرمن فوجیں برلن کے مغرب میں روسیوں کے ہاتھوں پس رہی تھیں۔ روسی مراسکا، اوسٹراوا کے جنوب اور بریوان کے مشرق میں بھی حملے کر رہے تھے اور چیکو

سلواکیہ کا حلقہ ختم ہو رہا تھا۔ امریکیوں کی تیسری فوج چیکوسلواکیہ کے حلقے میں داخل ہو رہی تھی۔اس نے لوہم اور سان برنسٹ لے لیے تھے اور ریجن کے مشرق میں سرحد سے پانچ میل آگے نکل گئی تھی۔ پٹن نے لنز لے لیا تھا اور ایڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مغربی آسٹریا اور جنوب مغربی جرمنی نے امریکا کی ساتویں فوج اور فرانس کی پہلی فوج جرمنی کی فوج نمبر جی کی حوالگی قبول کر لی تھی۔

16 اپریل 1945ء کو اتحادیوں اور روسیوں کے اتصال سے پہلے ہٹلر نے ایک حکم عام کے ذریعے سے جرمنی کو دفاعی حلقوں میں بانٹ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ میں خود برلن میں رہوں گا اور شمالی دفاعی حلقے کی کمان کروں گا۔ ہملر جو طوفانی فوجوں کا رئیس اور وزیر داخلہ تھا جنوبی حلقے کی کمان سنبھال لے گا۔ قومی مورچہ بوریا کے کوہستانی ضلع میں ہے جہاں آخری مقابلہ کیا جائے گا لیکن نازیت کی جعلی حیثیت آخری وقت تک قائم رہی۔ ''قومی مورچہ'' بھی نری لاف زنی ثابت ہوا۔ ہٹلر نے لڑتے لڑتے مر جانے کی بجائے اتحادیوں سے صلح کی گفتگو شروع کر دی تاکہ اپنی جان بچا لے۔

36

جرمنی کا خاتمہ

(1)

ہٹلر کے دوزخ

بوشن والڈ، برجن بیلسن، دخا، لبلن میڈانک، آش وائز، گوتھا، ارلا، نارڈ ہازن، اہرڈرف، لکن والڈ، گیناؤ، اوبراوسل، نازیت کے یہ وہ مرکز تھے جہاں مفتوحہ اقوام کے بے شمار لوگ جمع کر کے رفتہ رفتہ مارے گئے۔ یہ تمام نام سرگزشت تہذیب وتمدن کے سیاہ ترین اوراق پر خون سے لکھے گئے۔ جنگ ختم ہونے سے پیشتر ہی افواہیں پھیل گئی تھیں کہ نازیوں نے موت و ہلاکت کے ان مرکزوں میں ناقابل بیان مظالم توڑے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا یقین آیا۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ پہلی عالمی جنگ میں بھی اتحادیوں نے مبالغہ آمیز پروپیگنڈا کیا تھا اور اس قسم کی لغو داستانیں پھیلائی تھیں کہ جرمن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتے ہیں اور بچوں کو گرم تیل میں جوش دے کر قیصر کی جنگی مشین کے لیے چربی مہیا کرتے ہیں۔ لوگ دوبارہ بیوقوف بننے کے لیے تیار نہ تھے۔

پھر یکا یک نازیوں کی وحشت و بہیمیت کے متعلق ایسے دردناک واقعات روشنی میں آئے جن سے دنیا بھر میں غم وغصہ کی لہریں دوڑ گئیں۔ یہ پروپیگنڈا نہ تھا بلکہ شیطانی ظلم و جور جس سے

کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ کیمرہ اور فلم دونوں ان واقعات کی گواہی دے رہے تھے۔ رفتہ رفتہ سراسیمگی زدہ انسانیت پر آشکارا ہوا کہ ہٹلر اور نازیوں نے عمداً جنگی قیدیوں اور غیر مصافی لوگوں کے خلاف حیاتیاتی جنگ کے وسیع پروگرام کو منظم طریق پر لباس عمل پہنایا اور تاریخ میں انسانیت کے نہایت خوفناک قتل عام کا ارتکاب کیا۔ یہ تمام واقعات یقیناً قابل قبول نہ تھے مگر ان کی تردید نہیں ہو سکتی تھی۔ اس ظلم و جور کا مدعا یہ تھا کہ جن قوموں کو ہٹلر نے یورپ میں پست درجے پر رکھا تھا اور ثقافت کے لیے تباہ کن سمجھتا تھا انھیں کمزور کر دیا جائے یعنی یہودیوں، پولستانیوں، چیکوں، فرانسیسیوں اور روسیوں کو۔ اس طرح وہ سمجھتا تھا کہ آریائی اور نارڈک نسل کے نجیب الطرفین لوگوں کے لیے اقتدار کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے نازیوں کی استیصال کارگاہوں میں ایک کروڑ سے زیادہ آدمی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس بیدردانہ مہم کی سب سے بڑی ضرب یورپ کے یہودیوں پر لگی۔ یورپ کے جن حصوں پر نازیوں کو اقتدار حاصل تھا ان میں چھیانوے لاکھ یہودی رہتے تھے۔ ان میں سے کم از کم ستاون لاکھ ناپید ہو گئے۔ ان میں سے اکثر کو گیس کے ذریعے سے مارا گیا۔ گیس کے ذریعے سے مارنے کے علاوہ اور طریقے بھی استعمال کیے گئے مثلاً گولی، پھانسی، بھوک، تپے ہوئے لوہے سے داغ دینا، جوڑ جوڑ الگ کرنا، زندہ دفن کر دینا، زہر آلود ٹیکے لگا دینا، تجربات جراحی کے سلسلے میں مار دینا، پانی میں منجمد کر دینا۔

اتحادی فوجیں تیزی سے جرمنی کے اندر بڑھیں تو یہ پوری داستان روشنی میں آ گئی کیوں کہ ایسے تمام مرکز یکے بعد دیگرے آزاد کرا لیے گئے جو فوجیں مدت سے جنگ کی عادی چلی آتی تھیں انھیں موت کے نظارے اور اس کے قرب سے کیا ہراس ہو سکتا تھا؟ لیکن ان پر بھی ان مرکزوں کے مناظر دیکھ کر سخت بیزاری چھا گئی۔ وہ سب کچھ دیکھتے تھے مگر انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا۔ ہزاروں جسم لکڑی کے شہتیروں کی طرح ایک دوسرے پر ڈھیر کیے پڑے تھے۔ بعض گڑھوں میں پھینک دیے گئے تھے بعض خندقوں میں۔ بعض ایسے لوگ مختلف حجروں سے نکلے جنھیں ہڈیوں کے چلتے پھرتے ڈھانچے کہنا چاہیے کیوں کہ ان کے جسموں پر ذرا سا بھی گوشت نہ رہا تھا۔ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے اس پر یقین نہ آتا تھا۔ ان کے دل و دماغ بھوک اور بیماری نے شل کر دیے

تھے،قوی دل آدمی بھی بدنصیبوں کے اس بدحال ہجوم عظیم کا حال دیکھ کر بے اختیار رو پڑے۔

جنرل آئزن ہاور نے پہلے پہل یہ دردناک نظارہ گوتھا کے قریب ایک مرکز میں دیکھا۔اس نے بتایا کہ زندگی بھر مجھے ایسا صدمہ کبھی کسی واقعے سے نہیں پہنچا۔اس نے مرکز کا گوشہ گوشہ دیکھا تاکہ ضرورت پیش آنے پر وہ خود حقیقی حالات بتا سکے اور نازی وحشت کی ان سچی کہانیوں کو پروپیگنڈہ قرار دینے کا موقع نہ آنے پائے۔اسی شام کو آئزن ہاور نے امریکا اور انگلستان کی حکومتوں سے کہہ دیا کہ جلد سے جلد ایڈیٹروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھیج دیا جائے تاکہ وہ قطعی شہادت خود ملاحظہ کرلیں اور کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہ رہے۔

آگے چل کر نورمبرگ کے استغاثے میں ان تمام جرائم کی وسعت ثابت ہوئی مثلاً:

1- گولیوں کے ذریعے سے قتل عام کیا گیا۔اس اثنا میں نظر بند اسیروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ساز بجائیں اور گانا سنائیں۔

2- مرکزوں میں جو افسر اور محافظ مقرر تھے وہ انسانی کھوپڑیوں کو دھوپ میں خشک کر لیتے تاکہ نشانیوں کے طور پر انھیں محفوظ رکھ سکیں۔قیدیوں کی جلد سے انھوں نے لیمپوں کے شیڈ، دستی بیگ اور دستانے بنائے۔

3- جو قیدی زندہ تھے انھیں بھی بلاامتیاز مردوں کی گاڑیوں میں بھر دیا گیا تاکہ لاشوں کے ساتھ جلا دیا جائے۔

4- مردوں کے جسم حجاموں کے پاس بھیج دیے گئے تاکہ وہ بال اور دانت الگ کرلیں اور جلانے سے پیشتر انھوں نے سونا نکال لیا۔

5- جن قیدیوں نے کوئی راز بتانے سے انکار کر دیا انھیں ایسی کوٹھڑیوں میں رکھا جن کے اندر اسبستوس لگی ہوئی تھی۔وہ سخت گرم کر دی جاتی اور قیدی اسی میں مر جاتا۔

6- بچے بھی جرمنوں کے اس دوزخ سے محفوظ نہ رہ سکے۔

اذیت رسانی کا یہ سلسلہ طبی تجربات میں کمال پر پہنچا۔قیدیوں کے جوڑ جوڑ اسی طرح الگ کیے جاتے، جس طرح امریکا میں امریکی چوہوں کے جوڑ الگ کر لیے جاتے ہیں۔ان پر نئے زہروں اور تریاقوں کا تجربہ کیا جاتا۔تقریباً دو سو جرمن ڈاکٹر ان تجربات میں شریک تھے۔وہ

ایک کا بازو الگ کر کے دوسرے کو لگانے کا تجربہ کرتے۔ گیس کا ٹیکہ لگا کر جلد سے جلد مار دیتے۔ منجمد پانی میں انسان کو ٹھہرائے رکھتے تا کہ اس کے اثرات کا اندازہ ہو جائے۔ لوگوں کو خاص جگہ بٹھا کر ستر ہزار فٹ کی بلندی پر دباؤ کا اندازہ کیا جاتا۔ پسے ہوئے شیشے، گندے چیتھڑے اور گرد و غبار زخموں میں بھر دیے جاتے تا کہ میدان جنگ کے سے حالات پیدا کر کے تجربات کیے جائیں۔ جو قیدی رضا کارانہ اپنے آپ کو ان تجربات کے لیے پیش کر دیتے انھیں اچھی غذا دی جاتی اور اچھے مکان میں رکھا جاتا۔ اس نظام نو کے تحت سب کچھ سائنس کے نام پر کیا جاتا۔

بدترین مرگھٹ بوشن والڈ میں تھا جو ویمر سے چار میل باہر تھا۔ یہ جرمن ثقافت کا مشہور مرکز تھا اور اس کے ساتھ بیش بہا ادبی روایات وابستہ تھیں۔ یہاں بہترین ادبی شخصیتوں گوئٹے، شلر، دے لینڈ اور دوسروں...... نے زندگیاں گزاریں...... 10 اپریل 1945ء کو بوشن والڈ پر 80 ویں امریکی ڈویژن نے حملہ کیا اور اسے آزاد کرایا۔ وہاں امریکیوں کو ایک ایسا ادارہ ملا، جس کی حیثیت مستقل معلوم ہوتی تھی۔ ایک چھوٹا سا کیمپ تھا جس میں قیدی پہنچتے۔ انھیں باقاعدہ بارکوں میں رکھا جاتا۔ ایک ہسپتال تھا، ایک امریکی تجربہ گاہ تھی۔ ایک جگہ جسموں کو ختم کرنے کا کارخانہ تھا۔ ایک کارخانہ اسلحہ کا بھی تھا۔ اس آخری کارخانے میں کلدار توپیں، چھوٹے چھوٹے اسلحہ اور گولہ بارود بنتے تھے۔ یہ چوبیس گھنٹے کام کرتا رہتا۔ بارہ بارہ گھنٹے کے بعد قیدی باری باری یہاں مزدوری کرتے۔

کانگرس کی ایک تحقیقاتی کمیٹی نے بوشن والڈ کے حالت کے متعلق یوں رپورٹ پیش کی:

> "اس چھوٹے سے مرکز میں ایک ایک کمرے کے اندر سولہ سولہ قیدی رکھے جاتے۔ اگر نظم کی ذرا بھی خلاف ورزی ہوتی یا بچ نکلنے کی کوشش کی جاتی تو عموماً سولہ آدمیوں کو موت کی سزا دے دی جاتی۔ عمارت کے عقب میں جنگلا تھا۔ سولہ کے سولہ قیدیوں کو پیدل اس جنگلے کے اندر ایک چھوٹے سے دروازے کے پاس لے جاتے۔ اس کے قریب ہی وہ عمارت تھی جس میں جسموں کو بھسم کر کے راکھ بنا دیا جاتا......
>
> قیدیوں کو تیزی سے دھکیل کر لے جاتے تو وہ تیرہ فٹ نیچے سیمنٹ کے فرش

پر جا گرتے۔ یہیں گلا گھونٹنے کا کمرہ تھا۔ گرتے ہی دہرا پھندا ان کے گلے میں ڈال دیا جاتا اور دیواروں کے ساتھ فرش سے تقریباً ساڑھے چھ فٹ کی بلندی پر پھندے لگے ہوئے تھے۔ اس جگہ پینتالیس یا پچاس پھندے نصب ہوں گے۔"

اس مرکز کی آزادی کے چھ روز بعد ویمر کے جرمن شہریوں میں سے بارہ سو آدمیوں کو بوشن والڈ کے مرکز کا معائنہ کرایا گیا تا کہ وہ خود دیکھ لیں، وحشت و بہیمیت کے واقعات اتحادیوں کے تخیل کی پیداوار نہ تھے۔ انھوں نے سب کچھ دیکھا...... پھانسیاں، اذیت کے کمرے، جوڑ جوڑ الگ کرنے کے کمرے، لاشیں جلانے کا کمرہ۔ وہاں بہت سی چیزیں جمع تھیں مثلاً انسانی چمڑا، انسانی کھوپڑیاں، بوڑھے اور قریب الموت آدمی اور آس پاس ہزاروں آزاد شدہ غلام چپ چاپ انھیں تک رہے تھے۔

"نیویارک ٹائمز" کے نمائندے نے ان کا ردعمل یہ بتایا:

"آج جرمنوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ رو پڑے جن کی آنکھوں سے آنسو نہ بہے وہ شرم کے مارے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انھوں نے کہا، ہمیں ان چیزوں کا علم قطعاً نہ تھا......

بعض جرمن ابتدا میں متشکک پائے گئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ سب کچھ عارضی طور پر آراستہ کر لیا گیا ہے لیکن جلد ہی انھیں یقین آ گیا...... مردوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ عورتوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ یہ منظر ان کے نزدیک ناقابل دید تھا۔

1933ء سے نازی پروپیگنڈا ان کے دلوں میں اتار رہا تھا۔ اب پہلی مرتبہ ان کے سامنے روشنی نمودار ہوئی۔ اپنی آنکھوں سے انھوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کا یقین انھیں کوئی امریکی پروپیگنڈا نہیں دلا سکتا تھا۔ یہ سب کچھ خود ان کی حکومت کا کیا ہوا تھا۔

دوسرے روز فوج کے بعض آدمی آ گئے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے اور ضعف سے مر رہے تھے۔ لاشیں ارد گرد پڑی ہوئی

تھیں جو انحطاط کے مختلف مراحل میں تھیں اور ایک دوسرے کے اوپر دھری ہوئی تھیں...... لاشوں کی تعداد پینتیس ہزار کے قریب تھی یعنی زندوں سے زیادہ تھیں۔ زندوں کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی......"

دخا (نزد میونخ) غالباً بدترین مرکز مظالم تھا جہاں سے بتیس ہزار افراد 29 اپریل 1945ء کو رہا کیے گئے۔ یہاں قتل کا طریقہ واقعی شیطانی تھا۔ قیدیوں کو تولیے اور صابون دے دیے جاتے اور حکم مل جاتا کہ فوارے کے نیچے غسل کر لیں۔ وہ قطار باندھ کر غسل خانے سے باہر کھڑے ہوتے، پھر انھیں اندر جانے اور کپڑے اتارنے کے لیے کہہ دیا جاتا۔ اوپر سے فوارے کے ذریعے سے پانی چھوٹنے کی بجائے ہر طرف سے گیس نکلتی۔ وہ سب مر جاتے۔ پھر پچھلے دروازے سے ان کی لاشیں نکال کر اس عمارت میں بھیج دی جاتیں جہاں جسم بھسم کیے جاتے تھے۔ وہاں پانچ بھٹیاں مصروف کار تھیں۔ ان میں سے ایک ایک میں کئی کئی جسم رکھے جاتے۔ نازیوں کے دوسرے کاموں کی طرح یہ مرگھٹ بھی مستعدی کا ایک نمونہ تھا۔

اس قتل عام کے لیے پولستان کے ایک وکیل اور ادیب ڈاکٹر لیمکن نے ایک نیا لفظ ایجاد کیا یعنی جینوسائیڈ جس کا ترجمہ ہے نسل کشی۔ ڈاکٹر لیمکن نے "میری جدوجہد" میں خود ہٹلر کے الفاظ کی طرف توجہ دلائی یعنی سب سے بڑی روح کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے اگر اس کے حامل کو ربڑ کے ڈنڈے سے مارا جائے۔

روز ویلٹ کی وفات

فرینکلن ڈیلانو روز ویلٹ امریکا کا بتیسواں صدر تھا۔ مقاصد اقوام متحدہ کا وہ ایسا لیڈر تھا جس پر جنگی مساعی کا مرکزی انحصار تھا اور اسی کو فتح وظفر کا معمار سمجھا جاتا تھا۔ افسوس کہ وہ آخری فتح کے یوم کا طلوع نہ دیکھ سکا۔ 63 سالہ صدر کی صحت مہینوں سے گر رہی تھی جو لوگ اس سے ملنے جاتے وہ اس کے چہرے کی زردی نمایاں طور پر محسوس کرتے اور عوام میں قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں کہ یا تو صدر کی جسمانی صحت نازک حالت میں ہے یا اس پر عمل جراحی ہونے والا ہے۔ صدارت کا چوتھا دور شروع ہونے سے تین مہینے بعد روز ویلٹ لٹل وائٹ ہاؤس (وارم

سرنکس جارجیا) چلا گیا جو پائن مونٹین کے اوپر واقع تھا۔ اسے آرام کی سخت ضرورت تھی۔ 12 اپریل 1945ء کو روز ویلٹ اطمینان سے کمرے کی انگیٹھی کے سامنے بیٹھا تھا اور پاس ہی ایک مصور اس کی تصویر کا خاکہ تیار کر رہا تھا۔ اچانک صدر کی زبان سے نکلا:

''میرے سر میں شدید درد ہے''

یہ اس کے آخری الفاظ تھے۔ چند منٹ کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔ دو گھنٹے بعد دماغ کی رگ پھٹ جانے کے باعث اس نے وفات پائی۔ ریڈیو اور بلیٹینوں کے ذریعے سے روز ویلٹ کی خبر وفات دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔ لاکھوں، کروڑوں انسان غم و اندوہ میں ڈوب گئے۔ مرد و زن پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ شروڈ نے کہا:

''ذمہ داری کی گرانباری نے اسے کچل ڈالا۔ وہ زیادہ دیر تک اس بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔''

روز ویلٹ نے امریکیوں کے دل موہ لیے تھے۔ وہ اس کی گرمجوشی سے آگاہ تھے اور اس کی بے تکلف گفتگوؤں کے باعث ہر کنبہ اسے اپنا آدمی سمجھتا تھا۔ اس کی ہنس مکھ شخصیت، بے پناہ حوصلہ مندی اور حالات سے بالاتر پرواز اہل امریکہ کے لیے سحر انگیز تھی۔ اس نے بڑی مردانگی سے بیماری کے خلاف جنگ کی۔ اس نے حوصلہ نہ ہارا اور مردانہ وار اس کا مقابلہ کرتا رہا۔

1933ء سے 1945ء تک وہ پہلا امریکی صدر تھا جو تیسری، بعد ازاں چوتھی مرتبہ منتخب ہوا۔ دور امن میں وہ اپنی قوم کو تباہی خیز مالی کساد سے اٹھانے کے لیے جدوجہد کرتا رہا۔ اس نے کہا:

''ہمیں صرف ایک چیز سے ڈرنا چاہیے اور وہ خود ڈر ہے۔''

بڑے استقلال کے ساتھ اس نے امریکیوں کو تحیر سے نجات دلائی اور وہ اس قابل ہوئے کہ شر کا مقابلہ کریں انھیں اور اسے تباہ کر ڈالیں۔ وہی تھا جس نے وسیع پیمانے پر اسلحہ کی تیاری کا پروگرام بنایا اور محوریوں کے خلاف فتح کا منصوبہ مکمل کیا۔

یقیناً روز ویلٹ کے مخالفین بھی موجود تھے۔ بعض اسے خطرناک سمجھتے تھے اور کہتے تھے:

''وہ ڈکٹیٹر شپ چاہتا ہے''

بہت سے دولت مند، جن کے املاک روز ویلٹ نے 1933ء میں فوری اقدام کے ذریعے سے بچا لیے تھے اس کے مخالف بن گئے اور کہنے لگے:

''وہ اپنے طبقے کا غدار ہے''

اور اس امر پر سخت ناراض تھے کہ امیر طبقے کا یہ آدمی ان لوگوں میں زیادہ دلچسپی لے رہا ہے جن کے پاس اچھا لباس، اچھا گھر اور اچھا کھانے پینے کا سامان نہیں۔ چند ہی امریکی صدر ہوں گے...... غالباً واشنگٹن اور لنکن کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد...... جن کے خلاف اس کثرت سے اور اس شدت سے سب و شتم ہوا۔ یقیناً وہ نقائص سے پاک نہ تھا اور بعض اوقات ضد اختیار کر لیتا تھا۔ بعض اوقات انتقام گیر بھی بن جاتا۔ بہر حال وہ انسان تھا۔

صدر کے لیے دنیا بھر میں دعائیں مانگی گئیں۔ پیرس کے گرجے نوتر وام میں دعاؤں کا خاص اہتمام ہوا۔ اس میں ڈیگال نے بھی شرکت کی۔ پیرس کے یہودیوں نے بھی اپنے ہیکل میں دعا مانگی۔ وہاں دعا کے لیے کئی اجتماع اس بڑے امریکی کی یاد میں منعقد کیے گئے جس نے یہودیوں کو ہٹلر کے قبضے سے چھڑایا تھا۔

ہیری ٹرومین روز ویلٹ کی جگہ صدر بن گیا۔ وہ مسوری کے علاقے میں جج رہا۔ امریکا کے سینٹ کا ممبر رہا اور نائب صدر ہوا۔ قوم کی خوش نصیبی تھی کہ اسے ایسا صدر ملا۔ اس نے جنگ ختم کی اور صلح کا نقشہ تیار کیا۔ وہ منکسر مزاج آدمی تھا۔ اس نے اخباروں کو بتایا:

''مجھے معلوم نہیں کہ آپ میں سے کسی پر خشک گھاس کا بوجھ یا کوئی سانڈ گرا ہے لیکن گزشتہ رات مجھ پر چاند اور ستاروں کا پورا بوجھ آ گرا۔ میری ذمہ داری بہت گراں ہے۔ مہربانی فرما کر میرے لیے دعا کیجیے۔''

بیس منٹ کی مختصر سی تقریر میں ٹرومین نے اپنا لائحہ عمل پیش کر دیا۔ محوریوں کو غیر مشروط حوالگی کے سوا زیادہ سازگار شرطوں کی امید نہیں ہو سکتی تھی جس کا اعلان روز ویلٹ نے کاسابلانکا میں کر دیا تھا (1943ء)۔ یہی اعلان ٹرومین نے کیا۔ ساتھ ہی کہا:

''جنگی مجرموں کو سزا دی جائے گی۔ فوجی اور بحری اقدامات انھیں جرنیلوں اور امیر البحروں کے تابع رہیں گے جنھیں روز ویلٹ چن چکا تھا۔ ایک عالمی تنظیم

لازماً قائم ہوگی جو آئندہ جنگیں روکے گی اور دنیا کی بڑی بڑی قوموں کو واضح کر دینا چاہیے کہ تمام معاملات میں ان کا اصل منصب خدمت ہے، نہ کہ اقتدار۔"

نقلی سیزر کا مکروہ انجام

مسولینی مطلق العنان ڈکٹیٹروں میں سے پہلا شخص تھا جو برسر اقتدار آیا اور سب سے پہلے اسی کے ہاتھ سے اقتدار چھنا۔ وہ جس طرح مرا، اس کے متعلق نیو یارک ٹائمز کے نامہ نگار کے یہ الفاظ بالکل موزوں ہیں کہ استبداد کا یہ ایسا خوفناک انجام تھا کہ شاید ہی کسی مستبد کو اس سے سابقہ پڑا ہو۔ 25 اپریل 1945ء کو اتحادی فوجیں میلان پر بڑھ رہی تھیں۔ مسولینی اپنی نوجوان داشتہ کلارا پیٹاچی اور کوئی ایک درجن آخری ساتھیوں کے ہمراہ ایک قافلے کی شکل میں شمالی جانب جا رہا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ بچ کر سوئٹزرلینڈ پہنچ جائے۔ اس نے اپنے ساتھ بے شمار سونا لے لیا تھا۔ مسولینی اس وقت تک جرمنوں کی حفاظت میں تھا۔ اس کی حیثیت بالکل گر چکی تھی۔ جب جنگ میں شامل ہوا تو ایک سلطنت کا حصول پیش نظر تھا۔ اس وقت اطالیوں سے کہتا تھا کہ میری باتوں کا یقین کرو۔ میری اطاعت کرتے رہو اور لڑو لیکن وہ دور گزر چکا تھا۔ اب سب و شتم کے سب کمالات فراموش ہو چکے تھے جن کے ذریعے سے فاشسٹ گروہ اس کی سحر انگیز فصاحت پر رقص کرتے تھے۔ اب لوگ اس سے متنفر تھے۔ وہ خود خوف سے کانپ رہا تھا اور ایک شکار کی طرح تھا جو پھندے میں پھنس گیا ہو۔ جس شخص کو چرچل نے ایک گیدڑ اور دھجیاں پہنے ہوئے ملازم قرار دیا تھا وہ منزل کے آخری سرے پر پہنچ چکا تھا۔ مسولینی کے لیے مکافات کا پیکر لیفٹیننٹ کرنل ولیرو وہ کمیونسٹ تھا۔ ابتدا میں دھاتوں کا کام کرتا تھا۔ وہ ایک مہم کا رئیس بن گیا تاکہ قومی آزادی کی شمالی اطالوی کمیٹی کے فرامین ان لوگوں پر بر موقع نافذ کرے جو اٹلی کی مصیبتوں کے ذمہ دار تھے۔ محض اتفاق سے مسولینی اور اس کی داشتہ ولیریو اور اس کے ساتھیوں کی دسترس میں آگئے۔ یہ واقعہ جھیل کومو کے قصبے جیولانو ڈی میزیجر کے نزدیک ایک دیہاتی مکان میں پیش آیا۔ پیٹاچی نے سفید کوٹ پہن رکھا تھا اور وہ میز پر لیٹی ہوئی تھی۔ مسولینی کمرے میں پھر رہا تھا۔ اس نے بادامی برساتی پہنی

ہوئی تھی۔ جمہوری گارڈ کی ٹوپی سر پر تھی اور پاؤں میں سیاہ بوٹ تھے۔ مسولینی نے استفسار پر غصے کا اظہار کیا۔ ولیریو نے بڑی متانت سے کہا:

''میں آپ کو آزاد کرانے آیا ہوں۔''

دونوں قیدی کمرے سے باہر نکال لیے گئے۔ یکا یک مسولینی کو احساس ہوا کہ یہ لوگ دوست نہیں۔ ساتھ ہی اس نے ایک بہت بڑی رشوت پیش کر دی جسے تاریخ جرائم میں ایک یگانہ واقعہ سمجھنا چاہیے۔ اس نے کہا:

''مجھے جانے دو، میں تمہیں ایک سلطنت دے دوں گا۔''

ولیریو نے کچھ جواب نہ دیا اور دونوں قیدیوں کو موٹر میں سوار کرالیا۔ پھر اس عذر کی بنا پر موٹر ٹھہرائی کہ میں نے کوئی آواز سنی ہے۔ ولیریو خود موٹر سے باہر نکل آیا۔ مسولینی اور پیٹاخی سے کہا کہ تم دونوں بھی فوراً باہر آ جاؤ اور سامنے کی دیوار کے کونے میں جا ٹھہرو۔ پیٹاخی نے زور سے چیختے ہوئے کہا:

''تم یہ نہیں کر سکتے''

ولیریو نے اپنے پستول کی گولیاں مسولینی اور اس کی داشتہ پر یہ کہتے ہوئے خالی کر دیں کہ

''میں باشندگان اٹلی کی خواہش پوری کر رہا ہوں''۔

ان دونوں، نیز ایک درجن دوسرے فاشسٹوں کی لاشیں میلان لائی گئیں تاکہ پیازلوریٹو میں ان کی نمائش کی جائے۔ یہ ایک بہت بڑا کھلا چوک ہے جہاں پندرہ اطالوی محبان وطن کو گزشتہ سال فاشسٹوں نے سزائے موت دی تھی۔ وہاں مسولینی اور دوسرے لوگوں کی لاشیں خون اور کیچڑ میں لتھڑی ہوئی پھینک دی گئیں۔ ان پر ضربیں لگائی گئیں، ٹھوکریں ماری گئیں، پامال کیا گیا اور ان پر تھوکا گیا۔ بہت بڑا ہجوم جمع ہو گیا۔ ایک پاگل سی عورت نے پستول کی پانچ گولیاں مسولینی کی لاش میں داغ دیں، ساتھ ہی کہا:

''یہ پانچ گولیاں میرے پانچ مقتول بیٹوں کے لیے ہیں''

تذلیل یہاں ختم نہ ہوئی۔ جہاں لاشیں پڑی تھیں اس سے چند گز کے فاصلے پر ایک سابقہ پٹرول پمپ کا فولادی گرڈر موجود تھا۔ لاشوں کے پاؤں کو تار باندھ کر اس گرڈر سے لٹکا دیا گیا اور

ان کے نام لکھ کر ہر لاش پر چسپاں کر دیے گئے۔ پھر لاشوں کو کاٹ کر ان گھڑ تابوتوں میں رکھ دیا گیا۔ مسولینی کے تابوت کا نصف بالائی حصہ کھلا تھا جس سے اس کا سر اور سینہ نمایاں تھے کیوں کہ دونوں پر ضربوں کے نشان تھے۔ جن لوگوں نے اس کی لاش دیکھی تھی وہ کہتے ہیں کہ لاش بہت چھوٹی نظر آتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ موم کی ایک مکروہ گڑیا ہے۔

اس اثنا میں کیتھولک کلیسا کے ایک کارڈنیل کو لوگوں کی وحشت پر سخت رنج ہوا۔ اس نے التجا کی کہ بدسلوکی روک دی جائے۔ چنانچہ تمام لاشیں ایک کمہار کے کھیت میں پہنچائی گئیں، جہاں انھیں خفیہ خفیہ دفن کر دیا گیا کیوں کہ مظاہروں کا اندیشہ تھا لیکن لوگوں کو جلد قبر کا نشان مل گیا۔ وہ اس پر پتھر پھینکتے رہے اور تھوکتے رہے۔ تقریباً پچیس سال تک اطالوی لوگ اس ''برادے کے سیزر'' کی اٹھکیلیاں دیکھتے رہے جو بظاہر غلط وقت میں پیدا ہوا تھا۔ مسولینی نے آزادی محو کر دی تھی اور بدلے میں ایسے نعرے دیے جو کسی کام نہ آسکے تھے۔

37

جرمنی کا خاتمہ

(2)

برلن کی حالت نزع

ہٹلر برلن کو اپنی نازی عالمی سلطنت کا دارالحکومت بنانا چاہتا تھا۔ یہ شہر اب تک سیاسی اور نفسیاتی اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ جرمنی کی جو قوت باقی رہ گئی تھی اس کا آخری نشان تھا۔ مشرقی جانب سے برلن میں آنے والے راستوں پر بے شمار خندقیں حفاظت کے لیے کھودی گئی تھیں۔ شہر میں چوکیاں بن گئی تھیں۔ جابجا سرنگیں بچھا دی گئی تھیں اور پھندے لگا دیے گئے تھے۔ ہر جگہ دیواروں پر گوئبلز کی اپیلیں سفید روغن سے لکھ دی گئی تھیں:

''ہر جرمن دارالحکومت کی حفاظت کرے گا''

''فتح یا سائبیریا''

''ہم ہرگز ہتھیار نہیں ڈالیں گے''

لیکن برلن پر نزع کی حالت طاری ہو چکی تھی۔ امریکی اور برطانوی فضائی قوت اور روسی توپوں نے اس کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ بڑے بڑے برطانوی اور امریکی بمبار طیارے شہر پر بم برساتے رہے اور کوئی ان کے مقابلے پر نہ آیا۔ بڑے بمباروں کے حملوں میں وقفہ ہوتا تو تیز رفتار طیارے شہر کی فضا میں گونجنے لگتے تاکہ لوگ تہ خانوں میں چھپے رہیں۔ اکثر مشہور عمارتیں تباہ ہو

چکی تھیں۔

روسی فوجیں مشرق، شمال مشرق اور جنوب مشرق سے شہر کے اندر پہنچیں۔ روس کی توپیں دارالحکومت کے قلب پر پے در پے گولے پھینک رہی تھیں۔ گیس کے مرکز تباہ ہوئے تو ان میں سے شعلے نکلنے لگے اور عمارتوں میں روشنی پھیل گئی۔ اہل برلن دہشت زدہ حالت میں انجام کے منتظر بن بیٹھے تھے۔ فضائی بموں اور توپوں کے گولوں سے بچنے کے لیے وہ تہ خانوں اور زمین دوز راستوں میں گھس گئے۔ خادمائیں گوداموں سے کھانے پینے کی چیزیں چرالاتیں۔ ڈاکٹر گوبلز نے آخری مرتبہ ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے اہل برلن سے اپیل کی کہ جنگ کرتے کرتے جانیں دے دو۔ نوجوان لڑکے اور ساٹھ ساٹھ ستر ستر سال کے بوڑھے ادھر ادھر سے پکڑ کر آخری جانبازی کے لیے جنگ میں دھکیل دیے گئے۔

اپریل 1945ء کے اواخر میں روسی فوجیں حوالی سے گزرتی ہوئی انٹر ڈن لنڈن کی طرف بڑھیں جو شہر کے وسط میں تھی۔ بھاری روسی ٹینک ملبے سے بھرے بازاروں میں سے گزرے اور مدافعت کے جو انتظامات کر رکھے تھے توڑ ڈالے۔ جانیں دے دینے والے جرمن دستے خفیہ مقامات سے یکا یک نکلے اور ٹینکوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے پاس پٹرول کی بھری ہوئی بوتلیں تھیں جو ٹینکوں پر پھینکیں۔ وہ ٹامی گنوں، رائفلوں اور پستولوں سے لڑتے رہے۔ جہاں جگہ ملتی وہاں پہنچ کر لڑتے جاتے لیکن روسی فوجوں کی لہریں بے پناہ طریق پر ایک ایک حصے اور ایک ایک بلاک کو فتح کرتی رہیں۔ یہ سٹالین گراڈ کا نقشہ تھا جو برلن پر الٹا دیا گیا تھا۔

2 مئی 1945ء کو برلن نے پہلی سفید روسی فوج اور پہلی یوکرائنی فوج کے سامنے رسماً ہتھیار ڈال دیے۔ آخری نظارہ نہایت دردناک تھا۔ یہ عظیم الشان شہر محض ایک خالی فشر رہ گیا تھا۔ بازاروں میں ملبے کے اتنے بڑے انبار لگ گئے تھے کہ گزرنا ممکن نہ تھا۔ میلوں تک بڑی بڑی عمارتوں کے ڈھانچے بنیادوں پر کھڑے لرز رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ فطرت کے ایک بہت بڑے تازیانے نے خود اس دارالحکومت پر ضربیں لگائیں۔ کھنڈروں پر مردہ آدمی اور بازاروں میں مردہ حیوان پڑے تھے جن کی بدبو سے فضا زہر آلود ہو رہی تھی جو لوگ زندہ رہ گئے تھے ان کے نزدیک زندگی محض آہستہ آہستہ بے خیالی سے حرکت کرنے کا نام تھا۔

جولوگ واقعات ہو چکنے کے بعد بصیرت کے کرشمے دکھاتے ہیں وہ جنرل آئزن ہاور پر نقطہ چینی کر رہے تھے مثلاً اس نے کیوں روسیوں کو اجازت دی کہ برلن پر قبضہ کرلیں؟ برطانوی مبصر بھی خصوصیت سے کمانداراعلیٰ کو ایک احمقانہ غلطی کا ملزم ٹھہرا رہے تھے کہ اس نے دریائے رہائن کو عبور کر لینے کے بعد فوجوں کا رخ شمال میں برلن کی طرف نہ پھیرا بلکہ وہ سیدھی آگے بڑھتی گئیں۔ اس الزام کو امریکیوں کی جنگجوئی قرار دے کر خفگی کا اظہار کیا جارہا تھا کہ سلطنت برطانیہ روسیوں سے پیشتر فوجیں برلن پہنچانے کی خواہاں تھی۔ انھوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ اگر مغربی اتحادی روسیوں سے پہلے پہنچ جاتے تو برلن بہت جلد ہتھیار ڈال دیتا۔ اگر امریکی اور انگریز دارالحکومت پر قبضہ کرلیتے تو روسیوں کے ساتھ بعد میں جو مشکلات پیش آئیں، ان کی نوبت نہ آتی۔

اس معاملے سیاسی اور فوجی دونوں پہلو تھے۔ اتحادی پہلے ہی روس کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ کر کے جرمنی کو دو حصوں میں تقسیم کر چکے تھے۔ جو علاقہ شمالاً جنوباً خط کھینچ کر امریکا اور برطانیہ کے حوالے کیا گیا تھا وہ لیوبک سے جنوب میں ایسناخ ہوتا ہوا آسٹروی سرحد پر جاتا تھا۔ اس میں برلن کو باہر رکھا گیا تھا۔ صدر روز ویلٹ پر نقطہ چینی کی گئی تھی کہ اس نے جنگ کے آخری ہفتوں میں ایسے فیصلے آئزن ہاور پر چھوڑ دینے کی ناقابل یقین غلطی کی۔

اپریل کے پہلے ہفتے میں آئزن ہاور کو آخری شکست کے متعلق بدستور شبہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ غالباً جنگ موسم گرما میں جاری رہے گی۔ نظر آرہا تھا کہ جرمن اپنے قومی حصار میں منتقل ہو جانا چاہتے تھے جو جنوبی بویریا، مغربی آسٹریا اور شمالی اٹلی پر مشتمل تھا۔ وہاں وہ لامتناہی مدت تک مقابلے کی کوشش کر سکتے تھے۔ علاوہ بریں امریکی محکمۂ اطلاعات نے ایک خفیہ تنظیم کی خبر رکھی، جن میں لڑکے، لڑکیاں اور نوجوان شامل تھے۔ وہ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اطراف ملک میں دہشت پھیلائے رکھیں اور متصرفین کے لیے حالات اس درجہ مشکل بنادیں کہ وہ ملک چھوڑ جانے کو غنیمت سمجھیں۔ آئزن ہاور کے اندازے کے مطابق ایسے تمام منصوبوں کی روک تھام کا تقاضا یہی تھا کہ برلن کو نظرانداز کرتے ہوئے پورے ملک کو پامال کیا جاتا۔ اس سلسلے میں قومی حصار کے اندر داخل ہونے اور اسے تباہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ نوجوانوں کی فوج

بے وجود رہی۔امریکی بکتر بند دستوں کی تیز رفتاری نے چھاپہ مار جنگ کے تمام منصوبے ختم کر دیے۔جرمن فوجیں سب کی سب ہتھیار ڈالنے پر راضی ہو گئیں۔وہ چاہتی تھیں کہ روسیوں کے سوا ہر ایک کے روبرو ہتھیار ڈال دیں۔

یقیناً نقطہ چین شور مچاتے رہے لیکن اہم حقیقت یہ تھی کہ ہٹلر کا مجنونانہ ڈھانچا ایک ایک پتھر کر کے گرتا جا رہا تھا۔تیسری رائش کے آخری دور کی حیرت انگیز کہانی امریکا کے ایک ماہر دستاویزات ڈاکٹر وین برگ نے بتائی جس نے ایک کروڑ دس لاکھ اوراق کی فلمیں لیں۔یہ نازی پارٹی اور فوجی ریکارڈوں کے اوراق تھے جو امریکی افواج کے ہاتھ لگے۔حیرت انگیز امر یہ ہے ان ریکارڈوں سے جرمنوں کی روایتی صلاحیت کی بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیسری رائش کے اندر سب کچھ ناقابل یقین دفتری حکومت کے سلسلے میں ضائع ہوتا رہا۔ایک دستاویز سے معلوم ہوا کہ اپریل 1945ء میں اتحادیوں کے ٹینک نازی پارٹی کے مرکزی دفتر کی ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں کے پاس سے گزر گئے اور فیوہرر کے وفادار 1945ء کے ربع ثالث کے لیے کاغذ کے کلپ تیار کر رہے تھے۔روایتی باقاعدگی کا پابند جرمنی مطلق العنانی کے دور میں افراتفری کی نذر ہو گیا تھا۔

ہٹلر کے آخری دن

آخری دنوں کے وحشیانہ جنون کا اندازہ ایڈولف ہٹلر کی خاص فوج کے اس واقعے سے ہوتا ہے۔یہ فوج نہایت منتخب وفادار نازیوں پر مشتمل تھی اور دریائے ڈینیوب کے بالائی حصے میں لڑ رہی تھی جہاں فیوہرر نے اسے بہت بڑے لشکر سے لڑنے کا حکم دے دیا تھا۔موسم خراب ہو گیا لیکن اس فوج کے نزدیک ہٹلر کا حکم ایک مقدس فرمان تھا۔یہ سیدھی بڑھی چلی گئی یہاں تک کہ برباد کن شکست کھائی اور سب لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے۔ہٹلر کو یہ خبر ملی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔اس نے حکم دے دیا کہ فوج کے جتنے آدمی زندہ ہیں ان کے بازوؤں سے نشان اتار لیے جائیں۔فوجی بھی سخت غصے میں آ گئے۔انھوں نے خود اپنے نشان پھاڑے،ٹین کے ایک ڈبے میں رکھ کر ہٹلر کے پاس بھیج دیے،ساتھ ہی اپنے مقتول ساتھیوں میں سے ایک کا بازو بھی کاٹ کر بھیج دیا جس پر نشان لگا ہوا تھا۔تیسری رائش کے آخری دنوں کی دیوانگی کا یہ نمونہ تھا۔

ہٹلر کی 56 ویں سالگرہ سے دس روز پیشتر (20 اپریل 1945ء) شکست پر شکست اور تباہی پر تباہی کی خبریں آئیں۔ آردنس کا جوابی حملہ مغرب میں جرمن فوجوں کا آخری سہارا تھا۔ یہ ناکام ہوگیا اور اتحادی فوجیں رہائن سے گزر آئیں۔ مشرق میں نازی ڈویژنوں کا اجتماع روسیوں کی پیش قدمی نہ روک سکا۔ تیسری رائش تقریباً دو حصوں میں بٹ گئی۔ صرف چھوٹا سا حلقہ باقی تھا جو امریکیوں کو روسیوں سے الگ کیے ہوئے تھا۔ امریکی دریائے ایلب کو عبور کر رہے تھے۔

بڑے بڑے نازیوں کو احساس ہوگیا کہ انجام قریب ہے۔ وہ روسیوں کے خوف سے لرز رہے تھے۔ لہٰذا ایک ایک کر کے برلن سے نکلے تا کہ پناہ گاہ کا انتظام کر لیں لیکن سوال یہ تھا کہ ہٹلر کیا کرے گا؟ کیا وہ افسانوی فریڈرک بار بروسا کی طرح کسی پہاڑی غار میں جا چھپے گا جہاں سے کسی وقت نکل کر جرمن قوم کو دشمنوں کے خلاف فتح دلائے گا؟ فیوہرر نے حصار بویریا میں چلے جانے کی تمام التجائیں ٹھکرا دیں اور برلن ہی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے کہا:

> ''میں اپنے خاص آدمیوں، عطائی ڈاکٹروں اور نجومیوں کے ساتھ یہیں جان دوں گا۔''

رائش چانسلری کی عمارت بہت وسیع تھی۔ وہ ہٹلر کی خود پسندی کی ایک یادگار تھی۔ ایک مقبرہ جو سنگ مرمر کی بڑی سلوں سے تیار کیا گیا تھا مگر اس میں نفاست کوئی نہ تھی۔ بے شمار دروازے تھے۔ شاندار جھاڑ فانوس تھے۔ اس پر بے شمار بم گرائے جا چکے تھے اور توپوں کے گولوں سے یہ تاریک ہوگئی تھی۔ اس کے نیچے زمین دوز کمروں کا ایک سلسلہ دوران جنگ میں بنا لیا گیا تھا۔ یہ اٹھارہ چھوٹے کمرے تھے۔ ان میں آسائش کی کوئی خاص جگہ نہ تھی۔ ہٹلرزم کے متعلق آخری ڈرامہ اسی مقام پر ہوا۔

یہاں ہٹلر اپنے آخری ساتھیوں کے ہمراہ ڈٹ گیا اور جنگی کارفرما کا کردار ادا کرتا رہا۔ روزانہ کانفرنسیں ہوتیں۔ بڑے بڑے نقشوں کا گہرا مطالعہ کیا جاتا۔ فوجی دستوں کے خلاف حکم جاری ہوتے۔ بے وجود فضائی فوج سے کہا جاتا کہ دشمن کو شدید سزا دی جائے۔ جب اسے غداری کی کوئی خبر ملتی تو غصے سے دیوانہ ہو جاتا۔ کبھی کبھی چیختا کہ اب مرنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔

جنگ نے ہٹلر کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔1942ء کے اوائل میں گوئبلز نے اس کے ضعف ونقاہت کے متعلق ایک دردناک کہانی نشر کی تھی اور کہا تھا کہ اٹلس کی طرح اس نے دنیا بھر کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔1943ء میں گوئبلز نے لکھا کہ ہٹلر جنگ کے ساڑھے تین سال میں اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کی عمر کے پندرہ سال گزر چکے ہیں۔

اپریل 1945ء میں اس کی دنیا کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ہٹلر اپنی سابقہ زندگی کا محض ایک سایہ رہ گیا تھا۔اس کا چہرہ اور ہاتھ اتنے زرد تھے کہ معلوم ہو رہا تھا خون حرکت ہی نہیں کرتا۔اطراف جسم میں رعشہ آگیا تھا۔وہ بائیں ٹانگ گھسیٹتے ہوئے چلتا تھا۔کمر جھک گئی تھی۔یا تو اسے وہ بیماری ہو گئی تھی جسے پارکنسن کی بیماری کہتے ہیں جو آہستہ آہستہ ترقی کر رہی تھی یا جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا وہ ہسٹریا کا شکار ہو گیا تھا۔نہ اسے ہوا میں پھرنا پسند تھا، نہ ورزش پسند تھی، نہ کچھ کھا سکتا تھا۔تین گھنٹے سے زیادہ نہ سوتا۔وہ اندھیرے میں رہنا پسند کرتا۔اپنے کمرے کی غیر صحت بخش فضا میں خوش رہتا مسلسل دوران سر اور درد شکم کی شکایت کرتا۔20 جولائی کو اس پر جو حملہ ہوا تھا اس نے جسمانی اعتبار سے بھی اسے سخت نقصان پہنچایا تھا۔نومبر 1944ء میں اس کے کان پر عمل جراحی ہوا تا کہ وہاں خون کا دباؤ کم ہو جائے۔

ہٹلر کو صرف پرانی غداریاں ہی یاد نہ تھیں بلکہ نئی غداریاں بھی پیدا کر لیں۔آخری دور میں وہ شکوہ کرتا رہتا تھا کہ ہر شخص نے مجھے دھوکہ دیا۔کسی نے حقیقت مجھ پر واضح نہ کی۔تاہم دشمنوں کی مخالفت کے لیے بدستور تیار تھا۔برابر کہتا:

> ''ہم کبھی ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔کبھی نہیں، بے شک ہم تباہ ہو سکتے ہیں۔اگر ہم تباہ ہوئے تو ایک دنیا کو ساتھ کھینچ لے جائیں گے اور دنیا شعلوں کی جولاں گاہ ہوگی۔''

البرٹ سپئیر اسلحہ کا وزیر تھا۔اس سے ہٹلر نے کہا:

> ''اگر ہم جنگ ہار گئے تو قوم بھی تباہ ہو جائے گی......اس کے بعد بالکل ابتدائی دور کی زندگی کی بھی ضرورت نہ رہے گی بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ ہر چیز تباہ کر دی جائے اور ہم بھی تباہ ہو جائیں۔قوم کمزور ثابت ہوئی اور مستقبل مشرق کی قوی اور

زبردست قوموں سے تعلق رکھتا ہے، نیز جنگ کے بعد جولوگ باقی رہ جائیں گے وہ کسی کام کے نہ ہوں گے کیوں کہ اچھے لوگ مر چکے ہوں گے۔"

19 اپریل کو ہٹلر کی سالگرہ میں صرف ایک دن باقی تھا۔ گوئبلز نے تقریر نشر کرتے ہوئے جرمنوں کو آگاہ کیا:

"ہم ایک خوفناک المیے کا آخری منظر دیکھ رہے ہیں۔ فیصلہ بہت قریب ہے۔ ہمیں اپنی خوش نصیبی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

ہٹلر کو بھی سالگرہ کی خوشیوں میں کسی قدر بھروسہ ہو گیا۔ اس نے کہا:

"ہم اب وہ جنگ شروع کر رہے ہیں جیسی خوفناک جنگ ہم نے برسراقتدار آنے کے وقت کی تھی۔"

دوسرے روز اس نے ایک اور آخری حملے کا حکم دے دیا۔

جنگی لیڈروں سے ہٹلر کی آخری کانفرنس 22 اپریل 1945ء کو ہوئی۔ وہ ایک دم غصے میں آگیا۔ پکار پکار کر کہا:

"مجھے سب چھوڑ گئے۔ ناکامی، رشوت، جھوٹ اور غداری نے ہمیں تباہ کیا۔"

اس نے فوج اور لیڈروں کی بھی مذمت کی، کہا:

"پوری فضائی فوج کو پھانسی دے دینا چاہیے۔ ہر چیز ختم ہو گئی۔ تیسری رائیش ناکام رہی میرے لیے اپنی جان لے لینے کے سوا کوئی کام نہیں، میں جنوبی جانب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ برلن ہی میں رہوں گا اور یہیں جان دوں گا۔"

اگلے روز گوئرنگ کی طرف سے ایک برقی پیغام آیا جو درج ذیل ہے:

"میرے فیوہرر! آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ برلن کے حصار میں ٹھہرے رہیں گے۔ کیا اس فیصلے کے پیش نظر آپ منظور فرماتے ہیں کہ میں پوری رائیش کی قیادت فوراً سنبھال لوں اور آپ کے نائب کی حیثیت سے مجھے ملک کے اندر اور باہر کام کی پوری آزادی ہو۔ یہ سب کچھ آپ کے فرمان مورخہ 29 جون 1941ء کے مطابق ہوگا۔ اگر آج رات کے دس بجے تک کوئی جواب نہ آیا تو میں سمجھ لوں گا

کہ آپ عمل میں آزاد نہیں رہے۔ساتھ ہی سمجھ لوں گا کہ آپ کے فرمان کی شرط پوری ہوگئی۔لہٰذا اپنے ملک اور قوم کے بہترین مفاد کے مطابق عمل پیرا ہو جاؤں گا۔آپ جانتے ہیں کہ میری زندگی کی اس نہایت نازک ساعت میں میرے احساسات کیا ہیں۔الفاظ میری مساعدت نہیں کرتے۔دعا ہے خدا آپ کا محافظ ہو اور جلد سے جلد آپ کی امداد کرے۔''

آپ کا وفادار

ہرمن گوئرنگ

اس پر ہٹلر کا غصہ بھڑک اٹھا۔یہ آتش غیظ کی آخری لپٹ تھی۔اس نے کہا:

''یہ غدار، یہ ملعون افیونی، یہ سور اور کتا، یہ پھر پیٹھ میں چھرا گھونپ رہا ہے۔''

اس نے تار کے ذریعے سے جواب دیا:

''گوئرنگ، فیوہرر اور نیشنل سوشلزم سے غداری کا مجرم ہے۔اس کی سزا موت ہے لیکن سابقہ خدمات کی بدولت اس انتہائی سزا سے معافی دی جاتی ہے۔مگر اسے اپنے تمام عہدے فوراً چھوڑ دینے چاہئیں۔''

باہر روسی، چانسلری کے قریب پہنچ رہے تھے۔توپوں کے گولے عمارت کے صحن میں گر رہے تھے۔29 اپریل کو اسے (ہٹلر کو) یقین ہوگیا کہ انجام نزدیک ہے۔چنانچہ اس نے دو دستاویزیں لکھوائیں۔ایک اس کی ذاتی وصیت تھی ایک سیاسی وصیت۔ذاتی وصیت نامے کے مطابق اس نے اپنی ہر چیز پارٹی کے حوالے کردی۔اگر پارٹی نہ رہے تو سب کچھ مملکت کے پاس جائے۔مملکت بھی برباد ہوجائے تو کہا کہ میری طرف سے کسی فیصلے کی ضرورت نہیں۔اس کی باقیات میں تصویروں کا ایک مجموعہ تھا جو اپنے وطن لنز میں جمع کیا تھا۔وصیت نامے پر عمل کرانے کے لیے اس نے بورمین کو مقرر کیا اور اسے پارٹی کا نہایت وفادار ساتھی قرار دیا۔ساتھ ہی لکھا:

''میں نے اور میری بیوی نے معزولی اور خوانگی کی ذلت سے بچنے کے لیے مرجانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

ہٹلر ایک آخری سیاسی قیاس آرائی اور ہنگامہ خیزی سے باز نہ رہ سکا۔ اس نے ایک سیاسی وصیت نامہ تیار کیا جس کے دو حصے تھے۔ اس نے کہا:

''تیس سال سے قوم کی محبت اس سے وفاداری کے لیے میری محرک رہی اور میں نے وہ حد درجہ مشکل فیصلے کیے جن سے فانی انسانوں کو بہت کم سابقہ پڑا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ 1939ء میں میں جنگ کا خواہاں تھا۔ یہ جنگ صرف ان بین الاقوامی مدبروں کی خواہش اور انگیخت کی بنا پر ہوئی جو یا تو یہودی الاصل تھے یا یہودیوں کے مفاد کے لیے کام کر رہے تھے۔ میں برلن کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ میں خوشی سے جان دے رہا ہوں۔ مجھے ان غیر معمولی اور بے اندازہ کارناموں سے پوری آگاہی ہے جو ہمارے سپاہیوں نے میدان ہائے جنگ میں، ہماری عورتوں نے گھروں کے اندر، ہمارے کسانوں نے کھیتوں میں، ہمارے کارکنوں نے مختلف مقامات کار پر انجام دیے بلکہ ان نوجوانوں کے کارناموں کا بھی علم ہے جو میرے نام سے موسوم ہیں۔ یہ سب چیزیں تاریخ میں یگانہ حیثیت کی حامل ہیں۔''

اس وصیت نامے کے دوسرے حصے کے مطابق ہٹلر نے گوئرنگ اور ہملر کو پارٹی سے خارج کر کے تمام حقوق سے محروم کر دیا۔ اپنا سیاسی جانشین ان نازی ٹھگوں میں سے کسی کو مقرر نہ کیا بلکہ ایک متکبر پروشیائی امیر البحر کارل ڈورنٹز کو مقرر کیا جو بیس دن کے لیے رائیش کا صدر اور مسلح افواج کا کماندار اعلیٰ رہا۔ اس نے بورمین، گوئبلز اور دوسروں سے جو اس کے ساتھ جانیں دے دینے پر آمادہ تھے درخواست کی کہ اپنے احساسات پر قوم کے مفاد کو ترجیح دیں اور بچ کر نکل جائیں تاکہ ایک نیشنل سوشل مملکت تعمیر کرنے میں مدد دے سکیں۔ آخر میں کہا:

''میں سب سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیڈروں اور ان کے ساتھیوں کو ذمہ دار ٹھہراتا ہوں کہ وہ نسلی قوانین کی پابندی پوری طرح کریں اور بین الاقوامی یہودیت کی بے پناہ مخالفت جاری رکھیں جو روئے زمین کی تمام قوموں میں زہر پھیلانے کی ذمہ دار ہیں۔''

گوئبلز دونوں وصیت ناموں پر گواہ بن گیا۔ اس نے لکھا:

''میں زندگی میں پہلی مرتبہ فیوہرر کا حکم ماننے سے انکار کرتا ہوں...... علاوہ بریں انسانیت اور وفاداری کے احساسات ہمیں اس موقع پر فیوہرر کو ترک کر دینے سے باز رکھتے ہیں جو انتہائی ضرورت کی ساعت ہے۔ اگر میں زندہ بچ جاؤں تو عمر بھر اپنے آپ کو ایک ذلیل غدار اور ایک عام بدقماش سمجھتا رہوں گا...... میں اپنی زندگی فیوہرر کے قریب ختم کر دوں گا کیوں کہ اگر میں اسے فیوہرر کی خدمت میں صرف نہ کر سکا تو اس کی کوئی قدر و قیمت بھی نہ ہوگی۔''

زندگی کے آخری اوقات میں ہٹلر نے وہ قدم اٹھایا جس سے وہ جوانی کے عالم میں اعتراض کرتا رہا۔ وہ عورتوں سے خوفزدہ تھا بظاہر اس لیے کہ ممکن ہے عورتیں اس کے سیاسی عزائم میں مداخلت کریں لیکن ایوابران بارہ سال سے اس کی دوست تھی اس کی کیفیت بالکل مختلف تھی۔ وہ خاصی خوبصورت تھی لیکن کبھی اپنے آپ کو نمایاں نہ کیا۔ ہمیشہ ہٹلر کو خوش رکھنے کی لیے مضطرب رہی، خود اس سے کوئی چیز نہ لی۔ اس نے فیوہرر کے لیے خانہ داری کی ضرورت پوری کر دی، جس کی اسے شدید احتیاج تھی۔ ہٹلر اور ایوابران کے باہمی تعلقات ہمیشہ خفیہ رکھے گئے۔ ہٹلر کے دائرے کے صرف چند خاص آدمی ہی جانتے تھے کہ اسے ایوابران سے کتنی محبت ہے۔ 15 اپریل 1945ء کو ایوابران برلن پہنچی اور ہٹلر کے تہ خانے میں چلی گئی۔ ہٹلر نے اسے باہر بھیج دینے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ وہ ایوابران کی محبت سے سخت متاثر ہوا اور فیصلہ کر لیا کہ اسے وہ معزز درجہ دے دے جس کی وہ مدت سے خواہاں تھی اور ایسا کرنے سے اب کوئی خاس نقصان نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ اجازت بھی دے دی کہ ایوابران اس کے ساتھ ہی مر جائے۔

29 اپریل کو اس زمین دوز پاگل خانے یں ہٹلر نے ایوابران سے باقاعدہ شادی کر لی۔ باہر گولوں اور بموں کی کریہہ الصوت موسیقی جاری تھی۔ مختصر سی رسمی کارروائی ہوئی۔ ہٹلر اور ایوابران دونوں نے اعلان کیا کہ ہم خالص آریائی نسل سے ہیں اور ہر موروثی بیماری سے پاک ہیں۔ متعدد سالاروں اور سیکرٹریوں نے مبارکباد دی۔ ہٹلر اور ایوابران دونوں شادی کے بریک فاسٹ کے لیے اپنے کمرے چلے گئے پھر ہٹلر اپنا وصیت نامہ تیار کرتا رہا۔ 30 اپریل کو دوپہر کے

کھانے کے بعد ہٹلر نے اپنے محبوب ایشیائی کتے بلونڈی کو مار دیا۔ پھر ان راستوں کا چکر لگایا جو مختلف کمروں کے سامنے سے گزرتے تھے۔ چہرہ زرد تھا۔ اعضا کانپ رہے تھے، وہ چپ چاپ گزرتا گیا۔ ہر ایک سے مصافحہ کرتا رہا، پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سوا تین بجے گولی چلنے کی آواز آئی۔ دیکھا گیا کہ ہٹلر اپنے صوفے پر خون میں لت پت پڑا تھا۔ اس نے اپنے منہ میں بندوق رکھ کر چلا دی تھی۔ پاس ہی ایوا بران پڑی تھی اس نے زہر کھا لیا تھا۔ یوں نفرت کے اس ماتے نے وفات پائی، جس نے کوئی چیز پیدا نہ کی، کوئی مسئلہ حل نہ کیا اور تباہی اس قدر پھیلائی کہ تاریخ میں کوئی دوسرا آدمی اس کا ثانی نہیں۔ ہٹلر اور ایوا بران کی لاشیں چانسلری کے صحن میں جلائی گئیں۔ ان کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ ساتھ ہی افسانہ بافیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا:

''ہٹلر زندہ ہے اور تہ خانے میں خودکشی کی داستان سراسر افسانہ ہے''

کسی نے کہا:

''ہٹلر آبدوز یا طیارے میں سوار ہو کر بچ نکلا۔ وہ ارجنٹینا میں ہے یا بحرالکاہل کے کسی جزیرے میں یا قطب شمالی میں شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ ہٹلر برلن میں مرا۔ وہ یقیناً اس لیے مرا کہ تاریخ فیصلے کرے وہ اپنے تمام معاملات میں عظمت و شان کا حامل رہا۔ صرف ایک ناکامی سے سابقہ پڑا یعنی ان غداروں کو سزا نہ دے سکا جو جنگ ہار جانے کا باعث ہوئے۔ دیوانگی کے عروج میں اس نے ایک مرتبہ کہا:

''وقت آئے گا جب فاشزم اور نیشنل سوشلزم کے لیے بالاہتمام دعائیں مانگی جائیں گی۔''

اس کی نازی سلطنت میں سے کچھ باقی نہیں رہا، صرف ان رسمی جشنوں کی یاد باقی ہے جن میں لاکھوں سحر زدہ جرمن اپنے فیوہرر سے قبائلی مواخات کے رشتے تازہ کرتے تھے۔ تین کروڑ سے زائد انسان اس نفرت انگیز مستبد کے دعاوی کی خاطر قربان ہو گئے۔ ہٹلر کے مقابلے میں تاتاری فاتح چنگیز خان ایک حلیم اور فیاض مدبر معلوم ہوتا ہے۔

گوئبلز نے کچھ مدت تک اپنے آقا کی یاد میں انتظار کیا پھر اپنے چھ بچوں کو زہر دے دیا کیوں کہ وہ کسی ایسی دنیا میں انھیں زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا جہاں نیشنل

سوشلزم کا نظام جاری نہ ہو۔ پھر اس نے اور اس کی بیوی نے خودکشی کر لی۔ ان کے جسم پٹرول سے پوری طرح نہیں جلے تھے اور روسیوں نے ان پر قبضہ کر لیا۔ یورمین زندہ بچ نکلا لیکن اس کا نام پھر کبھی نہ سنا گیا۔ غدار گوئرنگ کی جگہ جنرل فان گریم فضائی فوج کا کماندار اعلیٰ بنا دیا گیا۔ وہ آخری طیارے میں برلن سے نکلا تا کہ ڈوئینٹز کے صدر مقام میں پہنچ جائے اور اسے آخری وقت تک دفاع جاری رکھنے کی ہدایت کرے۔ یکم مئی 1945ء کو ہیمبرگ کے ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ ہمارا فیوہرر ایڈولف ہٹلر بالشوزم کے خلاف آخری دم تک لڑتا ہوا آج بعد دوپہر اپنے مستقر رائش چانسلری میں جرمنی کے لیے قربان ہو گیا۔ پھر ڈوئینٹز نے تقریر کی:

''جرمنی کے مردو، عورتو، سپاہیو اور فوجیو! ہمار فیوہرر ایڈلف ہٹلر آج ختم ہو گیا۔ جرمن قوم انتہائی رنج و الم سے اپنا سر جھکاتی ہے...... فیوہرر نے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا۔ اپنی ذمہ داری کا کامل احساس رکھتے ہوئے میں اس نازک ساعت میں جرمن قوم کی قیادت سنبھالتا ہوں۔''

پھر رسمی باجا بجا اور غدار انگریز لارڈ ہاہا نے اس رسم کا اعادہ انگریزی میں کیا۔ اسی روز ڈوئینٹز نے یہ حکم نامہ جاری کیا:

''جرمنی کی مسلح فوجو! میرے رفیقو!

فیوہرر مر چکا ہے۔ اپنے نصب العین کی پابندی میں یورپ کی قوموں کو بالشوزم سے بچانے کے لیے اس نے اپنی جان دے دی اور بہادری کی موت قبول کی۔ وہ جرمنی کی تاریخ کا ایک بہت بڑا ہیرو تھا۔ ہم پر فخر احترام و قلق کے ساتھ اپنے پرچم سرنگوں کرتے ہیں۔''

ڈوئینٹز شکست کی تاریکی میں سیٹی بجا رہا تھا۔ اس نے نئی حکومت بنائی، کاؤنٹ فان کروسک جو پہلے وزیر مال رہ چکا تھا، نیا وزیر خارجہ بنا۔ ڈوئینٹز نے ربن ٹراپ کو نظر انداز کر دیا۔ امیر البحر فرائیڈبرگ کو جرمن بحریات کا کماندار اعلیٰ بنایا۔ 2 مئی 1945ء کو اس نے اپنا

مرکز پلون سے فلینز برگ میں منتقل کیا جو شلیس وگ کا ایک قدیم قصبہ تھا۔ ساتھ ہی امیر البحر فرائیڈ برگ کو فیلڈ مارشل منٹگمری کے پاس ایک درخواست دے کر بھیج دیا، جس میں مغربی جمہوریتوں کے سامنے ہتھیار ڈالے دینے کی تجویز تھی لیکن مشرقی محاذ پر جنگ جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ منٹگمری نے یہ درخواست فی الفور رد کر دی اور مطالبہ کیا کہ تمام محاذوں پر بلا شرط ہتھیار ڈال دیے جائیں۔

38

جرمنی کا خاتمہ

(3)

جرمنی کی غیر مشروط حوالگی 7 مئی 1945ء

یورپ میں دوسری عالمی جنگ کو ختم کرنے کے لیے شرائط حوالگی پر جرمن سفیروں نے 7 مئی 1945ء کو دو بج کر اکتالیس منٹ پر صبح کے وقت دستخط کیے۔ زر دو خورد کی طویل کارفرمائی کے بعد یہ آخری ڈرامائی عمل تھا۔ یہ شرطیں ایک سکول کی بے کیف عمارت میں تسلیم کر لی گئیں، جو اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور جہاں جنرل آئزن ہاور کا صدر مقام تھا یعنی کالج ماڈرن ایت ٹیکنیکل (ریمز) میں۔ چھوٹے سے کمرے کی دیواریں سرخ اور سبز نقشوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ احکام جنگ لگے ہوئے تھے۔ وسائل نقل و حمل اور وسائل رسد کے خاکے موجود تھے۔ مقتولین و مجروحین کی فہرستیں تھیں۔ کمرے کے ایک سرے پر طویل اور کمزور سی میز پڑی تھی جس پر سیاہ روغن پھرا ہوا تھا۔ میز کے ایک طرف تین جرمن نمائندے بیٹھے تھے...... امیر البحر فرائیڈ برگ (بحریات کا کماندار اعلیٰ) فیلڈ مارشل جوڈل (جرمن جنرل سٹاف کا رئیس) اور اس کا ایڈیکانگ جنرل ولہلیم آکسینیس...... انھوں نے نہایت صاف ستھری وردیاں پہن رکھی تھیں۔ چہروں سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ جودل کا چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس نے موت کی نقاب اوڑھ رکھی ہے۔ وہ ہٹلر کا مشیر

خاص اور گہرا دوست تھا۔ اس کی قسمت میں پھانسی کی موت لکھی تھی۔ ان کے بالمقابل اسی درجے کے اتحادی افسر بیٹھے وہ بھی خاموش تھے...... سر فریڈرک مورگن (سٹاف ڈپٹی، انگریز)، جنرل سیویز (فرانس)، امیر البحر برد (اتحادی بحریات کا کمانڈار)، لیفٹیننٹ بیڈل سمتھ (آئزن ہاور کا چیف آف سٹاف)۔ جنرل آئیون شرمیف اور جنرل سسلا پیروف (روس)، جنرل سپائز (امریکی فضائی فوجوں کا کمانڈار) جنرل آئزن ہاور اور اس کا نائب ایئر چیف مارشل ٹیڈر موجود نہ تھے۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھے رہے۔ کمرہ فوٹو لینے والوں سے بھر گیا تھا جو فوٹو لینے کے لیے اچھی جگہ تلاش کر رہے تھے۔ سب فوٹو گرافر جنرل سسلا پیروف کے ترجمان سے مسحور ہو گئے۔ یہ موٹی گردن والا روسی تھا جس کا سر بالوں سے بالکل صاف تھا۔ اس کی آنکھوں میں خاص چمک تھی جنھیں وہ اس طرح جرمنوں پر جمائے ہوئے تھا گویا وہ تقدیر کی آنکھیں تھیں۔

حوالگی کی دستاویزیں چار تھیں ایک امریکا کے لیے دوسری برطانیہ کے لیے، تیسری فرانس اور چوتھی روس کے لیے۔ ان چاروں پر چارمنٹ میں دستخط ہو گئے۔ حوالگی کی دستاویز بالکل واضح اور سادہ تھی۔ اس میں لکھا تھا:

''ہم دستخط کنندگان جرمن ہائی کمان کے نمائندوں کی حیثیت میں اپنی تمام بری، بحری اور فضائی فوجیں جو اس وقت تک جرمنوں کے نظم وضبط میں ہیں بلاشرط اتحادی افواج کے کمانڈار اعلیٰ، ساتھ ہی روسی ہائی کمان کے حوالے کرتے ہیں۔''

جوڈل نے سمتھ سے اجازت مانگی کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں چنانچہ وہ اٹھا۔ نگاہیں سامنے تھیں اور گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سسکیاں بھر رہا ہے۔ اس نے کہا:

''ان دستخطوں کے ساتھ جرمن قوم اور مسلح فوجیں فاتحین کے حوالے ہو گئیں، خواہ یہ اچھا ہوا یا برا ہوا، اس جنگ میں جو پانچ سال سے بھی زیادہ مدت تک جاری رہی، دونوں فریقوں نے اتنا نقصان اٹھایا اور اتنا بڑا کام انجام دیا جس کی مثال کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی۔ میں اس موقع پر صرف یہ امید رکھ سکتا ہوں کہ فاتحین جرمنوں سے فیاضانہ برتاؤ کریں گے۔''

اتحادیوں کی طرف سے کامل خاموشی رہی۔ وہ حال ہی میں نازیوں کے مرکز اموات

ہیبت ناک مناظر دیکھ چکے تھے اور وہ رحم کی اس التجا کا جواب دینے کے رنگ میں نہ تھے۔ بعض کو چرچل کا یہ جملہ یاد آ رہا تھا کہ:

''جرمن یا تو تمہارا گلا پکڑ لیں گے یا پاؤں میں لوٹنے لگیں گے''۔

پھر جرمنوں کو ایک ہال میں سے گزارتے ہوئے آئزن ہاور کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ جنرل آئزن ہاور نے ایک جرمن ترجمان کی وساطت سے جوڈل سے پوچھا کہ جس دستاویز پر دستخط کیے ہیں اس کی تمام شرطیں بخوبی ذہن نشین کر لی ہیں۔ جوڈل نے جواب دیا: ''جا'' (ہاں)۔ پھر آئزن ہاور نے کہا:

''اگر حوالگی کی شرطوں میں سے کسی کی خلاف ورزی ہوئی (ان میں وہ شرط بھی شامل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ روسی ہائی کمان کے روبرو حوالگی کی رسم ادا کرنے کے لیے جو وقت مقرر ہوگا اس میں جرمن کماندار حاضر رہیں گے) تو آپ سرکاری اور شخصی اعتبار سے ذمہ دار قرار دیے جائیں گے۔ بس اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

جودل نے سلام کیا اور اپنے افسردہ خاطر رفیقوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔

اسی روز کاؤنٹ کروسک نے...... جو روڈز کا سکالر رہ چکا تھا اور کبھی نازی نہ تھا اور اسے ربن ٹراپ کی جگہ وزیر خارجہ بنا دیا گیا تھا...... جرمن حکومت کے نئے مرکز فلنیز برگ (نزد سرحد ڈنمارک) سے رسمی اعلان جاری کیا جس کا مفاد یہ تھا کہ مسلح فوجوں کے ہائی کمان نے آج ڈوئینٹز کے حکم کے مطابق تمام فوجوں کی طرف سے غیر مشروط حوالگی کا اعلان کر دیا۔

ریمز میں حوالگی کی جو شرطیں طے ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مسلح جرمن فوجوں کے کماندار اس معاہدے کی توثیق کے لیے روسیوں کے صدر مقام برلن میں حاضر ہوں گے۔ چنانچہ دوسری مرتبہ حوالگی کی رسم ادا ہوئی۔ اس سے ایک طرف مغربی اتحادیوں اور روس کی یگانگی واضح ہوگئی، دوسری طرف دنیا پر آشکارا ہوگیا کہ جرمنوں نے محض مغربی اتحادیوں کے روبرو نہیں بلکہ روسیوں کے سامنے بھی ہتھیار ڈالے ہیں۔

چنانچہ 8 مئی 1945ء کو آدھی رات کے وقت غیر مشروط حوالگی کی دستاویز کی توثیق برلن

میں ہوئی۔اس مرتبہ جرمن فوج کی طرف سے فیلڈ مارشل کائیٹل، بحریات کی طرف سے فرائیڈبرگ اور فضائی فوج کی طرف سے فان سٹمف نے دستخط کیے۔ مارشل زوکوف نے روس کی طرف سے، سپاٹز نے امریکا کی طرف سے اور ٹیسینی نے فرانس کی طرف سے دستخط کیے۔ ایئر مارشل ٹیڈر نے بھی اس دستاویز کی تصدیق کی۔

کائیٹل بڑا متکبر اور خفا نظر آتا تھا۔ دستخط کر دینے کے بعد بولا:

''میں نے تو دستاویز پڑھی ہی نہیں''

پھر اصرار کیا کہ مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت ملنی چاہیے تاکہ اپنی فوجوں کو اطلاع دے سکوں، محض حوالگی ہی عمل میں نہیں آئے گی بلکہ ہتھیار بھی حوالے کرنے پڑیں گے۔ ایک ترجمان کے ذریعے سے اس نے چوبیس گھنٹے کی مہلت مانگی اور چپ چاپ دیکھتا رہا، کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ کائیٹل نے اپنا بستہ بند کیا، سلام مارا اور چلا گیا۔ دور حاضر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی قوم کی پوری فوجیں، جن میں افسر اور سپاہی بھی شامل تھے، اسیرانِ جنگ بن گئیں۔ روسیوں نے اس موقع پر بڑے اہتمام سے فلم لینے کا انتظام کیا تاکہ اپنے ہاں کے لوگوں کو دکھا کر مطمئن کر سکیں۔ آئزن ہاور نے چند مہینے بعد ماسکو میں یہ فلم دیکھی تو معلوم ہوا اس میں ریمز کی حوالگی کا کوئی ذکر نہ تھا۔

حوالگی جس طریق پر عمل میں آئی اس سے ایک اخباری جھگڑا شروع ہو گیا۔ سولہ نامہ نگاروں کو ریمز میں حوالگی کی تقریب پر شرکت کے لیے چنا گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اس کے وجود یا نتائج کے متعلق اس وقت تک ایک حرف بھی نہ کہیں، جب تک اتحادی فوجوں کے مرکز اعلیٰ سے ذمہ دارانِ روابط پوری کہانی پیش نہ کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ ابتدائی حوالگی کی خبر اس وقت تک روک رکھی جائے جب تک برلن میں اس کی توثیق نہ ہو جائے تاکہ لندن، ماسکو اور واشنگٹن میں بیک وقت خبریں شائع ہوں۔

ریمز میں متارکے پر دستخط ہو چکے تو ایسوسی ایٹڈ پریس کے ایک نامہ نگار ایڈورڈ کینیڈی نے فوراً ٹیلیفون کا انتظام کر لیا اور لندن پیغام بھیج دیا۔ ایک لمحے میں یہ خبر ہر جگہ پھیل گئی اور اتحادی دنیا میں فتح کے شادیانے بجنے لگے۔ ساتھی نامہ نگاروں نے کینیڈی کی خوب خبر لی اور کہا:

''یہ نہایت ذلیل اور خلاف اخلاق دھوکہ تھا جس کی کوئی مثال صحافت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔''

بعض لوگوں نے کینیڈی کی ستایش کی کہ اس نے تاریخ صحافت میں ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ کینیڈی نے اپنے دفاع میں کہا:

''میں نے صرف یہ حلف اٹھایا تھا حوالگی پر دستخط ہونے تک کسی کو اطلاع نہیں دوں گا۔ یہاں تحفظ کا کوئی سوال نہ تھا۔ میں صرف اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ دوسروں سے بازی لے جارہا ہوں یا نہیں۔''

بہرحال ہٹلر کی وحشیانہ جنگی مشین بری طرح کچلی گئی اور شعلوں کی نذر ہوئی۔ یہ کامل اور قطعی شکست تھی۔ دور حاضر میں کسی قوم کو ایسی تباہ کن شکست نہیں ہوئی۔ اس کے متعدد اسباب تھے مثلاً برطانیہ کا ناقابل تسخیر عزم مزاحمت، حالاں کہ وہ 1940ء میں تنہا رہ گیا تھا۔ امریکا کی صنعتی قوت کا بے پناہ اثر، بحری گزرگاہوں کی صفائی تاکہ امریکی وسائل دشمن کے خلاف پوری مقدار میں فراہم کیے جاسکیں۔ جنگی کارگاہوں میں اتحادی سائنس دانوں کے کارنامے، مقبوضہ ملکوں میں بڑھتی ہوئی مخالفانہ تحریکات۔ اتحادی فضائی قوت کا روزافزوں اثر ورسوخ، جس نے جرمن طیاروں کو بھگا دیا اور جرمنی کے عزم وذرائع مزاحمت رفتہ رفتہ ختم کردیے۔ اتحادی لیڈروں کی قوت جو مشترک مقصد کے لیے اکٹھے رہے۔ اتحادی افواج کی ہمت وہنرمندی جنھوں نے شمالی امریکا سے رہائن تک اور اس کے بعد سینکڑوں لڑائیوں میں ہٹلر کی قوت کو نقل وحرکت کی تیز گامی سے شکست دی۔

ان ضربوں پر مستزاد یہ کہ جرمنوں نے خوفناک غلطیاں کیں مثلاً ہٹلر کی سب سے بڑی فوجی غلطی یہ تھی کہ اسے اپنی قوت پر غیر معمولی اعتماد تھا۔ اس صوبائی تصوروالے آسٹروی کو مخالفوں کی قوت واستقامت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا۔ وہ اتحادیوں کی صنعت کاری اور پیداوار کے متعلق بھی غلط فہمی میں مبتلا رہا۔ یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ اتحادی قیادت کتنی اعلیٰ ہے اور وہ جوابی ضرب کا عزم کیے بیٹھی ہے۔ اسے اتحادیوں کی فضائی قوت کی اہمیت کا احساس بھی نہ ہوا اور جرمنی کے کارخانوں،

شہروں اور وسائل نقل وحمل پر جو کاری ضربیں لگائی گئیں ان کے لیے ہٹلر بالکل تیار نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نازی فیوہرر ابتدائی فتوحات کے نشے میں حد درجہ سرشار ہو چکا تھا۔ وہ کوئی واضح اور مستقل جنگی نقشہ اختیار نہ کر سکا۔ اسے قطعاً اندازہ نہ تھا کہ فتوحات سے کیوں کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس نے یہ پالیسی اختیار کر لی تھی کہ ہر مقام کو ہر حال میں زیر قبضہ رکھا جائے۔ یہ پالیسی فوجی نقطۂ نگاہ سے نہایت مکروہ اور عامیانہ تھی۔ اپنی لاف زنی کے باوجود وہ ایک اقدام چھوڑ بیٹھا یعنی برطانیہ پر حملہ۔ ممکن تھا اس طرح جرمنی کے لیے جنگ اتمام کو پہنچ جاتی اور بھی شدید غلطیاں ہوئیں مثلاً روس سے وقت پر نہ نکل سکا اور مغرب میں بندرگاہوں کو سنبھالے رکھنے کی پالیسی پر احمقانہ جما رہا۔

پھر جرمن تاریخ میں ایک المیے کا اضافہ ہوا۔ ہربرٹ بڑفیلڈ کہتا ہے:

"یہ جرمنوں کا المیہ اور ان کا قصور تھا کہ انھوں نے بار بار ایک پالیسی کے لیے سب کچھ بازی پر لگا دیا، جس سے شاندار نتیجے پیدا ہو سکتے تھے لیکن اس پالیسی میں خدا، تقدیر اور اتفاقی حوادث کا قطعاً خیال نہ رکھا گیا لہٰذا المیہ ایسی صورت اختیار کر گیا جو بیان میں نہیں آ سکتی۔"

پہلی عالمی جنگ کے بعد ایک جرمن مصنف نے لکھا تھا:

"شاید ہی کوئی قوم ہو جس نے جرمنوں سے بڑھ کر تاریخ کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں لیکن شاید ہی کوئی قوم جس نے تاریخ کے اسباب کا ایسا غلط استعمال کیا جیسا جرمنوں نے کیا۔"

اس جرمن مصنف کا نام ایڈولف ہٹلر تھا اور یہ الفاظ اس کی کتاب "میری جدوجہد" میں سے لیے گئے ہیں۔

یوم فتح: 8 مئی 1945ء

پانچ سال آٹھ مہینے اور سات دن کی رزم و پیکار کے بعد دوسری عالمی جنگ یورپ میں اختتام کو پہنچ گئی۔ 8 مئی 1945ء کو یوم فتح پر دنیا بھر میں اندھا دھند خوشیاں منائی گئیں۔ لاکھوں

آدمی بازاروں میں نعرے لگانے لگے:

''جنگ ختم ہوگئی، جنگ ختم ہوگئی''

شادمانی سے سرشار لوگ گاتے، شور مچاتے، ایک دوسرے سے معانقہ کرتے۔

آئزن ہاور نے یوم فتح پر مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا:

''یہ اعزاز خاص میرے لیے مقدر تھا کہ تمام قوموں کی طرف سے جو میدان جنگ میں شریک رہیں، آپ کے بہادرانہ ادائے فرض کی ستائش کروں...... آپ نے تری، خشکی اور فضا میں شاندار کارنامے انجام دیے اور رسد کے دائرے میں بھی آپ کے کارنامے ایسی ہی تھے۔ ان کی بدولت پچاس لاکھ دشمن ہمیشہ کے لیے جنگ سے باہر نکل گئے۔ آپ نے ایسے مشکل فوجی کام اپنے ذمے لیے تھے جنھیں بہت سے آدمی ناممکن سمجھتے تھے۔ آپ نے وحشیانہ طریق پر لڑنے والے دشمن کو پہلے متحیر کیا، پھر شکست دی، آخر تباہ کر ڈالا......''

صدر ٹرومین نے ریڈیو کے ذریعے سے اہل امریکا کو یوں خطاب کیا:

''یہ بڑا اہم اور شاندار وقت ہے...... میری ایک ہی آرزو ہے کہ کاش آج روزویلٹ زندہ ہوتا اور یہ دن دیکھتا۔ اس فتح کے لیے ہم خدا کی بارگاہ میں ہدیۂ سپاس پیش کرتے ہیں جس نے ہماری رہنمائی فرمائی اور مصائب کے تاریک دور میں ہمیں سہارا دیے رکھا۔

ہمیں مصیبت زدہ دنیا کے زخموں کے لیے مرہم پٹی کا انتظام کرنا چاہیے تاکہ مستقل صلح کا بندوبست ہو جائے۔ ایسی صلح جس کی جڑیں انصاف اور قانون میں ہوں۔ ایسی صلح شدید عرق ریز اور مشقت خیز کام ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے اتحادیوں سے امن میں بھی اسی طرح کام کرتے رہنا چاہیے جس طرح جنگ میں کام کرتے رہے۔''

9 مئی 1945ء کی نصف شب میں ایک منٹ باقی تھا جب توپیں خاموش ہوئیں۔ اتحادی دنیا فتح سے گونج رہی تھی، برلن، فرینکفرٹ، ہیمبرگ اور برخس گارڈن پر قبر کی سی خاموشی طاری تھی۔

جنگی مجرموں کی گرفتاری

ہٹلر کی تیسری رائش کے اکابر ایک ایک کر کے گرفتار ہوتے اور قید خانے میں بند کیے

جاتے رہے۔ بعض نے گرفتاری پر موت کو ترجیح دی۔ امیر البحر فرائیڈ برگ، جسے ڈوئینٹز نے حوالگی کی ایک ناکام کوشش کے سلسلے میں منٹگمری کے پاس بھیجا تھا چپ چاپ غسل خانے میں چلا گیا اور زہر کھالیا۔ بعض لوگوں نے آخری وقت میں ہٹلر پر الزام تھوپ دیا مثلاً جنرل نکولاس نے جو ناروے میں جرمنوں کا کماندار تھا کہا:

"جرمنی نے تاریخ کی یہ نہایت احمقانہ جنگ کی ہے۔"

بہت سے قیدی پکڑے گئے جن میں ہٹلر کا جانشین ڈوئنٹیز، فیلڈ مارشلوں کی ایک پلٹن اور دوسرے شامل تھے۔ کارل اوبرگ بھی گرفتار ہوا۔ جسے قصاب پیرس کا لقب ملا۔

گوئرنگ (آسٹریا) کے نزدیک پکڑا گیا۔ امریکیوں کے ہاتھ یہ پہلا بڑا نازی آیا تھا۔ اس نے گرفتار ہوتے ہی کھانے اور اعزاز کا مطالبہ پیش کر دیا اور ہٹلر کے متعلق کہا کہ وہ ایک تنگ دل اناڑی تھا۔ ربن ٹراپ کے متعلق بتایا کہ وہ بدقماش ہے۔ یہ بھی کہا کہ فیوہرر نے مجھے موت کی سزا دے دی تھی، کیوں کہ میں تمام اختیارات پر قابض ہو کر اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینا چاہتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اسے کسی نہ کسی طرح اتحادیوں کی ہمدردی حاصل ہو جائے مگر دوسرے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی نورمبرگ کے فیصلے کے انتظار میں قید خانے کے اندر رہنا پڑا۔

20 مئی 1945ء کو نہایت مکروہ نازی اتحادیوں کے ہاتھ لگا، یعنی ہملر۔ وہ بظاہر ایک نرم دل معلم معلوم ہوتا تھا لیکن اس نے بڑی بیدردی سے لاکھوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ وہ گسٹاپو کا رئیس تھا۔ اس نے لڈیسن کو تباہ کرایا۔ یہودیوں کی بیخ کنی کی اور کروڑوں ڈالر جمع کر لیے۔

ایک اتحادی ڈاکٹر نے ہملر سے کہا کہ ذرا منہ کھولو۔ اس اثنا میں اس نے نیلے رنگ کی ایک شیشی کا منہ توڑ کر زہر کھلایا چند منٹ میں مرگیا۔

زمانۂ جنگ کی آخری کانفرنس

17 جولائی سے 2 اگست 1945ء تک پوٹسڈم کانفرنس ہوئی جسے سرکاری طور پر برلن کانفرنس کہا گیا۔ یہ جرمن شہنشاہوں کے سابق محل کے ایک حصے میں ہوئی تھی۔ امریکا کی طرف سے صدر ٹرومین اور سیکرٹری آف سٹیٹ جیمز برنز شریک ہوئے۔ برطانیہ کی طرف سے چرچل اور

ایڈن، روس کی طرف سے سٹالین اور مورو ٹوف۔ 26 جولائی کو تھوڑی دیر کے لیے گفت وشنید رو کنی پڑی تا کہ چرچل انگلستان جا کر عام انتخابات کے نتائج دیکھ لے۔ لیبر پارٹی نے زبردست فتح حاصل کی۔ ان کے نمائندے قدامت پسندوں کے مقابلے میں دگنے تھے۔ باقی دنیا کی طرح چرچل بھی اس پر حیران رہ گیا۔ اب چرچل کی جگہ وزیراعظم اٹلی پوٹسڈم کانفرنس میں شریک ہوا جو کابینہ جنگ میں خدمات انجام دے چکا تھا۔

پوٹسڈم کانفرنس نے سابقہ مفاہمت فوراً نافذ کردی جو یالٹا میں ہوئی تھی۔ جرمنی کو چار انتظامی حلقوں میں بانٹ دیا گیا۔ امریکیوں کو جنوبی حصہ، فرانسیسیوں کو جنوبی و مغربی حصہ، برطانویوں کو شمالی و مغربی حصہ اور روسیوں کو مشرقی وسطی حصہ دے دیا گیا لیکن یہ واضح طریق پر طے ہو گیا کہ دوران تصرف میں جرمنی کو ایک وحدت سمجھا جائے گا۔ جن چار طاقتوں کے سیاسی فلسفے مختلف تھے انھوں نے تاریخی اعتبار سے ایسے ملک کو اپنے اپنے طریقے پر چلانے کی کوشش کی جس میں پہلے سے حد درجہ ارتباط موجود تھا۔ یکم اگست 1945ء کو چھ ہزار الفاظ کا اعلان شائع ہوا جس میں بتایا گیا کہ شکست خوردہ جرمنی کو نازیت، عسکرت اور مرکزیت مآبی سے بالکل پاک کر دیا جائے گا!

پھر تینوں طاقتیں مفتوحہ جرمنی کے لیے شرطیں طے کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ شرطیں یہ تھیں:

"جرمنی کو کاملاً غیر مسلح کر دیا جائے اور فوج توڑ دی جائے۔ اس کی وہ صنعتیں ختم کر دی جائیں یا ان کا نظم وضبط سنبھال لیا جائے جہاں جنگی چیزیں بنائی جا سکتی ہیں۔ تمام بری، بحری اور فضائی فوجیں توڑ دی جائیں۔ ایسے کلب یا ادارے ختم کر دیے جائیں جو فوجی روایات زندہ رکھنے کے لیے قائم ہوئے۔ یہ سب اس طرح محو کر دیے جائیں کہ جرمنی میں دوبارہ عسکریت اور نازیت منظم یا زندہ نہ ہو سکے۔ تمام اسلحہ، ساز وسامان، جنگ میں کام آنے والے آلات اور ان کے بنانے کی تمام سہولتیں یا تو اتحادیوں کے قبضے میں رہیں گی یا تباہ کر دی جائیں گی۔ ہر قسم کے طیاروں، اسلحہ، سامان یا جنگی آلات کی تیاری یا بحالی روک دی جائے گی۔ کانفرنس میں شریک ہونے والے اس امر پر متفق ہو گئے کہ جرمن قوم کو یہ بتا دینا حد درجہ ضروری ہے اس نے کامل فوجی

شکست کھائی اور جس چیز کے وہ خود ذمہ دار ہوئے اس کی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتے۔انھیں کی بیدردانہ جنگجوئی اور مجنونانہ نازی مزاحمت نے جرمن اقتصادیات کو تباہ کیا۔ابتری اور مصیبت ناگزیر ہوگئی۔اسی لیے نیشنل سوشلسٹ پارٹی اور اس کی متعلقہ انجمنوں کو تباہ کرنے کا فیصلہ ہوگیا۔تمام نازی ادارے بھی منسوخ کردیے گئے۔یہ بھی کہہ دیا گیا کہ وہ کسی صورت میں دوبارہ قائم نہ ہوسکیں گے۔جرمنوں کی سیاسی زندگی از سرنو جمہوری بنیادوں پر منظم کی جائے گی اور بین الاقوامی زندگی میں انھیں پرامن تعاون کے لیے تیار کیا جائے گا۔وہ تمام نازی قوانین منسوخ کردیے گئے جو نسل، عقیدے یا سیاسی رائے کے امتیاز پر مبنی تھے۔

اب سوال یہ تھا کہ مجرمین جنگ کی کثرت کے بارے میں کیا کیا جائے؟ جو لوگ پوٹسڈم میں جمع ہوئے تھے انھوں نے فیصلہ کیا کہ جس جس شخص نے نازیوں کے ان منصوبوں کی تربیت و تعمیل میں حصہ لیا جو مظالم اور جرائم جنگ پر منتج ہوئے انھیں گرفتار کرکے انصاف کا تقاضا پورا کرنا چاہیے۔اس زمرے میں نازی لیڈروں کے علاوہ ان کے ذی اثر حامی اور نازی تنظیمات کے سرکاری افسر بھی شامل سمجھے گئے۔یوں کسی خاص نمائش کے بغیر مگر انتہائی قطعیت کے ساتھ نورمبرگ کے ڈرامے کے لیے سٹیج آراستہ ہوگیا۔

جرمنی میں جمہوریت کی ترقی کو ممکن بنانے اور جرمن زندگی میں سے نازی اور عسکری اصول حذف کردینے کے لیے طے کردیا گیا کہ جرمنی کا نظام تعلیم از سرنو ترتیب دیا جائے گا اور اس پر ضبط قائم رکھا جائے گا۔عدالتی نظام کو بھی از سرنو جمہوریت اور انصاف کے اصول کی بنا پر منظم کرنے کا فیصلہ ہوگیا۔

جرمنی کے ذمے تاوان بھی لگایا گیا تاکہ اس نقصان اور تکالیف کی زیادہ سے زیادہ تلافی ہوجائے جو جرمنوں کے ہاتھوں اقوام متحدہ کو پہنچیں اور جن کے لیے جرمن قوم ذمہ داری سے بچ ہی نہیں سکتی۔تاوان میں سے بہت زیادہ حصہ روس کو ملا کیوں کہ اسی کو زیادہ اقتصادی نقصان پہنچا تھا۔

روس کو سب سے پہلے یہ اجازت دے دی گئی کہ تاوان کے دعاوی پورے کرنے کے لیے اپنے متصرفہ حلقے میں سے جتنا صنعتی سامان اور مشینیں اٹھا سکے، اٹھا لے جائے۔اپنے حلقے سے

تاوان پورا کر لینے کے بعد روس کے متعلق یہ طے ہو گیا تھا کہ باقی تاوان کا پچیس فیصد حصہ مغربی متصرفہ حلقے سے پورا کرے مثلاً دھاتیں، کیمیائی جنسیں، مشینیں بنانے والے کارخانے (جن کی ضرورت جرمنی کے دوران امن میں نہ تھی) لے جائے۔ اس سامان کے پندرہ فیصد حصے کے لیے روس کے ذمے یہ بوجھ ڈالا گیا کہ اتنی قیمت کی خوراک، کوئلہ، پوٹاش، جست، لکڑی، مٹی کی بنی ہوئی چیزیں، پٹرول سے بنائی ہوئی چیزیں اور ایسی ہی دوسری چیزیں دے دے۔ باقی دس فیصد سامان روس کو بسلسلہ تاوان کچھ ادا کیے بغیر لے جانے کی اجازت دے دی گئی یہ اجازت بھی دے دی گئی کہ اپنے متصرفہ یعنی مشرقی علاقے میں جرمنوں کا جتنا راس المال ہو یا بلغاریہ، فن لینڈ، رومانیہ اور مشرقی آسٹریا میں ان کا جتنا سرمایہ یا املاک موجود ہوں، وہ روس لے جائے۔ روسیوں نے یہ ذمہ اٹھالیا کہ پولینڈ کو تاوان کا جو دعویٰ ہے وہ ہم اپنے حصے میں سے پورا کریں گے۔ امریکا، برطانیہ اور دوسرے ملکوں کو جو تاوان لینا تھا وہ مغربی متصرفہ حلقوں یا خارجی جرمن املاک و سرمایہ سے پورا کیا جا سکتا تھا۔

کانفرنس میں یہ بھی طے ہو گیا کہ جرمنی کے جنگی بیڑے اور تجارتی بیڑے کے متعلق کیا انتظامات ہوں۔ اس سلسلے میں گفت و شنید کے لیے پانچ بڑی قوموں کے وزرائے خارجہ کے لیے لندن اور ماسکو میں جمع ہو کر فیصلہ کر لینے کی ہدایت دے دی گئی۔ خاص مسائل کا تصفیہ بھی اس وقت تک کے لیے انھیں وزرائے خارجہ کے حوالے کر دیا گیا، جب تک اقوام متحدہ بعد جنگ کے مسائل پر غور شروع نہ کر دیں۔ یکم اگست 1945ء کو جو اعلان شائع ہوا اس کا مقصد یہ تھا کہ نازی جرمنی کی شکست کے بعد اتحادیوں کی یک آہنگی کا اثر قائم رکھا جائے۔ روس اور برطانیہ و امریکا کے درمیان جو شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے انھیں اشاعت نہ دی گئی مگر روسیوں کی ضد کے وہ آثار نمایاں تھے جنھوں نے آگے چل کر سرد جنگ کی شکل اختیار کر لی۔

پولینڈ کا مسئلہ بے حد اہم تھا۔ اسے پوٹسڈم میں حل نہ کیا گیا۔ مشرقی یورپ اور ممالک بلقان کی آئندہ حیثیت کے متعلق بھی اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ پولینڈ میں قومی اتحاد کا نام لیتے ہوئے جو عارضی حکومت بنالی گئی تھی، اس پر لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ جرمنی سے تاوان کے متعلق اعلان سے یہی اثر پڑا تھا کہ باہم اتحاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ روسیوں کے مطالبات سے متعلق پس پردہ

سخت کشمکش ہوتی رہی۔

جاپان کے خلاف جنگ جاری تھی۔ ٹرومین نے پوٹسڈم میں سٹالین کو بتادیا کہ امریکہ کے پاس غیر معمولی قوت کا نیا حربہ ہے لیکن روسی ڈکٹیٹر نے اس میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ وہ جاپان کے خلاف روس کے اعلان کے متعلق اس وقت تک بھی متذبذب تھا۔ 26 جولائی 1945ء کو ٹرومین، اٹلی اور چیانگ کائی شک نے جاپان کو ایک الٹی میٹم دے دیا کہ یا تو فوراً بلا شرط ہتھیار ڈال دو یا کامل تباہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جاپان کے کارفرمایانِ جنگ نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، یہاں تک کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بم گرے اور آشکارا ہو گیا کہ الٹی میٹم کے پیچھے بے پناہ قوت موجود تھی۔

39

اندرونی جاپانی استحکامات کی شکست وریخت

(1)

جزائر میریانا

جاپان کے خلاف بڑا جوابی حملہ جاری تھا۔ اوائل گرما تک امریکی فوجوں نے آسٹریلوی فوجوں کی امداد سے جاپانیوں کو جنوبی ومغربی بحرالکاہل کے اندر ایک ہزار میل پیچھے دھکیل دیا اور ان کی ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج مختلف جزیروں میں منقطع ہوگئی جس کے بچاؤ کی کوئی امید نہ تھی۔ اب امریکی فوج جنگ کے لیے تیار تھی۔ اس کی قوت ضرب میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا اور اس کے طیارے مغربی بحرالکاہل کی وسیع فضا میں دور دور تک پھر رہے تھے۔ جاپانیوں کو بڑا تعجب ہوا کہ ان کا دفاعی حلقہ ٹوٹ رہا ہے لہٰذا انھوں نے ایک بیڑا امریکی جنگی جہازوں سے مقابلے کے لیے بھیجا۔

19 جون 1944ء کا دن صاف اور روشن تھا۔ دور دور تک ہر چیز نظر آرہی تھی۔ اس صاف فضا میں طیاروں کے بازوؤں کے سروں پر سے سفید بخارات اڑ رہے تھے۔ فضائی لڑائی کے لیے نہایت اچھا دن تھا چنانچہ یہ لڑائی ہوئی جس میں طیارہ بردار جہازوں نے حصہ لیا۔ اس جنگ میں جو قوت شریک ہوئی وہ مڈوے کی جنگ سے چوگنی تھی۔ صبح سے شام تک یہ فضائی لڑائی گوام کے

اردگرد جاری رہی۔ جب یہ ختم ہوئی تو نتیجہ فیصلہ کن تھا۔ جاپان کو پھر کبھی امریکی ہوائی قوت کے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلے جاپانی حملے میں سولہ جنگی، پینتالیس بمبار اور آٹھ تارپیڈو طیارے شامل ہوئے۔ یہ سب ساڑھے آٹھ بجے صبح طیارہ بردار جہازوں سے اڑے۔ ریڈار کے ذریعے سے ان کا پتا چل گیا۔ نائب امیر البحر مشر نے حکم دے دیا کہ فضائی فوج نمبر 58 کا ہر جنگی طیارہ جاپانیوں کو روکنے کے لیے پرواز کرے۔ چنانچہ امریکی طیارے فضا میں پہنچ گئے جن کا نام ''دوزخ کی بلیاں'' تھا۔

بظاہر جاپانیوں کے پیش نظر کوئی دفاعی منصوبہ نہ تھا۔ امریکی طیاروں کے پہنچتے ہی جاپانی بمبار جہاز بکھر گئے۔ اس طرح ان پر ضرب لگانی سہل ہو گئی۔ جاپانی جنگی طیاروں نے ''دوزخ کی بلیوں'' سے بچنے کے لیے بازی گروں کی طرح قلابازیاں لگانی شروع کر دیں۔ انہتر جاپانی طیاروں میں سے تقریباً بیالیس واپس نہ جا سکے۔

گوام پر تاریکی چھانے لگی تو جاپانی طیارے فضا میں ناپید ہو گئے۔ ''پیرو کا شکار'' ختم ہو گیا۔ نقصانات کی فہرست یہ تھی کہ امریکا کے تین سو طیاروں میں سے تیس ضائع ہوئے۔ جاپانیوں نے مختلف قسم کے تین سو تہتر طیارے جنگ میں بھیجے لیکن صرف ایک سو تیس واپس جا سکے۔ علاوہ بریں ان کے کم از کم پچاس طیارے اور ضائع ہوئے جو گوام میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جو طیارہ بردار جہازوں کے ساتھ ڈوبے، وہ الگ تھے۔ بہر حال اس روز جاپان کے تین سو پندرہ طیارے اور بہترین پائلٹ ضائع ہوئے اور جاپان کی فضائی قوت کا قلب چھلنی کر دیا گیا۔ جاپانیوں کے طیارہ بردار جہاز طیاروں سے خالی ہو چکے تھے تاہم ان کا تعاقب کیا گیا اور فلپائنیز کے نصف راہ تک انھیں مہلت نہ دی گئی۔ امریکی پائلٹوں نے مختلف سمتوں سے پہنچ کر ان پر بھاری ضربیں لگائیں۔

جزائر میریانا میں اولین نصب العین جزیرہ سائی پان تھا۔ یہ بارہ میل لمبا جزیرہ تھا جس میں خم کھائے ہوئے پہاڑ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی۔ تمام جزائر میں اسی کی حیثیت کلیدی تھی۔ یہ پرل ہاربر سے تین ہزار آٹھ سو میل مغرب میں، ٹوکیو سے پندرہ سو پچاسی میل

جنوب میں اور گوام سے سو میل شمال میں تھا۔ اس وقت اس پر دشمن کا قبضہ تھا۔ جاپانیوں نے سائی پان میں مورچے بنا کر شہد کے چھتے کی طرح چوکیاں اور غار تیار کر لیے تھے جن میں تیس ہزار اعلیٰ تربیت یافتہ فوج بیٹھی تھی۔

سائی پان پر ابتدائی حملہ 15 جون، 19 جون 1944ء کو ہوا۔ مزاحمت بڑی سخت تھی اور تراوا سے زیادہ نقصان رساں اور کواجالین سے زیادہ طویل ثابت ہوئی۔ جاپانی فوج تین ہفتے تک سختی سے لڑتی رہی، پھر اسے سائی پان کے شمالی حصے میں ہٹ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ بعدازاں عام جوابی حملے ہوئے جنھیں خودکشی کے حملے قرار دینا چاہیے۔ 6 اور 7 جولائی کی رات کو ایسا سخت حملہ ہوا کیوں کہ سائی پان کے جاپانی سپہ سالار اور جاپانی نائب امیر البحر دونوں نے ہمہ گیر خودکشی کا حکم دے دیا تھا۔ نائب امیر البحر کو تنزل سے سابقہ پڑا تھا۔ پہلے وہ تیز طیارہ بردار جہازوں کا کماندار تھا اب اسے ایک چھوٹے سے بیڑے کی کمانداری ملی تھی جو سائی پان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ خودکشی کا منصوبہ بالکل سادہ تھا۔ قرار یہ پایا تھا کہ سائی پان میں جتنے جاپانی باقی ہیں ان میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی جان لینے سے پہلے کم از کم دس امریکیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے اور یہ قاتلانہ حملے امریکہ کے ڈویژن نمبر 27 پر ہونے والے تھے۔

چنانچہ تین ہزار جاپانی تین سو گز چوڑے ایک خلا میں جمع ہو گئے جو ستائیسویں ڈویژن کے دو بٹالینوں کے درمیان تھا۔ بعض بندوقوں سے مسلح تھے بعض کے پاس سنگینیں تھیں اور بعض کے پاس کوئی بھی ہتھیار نہ تھا۔ ہر ایک زور شور سے ہنزائی ہنزائی کے نعرے لگا رہا تھا۔ چنانچہ وہ تیزی سے آگے بڑھے اور خاصا نقصان پہنچایا۔ حملہ بالکل وحشیانہ اور مغربیوں کے نقطۂ نگاہ سے سراسر بے نتیجہ اور احمقانہ تھا۔ یہ تمام لوگ مارے گئے۔ اس اثنا میں دونوں جاپانی کمانداروں کو اندازہ ہو گیا کہ ان کی حالت مایوس کن ہے۔ چنانچہ انھوں نے خود اپنی جانیں لے لینے کی تیاری کی۔ سپہ سالار نے فوج کے نام ایک آخری پیغام دیا جس میں بتایا کہ میں خود سپاہیوں کے ساتھ جان دے دوں گا تاکہ حقیقی جاپانی آدمیت کا اعزاز بلند ہو۔ پھر وہ اپنے مستقر کے پاس ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ ٹوکیو کا رخ کر لیا اور زور شور سے پکارا:

"شہنشاہ زندہ باد"

بعدازاں اپنی تلوار سے ایک رگ کاٹ لی اور نائب کو اشارہ کیا۔اس نے سر میں ایک گولی ماری۔سپہ سالار کے اکثر آدمی اسی طرح مرے۔ایک اور غار میں نائب امیر البحر نے پستول مار کر اپنی جان لے لی۔اس طرح وہ ظالم کماندار انجام کو پہنچا جس نے پرل ہاربر پر حملہ آور فوج کی کمانداری کی تھی۔اس کی زندگی ایک چھوٹے سے جزیرے میں ختم ہوئی جو ٹوکیو سے بہت دور تھا۔

سائی پان پر قبضہ ہوا تو ایک اور واقعہ پیش آیا یعنی شمالی پہاڑی پر جاپان کے انتظامی عملہ کے سینکڑوں آدمیوں نے خود کشی کی۔ان کے پاس اشتہار بھیج دیے گئے تھے کہ اپنے آپ کو حوالے کردو گے تو عزت کا برتاؤ کیا جائے گا لیکن انھیں یقین نہ آیا اور جوش جنوں میں خود کشی کر لی۔والدین نے پہلے اپنے معصوم بچوں کو چٹانوں پر سے لڑھکایا، پھر خود یکے بعد دیگرے نعرے لگاتے ہوئے نیچے کود پڑے۔امریکی فوجیں حیرت سے منہ کھولے ہوئے ان جاپانیوں کو دیکھتی رہیں جو ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔بعض عمداً ڈوب گئے۔بعض نے دستی بموں سے خود کشی کی۔بعض نے غاروں اور گھاٹیوں میں سوراخ کر کے ڈائنامیٹ بچھایا، پھر اس پر شعلہ پھینکا کر اڑ گئے۔سائی پان کی جنگ ختم ہوئی تو تیس ہزار آٹھ سو گیارہ جاپانی مردہ پڑے تھے۔عجیب امر یہ ہے کہ دو ہزار قیدی پکڑے گئے۔اس قت تک اس سے بڑا گروہ قید نہیں ہوا تھا۔امریکیوں کو بھی خاصا نقصان پہنچا۔تین ہزار چار سو چھبیس مقتول لاپتہ تھے اور تیرہ ہزار ننانوے مجروح۔

سائی پان کی تسخیر جاپان کے جنگی کارفرماؤں کے لیے ایک زبردست ضرب تھی۔ٹوجو اتنا مایوس ہوا کہ 18 جولائی 1944ء کو اس نے پورے کابینے کے ساتھ استعفیٰ دے دیا۔اسی روز سائی پان کے سقوط کا اعلان ہوا تھا۔پھر جنرل کوئیسو نے نیا کابینہ بنایا اور وعدہ کیا کہ جنگ زور شور سے جاری رکھی جائے گی لیکن جو لوگ جاپانیوں کے طور طریقے کو سمجھتے تھے ان پر واضح ہو گیا کہ یہ شکست کا اعتراف تھا اور اب جاپان صلح کا خواہاں ہے مگر حالت ایسی تھی کہ جاپانیوں میں سے کوئی بھی صلح کی تجویز پیش کرنے کا ذمہ دار بننے کے لیے تیار نہ تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ بحرالکاہل کی جنگ مزید بارہ مہینے جاری رہی۔امریکیوں نے دباؤ کا سلسلہ قائم رکھا۔23 جولائی 1944ء کو ایک چھوٹا سا جزیرہ ٹینیان فتح ہوا۔بتایا گیا کہ بحرالکاہل کی جنگ میں خشکی و تری کا ایسا کامیاب اور مکمل حملہ کبھی نہ

ہوا۔ پانچ ہزار سات سوسینتالیس جاپانی مارے گئے ان کے مقابلے میں امریکی جانوں کا نقصان ایک سو پچانوے تھا۔

سترہ روز کی فضائی اور بحری گولہ باری کے بعد 20 جولائی 1944ء کو امریکی فوج گوام کے کنارے اتری جس پر جاپانیوں نے پرل ہاربر کے ایک روز بعد قبضہ کرلیا تھا۔ اس مہم کا منصوبہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر تیار ہوا اور اس پر انتہائی خوبی سے عمل کیا گیا۔ تین ہفتے لڑائی جاری رہی لیکن جزیرہ امریکا کے قبضے میں آگیا۔

فلپائنیز

سائی پان، ٹینیان اور گوام پر قبضے سے امریکیوں کو جزائر میریانا پر کامل نظم وضبط حاصل ہوگیا۔ اب ان جزائر کے اعلیٰ ہوائی اڈے نہ صرف فلپائنیز ہی پر فضائی ضربوں کے لیے استعمال کیے جاسکتے تھے بلکہ جاپان پر بھی تباہی خیز چھاپے مارے جاسکتے تھے۔ مکاڈو کا بیڑا زبردست ضربیں کھا کر اوکی ناوا میں جا بیٹھا تھا۔ اوکی ناوا سے یہ بیڑا جاپان کے داخلی سمندر میں چلا گیا جہاں اس کا مرکز تھا لیکن وہاں بھی اس کے لیے ٹھہرے رہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ ضروری تھا کہ وہ اپنی قوت بحال کرے تاکہ پیش نظر کام انجام دے سکے جو حد درجہ ضروری تھا، فلپائنیز کا دفاع۔

نیوگنی کے شمال میں ساٹھ ہزار کی ایک اور جاپانی فوج مدانگ اور مکاز کے درمیان رکی ہوئی تھی۔ اواخر اپریل سے اوائل اگست 1944ء تک جنرل میک آرتھر کی امریکی اور آسٹریلیائی فوجیں نہایت شاندار کارنامے انجام دیتی ہوئی آٹھ سو میل آگے بڑھ گئی تھیں۔ انھوں نے جاپانی مقبوضات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیے پھر ایک ایک ٹکڑے کو گھیرے میں لے کر ختم کرتی گئیں۔ قیدی بہت کم پکڑے۔

24 نومبر 1944ء کو سائی پان، ٹینیان اور گوام میں جلد سے جلد ہوائی اڈے بنالیے گئے۔ ان اڈوں، نیز چین کے اڈوں سے بڑے بڑے نئے امریکی آڑن قلعوں نے جاپان کے شہروں پر جن کی زیادہ تر عمارتیں لکڑی کی تھیں، بمباری کا آغاز کردیا۔ B-29 آب وسیع تعداد میں تیار ہونے لگے تھے۔ یہ پرانے B-17 سے تقریباً دگنے تھے۔ رفتار تین سو میل فی گھنٹہ تھی اور

ہر B-29 دس ٹن بم ساتھ لے جاسکتا تھا۔ان کے خاص نصب العین یہ مقامات تھے: یواٹا، جہاں فولاد کے کارخانے تھے۔ سسیبو، مشہور بحری مرکز۔دوسرے صنعتی علاقوں پر بھی بم پھینکے جاتے تھے۔

گویا امریکا نے جو نقشہ جنگ تیار کیا تھا۔اس پر خوش اسلوبی سے عمل ہو رہا تھا۔جزائر گلبرٹ جزائر مارشل اور جزائر میریانا فتح ہو چکے تھے۔میک آرتھر نیوگنی کے ساحل پر حملہ کر رہا تھا۔ٹرک اور ربال بڑے جاپانی حصار تھے، انھیں ہر طرف سے منقطع کر کے بیچ میں چھوڑ دیا گیا تھا اور حملہ آور آگے بڑھ گئے تھے جاپانیوں کے وسائل رسد کمزور ہو چکے تھے۔جاپانی بیڑا برباد ہوتے ہوتے اس درجے پر آچکا تھا جو جاپان کے لیے ابتدا میں تجویز ہوا تھا۔اب فلپائنیز پر براہ راست حملے کا راستہ کھل گیا تھا۔صرف ایک رکاوٹ باقی رہ گئی تھی یعنی جزائر پالا، جو فلپائنیز کے مشرق میں واقع تھے۔یہ رکاوٹ ختم کیے بغیر فلپائنیز پر براہ راست حملے کی صورت میں میک آرتھر کا دایاں بازو محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

15 ستمبر 1944ء کو جزیرہ پیلیلیو پر بمباری اور گولہ باری کے بعد فوج اتاری گئی۔جاپانی چوکیوں اور غاروں میں ڈٹے ہوئے تھے۔انھوں نے سخت مقابلہ کیا۔ایک مہینے کی شدید لڑائی کے بعد پیلیلیو امریکا کے قبضے میں آگیا۔بارہ ہزار جاپانی بے سود دفاع میں مارے گئے۔

پھر فلپائنیز پر وہ ہوائی حملے کیے گئے جو بری اور بحری حملے سے پیشتر راستہ ہموار کرنے کے لیے کیے جاتے تھے۔امریکی طیاروں نے جنوب میں ہنڈناؤ سے شمال میں لوازن تک ہر جگہ ضربیں لگائیں۔دشمن کے جو طیارے لڑنے کے لیے آئے یا زمین پر تھے، تباہ کر دیے گئے۔تقریباً تین ہزار جاپانی طیارے نذر آتش ہوئے جو جزیروں میں جابجا پھیلے ہوئے تھے۔امریکی طیارے شمال میں فارموسا تک جاتے تھے۔جہاں کوئی جہاز ملا، اسے ڈبو دیا اور باقی جہازوں کو جنگی دائرے میں محدود رہنے پر مجبور کر دیا۔

جو جہاز جاپانی اخبار تباہ کر چکے تھے، انھیں میں سے ایک پر سوار ہو کر میک آرتھر فلپائن میں اترا۔اڑھائی سال پیشتر وہ کوریجی ڈور سے نکلا تھا۔اہل فلپائنیز

کے لیڈر کارلوس رومیولو نے بتایا ''طویل القامت میک آرتھر نگاہوں کے سامنے تھا۔وہ گھٹنوں تک پانی میں تھا۔اس کے پیچھے رومیولواس کوشش میں تھا کہ اپنا سر پانی سے اوپر رکھے۔''

میک آرتھر نے اترتے ہی کہا:

''اہل فلپائنز! میں واپس آ گیا ہوں۔خدا کے فضل سے ہماری فوجیں فلپائنز کی سرزمین پر موجود ہیں۔وہی سرزمین، جسے ہمارے اور آپ کے خون نے تقدیس کا لباس پہنایا ہے...... میرے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔بتان اور کوریجی ڈور کی ناقابل تسخیر روح ہماری رہنمائی کرے گی۔''

چار روز میں امریکیوں کی قدم گاہیں مل گئی تھیں۔فوجیں سیل کی طرح اندر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔شروع میں معلوم ہو رہا تھا کہ مہم میں غالباً مشکلات پیش نہ آئیں،مگر جاپانیوں کے لیے موت وحیات کا مسئلہ تھا۔فلپائنز ہاتھ سے نکل جائے تو جاپان کے تعلقات ہند چینی،ملایا اور جزائر شرق الہند سے منقطع ہو جاتے۔جزائر شرق الہند سے تیل نہیں آتا تو جاپان کا خاتمہ ہو جاتا۔جاپانی بیڑا اب بھی سنگاپور سے نکل کر جنوبی سمندر میں سے گزرتا ہوا امریکیوں پر ضرب لگا سکتا تھا یا آبنائے سان برنار دینو،جو لیٹ کے شمال میں تھی،گزر کر بحیرۂ سولو میں سے بھی امریکیوں کو تنگ کر سکتا تھا۔امریکیوں نے جو دعوت مقابلہ دی تھی،وہ نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔مقابلے کا وقت آ گیا تھا۔

لیٹ

روزویلٹ نے میک آرتھر سے پوچھا،اب کدھر کا ارادہ ہے؟ میک آرتھر نے جواب دیا:

''مسٹر پریذیڈنٹ! پہلے لیٹ،پھر لوزان۔''

یہ گفتگو پرل ہاربر میں بالٹی مور نام کروزر پر ہوئی تھی (جولائی 1944ء)،جب فلپائنز پر دوبارہ قبضے کے لیے منصوبہ تیار ہوا تھا۔

لیٹ امریکا کی بحری جنگوں کے سلسلے مین ایک شاندار باب کا اضافہ کرنے

والا تھا۔ اکتوبر 1944ء کے آخری ہفتے میں خلیج لیٹ کی جنگ ہوئی۔ یہ سب سے بڑی بحری جنگ تھی جو پیش آئی۔ اس میں ایک سو چھیاسٹھ امریکی جنگی جہاز اور ستر جاپانی جنگی جہاز نیز بارہ سو اسی امریکی جنگی طیارے اور سات سو سولہ جاپانی جنگی طیارے شریک ہوئے۔

لیٹ میں امریکی فوج اترنے لگی تھی۔ یہ حرکت روکنے کے لیے انھوں نے ایک منصوبہ تیار کیا یعنی جزیرے کے پچھواڑے سے فوج اور رسد لے آئے۔ ان کے وہ طیارے جو خودکشی کے لیے تیار ہو کر پرواز کرتے تھے۔ خلیج میں امریکی جہازوں پر ضربیں لگا رہے تھے اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جب فتح یقینی ہو جائے تو اپنا بحری بیڑا لڑائی میں لے آئیں۔

امریکیوں کو مدت سے اس لڑائی کا انتظار تھا۔ لیٹ کے حلقے میں ان کے پاس دو بیڑے تھے، ایک بیڑا نمبر 7 جس کا کماندار نائب امیر البحر کنکیڈ تھا۔ اس کی حمایت کے لیے بیڑا موجود تھا جو امیر البحر ہالسے جونیئر کی کمانداری میں تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ لیٹ میں قدم گاہوں کی حفاظت کریں جہاں امریکیوں کو پہنچے ہوئے پانچواں دن تھا۔ اگر جاپانی بیڑا آئے تو اس سے لڑیں اور اسے تباہ کر دیں۔ اس طرح ٹوکیو کا عقبی راستہ کھل سکتا تھا۔

خلیج لیٹ کی جنگ میں بیک وقت تین مختلف لڑائیاں پیش آئیں اور تینوں کی ایک خاص حیثیت تھی۔ جنوبی جاپانی بیڑا دو حصوں میں منقسم تھا۔ ان میں سے ایک حصہ رات کے وقت آبنائے سوری گاؤ سے لیٹ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے انتظار میں امریکہ کے ساتویں بیڑے کے جہاز موجود تھے۔ یہ اس طرح جابجا متعین تھے کہ پہلے جاپانی بیڑے کو تباہ کن جہازوں میں سے پھر کروزروں میں سے اور آخر جنگی جہازوں میں سے گزرنا پڑتا تھا جو آبنائے کے شمالی سرے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاپانی بیڑے کا قتل عام شروع ہو گیا۔ طلوع سحر تک جاپانی امیر البحر دونوں جنگی جہاز اور چار میں سے تین تباہ کن جہاز ضائع کر چکا تھا۔ آخر خود بھی مارا گیا۔ اسی روز اس جاپانی بیڑے کا کروزر امریکی طیاروں نے سمندر کی تہہ میں پہنچا دیا۔ امریکی بیڑے کی یہ کامیابی تمام بحری افسروں کے دیرینہ خواب کی تعبیر تھی۔ اس سلسلے میں جاپانی بیڑے کا جنوبی حصہ کاملاً تباہ ہو گیا صرف ایک تباہ کن جہاز بچ نکلا۔ امریکی امیر البحر نے بعد میں بتایا کہ میں نے پرانے حواریوں کا نظریہ استعمال کیا یعنی کسی ناتجربہ کار کو موقع نہ دو۔ اگر میرا مقابل اتنا احمق

ہے کہ وہ تھوڑی سی فوج لے کر سامنے آتا ہے تو یقیناً میں اسے نکل جانے کا موقع نہیں دوں گا۔

جاپانیوں کے جنوبی بیڑے کا دوسرا حصہ پہلے حصے کی تباہی دیکھتے ہی دم دبا کر بھاگ نکلا۔ آبنائے سوری گاؤ کی جنگ میں امریکیوں کو صرف اتنا نقصان پہنچا کہ ایک تباہ کن جہاز کو توپ کا گولہ آلگا۔ بحرالکاہل کے بیڑے کی یہ ایک اور کامیابی تھی۔

سامار سے آگے نائب امیر البحر سپریگ کا چھوٹا سا بیڑا ایک پھندے میں پھنس گیا تھا۔ اس میں تین تباہ کن جہاز تھے، چھ چھوٹے سطح پیندے کے جہاز اور چار محافظ جہاز تھے۔ ان کا استقبال کوریٹا کی توپوں نے کیا۔ ایک افسر نے بعد میں کہا:

''معلوم ہو رہا تھا کہ ایک ٹرک کتے کے چھوٹے سے بچے کو کچل رہا ہے''

سپریگ کے ساتھ اسلحہ اتنا ہلکا تھا کہ دشمن کے لوگوں نے انھیں ایسے ہی ختم کر دیا لیکن اس نے حملہ نہ چھوڑا۔ ریلیت موریسن نے لکھا: تاریخ کی کوئی ایسی لڑائی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں امریکی بحریات نے اس سے زیادہ بہادری، اس سے زیادہ استقامت اور اس سے زیادہ جیالا پن دکھایا ہو۔ سپریگ کے طیاروں نے دشمن کا ایک بھاری کروزر اور ایک تباہ کن جہاز ڈبو دیا۔ مگر سطح بحر پر جو لڑائی ہوئی اس میں کوریٹا کی بھاری توپوں نے چھوٹے سے امریکی بیڑے کو سخت نقصان پہنچایا اور کئی جہاز غرق کر دیے، مگر امریکا نے فتح حاصل کی۔

اب سرگرمیوں کا سلسلہ پھر لیٹ کی طرف منتقل ہو گیا۔ جاپان کو بحرالکاہل میں جنگ جیتنے کے جتنے مواقع نظر آتے تھے وہ سب ختم ہو گئے۔ پھر اسے امریکیوں کا کوئی اقدام روکنے کی جرأت نہ ہوئی، صرف اوکی ناوا کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جہاں جاپان نے مقابلہ کیا اور اس کا سب سے بڑا جنگی جہاز ختم ہو گیا۔

لیٹ میں جاپانیوں نے ایک موقع کھو دیا۔ ہالسے شمالی جانب چلا گیا، آبنائے سان برنادینو بڑی جاپانی فوج کے لیے کھلی رہ گئی تھی۔ وہ اس خداداد فرصت سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اگر وہ جدوجہد جاری رکھتے تو خلیج لیٹ میں داخل ہو سکتے تھے اور دس لاکھ ٹن کے امریکی جہاز تباہ کر سکتے تھے۔ میجر جنرل کینے نے ٹھیک کہا کہ پھر ایک مرتبہ ثابت ہو گیا جاپانیوں کو امریکا سے جنگ نہ چھیڑنی چاہیے تھی۔ وہ بڑی لڑائیاں نہیں کر سکتے تھے۔

اس بڑی بحری جنگ نے جاپانیوں کی حالت فلپائینز میں نازک بنادی۔ میک آرتھر نے ان کے درمیان ایک فانا لگا دیا۔ جاپانیوں کی بحری قوت کمزور ہوگئی تو وہ اپنی لاکھوں کی فوج کو ضروری کمک اور رسد نہیں پہنچا سکتے تھے جو فلپائینز کے مختلف حصوں میں بکھری ہوئی تھی۔ ان فوجوں کے نام شہنشاہ کا فرمان پہنچا:

''دشمن کی فوجوں کو تباہ کرنا ضروری ہے''

ٹوکیو نے خلیج لیٹ کے لیے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بیکار ثابت ہوا لیکن دشمن کو شدید نقصان پہنچانے کے باوجود امریکا کی فتح نامکمل تھی۔ جاپانی بیڑا کامل تباہی سے بچ گیا۔ کوریتا چار بڑے جہاز بچا لے گیا۔ اوزاوا کے دس جہاز اس کے ساتھ تھے۔ بہر حال خلیج لیٹ کی جنگ غالباً بحری بیڑے کی آخری بڑی جنگ تھی اور اسے فوراً بحریات کی تربیت گاہوں میں ان جنگوں کے ساتھ شامل کر دیا گیا جن کے متعلق گوناگوں بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔ کنکیڈ واور ہالسے کے درمیان بحث شروع ہوگئی دونوں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے کہ وہ آبنائے سان برنار دینو کی حفاظت کر سکتا تھا اور اسے کرنی چاہیے تھی۔

40

اندرونی جاپانی استحکامات کی شکست وریخت

(2)

کنکیڈ اور ہالسے

کنکیڈ نے جو استدلال پیش کیا، اس کی کیفیت یہ ہے:

1- ہالسے نے اپنے پائلٹوں کے مبالغہ آمیز دعووں پر زیادہ بھروسہ کیا۔

2- ہالسے نے اندازے کی شدید غلطی کی، جب وہ اپنے چھ کے چھ جنگی جہاز لے کر تین سو میل شمال میں چلا گیا اور اپنے پیچھے بہت معمولی قوت چھوڑ گیا جو کوریٹا کے بیڑے کو یقینی طور پر تباہ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر وہ اوزاوا کی پوری قوت کا فیصلہ کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا تو اس نے غلطی دہرائی، کیوں کہ لوٹ پڑا اور تیزی سے جنوبی جانب آ گیا۔

3- کنکیڈ کے ساتویں بیڑے میں پرانے اور کم رفتار جہاز شامل تھے۔ آتش باری میں بھی وہ چنداں قوی نہ تھے۔ اس بیڑے کا مقصد یہ تھا کہ ساحل پر اترنے والی فوج کے لیے حفاظت کا فرض انجام دے۔ کسی بڑی لڑائی کے لیے وہ بیڑا موزوں نہ تھا۔

4- ہالسے چھ کے چھ جنگی جہاز شمالی جانب لے گیا حالاں کہ وہاں صرف دو جہازوں کی ضرورت تھی۔ اسے چاہیے تھا کہ چار جنگی جہاز آبنائے سان برنارڈینو میں چھوڑ دیتا تا کہ

کوریٹا کو گزرنے سے روک دیتے۔ جب ہالسے جنوب کی طرف بڑھا تو چھ کے چھ جنگی جہاز ساتھ لے آیا۔ اس وقت نائب امیر البحر منثر کو جو ایک حملہ آور گروہ کی قیادت کر رہا تھا، دو جنگی جہازوں سے محروم کر دیا حالاں کہ ان کی سخت ضرورت تھی۔

اس کے برعکس ہالسے نے اس رائے سے شدید اختلاف کرتے ہوئے کہا:

1- شمالی جانب جانے کا میں نے جو فیصلہ کیا وہ تنہا پائلٹوں کی رودادوں پر مبنی نہ تھا۔ میں نے دانستہ خطرہ قبول کیا جسے بعد کے واقعات نے بڑی حد تک درست ثابت کر دیا۔

2- میرے نزدیک کنکیڈ کا ساتواں بیڑا کوریٹا کی زخم خوردہ فوج کو ٹھکانے لگا سکتا تھا اور اسے لگانا چاہیے تھا۔ میں جو کچھ کر رہا تھا، اس کے مقاصد و نتائج سے پوری طرح آگاہ تھا۔ میں نے جان بوجھ کر خطرہ قبول کیا تا کہ جاپانیوں کے طیارہ بردار جہاز ختم ہو جائیں۔ میں اتفاق کرتا ہوں کہ پیہم اصرار کی بنا پر جنوبی جانب مڑنے میں غلطی کی۔ میرے نزدیک خلیج لیٹ کی جنگ میں یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔

3- اصل مصیبت کا سرچشمہ یہ ہے کہ بیڑے کی کمان الگ الگ ہاتھوں میں رکھی گئی اور مخابرت کے وسائل غیر تسلی بخش تھے۔ اگر امیر البحر کنکیڈ کو پورے بیڑے کا مختار بنا دیا جاتا یا مجھے یہ منصب دے دیا جاتا تو لڑائی کا نقشہ بالکل مختلف ہوتا۔

ہالسے نے اپنی خودنوشتہ سوانح میں (امیر البحر ہالسے کی کہانی 1947ء) بیان کی کہ اگر ویسے ہی حالات ہوں اور ویسی ہی اطلاع مجھے ملے تو میں وہی فیصلہ کروں گا جو پہلے کیا۔ میرے پاس یہ یقین کرنے کی وجہ موجود تھی کہ کنکیڈ جنوبی اور وسطی حصوں کی دشمن قوت کا انتظام کر رہا ہے۔ شمالی جانب کی فوج تازہ دم تھی اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ جب میں نے اپنا حریف چن لیا تو میرا اصل کام یہ تھا کہ اس کے مقابلے کے لیے بہترین طریقہ انتخاب کروں۔

ہالسے دشمن کے مقابلے کے لیے تین سو میل شمالی جانب چلا گیا۔ جب وہ دشمن کے قریب پہنچ کر حملہ کرنے والا تھا تو اس کے پاس پے در پے کنکیڈ کے پیغامات پہنچنے لگے۔ ہر پیغام میں امداد کے لیے زیادہ سے زیادہ ضرورت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ آخر ایک پیغام بحرالکاہل کے کماندار اعظم امیر البحر نمٹز کی طرف سے ملا۔ ہالسے لکھتا ہے:

"اس پیغام نے مجھے دم بخود کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ مجھے اتنا غصہ آیا کہ بول نہ سکا اور یقین نہیں آتا تھا کہ نمٹز نے مجھے ایسا ذلت خیز پیغام بھیجا لیکن یہ پیغام دراصل مرموز خط پڑھنے والوں کی غلطی پر مبنی تھا۔"

آخر غصے میں ہالسے نے اپنی قوت کو منقسم ہو جانے کا حکم دے دیا۔

یہ معاملے کی موجودہ صورت ہے۔ ابھی اس میں اتنا ایندھن باقی ہے جس سے دلائل کے ہزاروں چولہے گرم ہو سکتے ہیں۔ پیشہ ور اور غیر پیشہ ور ماہر دونوں تاریخ کی اس سب سے بڑی بحری جنگ میں اپنی اپنی رائے پیش کر سکتے ہیں مگر اس میں شبہ نہیں کہ خلیج لیٹ کی جنگ ہالسے کے شمالی جانب چلے جانے کے باوجود ویسی ہی فیصلہ کن تھی جیسی جنگ سلامس، جو 480ء ق، م میں یونان اور گرشاسپ کے بیڑوں کے درمیان ہوئی تھی۔

سالہا سال تک امیر البحر شیما پر نقطہ چینی ہوتی رہی۔ اس کا مذاق اڑایا جاتا رہا۔ اسے اس "جاپانی المیے کا مسخرہ" قرار دیا گیا مگر شیما نے کوئی جواب نہ دیا اور سکوت قائم رکھا۔ آخر جنوری 1959ء میں کیلیفورنیا کے ایک طالب علم نے اسے لکھا کہ مجھے اپنی جماعت کی تاریخ کا پرچہ تیار کرنے کے لیے معلومات درکار ہیں۔ آپ بھی بتائیں کہ کیا پیش آیا۔ اس وقت شیما نے بتایا کہ میں لیٹ کی بڑی جنگ میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ باقی جاپانی فوجیں پہلے وہاں پہنچ گئی تھیں۔ ریڈیو کو ضرورتاً خاموش کر دیا گیا اور میں اپنی نقل و حرکت کو اپنے ساتھیوں کی نقل و حرکت کے مطابق نہ بنا سکا۔ پھر بدقسمتی سے مخابرت کے سلسلے درہم برہم ہو گئے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ جاپانی بیڑے کا بڑا حصہ بری طرح تباہ کیا جا رہا ہے، لہٰذا میرے لیے ہٹ جانے کے سوا چارہ نہ رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ ہم پھندے میں پھنسنے والے ہیں۔ میں نے تمام ممکنات پر غور کیا اور اس فیصلے پر پہنچا کہ بہتر یہ ہوگا، تھوڑا سا انتظار کر کے معلوم کر لوں کیا کچھ ہو رہا ہے۔

یہ فیصلہ دانشمندانہ تھا۔ مورخ موریسن نے لکھا ہے کہ پوری جنگ میں اگر کسی جاپانی کمانڈار نے کوئی دانشمندانہ فیصلہ کیا تو وہ امیر البحر شیما کا فیصلہ مراجعت تھا۔

فلپائینز کی تسخیر

اکتوبر 1941ء کے اواخر تک جاپانی جنوبی اور شمالی و مغربی لیٹ سے نکالے جا چکے تھے لیکن بندرگاہ آرموک کے راستے انھیں کمک مل گئی اور فوج کے نئے ڈویژن جنرل یاماشیٹا کی سرکردگی میں آگئے۔ انھوں نے باقی جزیروں میں زبردست مقابلے کا انتظام کرلیا۔ یہ خونریز جنگ دو مہینے تک جاری رہی۔ یوں سمجھ لیجیے کہ بحرالکاہل کے جزائر میں پیشتر جو جنگیں ہو چکی تھیں، یہ جنگ وسیع پیمانے پر انھیں کا اعادہ تھی۔ جاپانی ایک ایک انچ کی حفاظت میں لڑے اور امریکی ٹینکوں، توپوں، آتش خیز گولوں اور دستی بموں سے کام لیتے ہوئے برابر بڑھتے گئے۔ 6 اور 7 دسمبر 1944ء کی شب کو چھ جاپانی جنگی جہاز فوجیں اور رسد لے کر پہنچ رہے تھے، امریکی جنگی جہازوں نے انھیں غرق کردیا۔ ایک ہفتہ بعد مزید جہاز آئے، جنھیں لیٹ کے شمال مغرب میں ڈبو دیا گیا۔ پھر امریکیوں نے 16 دسمبر 1944ء کو آرموک کی کلیدی بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ مہینے کے اختتام تک منظم مزاحمت ختم ہوگئی، متفرق دستوں کی لڑائی جاری رہی۔

لیٹ میں جاپانیوں کی حالت مایوس کن حد تک پہنچ گئی تھی۔ فتوحات کا دور گزر چکا تھا۔ جاپان سے رسد کے خطوط کٹ چکے تھے۔ وہ ایک دشمن آبادی کے درمیان پھنسے ہوئے تھے۔ امریکی فوجیں بیدردی سے ان پر ضربیں لگا رہی تھیں۔ جاپانی فوجوں کی حالت واقعی بڑی دردناک تھی۔

لیٹ کی جنگ جاری ہی تھی، جنرل میک آرتھر نے مندناؤ، نگروس اور پینے کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے جزیرہ مندورو کے جنوبی و مغربی ساحل پر ایک فوج بھیج دی۔ یہ فوج 15 دسمبر 1944ء کو اتری۔ بہت معمولی مزاحمت ہوئی۔ پھر آگے بڑھ کر ایک فضائی اڈے پر قبضہ کرلیا اور اس کی مرمت کردی تاکہ لوزون پر حملے کے سلسلے میں اس سے کام لیا جائے۔ منیلا وہاں سے ایک سو پچپن میل تھا۔

جنوری 1945ء کے اوائل میں ایک امریکی فوج جنرل کروگر کے زیر سرکردگی لیٹ کے مشرق میں جمع ہوئی اور یہ آبنائے سوری گاؤ سے گزرتی ہوئی بحیرۂ مندناؤ اور بحیرۂ مور (فلپائنیز

کے مشرق میں) پہنچ گئی۔اس کا نصب العین یہ تھا کہ لوزون پہنچے جو فلپائینز کا انتہائی شمالی جزیرہ تھا۔یہیں فلپائینز کا دارالحکومت منیلا تھا۔اسی جزیرے میں بتان اور کوریجی ڈور تھے۔حملہ آوروں نے وہی راستہ اختیار کیا جس سے جاپانیوں نے 42-1941ء میں کام لیا تھا یعنی خلیج لنگاین کا راستہ۔جہاں سے بآسانی حملہ ہوسکتا تھا۔

امریکی پہلے ہی حملے میں دریائے ایکنو پر پہنچ گئے۔پھر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے بڑے میدان میں داخل ہوگئے، جہاں سے منیلا ایک سو دس میل جنوب مشرق میں تھا، یہاں سے منیلا تک سڑکیں بھی اچھی تھیں اور زمین بھی ہموار تھی۔ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

جزیرے میں داخل ہوتے ہی حملہ آوروں کو جاپانی وحشت کی دردناک شہادتیں ملیں۔فلپائینز میں جو قید خانے ہاتھ آچکے تھے ان کے قیدی چھوڑے گئے تو وہ بھوکے، دُبلے پتلے اور زرد رو آدمیوں کی ایک وسیع قطار تھی جن میں فوجی اور غیر مصافی دونوں شامل تھے۔یہ منظر دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔امریکیوں اور اہل فلپائینز کو اتنا غصہ آیا کہ پانچ سو تباہ حال قیدی گِننا تو ان کے قید خانے سے نکلے تو ان کے بدلے میں دشمن کے اتنے ہی سپاہی قتل کردیے۔امریکا کی فضائی اور پیادہ فوجوں نے فلپائینز کے چھاپہ ماردستوں کی اعانت سے 23 فروری 1945ء کولوس بینوس کے قید خانے سے کئی ہزار قیدی رہا کرائے۔ان قیدیوں پر جو ظلم وستم ہوئے ان کا خمیازہ ذمہ دار جاپانی افسروں کو بھگتنا پڑا۔1945ء کے اوائل میں امریکیوں نے لوزون کے جنوب اور مغرب میں نئے مقامات پر فوج اتاری۔تمام فوجوں کا رخ منیلا کی طرف تھا۔لوزون میں فوج اتارنے سے چھبیس روز بعد امریکی منیلا پہنچ گئے۔اس وقت وہاں سے نکلے ہوئے تین سال چھ ہفتے ہوچکے تھے۔

شہر بالکل تباہ کردیا گیا تھا۔کاروباری حصے کو آگ لگادی گئی تھی۔آب رسانی کے وسائل برباد ہوچکے تھے۔فائر بریگیڈ بازاروں سے ملبہ اٹھانے میں ناکام ہوچکے تھے۔کھنڈروں میں جاپانی دروازے بند کرکے یا مختلف گھروں کی چھتوں پر سے لڑتے رہے۔امریکی چھاتہ فوج کوریجی ڈور کے چٹانی حصار میں اتری جہاں جنرل وین رائٹ نے 1942ء میں آخری مقابلہ کیا تھا۔جاپانی فوج امریکیوں کی بنائی ہوئی سرنگوں میں گھس گئی۔ایک ہفتے کی شدید لڑائی کے بعد

سرنگوں میں سخت دھماکے ہوئے۔ اس وقت پتا چلا کہ جاپانیوں نے اپنی بربادی کے ساتھ سرنگیں بھی اڑادیں، جو غار باقی رہ گئے تھے، وہ بند کردیے گئے۔ 22 فروری 1945ء کو کوریجی ڈور کی جاپانی فوج کے متعلق لکھ دیا گیا کہ وہ تباہ ہوگئی۔ دو ہفتے بعد میک آرتھر کوریجی ڈور پہنچا اور اس نے پرچم لہراتے ہوئے فوجیوں سے کہا:

''پرچم ہم اب لہرا رہے ہیں، اسے اتارنے کا موقع کسی دشمن کو نہیں دینا چاہیے۔''

کچھ جاپانی مشرقی جانب کے پہاڑی علاقوں میں چلے گئے جہاں ملیریا کے جراثیم بھرے ہوئے تھے لیکن فاتحین کے لیے ان کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔

برما میں اقدامات

1942ء میں جاپانیوں نے برما کو پامال کر ڈالا تھا اور شمال کی اس سڑک پر قبضہ کرلیا تھا جس سے سامان چین بھیجا جاتا تھا۔ جاپانیوں کا مدعا یہ تھا کہ ہندوستان میں سے پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ یہ عظیم الشان منصوبہ پورا ہو جاتا لیکن غیر متوقع طور پر مزاحمت پیش آئی۔ اتحادی کمانداروں کے نزدیک چین، برما اور ہندوستان کا حلقہ بحرالکاہل کی جنگ میں سب سے کم اہم تھا۔ سقوط برما کے بعد تقریباً دو سال تک اتحادی کوئی بڑا اقدام نہ کرسکے۔ اس علاقے میں رسد اور کمک پہنچانا بہت مشکل تھا۔

اول یہ ضروری تھا کہ ہندوستان میں جاپان کو پیش قدمی کا کوئی موقع نہ دیا جائے۔ اندرون ملک میں مسائل خاصی نازک صورت اختیار کرچکے تھے۔ لارڈ ویول وائسرائے بغاوت کی شہادتوں سے پریشان ہوا۔ اس نے مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو اور نیشنل کانگرس کے دوسرے ارکان کو تحفظ کے نقطۂ نگاہ سے جیل میں ڈال دیا۔ پھر انگریزی اور ہندوستانی فوجوں کو از سر نو منظم کردیا۔

مارچ 1943ء میں جنرل ونگیٹ نے فلسطین و حبش میں جہاں گرد سپاہی کے طور پر بڑی شہرت حاصل کرلی۔ اس نے ہندوستانی فوجیں بھی منظم کیں اور ناتجربہ کار رنگروٹوں کو زبردست چھاپہ مار سپاہی بنادیا تاکہ برما میں جاپانی صفوں کے پیچھے جنگ شروع کی جائے۔

1943ء میں یہ چھاپہ مار دستے ونگیٹ اور میرل کے زیر سرکردگی دشمن کے عقب میں دور دور تک اپنا کام انجام دیتے رہے۔ یہ کوئی بڑی جنگ نہ تھی مگر بڑی اہم تھی جس نے جاپانیوں کو مضطرب رکھا اور وہ ہندوستان میں پیش قدمی سے رکے رہے۔ ایک ہزار چھاپہ مار فوجیوں کو صرف طیاروں کے ذریعے سے رسد پہنچائی جاتی تھی۔ وہ پہاڑی سلسلوں سے گزرتے۔ گہری دلدلوں میں گھس جاتے۔ دشمن کی بڑی فوج سے بچے رہنے کی کوشش کرتے رہتے۔ وادی ایراودی میں انھوں نے دشمن کے وہ سلسلہ ہائے رسد کاٹ دیے، جو شمالاً جنوباً واقع تھے۔ علاوہ بریں وہ چنڈون اور سالوین کی وادیوں میں بھی پھرتے۔ اس ریلوے لائن کو بھی خراب کرتے، جو مانڈلے سے مٹکینا جاتی تھی۔ سب سے اہم امر یہ تھا کہ اس چھوٹی سی فوج کو صرف طیاروں کے ذریعے سے سب چیزیں پہنچائی جاتی رہیں اور ثابت ہوگیا کہ موجودہ زمانے کی جنگ میں صرف طیاروں کے ذریعے سے بھی چھوٹی سی فوج کو رسد پہنچائی جاسکتی ہے۔ انھوں نے دشمن کی کارروائیاں درہم برہم کرڈالیں۔ اس سے اتحادیوں کو یقین ہوگیا (در کو یبک کی کانفرنس میں یہی فیصلہ ہوا) کہ برما میں یہی طریق جنگ جاری رکھنا مناسب ہے۔

ونگیٹ اپنے کام کے نتائج نہ دیکھ سکا۔ 24 مارچ 1944ء کو وہ برما میں ایک طیارے کے گرنے سے مارا گیا صرف اکتالیس سال کی عمر تھی۔ چرچل نے اس کی موت پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ غیر معمولی دل ودماغ کا آدمی تھا۔ اگر وہ بچ رہتا تو بہت بڑا آدمی ہوتا۔

چین کو ضروری سامان پہنچانے کا مسئلہ بہت پر پیچ تھا کیوں کہ اس کا پورا ساحلی علاقہ جاپان کے قبضے میں آگیا تھا۔ کچھ مدت تک یہ سامان ہندوستان کے شمالی و مشرقی اڈوں سے طیاروں کے ذریعے کنمنگ پہنچایا جاتا۔ جنرل سٹلویل کے انجینئروں نے ہندوستان سے شمالی برما تک ایک سڑک بنانی شروع کی جس کا نام لیڈو تھا۔ یہی سڑک آگے چل کر برما روڈ کے نام سے معروف ہوئی۔ ابتدا میں سٹلویل کے منصوبے کو ایک مجنونانہ منصوبہ قرار دے کر اس کا مذاق اڑایا گیا لیکن آگے چل کر یہ جنگ کا ایک نہایت غیر معمولی کارنامہ ثابت ہوا۔ ہزاروں قسم کی ضروری چیزیں چین پہنچانی لازم تھیں اور یہ چیزیں چھوٹی پٹڑی کی ریل ہی کے ذریعے سے پہنچائی جاسکتی تھیں۔ پھر یہ سڑک بن گئی۔ امریکی انجینئروں نے ہزاروں آدمیوں سے کام لے کر جنگلوں اور

پہاڑوں میں سے سڑک کا انتظام کرلیا اور چینی مزدور اسی طرح اس کے لیے محنت و مشقت کر چکے تھے۔ انتہائی صبر و مشقت سے یہ سڑک مختلف مراحل میں سے گزرتی رہی۔ انچ انچ، فٹ فٹ اور میل میل کر کے یہ سڑک بنتی گئی، جو چین کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی۔

دسمبر 1942ء میں کام شروع ہوا تو روزانہ تین چوتھائی میل کی رفتار سے سڑک تیار ہوتی تھی۔ مئی 1943ء تک صرف سینتالیس میل سڑک بن سکی۔ چار سو اکتیس میل کی مسافت باقی تھی۔ آئندہ تین مہینوں میں مزید دس میل بن گئی۔ پھر برسات شروع ہوگئی اور جگہ جگہ کیچڑ کے دریا نمودار ہوگئے۔ انھیں اٹھا کر ایک طرف پھینکے بغیر کام جاری نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ 7 جنوری 1945ء کو دو سال اور تیس روز کے بعد یہ عظیم الشان کارنامہ پورا ہوگیا۔ اس کا بڑا حصہ نصف دائروں، پیچ وخم اور پیچ کے حلقوں کی طرح تھا۔ یہ بڑے بڑے پہاڑوں اور گہری گھاٹیوں میں سے گزرتی تھی۔ فروری 1945ء کے اوائل میں پہلا قافلہ روانہ ہوا اور اس نے یہ سفر اٹھائیس دن میں پورا کیا۔ اس وقت تک طیاروں کے ذریعے سے پینتالیس ہزار ٹن ساز و سامان ماہوار چین پہنچایا جاتا تھا۔

سطح زمین کی مشکلات اور موسم کی خرابی کے علاوہ برما کی مہم میں ایک پیچیدہ مسئلہ کمانداری کا بھی تھا۔ جنوبی و مشرقی ایشیاء میں متحدہ افواج کا سالار اعظم لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بنایا گیا تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ جلد سے جلد جنوبی و مرکزی برما کو مسخر کرلیا جائے۔ رنگون، مانڈے اور سنگاپور اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ برما کی بالائی وادیوں اور چین کے راستے سے اسے ویسی دلچسپی نہ تھی۔ ابتدا میں وہ سٹلویل کے اس منصوبے ہی کا شدید مخالف تھا جو اس سڑک کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ناقابل گزر پہاڑوں پر سے ایک ناممکن سڑک کی تعمیر صریح حماقت ہے۔ سٹلویل اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان خاصی کشمکش شروع ہوگئی لیکن آگے چل کر ماؤنٹ بیٹن کو یہ منصوبہ قبول کرنا۔

اب برما میں اتحادی فوجوں کا کلیدی نصب العین مٹکینا تھا جو برما کی سڑک کا شمالی سرا تھا۔ 1944ء کے اوائل میں برسات شروع ہونے سے پیشتر سٹلویل شمال و مشرق اور جنوب مشرق سے اپنی چینی فوجیں مٹکینا کی طرف لے گیا۔ میرل کے فوجیوں کی امداد سے سٹلویل کی فوجیں وادی

ہکونگ سے بڑھتی ہوئی جنگلوں میں پہنچیں جہاں چالیس روز تک ایک میل یومیہ کی پیش قدمی جاری رہی۔ 4 فروری 1944ء کو ٹلویل کے جنوب میں حلف اراکان کے اندر جاپانیوں نے ایک جارحانہ اقدام شروع کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ شمالی برما میں چین امریکا اور برطانیہ کی فوجیں منقطع ہو جائیں اور بھوکوں مریں اور جاپانی فوجیں بنگال سے گزرتی ہوئی کلکتہ پہنچ جائیں لیکن جاپانیوں کو اتحادیوں کی فضائی قوت کی برتری کا کوئی صحیح اندازہ نہ تھا۔ شمالی برما کی فوجوں کو طیاروں کے ذریعے سے ہر قسم کا سامان پہنچتا رہا جس میں خوراک بھی تھی اور سامان جنگ بھی۔ توپیں بھی تھیں اور بیبر بھی۔ جاپانیوں کے پاس صرف دس دن کا راشن تھا۔ اتحادیوں نے جوابی حملہ کیا تو جاپانی لڑکھڑا کر مشرق کی طرف ہٹے اور ہزاروں جاپانی جنگلوں میں نذر اجل ہو گئے۔ آخر 3 اگست 1944ء کو اتحادیوں نے مٹکینا پر قبضہ کر لیا۔

بعد ازاں سڑک کھل گئی۔ 1945ء کے نصف اول میں برما آزاد ہو گیا۔ جاپانی مانڈلے اور رنگون سے نکالے گئے۔ وہ سرحد تھائی لینڈ کی طرف پسپا ہوئے۔ تین سال کی غیر فیصلہ کن جنگی لڑائیوں کے بعد جاپانی پورے برما سے نکالے گئے۔ یہ علاقہ فرانس سے زیادہ وسیع تھا۔ اتحادیوں کے لیے یہ بہت بڑی فتح تھی۔ صرف دشمن ہی سخت نہ تھا، زمین بھی بڑی خراب تھی۔ موسم پریشان کن تھا۔ ملیریا، یرقان اور پیچش کی بیماریاں عام تھیں۔ گرد و غبار بہت زیادہ تھا۔ جنگلوں میں دم گھٹتا تھا۔ گویا سخت مشکلات میں یہ فتح حاصل کی گئی۔

چین کا معاملہ

مشرق بعید کے حلقہ جنگ میں جاپانیوں نے صرف چین کے اندر پیش قدمی جاری رکھی۔ دفاعی اعتبار سے وہ اپنی جہاز رانی محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور امریکی بموں سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ جارحانہ اقدام کے نقطہ نگاہ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی چین کا ساحلی میدان چونکنگ سے الگ کر لیں اور اسے ہند چینی، ملایا اور برما کے مرکزوں کے لیے داخلی راہ رسد بنا لیں۔

1938ء کے اوائل میں چین کی قومی حکومت (کومن تانگ) چین کائی شک کے زیر

قیادت چونگنگ چلی گئی تھی۔اس کی جنگی مساعی میں مختلف مسائل رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے مثلاً ناجائز نفع جوئی، سستی، رشوت خوری، ضیاع وقت وفرصت۔ افراط زر نے یہ صورت اختیار کر لی تھی کہ 1937ء اور 1940ء کے درمیان جنسوں کی قیمت پانچ سو گنا ہو گئی تھی۔ بیرونی دنیا سے چین کے تعلقات تقریباً منقطع ہو چکے تھے البتہ امریکی طیارے ہندوستان سے ضروری سامان چین پہنچا رہے تھے۔

چین میں آدمیوں کی کوئی کمی نہ تھی لیکن چینی کسان سپاہی پھٹی ہوئی وردیاں پہنتے۔ گھاس پھوس کے جوتے استعمال کرتے۔ چاول رسد میں لیتے۔ وہ جاپان کی تربیت یافتہ اور مسلح فوجیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ بلاشبہ وہ بڑے بہادر تھے لیکن ان کی قدیم رائفل جاپانی توپوں کے سامنے بیکار تھی۔ حد درجہ پریشان کن واقعہ یہ تھا کہ چین کی قومی حکومت اور چینی کمیونسٹوں کے درمیان لامتناہی کشمکش جاری تھی۔ گویا جنگ کے اندر ایک اور جنگ ہو رہی تھی۔ 1937ء سے 1941ء تک دونوں فریق ٹوکیو سے متنفر تھے اور دونوں اکٹھے ہو کر حملہ آوروں سے لڑتے رہے۔

جنوری 1941ء میں قوم پرور فوجوں نے پانچ ہزار کمیونسٹوں پر حملہ کر دیا جو دریائے ٹیکسٹی کے پار ہٹ رہے تھے اور یہ سمجھ لیا کہ کمیونسٹ غداری اور تخریب پر آمادہ ہیں۔ اس وقت سے چین میں جنگ دردناک صورت اختیار کر گئی اور یہ سہ گونہ جنگ ہو گئی یعنی ایک فریق قوم پرور چینی تھے۔ دوسرا فریق کمیونسٹ، تیسرا فریق جاپانی۔ چینی کمیونسٹ تعداد میں آٹھ کروڑ تھے۔ وہ زیادہ تر شمالی ومغربی صوبوں میں جمع تھے اور ان کا مرکز نیان تھا۔ ان کے اپنے محاصل تھے اور اپنا سکہ جاری تھا۔ وہ اپنے طریقوں کے مطابق جاپانیوں سے لڑتے تھے۔

ان حملوں کے سامنے پانچ لاکھ چینی فوج ختم ہو گئی۔ امریکی اپنے وہ ہوائی اڈے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے جو آگے بنائے گئے تھے تاکہ حملوں میں آسانی ہو۔ جاپانیوں نے کانٹن سے شنگھائی تک تمام بندرگاہیں محفوظ کر لیں۔ چھ مہینے کے اندر اندر چین تقریباً دو مساوی حصوں میں بٹ گیا اور کوریا سے ملایا تک خشکی کا راستہ جاپان کے لیے نکل آیا۔ اتحادیوں کے لیے یہ سخت پریشان کن واقعہ تھا۔

جنرل سٹلویل، چیانگ کائی شک کا چیف آف سٹاف اور مشیر تھا۔ اس نے اپنے رئیس سے پرزور درخواست کی کہ کمیونسٹوں سے جنگ بند کردی جائے اور انھیں ساتھ ملا کر زبردست قوت بنالی جائے۔ چیانگ نے یہ تجویز غصے سے ٹھکرادی۔ پھر سٹلویل نے یہ تجویز پیش کی کہ چین کی قومی فوجیں براہ راست میری کمان میں دے دی جائیں۔ چیانگ اور اس کے صوبائی جرنیلوں نے اسے اجنبی اقتدار قرار دے کر ٹھکرادیا۔ معاملہ پیچیدہ ہوگیا اور سٹلویل چیانگ کائی شک کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کرنے لگا۔ آخر چیانگ کائی شک کی درخواست پر سٹلویل کو واپس بلالیا گیا۔

اکتوبر 1944ء میں جنرل ویڈی میر کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس نے پریشان حال چینی لیڈر کے متعلق گہرے ہمدردانہ احترام کی روش اختیار کی۔ اس کی فوج اور حکومت کو تقویت پہنچائی لیکن چنداں کامیابی نہ ہوئی۔

1944ء کے نقصانات سے چینی قوم پرستوں کو بڑا دکھ ہوا۔ پھر امریکی مشیروں کی تربیت و رہنمائی میں ایک بڑے جارحانہ اقدام کا انتظام کیا گیا، جو 1945ء کے موسم بہار اور موسم گرما میں ہوا۔ اس وقت تک جاپانی اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ چین میں اپنی فتوحات سے بھی دست بردار ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اتحادیوں نے ساحلی شہروں کے ہوائی اڈے واپس لے لیے۔ جب ملایا تک جاپانی گزرگاہ بہت تنگ ہوگئی تو جاپانی گرفتاری سے بچاؤ کے لیے پسپائی پر مجبور ہو گئے۔

بحرالکاہل کی بڑی لڑائی میں چین کے محاذ کی حیثیت ضمنی سی رہی۔ جب جاپان گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا تو قوم پروروں اور کمیونسٹوں کے درمیان فوجی اور سیاسی کشمکش جاری رہی۔ ہر فریق آئندہ صلح میں زیادہ سے زیادہ فائدے اٹھا لینے کا خواہاں تھا۔ جنگ کے بعد چین میں اتحادیوں کی جنگی پالیسی پر سخت نقطہ چینی ہوئی۔

41

مشرق بعید میں فتح

(1)

جاپان کی حالت زار

ٹوکیو کے اخباروں میں جاپانیوں کی بہادری، عظمت وشان اور فتح وظفر کی کہانیاں جلی حروف میں چھاپی جاتی تھیں لیکن عوام سمجھتے تھے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اگر لڑائی میں فتح حاصل ہو رہی ہے تو تباہی اور خوف زدگی کیوں؟ ابتری اور افراتفری کس لیے؟ سفید فام شیاطین اڑ اڑ کر آتے ہیں اور جاپان کے شہر کو راکھ بناتے ہیں۔ لاکھوں آدمی شہر چھوڑ کر اطراف کو بھاگے جا رہے ہیں، سکول بند ہو رہے ہیں۔ نقل و حمل کا نظام ہجوم کے خروج نے درہم برہم کر ڈالا ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کسان چاول ذخیرہ کر رہے ہیں اور شہری آبادی بھوک سے دوچار ہے۔

بلاشبہ 1945ء کے اوائل میں جاپان جنگی مساعی برقرار رکھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اتحادیوں کی ناکہ بندی سے تیل، کوئلے، لوہے، بکسائٹ اور تمام ضروری جنسوں کی درآمد رک گئی تھی۔ نقل و حمل کا وہ پورا جال ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا جو بحرالکاہل پر پھیلا دیا گیا تھا۔ جو تجارتی جہاز جاپان جا رہے تھے وہ جنوبی بحیرۂ چین میں ڈبو دیے گئے۔ سنگاپور انڈونیشیا سے ٹوکیو تک کی شاہراہ کا ایک قدیم مرکز تھا وہ بھی اب بیکار ہو گیا تھا۔ یقیناً جاپان کے پاس ساٹھ لاکھ فوج تھی اور اس میں

سے زیادہ تر ملک کے اندر تھے لیکن بحرالکاہل میں بھی بڑی فوج جگہ جگہ بیکار پڑی تھی اور اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ نامعلوم تعداد جزائر شرق الہند میں۔ یہ تمام فوجیں بچاؤ کے لیے افق پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں لیکن کوئی بیڑا ان کے لیے نمودار نہ ہوا۔ بحری اور فضائی قوت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ مشرق بعید کی فضائی امریکی قوت کے کمان دار جنرل جارج کینی نے چیلنج دے دیا کہ یا تو ہتھیار ڈال دو یا میں روزانہ پانچ ہزار طیاروں کے حملے کراتا رہوں گا، یہاں تک پوری جاپانی قوم خانہ بدوش ہو جائے لیکن کارفرمایانِ جنگ لوگوں کو جوش دلاتے اور مطمئن کرتے رہے۔ ان کی غلط فہمی یقیناً بہت بڑی تھی۔ وہ بہت بڑا علاقہ لے چکے تھے۔ اب چار ہزار میل لمبے حلقے کی حفاظت ان کی دسترس سے باہر تھی۔ اب پھر فیصلہ ہوا کہ مزاحمت کے ایسے دستے تیار کیے جائیں جو جانیں دے دینے پر آمادہ ہوں۔ نعرہ لگایا گیا:

''دس کروڑ اکٹھے مریں گے۔''

ہزاروں جاپانیوں، امریکیوں اور انگریزوں کی جانیں ضائع ہوئیں، کیوں کہ جاپان کے کارفرمایان جنگ اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں تھے۔ 1943ء کے اوائل میں ایک تحریک صلح ہوئی تھی جس کی تائید جاپان کے بوڑھے مدبروں نے کی مثلاً پرنس کولوی، واکاسوکی، بیرن ہرانوما اور امیر البحر اوکاڈا۔ فروری 1945ء میں شہنشاہ کو بھی خیال ہوا کہ جنگ کا سلسلہ ٹھیک طریقے پر جاری نہیں۔ اس نے مختلف مدبروں سے الگ الگ بات چیت کی۔ ان میں سابق وزرائے اعظم بھی شامل تھے اور اعلیٰ درجے کے مدبر بھی۔ پرنس کولوبی نے 16 اکتوبر 1941ء کو اس لیے استعفیٰ دے دیا تھا کہ جنگ شروع کر دینے کے فیصلے کی ذمہ داری ٹوجو پر تھی جو فوج کا ترجمان بنا ہوا تھا۔

جاپانی بحری قوت ختم ہو چکی تھی۔ جنگی مشین کے لیے ایندھن موجود نہ تھا۔ قوم دیوالیہ نظر آتی تھی مگر کارفرمایانِ جنگ حوالگی کا مشورہ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر بحث ہوئی۔ کہا گیا کہ اپنا دامن بچاؤ، قومی سیاسیات کے لیے دلائل پیش کیے گئے۔ آخر میں خودکشی کے ذریعے سے دفاع اور معجزات کی پیش گوئیوں پر معاملہ ختم ہو گیا۔ جاپان شکست کے گڑھے میں گرنے کے لیے تیار تھا لیکن لڑائی جاری رہی۔

جاپان معرض تزلزل میں ایوجیما کی راکھ

ایوجیما ایک چھوٹا سا بدوضع جزیرہ، جو صرف آٹھ مربع میل تھا جاپان کے دروازے پر واقع تھا۔ وہاں نباتات کا کوئی وجود نہ تھا۔ ساحل پر آتش فشاں پہاڑوں سے نکلی ہوئی راکھ موجود تھی۔ اس کے شمالی حصے میں چٹانوں، بڑی بڑی سلوں، شگافوں، آتش فشاں دہانوں کا ایک وسیع سلسلہ نظر آتا تھا۔ کہیں کہیں لاوے کے دھارے جمے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں گندھک کے گڑھوں سے بھاپ نکل رہی تھی لیکن آتش فشانی چٹانوں کا یہ چھوٹا سا جزیرہ جاپان اور امریکا دونوں کے لیے پورے مشرق بعید میں ایک حد درجہ اہم جنگی نقطہ تھا۔ یہ ٹوکیو سے صرف ساڑھے سات سو میل کے فاصلے پر تھا لہٰذا دفاعی و جارحانہ کارروائیوں کے لیے ایوجیما ایک ناگزیر مقام تھا۔ جاپانی اسے ''دیدبان'' کہتے تھے جو بمبار طیاروں کی آمد کی اطلاع ٹوکیو کو دے دیتا تھا۔ جاپانیوں نے ہر چھوٹی بڑی چیز پر خاص توجہ مبذول کرتے ہوئے اس جزیرے کو ایک زبردست قلعے کی صورت دے دی تھی۔ انھوں نے آتش فشانی راکھ میں سیمنٹ ملا کر اعلیٰ درجے کا کنکریٹ تیار کر لیا اور اس کنکریٹ سے ایک ایسی دیوار تعمیر کر دی جو آٹھ فٹ چوڑی تھی۔ پورے جزیرے کے اردگرد دیوار کے ساتھ ساتھ زمین دوز قلعے بنا لیے۔ ساحل پر اور لب آب سے جزیرے کے اندر تک بھاری بری سرنگیں بچھا دی گئیں۔ جزیرے میں تین فضائی اڈے تھے اور ان سے جنگی طیارے اڑ کر ان طیاروں پر حملے کرتے تھے جو جزائر میریانا کی طرف سے آتے تھے۔ سب سے آخر میں یہ کہ جزیرے کی حفاظت کے لیے جاپانیوں نے تیئس ہزار آدمی متعین کر دیے، جنھیں جاپانی فوج کا سرجوش مانا جاتا تھا۔ جنرل کوری بیاشی ان کا کماندار تھا۔

امریکی بھی یہ چھوٹا سا جزیرہ لینا چاہتے تھے۔ جزائر میریانا کے فضائی مرکز ٹوکیو سے تیرہ سو میل پر تھے۔ B-29 جیسے بڑے بڑے جہازوں کو آمد و رفت میں سولہ گھنٹے لگتے تھے اور بہت کم پٹرول بچتا تھا۔ اگر موسم خراب ہوتا تو یہ بڑے بڑے اڑن قلعے بحرالکاہل ہی میں گر کر ختم ہو جاتے۔ اگر ایوجیما امریکیوں کے ہاتھ آ جاتا تو ان کے لیے ایک بیش بہا مقبوضہ ثابت ہوتا۔ یہ نیوگنی سے جاپان تک آخری بیرونی چوکی تھا۔ یہ ٹوٹے ہوئے جہازوں کے لیے اور ان جنگی طیاروں

کے لیے ایک مرکز بن سکتا تھا جو بمباروں کی حفاظت کے لیے جاتے تھے۔

جنرل میک آرتھر فلپائینز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ برطانوی جرنیل سلم جاپانیوں کو برما سے نکال رہا تھا۔ امریکا نے اپنی بحری، فضائی اور بری قوت اویوجیما پر مرتکز کر دی۔ شروع میں مسلسل چوہتر روز تک اس پر طیارے بم اور بحری جہاز گولے برساتے رہے۔ یکم فروری 1945ء کو بحرالکاہل کا ہر امریکی طیارہ ایووجیما پر حملے کے لیے استعمال کیا گیا۔ دو ہفتے بعد چھ بڑے جنگی جہاز کروزروں اور تباہ کن جہازوں کی حفاظت میں آہستہ آہستہ جزیرے کے اردگرد گھومے اور بری طرح اس پر گولہ باری کی۔

19 فروری 1945ء کو ایک بہت بڑا امریکی بیڑا گولے برسانے والے جنگی جہازوں میں شامل ہو گیا۔ اس بیڑے میں تیس ہزار بحری جوان مرد موجود تھے۔ جنرل ہیری شمٹ ان کا کماندار تھا۔ یہ منظر نہایت غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا۔ حملہ آور بیڑے نے ایک ہلال نما صف بنالی، جو سات میل لمبی ہوگی۔ اس سے آگے خشکی اور تری میں کام کرنے والی کشتیاں سمندر کا پانی بلو رہی تھیں اور اس میں سے جھاگ اٹھ رہی تھی۔ ان بحری بہادروں نے کشتیوں سے اترنے کے لیے جال ایک طرف ڈال دیے اور ان سطح کشتیوں میں بیٹھ گئے جو انھیں کنارے پہنچانے والی تھیں۔ پرچم لہرا رہے تھے۔ چھوٹی کشتیاں ان کی طرف بڑھیں اور کنارے پہنچنے کے اشارے کا انتظار کرنے لگیں۔ اشارہ ہوتے ہی ہر کشتی اپنے اپنے لیڈر کے پیچھے روانہ ہو گئی۔ جب پوری صف سیدھی ہو گئی تو کشتیاں انتہائی تیزی سے کنارے کی طرف دوڑیں۔ عقب سے توپوں کی آتش باری نے ان کے لیے حفاظت کا سائبان تان دیا تھا۔

کنارے پر پہنچتے ہی ٹخنوں تک آتش فشانی راکھ میں دھنس گئے۔ پھر ان پر گولے برسنے لگے مگر یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کہاں سے آ رہے ہیں۔ خودبخود چلنے والے اسلحہ زمین کی سطح سے صرف چند انچ کی بلندی پر آگ اگل رہے تھے۔ چنانچہ بہادر بحری فوج کو ایک ایک گز کے لیے خون کی قربانی دینی پڑی۔ چند گھنٹوں میں انھوں نے جنوبی و مغربی ساحل پر ساڑھے چار سو گز لمبی اور پانچ سو گز گہری قدم گاہ پیدا کر لی۔ پھر وہ اطراف کی چٹانوں پر چڑھنے لگے۔ اڑتالیس گھنٹوں تک حملہ آور فوج کو ایک لمحے کے لیے بھی سونا نصیب نہ ہوا اور بارش مسلسل جاری تھی۔ جنگ کے

پہلے دو دنوں میں کم از کم تین ہزار چھ سو پچاس بحری جوان مقتول و مجروح ہوئے لیکن تیسرے دن کے اختتام تک امریکیوں نے آتش خیز جزیرے کے ایک تہائی حصے پر قبضہ کر لیا تھا۔

اب بہادر بحری فوج نے دوسرے ہوائی اڈے پر قبضے کے لیے قدم اٹھایا۔ اس کا نام موٹویاما تھا۔ اس اڈے کے آس پاس چھپنے اور پناہ لینے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ پہلے وہ لوگ آگے آگے روانہ ہوئے جو بم پھینک کر آگ لگاتے تھے اور چیزیں تباہ کرنے کے ماہر تھے تاکہ پیش قدمی کا راستہ ہموار ہو جائے۔

اس دردناک مقابلے میں بحری جوانوں نے تین روز کے اندر سات سو گز زمین پر قبضہ کیا اور ہوائی اڈے کے جنوبی سرے کے استحکامات پر آگ برساتے ہوئے وہ آگے بڑھے۔ شعلہ باری، دستی بموں، پستولوں وغیرہ سے کام لیتے ہوئے جاپانی استحکامات میں سے پیش قدمی کی۔ ایک ہزار گز لمبے اور دو سو گز چوڑے رقبے میں سے دشمن کی کم و بیش آٹھ سو چوکیاں ایک ایک کر کے تباہ کرنی پڑیں۔ ڈھلان کی چوٹی پر بحری جوان سنگینوں کے ساتھ جاپانیوں پر پل پڑے۔ اس وقت تک امریکی مقتولین و مجروحین کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

چوتھے روز کے اختتام پر بحری جوان کوہ سوئی باشی کے دامن میں پہنچ گئے تھے۔ یہ کلیدی دفاعی مقام تھا جہاں سے جاپانی گولوں کی تیز بوچھاڑیں ساحل پر برسا رہے تھے جہاں ٹوٹی پھوٹی کشتیاں، ٹینک اور ٹوٹا پھوٹا سامان پڑا تھا۔ ساحل پر اتنی چیزیں جمع تھیں کہ جاپانی گولے کہیں نہ کہیں ضرور جا لگتے۔

اب بحری جوانوں کے تین ڈویژن جزیرے پر پہنچ چکے تھے۔ جزیرہ چھوٹا سا تھا اور جوان اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ وہ ہر دس قدم پر ایک دوسرے کے سامنے آ نکلتے۔ پانچویں ڈویژن نے مغربی کنارے کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور جزیرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ چوتھا ڈویژن شمالی جانب تھا وہ بھی مغرب کی طرف بڑھا۔ پھر دونوں ڈویژنوں نے شمال کا رخ کر لیا تاکہ جزیرے کے آخری سرے پر پہنچ جائیں۔

ساتھ ہی کنارے کے جنگی جہازوں نے کوہ سوری باشی پر بے پناہ گولہ باری شروع کر دی۔ ادھر بمباز اور راکٹ طیارے بم اور راکٹ برسانے لگے۔ گولہ باری بڑی موثر ثابت

ہوئی۔ جاپانی استحکامات میں ایسی ہی ضرورتیں پیش نظر رکھی گئی تھیں۔ بحری جوانوں کی اٹھائیسویں رجمنٹ سیدھی ختم شدہ آتش فشاں دہانے پر بڑھی۔ اس نے بے شمار جاپانی سرنگیں ایک طرف چھوڑ دیں۔ جہاں جہاں کوئی مورچہ یا پناہ گاہ یا چوکی یا غار نظر آیا، اسے رجمنٹ کے جوان اڑاتے گئے۔ 23 فروری 1945ء کی صبح کو دیکھ بھال کرنے والا ایک جوان بلند ترین چوٹی پر پہنچا اور چند لمحوں میں اس نے پرچم کے لیے ایک مستول نصب کر دیا۔ عین اس موقع پر ایسوسی ایٹڈ پریس کا فوٹو گرافر جو رزنتھل موقع پر پہنچ گیا اور اس نے تصویر لے لی۔ ایسے مواقع شاذ ہی آتے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ میں جو تصویریں لی گئیں ان میں سے جس تصویر کا ذکر دنیا میں سب سے زیادہ ہوا وہ یہی تھی۔ اس صلے میں جوروزنتھل کو بین الاقوامی ستائش کے علاوہ پولٹ زر کا انعام بھی ملا۔ یہ تصویر لاکھوں مرتبہ جنگی تمسکوں، اخباروں، میگزینوں، کتابوں اور ٹکٹوں پر بطور یادگار چھاپی گئی۔ جنگ کے بعد فوجی اور غیر فوجی فن کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ ایک فوٹو گرافر کا مجسمہ برنج سے تیار کیا گیا۔

جاپانیوں کے لیے یہ حادثہ دلدوز تھا۔ ان کے نزدیک ایووجیما ٹوکیو کا ایک حصہ تھا اور وطن کا ایک ٹکڑا۔ ان کی فوج کا تقریباً ایک ایک آدمی کٹ مرا۔ اکیس ہزار سے زیادہ آدمی مارے گئے، صرف دو سو قیدی بنائے گئے۔ چند ہفتے بعد پاس کے ایک جزیرے آئی شیما میں امریکیوں کو ایک افسوسناک نقصان سے سابقہ پڑا۔ امریکا کا ایک جنگی نامہ نگار ارنائی پائیل جنگ سے متنفر تھا اور شرمیلا سا آدمی تھا لیکن نامہ نگار کی حیثیت میں وہ سمجھتا تھا کہ اسے پہلے ہراول دستے کے ساتھ رہنا چاہیے۔ آئی شیما پر وہ ایک جاپانی کلدار توپ کی گولی سے جان بحق ہو گیا۔ وہ جتنی خبریں اخباروں کو بھیجتا، ان میں مہر و محبت اور ایثار کی بہت سی تفصیلات بیان کرتا۔ یہ بتاتا کہ لوگ کس طرح صفوں کے پیچھے بیٹھے بیٹھے تنہائی سے گھبرا اٹھتے ہیں اور نوجوان کس طرح ہمت و جرأت کے مظاہرے کرتے ہوئے پختہ کار ہو گئے ہیں۔ وہ تھکے ماندے سپاہیوں کی کہانیاں بیان کرتا جو مرنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی طرح بہادری اور بزدلی، پھولوں اور قبروں کی داستانیں سناتا۔ اس نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ انسانیت کے ساتھ مجھے نئی ہمدردی پیدا ہو گئی ہے جو پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جنگ کی مصیبتوں میں سے گزرا ہوا کوئی انسان کس طرح کسی کے ساتھ بے

رحمی کا برتاؤ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ سپاہیوں کو انڈیانا کے اس گنجے سر والے نامہ نگار سے بڑی محبت تھی جو جنگ کی تصویر نہایت خوبصورتی سے کھینچتا تھا۔ اس کی موت کی خبر سن کر سب کو رنج ہوا۔ چنانچہ جہاں وہ مارا گیا تھا وہاں ایک سادہ سا کتبہ لگا دیا گیا جو درج ذیل ہے:

اس مقام پر

سترویں پیادہ ڈویژن سے

اس کا محبوب ارنائی پائیل چھن گیا

18 اپریل 1945ء

خودکشی کا حربہ

تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک برسرِ جنگ قوم نے خودکشی کو سرکاری طور پر ایک فوجی حربے کی صورت میں اختیار کیا اور اپنے جنگجوؤں سے کہا:

''لڑائی میں جاؤ تو یقین کے ساتھ جاؤ کہ تمہیں مرنا پڑے گا''

مگر یہ حربہ بھی جاپان کو بچا نہیں سکتا تھا، کیوں کہ وقت گزر چکا تھا۔ اوکی ناوا پر حملہ ہونے والا تھا کہ جاپان کے وزیرِاعظم کوئیسو نے شکست سامنے دیکھ کر پوری فوج کو انتباہ کیا:

''دس کروڑ ہم وطنو! دشمن ہمارے بیرونی دروازے پر کھڑا ہے۔ ہمارے ملک کی تاریخ کا یہ نازک ترین لمحہ ہے۔''

جب اطلاعات ملیں کہ جاپانی بیڑا حرکت میں آیا ہے تو بحرالکاہل کے امریکی بیڑے کے کمانداروں کو بے حد خوشی ہوئی۔ آخر وہ لمحہ آ پہنچا، جس کے لیے امریکی بیڑا مسلسل برسرِکار تھا اور دعائیں مانگ رہا تھا۔ بیڑے نے جاپانی بیڑے کو جزیرہ کیوشو (مشرقی بحیرہ چین) سے پچاس میل جنوب مغرب میں جا لیا۔ طیارہ بردار جہازوں سے چار سو جنگی طیارے اور بمبار اڑے اور دشمن پر جھپٹے۔ یماٹو، دو ہلکے کروزر اور تین تباہ کن جہاز ڈبو دیے گئے۔ مزید تین تباہ کن جہاز شعلوں کی نذر ہو گئے۔ یہ اس بیڑے کی آخری ہچکی تھی جسے ٹوکیو میں ناقابلِ شکست سمجھا جاتا تھا۔

پانچ مہینے پیشتر (اکتوبر 1944ء) جن امریکی ملاحوں نے فلپائنیز کی بحری جنگ میں حصہ

لیا تھا انھوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جاپان کے پائلٹ اپنے طیاروں کو امریکی جنگی جہازوں سے بھڑا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا یہ فیصلے آخری موقع پر کیے گئے تھے؟ کسی کو کچھ پتا نہ تھا لیکن جب ایک امریکی کروزر کو براہ راست ایک غوطہ خور جاپانی طیارے سے ایسا ہی واسطہ پڑا تو واضح ہو گیا کہ دشمن نے خودکشی کا جارحانہ اقدام شروع کر دیا۔

جنگ کے بعد جاپان کے ریکارڈ شائع ہوئے تو واضح ہو گیا کہ خلیج لیٹ کی جنگ میں نائب امیر البحر ونیشی (جو فلپائنیز میں جاپانی فضائی قوت کا کماندار تھا) نے حکم دے دیا تھا کہ ایک نازک صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک عارضی تدبیر اختیار کر لی جائے۔ اس نے کہا:

''میں دشمن پر تمام طیاروں کے ساتھ آخری حملہ کروں گا چوں کہ اتنی بحری قوت موجود نہیں جو میری حفاظت کا فرض انجام دے سکے، لہٰذا ضروری ہے کہ میں امریکی طیارہ بردار جہازوں کو طیاروں کی پرواز سے پہلے ہی شل کر کے رکھ دوں۔ سوال یہ تھا کہ یہ کام کیوں کر انجام پائے گا؟ رونیشی نے بتایا کہ میں پائلٹوں کو بمبار طیارے دے کر بھیجوں گا جو امریکی طیارہ بردار جہازوں کے عرشوں پر جا گریں گے۔''

اس نے کہا:

''بے شک دشمن کے بڑے بڑے جہازیوں غرق کرنے کا امکان بہت کم ہے لیکن وہ اس وقت تک کے لیے معطل ضرور ہو جائیں گے جب تک جاپانی بیڑا دشمن کے بیڑے کو تباہ کرنے کے لیے آخری فیصلہ کن کوشش میں مصروف ہو گا۔ اونیشی کے پائلٹ یہ کام انجام نہ دے سکے اور امریکیوں نے طیاروں کے ایسے جھنڈ اڑائے جنھوں نے غیر محفوظ جاپانی جہازوں میں عام تباہی پھیلا دی۔''

خلیج لیٹ کی جنگ کے بعد اونیشی نے خودکشی کی تدبیروں پر عمل کا فیصلہ کر لیا۔ جاپان کی فضائی قوت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ دشمن پر رسمی حملے نہیں کر سکتا تھا۔ اونیشی نے اپنے تمام پائلٹوں کو جمع کیا اور بتایا کہ ہمارا ملک صرف آپ ایسے نوجوانوں کی شجاعت و مردانگی کے بھروسے پر نجات حاصل کر سکتا ہے۔ پھر اس نے وطن اور شہنشاہ کے لیے شاندار موت کا خاکہ پیش کیا۔

اس کے پس منظر میں جاپان کے مذہب اور نفسیات کی عجیب و غریب آمیز موجود تھی جو امریکیوں کے لیے حیران کن تھی۔ ''سمورائے'' یا فوجی ضابطے کے مطابق شکست کا امکان سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ جاپانی بچے کو ابتدا ہی سے گھر پر اور سکول میں یہ سکھایا جاتا تھا کہ فتح کا متبادل موت کے سوا کچھ نہیں اور حوالگی اس درجہ شرمناک ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح جو جاپانی فوجیں شکست کے قریب پہنچ جاتی تھیں ان سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ ایک دم دشمن پر جا گریں گی نتیجہ خواہ کچھ ہو۔ کمیکاز کی تدبیریں جنگ کے آخری دور میں اس وقت پیش نظر آئیں جب اور کوئی راستہ ہی نہیں رہا تھا۔

کمیکاز کے دو طریقے تھے زیادہ بہتر طریقہ یہ تھا۔ جس میں جرمنی کے V-1 راکٹ بم جیسی چیز کو جاپانی پائلٹوں کے ذریعے سے ہدف پر پہنچاتے تھے۔ ایک نمونے کا نام براؤی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ دو ہزار چھ سو چالیس پاؤنڈ کا بم ایک بمبار جہاز کے ذریعے سے اٹھایا جاتا پھر ایک پائلٹ وہ بم لے کر چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہدف پر پہنچا دیتا۔ ساتھ ہی خود مر جاتا لیکن ایسے بم اتنے نہ تھے کہ جنگ کا پانسا پلٹ سکتے۔ آٹھ سو بم تیار کیے گئے تھے صرف پچاس سے کام لیا گیا اور محض تین نشانے پر بیٹھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ایک معمولی جہاز تیار کیا جاتا جو پانچ سال پیشتر کے نمونے پر ہوتا۔ اس میں اسلحہ بالکل نہ رکھے جاتے البتہ اڑھائی سو پاؤنڈ سے ساڑھے پانچ سو پاؤنڈ تک کا آتش گیر بم جہاز کے اگلے حصے میں رکھا جاتا۔

اکثر پائلٹ نوجوان تھے انھیں زیادہ تربیت نہیں دی گئی تھی کہ بڑے بڑے کام انجام دے سکیں البتہ چند تجربہ کار بھی موجود تھے جو جاپان کی فضائی فوج میں سے بچ رہے تھے۔ موت کے اشتیاق میں روانگی سے پیشتر ان لوگوں کے لیے خاص دعوتوں کا انتظام کیا جاتا اور انھیں خاص پیٹیاں دی جاتیں جن پر بوشیڈو کا ضابطہ کندہ ہوتا۔ وہ شہنشاہ کا جام صحت پیتے۔ جاپانی سلطنت کی بقا کے لیے دعائیں مانگتے اور موت کے سفر پر روانہ ہو جاتے۔ وطن کے لیے جان دینا ان کے نزدیک بہت خوشگوار تھا۔ وہ زندگی کے اس آخری عمل میں اپنے اجداد کے طریق کی پیروی کرتے تاکہ کمزور امریکی حوصلہ ہار بیٹھیں جو زندگی کو اس قدر قیمتی سمجھتے ہیں کہ اپنے طیاروں میں حفاظت کے لیے قسم قسم کے سامان فراہم کرتے ہیں۔ جاپانی ایسے حربے سے امریکیوں کو شکست دے دیں گے۔

خودکشی کرنے والے پائلٹ اپنے گھروں کو آخری خط لکھتے، جن کا مضمون یہ ہوتا:

''ہم دشمن کے جہازوں پر گرنے والے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ جاپان میں صرف محبوب گھروں، بہادر عورتوں اور خوبصورت دوستوں ہی کو باقی رہنے کی اجازت حاصل رہی اور آج بھی صورت یہی ہے۔ خدا کرے ہماری موت اتنی ہی اچانک اور صاف ہو، جس طرح آبگینہ ٹوٹتا ہے..... آیئے ہم موسم بہار میں آلو بالو کے شگوفوں کی طرح گریں، صاف اور چمکیلے۔''

جنگ کا یہ نہایت عمدہ منظر تھا۔ چنانچہ خودکشی کا حلف اٹھائے ہوئے پائلٹ بھڑوں کے چھتے کی طرح آئے اور بیڑے پر گرے۔ سینکڑوں دن کی روشنی میں، پھر رات کی تاریکی میں آئے۔ وہ جانیں قربان کرنے اور جہازوں کو ڈبونے کے خواہاں تھے۔

امریکی جہازوں پر سے طیارہ شکن توپیں گولے اگل رہی تھیں۔ دور فاصلے پر خودکشی کرنے والے طیارے امریکی طیاروں سے لڑ رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ امریکی طیاروں کو لڑائی میں مصروف رکھا جائے اور بمبار جہاز بیڑے پر جا گریں۔ طیارہ بردار جہازوں سے جنگی طیارے اڑے اور انھوں جاپانیوں کو غوطہ لگانے سے پیشتر ہی ختم کر دیا۔ حملے میں بیاسی شب و روز صرف ہوئے۔ اس اثنا میں خودکشی کرنے والے جاپانی ایک بھی جہاز کو غرق نہ کر سکے۔

اعداد و شمار پیش نظر رکھے جائیں تو خودکشی کرنے والوں نے خاصا نقصان پہنچایا۔ چونتیس امریکی جہاز ڈبوئے گئے۔ دو سو اٹھاسی کو نقصان پہنچا۔ ان میں چھتیس طیارہ بردار تھے پندرہ جنگی جہاز اور ستاسی تباہ کن جہاز۔ لوزون پر اقدامات کے سلسلے میں دو ہزار امریکی بحری جوان صرف خودکشی کرنے والوں نے موت کے گھاٹ اتارے۔ فلپائنز کی مہم کے دوران میں خودکشی کرنے والوں نے بڑی کوششیں کیں مگر چار میں سے صرف ایک نشانے تک پہنچ سکا۔ لڑائی زوروں پر جاری تھی تو جہازوں کو اتنا نقصان پہنچا کہ کیلیفورنیا کی گودیاں مرمت طلب جہازوں سے بھر گئی تھیں۔ نقصان اتنا زیادہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رکھا جا سکتا تو یا تو امریکا کو مہم چھوڑ دینی پڑتی یا نقشہ جنگ میں تبدیلی لازم ہوتی۔

اس سلسلے میں جاپان کا نقصان بھی کم نہ تھا۔ البتہ اس بارے میں اندازے مختلف تھے یعنی ایک ہزار دو سو اٹھائیس سے چار ہزار طیاروں اور پائلٹوں تک مختلف اعداد بتائے گئے لیکن اس حب وطن یا حماقت یا تعصب و جنون کے باوجود جاپان کی تقدیر پر مہر لگ چکی تھی۔

42

مشرق بعید میں فتح

(2)

اوکی ناوا

ایک جزیرے میں سے دوسرے جزیرے کے اندر اترنے کا سلسلہ اوکی ناوا پر ختم ہو رہا تھا۔ جاپانیوں کو توقع یہی تھی۔ ٹوکیو کے ریڈیو پر اس کے متعلق کئی دن گفتگو ہوتی رہی۔ جب حملہ ہوا تو ریڈیو پر بڑے اطمینان سے اعلان کر دیا گیا کہ تھوڑے ہی وقت میں ہماری قوم کے ابھرنے یا گر جانے کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔

اوکی ناوا مجمع الجزائر ریوکیو کے جنوبی حصے میں واقع ہے اور بڑے جاپانی جزیرے کیوشو سے تقریباً تین سو باسٹھ میل جنوب مغرب میں ہے لیکن یہ اصل جاپان کا لاینفک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ کموڈر میتھیو کیلبر یتھ بیری 1853ء میں وہاں گیا تھا۔ اس زمانے میں اسے لیوچیو کلاں کہا جاتا تھا۔ جنگی نقطہ نگاہ سے یہ حد درجہ اہم تھا۔ یہاں خاصی وسعت تھی جس میں فوجیں آراستہ کی جا سکتی تھیں اور ایسا ہوائی اڈا بنایا جا سکتا تھا جہاں پانچ ہزار طیارے رکھے جا سکتے تھے۔

اوکی ناوا میں محض یہی خصوصیت نہ تھی کہ وہ ایو جیما کے مقابلے میں جاپان سے بہت قریب تھا بلکہ اوکی ناوا کو مشرقی بحیرۂ چین اور فوچو سے کوریا تک چینی ساحل پر اقتدار حاصل تھا۔ یہ

جاپان کے ان وسائل رسد کے اوپر واقع تھا جو جزائر شرق الہند سے آتے تھے اور فلپائینز کے قبضے نے اسے پہلے ہی معرض خطر میں ڈال دیا تھا۔ اوکی ناوا سے بڑے بڑے اڑن قلعے بحیرہ زرد اور آبنائے شمونوشیکی کا چکر لگا کر واپس آ سکتے تھے پھر بھی ان کے پاس خاصا پٹرول بچ رہتا۔

قدرت نے اوکی ناوا کو دفاع کے لیے بنایا تھا۔ پورا جزیرہ ساٹھ میل لمبا اور تین میل سے بیس میل تک چوڑا تھا۔ اس میں جا بجا ٹیلوں اور چٹانوں، چونے کے پتھر اور مونگے کے غاروں کے پر پیچ سلسلے موجود تھے۔ جاپانیوں نے ان پر ہنر مندی سے استحکامات بنائے جن کے درمیان باہم گہرا تعلق تھا۔

اتحادیوں نے بھی انتہائی احتیاط سے حملے کا نقشہ تیار کیا چوں کہ جزیرے کا رقبہ زیادہ تھا اس لیے ایوو جیما کی طرح صرف ایک یا دو قدم گاہوں تک کارروائی محدود نہ رکھی گئی۔ سابقہ تجربے سے ثابت ہو چکا تھا کہ مدافعین پورے زور سے مقابلہ کریں گے۔

22 مارچ 1945ء کو امیر البحر سپروانیس نے جو پانچویں بیڑے کا کماندار تھا اوکی ناوا اور دوسرے جزیروں پر شدید گولہ باری شروع کی جس کا سلسلہ دس روز جاری رہا۔ اڑن قلعوں کا اڈا ایوو جیما میں بنا دیا گیا تھا۔ وہ کیوشو میں دشمن کے مرکزوں پر حملے کرتے تھے۔ فوج اتارنے سے چار روز پیشتر برطانوی بیڑے کے بعض اجزا بھی امریکیوں کے ساتھ مل گئے اور انھوں نے سکی شیما س پر حملہ کیا جو ریوکیو کے مجمع الجزائر کا انتہائی جنوبی جزیرہ ہے۔ اس آتش باری کے زیر حفاظت پہلے پہل کراماریتو پر فوج اتاری گئی جو اوکی ناوا کے مغرب میں ہے۔ فوج سترویں ڈویژن کی تھی اور اس کا کماندار بولیوار بکنز سوم تھا۔ چند روز کے اندر اس فوج نے اپنی بڑی توپوں کا رخ اوکی ناوا کی طرف پھیر دیا۔ کنارے سے ذرا ہٹ کر حملے کے لیے بہت بڑا بیڑا تیار تھا جس میں ہر قسم اور ہر جسامت کے تیرہ سو جنگی جہاز شامل تھے۔ اتنا بڑا بیڑا بحر الکاہل میں کبھی کارفرما نہ ہوا تھا۔ ان جہازوں پر ایک لاکھ امریکی سپاہی اور بحری جوان سوار تھے۔ اس پر خودکشی کرنے والے جاپانی ہوائی جہازوں نے حملہ کیا تھا۔ پھر اصل حملے کا وقت آ گیا۔ یکم اپریل 1945ء کو مختلف تدبیروں سے ان جاپانیوں میں ابتری پھیلا دی گئی جو اوکی ناوا کے مشرقی ساحل اور جنوبی گوشے میں موجود تھے۔ پھر امریکی فوج مغربی ساحل پر اتاری گئی۔ یہاں بھی ایوو جیما پر حملے کے واقعات

دہرائے گئے کیوں کہ حملہ آوروں کو قدم قدم پر سخت مزاحمت سے سابقہ پڑا۔ پھر تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ کنارے پر جو جاپانی موجود تھے، انھوں نے معمولی سی مزاحمت کی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ معاملہ سہل ہے۔ فوج نے ساحل پر اترتے ہی ایسی حفاظتی تدبیریں اختیار کرلیں کہ توپوں اور کلدار توپوں کی آتش باری سے محفوظ رہے اور رسد پوری تیز رفتاری سے پہنچنے لگی۔

حملہ آور ڈھلانوں سے گزرتے ہوئے جزیرے کے اندر پہنچے۔ وہ مرجانی ساحل سے تیزی کے ساتھ بلندیوں پر پہنچ گئے۔ بحری جوانوں نے کوہستانی علاقے میں سے شمالی جانب پیش قدمی کی مزاحمت وہاں بھی بہت معمولی تھی اور پیادہ فوج جزیرے کے تنگ حصے میں گزرتی ہوئی خلیج ناکاگوسوکو کی طرف بڑھی جو مشرقی ساحل پر واقع تھی۔ دوسرے دن حملہ آور آٹھ میل کے محاذ پر تین میل اندر بڑھ گئے اور انھوں نے دو اہم ہوائی اڈوں پر قبضہ کرلیا۔ پہلے ہفتے کے آخر میں جزیرہ دو حصوں کے اندر بٹ گیا۔ تیسرا وسطی حصہ امریکیوں کے قبضے میں آگیا۔ بحری جوان شمالی جانب پانچ میل بڑھ گئے۔ فوج کی چوبیسویں کور نے جنوبی جانب پیش قدمی کی۔ یہی جنوبی حصہ تھا جس میں جاپانیوں نے آخری مزاحمت کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ ایک چھوٹا سا مستحکم خطِ مدافعت بنا کر انھوں نے اپنی فوج کا بڑا حصہ اس کے پیچھے بٹھا دیا۔ مختلف چوکیاں، مرکز اور کلدار توپیں سامنے حفاظت کے لیے موجود تھیں۔ پچاسی مربع میل کا علاقہ اس طرح نظر آرہا تھا جیسے ریہ کے جسم پر لمبے لمبے کانٹے ہوں۔

تیسرے ہفتے کے آخر میں بحری جوانوں نے جزیرے کا شمالی حصہ صاف کرلیا تھا۔ اس طرح اوکی ناوا کا 4/5 حصہ ان کے قبضے میں آگیا۔ مزید کمک منگوالی گئی تاکہ جنوب میں جاپانیوں کے دفاعی حصار پر زبردست حملہ کیا جائے۔ مختلف فوجوں کے علاوہ بحری جوانوں کے دو ڈویژن کراماریتو کے راستے پہنچے۔ تراوا اور سائی پان کے بہادر آخری لڑائی کے لیے تیار تھے۔ تیرہ روز تک تعطل جاری رہا، پھر 19 اپریل 1945ء کو تین امریکی ڈویژنوں نے دشمن کے استحکامات پر حملہ کیا۔ حملے سے پیشتر بڑی توپوں، جنگی جہازوں اور کروزروں سے شدید گولہ باری کی جاچکی تھی اور طیاروں کا ایک سائبان زمین پر فوج کی حفاظت کر رہا تھا۔ حملے کے ابتدائی دنوں میں جاپانی

بیماری کا بہانہ کرتے رہے۔پھر دو مہینے کے لیے انھوں نے خوفناک جنگ شروع کر دی۔وہ غاروں، چوکیوں بلکہ قبرستانوں کے سائبانوں میں بیٹھ کر بھی لڑتے رہے۔ایک ایک ٹیلے سے انھیں آتش ریز بم پھینک پھینک کر نکالا گیا اور روزانہ گزوں میں فتوحات کا اندازہ کیا جاتا تھا۔

مئی کا نصف حصہ طے ہو چکا تھا۔پھر بحری جوان ناہا کے حوالی میں پہنچ گئے جسے جاپانی مدافعت میں مغربی جانب مرکزی حیثیت حاصل تھی۔اسی طرح شوری لے لیا گیا۔وہ بھی جنگی نقطہ نگاہ سے اتنا ہی اہم تھا۔ناہا کے قریب ایک پہاڑی پر بڑی سخت جنگ ہوئی۔اسی طرح شوری کے پاس ایک مثلث پہاڑی پر بھی جو کئی مرتبہ فتح کی گئی، پھر واپس لے لی گئی۔21 مئی 1945ء کو ناہا کے قریب کی پہاڑی ناہا کے جوانوں نے لے لی۔اسی طرح چھیانویں ڈویژن نے مثلث پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔30 مئی کو شوری پر قبضہ ہو گیا۔چودہ روز بعد ناہا اور اس کا ہوائی اڈا ے لیے گئے۔اب جاپانی مدافعین کی تعداد صرف پندرہ ہزار رہ گئی تھی۔وہ پہاڑوں اور غاروں میں موجود تھے۔

11 جون 1945ء کو جنرل بکنر نے جاپانیوں سے حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ کی۔لڑائی جاری رہی۔اب مدافعین سطحی مقامات پر مزاحمت کر رہے تھے۔حکم دے دیا کہ انھیں ختم کر دیا جائے۔18 جون 1945ء کو جرنیل بکنر ...... جو کینٹکی کا باشندہ تھا، اٹھاون سال کی عمر، بال سفید ہو رہے تھے مگر بڑا حوصلہ مند آدمی تھا...... مونگے کی ایک چٹان پر بیٹھا ہوا بحری جوانوں کی لڑائی دیکھ رہا تھا اور عین خط محاذ پر تھا۔وہاں ایک گولہ پھٹا جو جرنیل کو لگا اور وہ مارا گیا۔ایک اے ڈی کانگ نے بتایا کہ جس وقت جرنیل کو گولہ لگا، وہ ہنس رہا تھا۔موت کے بعد بھی اس کے چہرے پر ہنسی بدستور قائم رہی۔پھر اس کی جگہ سٹلویل جرنیل مقرر کر دیا گیا جو ایشیاء کی سرزمینوں میں متعدد مہموں کا ہیرو رہ چکا تھا۔

چار روز بعد (22 جون 1945ء) جرنیل اوشی جیما، جواد کی ناوا کی جاپانی فوجوں کا کمانڈر تھا اور جرنیل اساما چو جنگی وردیاں پہن کر آئے اور تمغے اور نشان ان کے سینوں پر لگے ہوئے تھے۔تین بج کر چالیس منٹ پر دونوں جرنیل اپنے اے ڈی کانگوں اور عملہ کے بعض ارکان کے ساتھ اس غار کے تنگ حصے میں گئے جو ان کا صدر مقام تھا۔مددگاروں نے ایک سفید چادر بچھا دی، جو موت کا نشان تھی۔اوشی جیما نے چادر پر گھٹنے ٹیک دیے۔اساما چو اس کے بائیں

جانب تھا۔ سمورائے کے ضابطے کے مطابق یہ خودکشی کرنے کی عام رسم تھی۔ ضروری تھا کہ چہرہ جاپان کے شاہی محل کی طرف رہے لیکن جگہ چوں کہ تنگ تھی اس لیے دونوں جرنیلوں نے بحرالکاہل کی طرف منہ رکھا، پھر باعزت خودکشی عمل میں آئی۔ دونوں جرنیلوں نے اپنے پیٹ چاک کر کے آنتیں باہر نکال دیں اور نائب نے تلوار سے ان کے سر قلم کر دیے۔ امریکی فوجیں صرف ایک سو گز کے فاصلے پر اپنی پناہ گاہوں میں بیٹھی تھیں۔

عین اسی وقت خودکشی کی اور مکروہ وارداتیں ہوئیں۔ بہت سے جاپانی چٹانوں پر سے چھلانگیں لگا لگا کر مر گئے۔ ایک لیفٹیننٹ نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو عجیب وغریب کہانی سنائی۔ وہ کہتا ہے:

"میں بحری فوج کے چار آدمیوں کے ہمراہ دشمن کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ یکا یک ایک صاف جگہ میں پہنچ گئے جہاں ساڑھے تین سو جاپانی تلواریں، بندوقیں اور دستی بم لیے کھڑے تھے۔ میں ہوش وحواس برقرار رکھتے ہوئے مسکرایا اور ان کی خدمت میں سگریٹ پیش کیے۔ بہت سے آدمیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور سگریٹ لینے لگے۔ افسروں کے ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں۔ انھوں نے کوئی تحفہ لینے سے انکار کر دیا۔ ایک افسر نے تلوار سے اپنی بیوی کو قتل کیا۔ پھر تلوار اور گھڑی میرے حوالے کر دی۔ ایک قدم پیچھے ہٹا اور دستی بم سے اپنی جان لے لی۔ یہ دیکھتے ہی دوسرے افسروں میں بھی یہی وبا پھیل گئی یہاں تک کہ عورت کو مار کر خود مر جانے کے واقعات لحہ بہ لحہ پیش آنے لگے۔ دو گھنٹے تک امریکی یہ قتل عام دیکھتے رہے۔ ادھر ان کے سگریٹ ختم ہوئے، ادھر سے کمک آ پہنچی اور جو جاپانی باقی رہ گئے تھے انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔"

جو جاپانی نرغے میں آ گئے تھے ان کی روش نہایت انوکھی تھی جس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ جاپانی مرد برہنہ اپنے غاروں سے نکلتے، امریکیوں کی طرف خاک کی ایک مٹھی پھینکتے، پھر بھاگ کر کسی چٹان کے پیچھے چلے جاتے۔ وہاں جا کر وہ اپنا گلا کاٹ لیتے یا دستی بم پھینک کر ختم ہو جاتے۔ ایک حواس باختہ سپاہی نے ایک بحری جوان پر گولی چلا دی۔ گولی نشانے پر نہ لگی۔ جاپانی کو اتنا غصہ آیا کہ چیخ ماری اور بندوق اٹھا کر پرے پھینک دی۔ دوسرے جاپانیوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا اور امریکی عالم حیرت میں تماشا دیکھتے رہے۔

اوکی ناوا میں جاپانیوں کا جو نقصان ہوا وہ بڑا سخت تھا۔ ایک لاکھ نو ہزار چھ سو انتیس مارے گئے، سات ہزار آٹھ سو اکہتر قید ہوئے، ٹوکیو پر مایوسی چھا گئی۔ ایوو جیما کا چھن جانا بھی بہت بڑا نقصان تھا لیکن وہ سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا، جس میں صرف تین اڈے تھے۔ اوکی ناوا کی حیثیت اس سے بہت زیادہ تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دشمن دہلیز پر پہنچ گیا ہے اور اب وہ جوتے اتارے بغیر ہی اندر داخل ہو جائے گا۔ اوکی ناوا کی جنگ میں امریکیوں کا بھی سخت نقصان ہوا۔ بحرالکاہل کی فتوحات میں کہیں اتنا زیادہ نقصان نہ ہوا۔ بارہ ہزار پانچ سو بیس آدمی مارے گئے یا لاپتہ رہے، چھتیس ہزار چھ سو اکتیس زخمی ہوئے، گویا ایوو جیما سے تقریباً دگنا نقصان ہوا لیکن جنگی نقطۂ نگاہ سے اس نقصان کے ساتھ بھی اوکی ناوا کی فتح بہت بڑی فتح تھی۔ امیر البحر نمٹز نے ٹھیک کہا کہ ہماری فوجیں اوکی ناوا میں جم کر بیٹھ گئیں تو جاپان کا بحری سلسلہ نقل و حمل جنوبی جانب سے بالکل منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد جاپانیوں کے لیے چین، برما اور جزائر شرق الہند میں بیٹھے رہنے کی کوئی صورت نہ رہی۔ جاپانی پیچھے ہٹ رہے ہیں اور چین میں ہماری فوجیں ان کی پسپائی سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اوکی ناوا کو جاپان کے جزیروں پر حملے کے لیے آخری مرکز بنا لیا گیا۔

ساتواں حصہ

خاتمہ

43

جنگ کے بعد کا دور

(1)

"مجھے دس سال کی مہلت دے دو، پھر تم جرمنی کو پہچان نہ سکو گے۔"
(ہٹلر 1933ء)

موت اور تباہی کا بہی کھاتہ

دو ہزر ایک سو اکیانوے...... پھر ایک مرتبہ دہرایئے، دو ہزار ایک سو اکیانوے...... دن فتح، قتل، مصیبت، قحط اور موت کی آغوش میں گزرے۔ انسان کی خونی تاریخ کی سب سے زیادہ تباہی خیز جنگ آخر انجام کو پہنچی۔ اس جنگ میں انسانوں کی سب سے بڑی تعداد شریک ہوئی...... کل سات کروڑ...... جنگی مشینوں کی سب سے زیادہ تعداد استعمال ہوئی اور اتنے وسیع علاقوں میں استعمال کی کوئی مثال پہلے موجود نہیں۔

اقوام متحدہ کے افراد یکا یک تذبذب اور خوف کی جانکنی سے نجات پا کر فتح کے شادیانے بجانے لگے حالاں کہ انھیں خیال نہ تھا کہ فتح کبھی حاصل ہوگی۔ محوری ملکوں میں لوگ اپنے مقتول بچوں اور گم شدہ خوابوں پر اشکبار تھے۔ متشککین کی روش سب سے الگ تھلگ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ جنگ ایک غیر ضروری المیہ تھی۔ اس سے کوئی مسئلہ حل نہ ہوا۔ انسانوں نے بے سود جانی قربانیاں

دیں لیکن دوسروں کے نزدیک اس جنگ کا انجام اتنا مکروہ نہ تھا۔ ہٹلر، مسولینی اور ٹوجو کا مثلث نفرت، بیدردی، خوف اور قصابی کے حربی سے کام لے کر مغربی تہذیب کے طور طریقے تباہ کر دینے اور دنیا کو غلامی کا طوق پہنا دینے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہ دعوت مقابلہ ختم ہوگئی۔

انسانوں کا جانی نقصان بے اندازہ تھا۔ کم از کم ایک کروڑ ستر لاکھ آدمی جنگی میدانوں میں مارے گئے۔ تناسب پر نظر ڈالی جائے تو بائیس روسیوں میں سے ایک، پچیس جرمنوں میں سے ایک، ڈیڑھ سو اطالویوں میں سے ایک، ڈیڑھ سو انگریزوں میں سے ایک، دو سو فرانسیسیوں میں سے ایک اور پانچ امریکیوں میں سے ایک ضرور موت کے گھاٹ اتر گیا۔ ایک کروڑ اسی لاکھ سے زیادہ غیر مصافی کسی نہ کسی طرح مارے گئے۔ مقتولین کی اعداد پہلی عالمی جنگ سے دگنی تھی۔ یہ تعداد بہت زیادہ ہو جاتی مگر ہر دو زخمیوں میں سے ایک کو خون دے کر اور نئی دواؤں کے ذریعے سے بچا لیا گیا۔

مادی نقصانات نہایت حوصلہ فرسا تھے۔ براہ راست فوجی مصارف کروڑوں کھرب ڈالر پر پہنچ گئے تھے۔ املاک کا نقصان کم از کم اس سے دگنا تھا۔ پورے یورپ میں زمین اس طرح بنجر ہو چکی تھی گویا کسی بے پناہ درانتی سے صاف کر دی گئی۔ دریائے سین (فرانس) سے دریائے والگا (روس) تک اور دریائے اوڈر (جرمنی) سے دریائے ٹائبر (اٹلی) تک یورپ میں بربادی کے خطوط کا جال بچھ گیا تھا۔ بڑے بڑے شہر ملبے کے ڈھیر تھے جو کارخانے کئی مربع میل رقبوں میں پھیلے ہوئے تھے، وہ محو کر دیے گئے۔ نقل وحمل کے وسائل درہم برہم ہو چکے تھے چوں کہ متحارب فریقوں میں سے دونوں نے پسپا ہوتے وقت ہر شے بیدردی سے تباہ کر دینے کی کوشش کی، اس لیے اطراف ممالک میں بڑے بڑے مزروعہ رقبے اتنے برباد ہو چکے تھے کہ سالہا سال تک ان سے پیداوار گھٹ گئی تھی۔ مویشیوں کے ریوڑوں کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی۔ یورپی معاشرے کا پورا نظام برباد ہو گیا تھا۔

خوراک، لباس اور مکانوں کی کمی کئی عشروں میں پوری ہو سکے گی۔ اکثر یورپی اور ایشیائی ملک اقتصادی بدنظمی کے باعث شل ہو چکے تھے اور لوگوں کو افراط زر کا بھوت پریشان کر رہا تھا۔ وسیع آبادیاں حرکت میں تھیں۔ جنگی قیدی گھروں کو واپس آ رہے تھے۔ لاکھوں پناہ

گزین حفاظت اور امن کی تلاش میں ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جا رہے تھے یا انھیں نکالا جا رہا تھا۔ انسانی مصیبت، پریشان حالی اور روح کا اختصار اعداد کی شکل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ انسانیت کے اخلاقی نظام کو اس قدر نقصان پہنچ رہا تھا کہ تلافی بظاہر ممکن نہ تھی۔ سالہا سال کی نفرت، جذباتی اذیت اور بھوک نے دلوں پر ایسے داغ لگا دیے تھے جنھیں وقت دور نہیں کر سکتا تھا۔

جرمن قوم نے یورپ پر اقتدار کی کوشش کے لیے شدید سزا بھگتی۔ کوئی دو کروڑ آدمی ہٹلر کی جنگ کے لیے نکلے۔ ساڑھے بتیس لاکھ جنگی میدانوں میں مارے گئے۔ ساڑھے تینتیس لاکھ دوسرے وجوہ سے مرے۔ ساڑھے بہتر لاکھ زخمی ہوئے۔ تیرہ لاکھ لاپتہ رہے۔ اس دردناک فہرست میں مادی تباہی شامل کر لیجیے۔ کم سے کم اندازہ یہ ہے کہ ہٹلرزم کی بازی میں جرمنوں نے دو کھرب بہتر ارب ڈالر کی رقم ہاری۔

پہلی عالمی جنگ ختم ہوئی تھی تو جرمن فوجیں ہر جگہ دشمن ممالک کے اندر موجود تھیں اور جرمنی کو حقیقتاً خراش تک نہیں آئی تھی لیکن 1945ء میں ہٹلر کی تیسری رائش اتحادی فوجوں نے پامال کر ڈالی اور وہ اتنی برباد ہوئی کہ اس کی صورت نہیں پہچانی جاتی تھی۔ جرمنی میں کل عمارتیں تقریباً دو کروڑ تھیں، ان میں سے ستر لاکھ یا تو بالکل تباہ ہو گئیں یا انھیں شدید نقصان پہنچا۔ دو ہزار سے زیادہ پل توڑ دیے گئے۔ تین ہزار میل لمبی ریل کی پٹڑی اس طرح برباد کر دی گئی کہ معلوم ہوتا تھا وہ پٹڑی نہیں، لوہے کا ایک نہایت عجیب و غریب معما ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں کے بازار ملبے کے عظیم انباروں سے اَٹے پڑے تھے۔ برلن ایسا شہر معلوم ہوتا تھا گویا اس کا سایہ باقی رہ گیا ہے، اصل شہر مٹ چکا ہے۔ اس کی نجی اور سرکاری عمارتیں کھنڈر بن گئی تھیں۔ نقل و حمل اور آمد و رفت کی سہولتیں ختم ہو گئی تھیں جو ادارے رفاہِ عامہ کے لیے بنائے گئے تھے ان میں سے کوئی سلامت نہ تھا۔ موت کی بو سے دارالحکومت کی فضا معمور تھی جو لوگ زندہ بچے ان کے ہوش و حواس گم ہو چکے تھے اور وہ کھنڈروں میں گھوم گھوم کر عزیزوں اور دوستوں کو تلاش کر رہے تھے یا اس کوشش میں تھے کہ کھانے کی کوئی چیز چوہوں سے بچا لیں۔

جاپان کے لیے بھی شکست کا ذائقہ ویسا ہی تلخ تھا جیسے جرمنی کے لیے ستانوے لاکھ جاپانی

اسلحہ بند تھے۔ان میں سے بارہ لاکھ ستر ہزار جنگ میں مارے گئے، چھ لاکھ بیس ہزار دوسرے اسباب کی بنا پر مرے۔ایک لاکھ چالیس ہزار زخمی ہوئے۔پچاسی ہزار کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔جاپان کا بحری بیڑا بالکل تباہ کر دیا گیا۔اس کے تجارتی بیڑے کے پچانوے فیصد جہاز ڈبو دیے گئے۔جاپان کی سلطنت کبیر بھی گئی اور توسیع کے خواب بھی پریشان ہو گئے۔جاپانی شہر جزیرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ملبے کے ڈھیر بنا دیے گئے۔

جاپانیوں کے نزدیک پرل ہاربر کے واقعے کی یاد کا انداز دوسرا تھا۔ٹوکیو کے عسکریت پسندوں نے سمجھ رکھا تھا کہ اچانک ایک بڑی ضرب امریکیوں پر لگا دی گئی تو وہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں گے یا کوئی معین فیصلہ نہ کر سکیں گے اور ان میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے گا۔جاپانی اس سے بڑی غلطی کوئی نہیں کر سکتے تھے۔پرل ہاربر کا واقعہ بھی ایک بہت بڑا دھچکا تھا، جس نے امریکیوں کو متحد کر دیا ان کے ارادے مستحکم ہو گئے اور وہ ناقابل شکست بن گئے۔جاپان کو اس غلطی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔

اٹلی پر بھی جنگ کے زخم بڑے گہرے تھے۔یہ تیسری محوری طاقت تھی۔اس کے اکتیس لاکھ آدمی فوج میں شامل ہوئے۔ایک لاکھ چوالیس ہزار چار سو چھیانوے میدان جنگ میں مارے گئے۔چھیاسٹھ ہزار سات سو سولہ زخمی ہوئے۔ایک لاکھ پینتیس ہزار ستر آدمیوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔اٹلی کے دو سو آٹھ جنگی جہاز تباہ ہوئے۔مزید انچاس ہزار اتحادیوں کے حوالے کرنے پڑے۔اس کا نوے فیصد تجارتی بیڑا ختم ہو گیا۔اٹلی کا مجموعی فوجی خرچ بہت زیادہ تھا۔نتیجہ یہ نکلا کہ قومی قرضے میں چھ گنا اضافہ ہو گیا۔اطالوی قوت خرید میں نوے فیصد کمی آ گئی۔یہ وہ بھاری قیمت تھی جو اٹلی نے تئیس سال تک اس فاشسٹ عظمت کے لیے ادا کی، جس کی حقیقی حیثیت محض کاغذی تھی۔انھیں بتایا جاتا تھا کہ نئی رومی سلطنت معرض وجود میں آ گئی ہے۔دنیا کو بھی یہی دھوکہ دیا جاتا تھا لیکن انھیں حقیقتاً شکست، مایوسی اور مصائب سے سابقہ پڑا۔مسولینی جن سنگینیوں کے گیت گایا کرتا تھا، ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔خود مسولینی بھی ختم ہو گیا۔ جنگ کے بعد اٹلی ایک وسیع دارالمساکین رہ گیا۔لوگوں کے دل ٹوٹے ہوئے تھے۔بدن کے احساسات گم ہو چکے تھے۔بازاروں میں بھوک اور منڈیوں میں بربادی نظر آتی تھی۔اطالوی پہلے ہی غریب تھے، اب

بھوک سے دوچار ہوئے تو خوراک کی خاطر اطراف ملک میں پھرنے لگے۔

اقوام متحدہ کا نقصان بھی بہت ہوا۔ برطانیہ فاتح ہونے کے باوجود جنگ میں سخت کمزور ہو چکا تھا۔ اس نے اٹھاون لاکھ چھیانوے ہزار آدمی جنگ کے لیے تیار کیے۔ ان میں سے تین لاکھ ستاون ہزار ایک سو سولہ مارے گئے۔ تین لاکھ انہتر ہزار دو سو ساٹھ زخمی ہوئے۔ چھیالیس ہزار اناسی لاپتہ رہے۔ اگرچہ دوران جنگ میں جہاز سازی کا سلسلہ بدرجہ کمال جاری رہا، تاہم برطانیہ کا عظیم الشان تجارتی بیڑا دو کروڑ تیس لاکھ ٹن سے گھٹ کر ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ٹن رہ گیا۔ خود برطانیہ کے اندر بڑی تباہی پھیلی۔ کم و بیش پانچ لاکھ گھر برباد ہو گئے اور چالیس لاکھ کو نقصان پہنچا۔ قومی قرضہ چالیس ارب ڈالر سے بڑھ کر ایک کھرب ڈالر سے بھی زیادہ ہو گیا۔ غیر ملکی قرضے میں چھ گنا سے زیادہ اضافہ ہو گیا یعنی یہ دو ارب ڈالر سے تیرہ ارب ڈالر تک پہنچ گیا۔ برطانیہ نے سمندر پار بہت سا سرمایہ لگا رکھا تھا جس کی وجہ سے اس کی تجارت کا توازن برابر سازگار رہتا تھا۔ یہ پورا سرمایہ بالکل محو ہو گیا۔ اب برطانیہ قوت اور وقار کے اعتبار سے اپنے عظیم القدر امریکی رفیق کے مقابلے میں گھٹا گیا تھا۔

فرانس پر دوسری عالمی جنگ کا اثر اتنا دردناک نہ تھا جتنا پہلی عالمی جنگ کا تھا لیکن یہ اثر بھی بڑا ہی سخت تھا۔ اس کی مسلح افواج میں سے دو لاکھ ایک ہزار پانچ سو اڑسٹھ مارے گئے۔ دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچ سو ستتر دوسرے اسباب کی بنا پر مرے۔ چار لاکھ زخمی ہوئے۔ ایک لاکھ چالیس ہزار کا کوئی سراغ نہ ملا۔ تیس ہزار فرانسیسیوں کو دشمن نے گولیوں سے اڑا دیا۔ ایک لاکھ اٹھاسی ہزار غیر مصافی مارے گئے۔ ڈیڑھ لاکھ جلاوطن کیے گئے۔ اسیران جنگ میں سے اڑتیس ہزار بحالت اسیری مرے۔

فرانسیسیوں کا مالی و املاکی نقصان جانی نقصان سے کم نہ تھا۔ پانچ لاکھ گھر بالکل تباہ ہو گئے۔ پندرہ لاکھ گھروں کو شدید نقصان پہنچا۔ ملک میں ہر طرف ٹوٹے ہوئے پل، تباہ شدہ کارخانے اور برباد شدہ مزرعے نظر آتے تھے۔ جنگ کے آغاز پر سترہ ہزار انجن تھے اختتام پر ان میں سے تقریباً تین ہزار رہ گئے۔ ریل کی پٹڑیوں میں ⅓ سے دس فیصد برباد کر دی گئیں۔ نصف سے زیادہ فرانسیسی تجارتی بیڑا ختم ہو گیا۔ بندرگاہوں میں سہولتوں کے جتنے انتظامات موجود تھے ان میں

سے تقریباً تین چوتھائی برباد ہو گئے۔ اطراف ملک میں ہزاروں بری سرنگیں موجود تھیں جو پسپا ہوتے ہوئے جرمن جا بجا چھوڑ گئے تھے۔

جرمنی کے ہاتھوں غیر متوقع شکست اور پانچ سال تک فاتح کی ماتحتی نے فرانسیسیوں کے ہمت و حوصلہ پر شدید ضرب لگائی تھی۔ فرانسیسیوں کے کردار کی خصوصیت اعتماد نفس تھی اس میں سے کوئی نہ کوئی چیز غائب ہو چکی تھی یہاں تک کہ زندہ رہنے کا جذبہ بھی خاصا ماؤف نظر آتا تھا۔ حکومت فرانس کو سب سے بڑھ کر اس فکر نے پریشان کر دیا کہ شرح پیدائش میں جمود آ گیا تھا۔ چنانچہ حکومت نے اس سلسلے میں ان کمزور قیدیوں کے لیے جو قید سے رہا ہو کر آئے تھے تقویت کی دوا مہیا کر دی اور جو بھی شخص درخواست کرتا اسے یہ دوا دے دی جاتی۔

سب سے بڑھ کر نقصان روس نے اٹھایا۔ اکسٹھ لاکھ پندرہ ہزار فوجی مختلف اسباب کی بنا پر مرے۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ بارہ ہزار مجروح ہوئے۔ روسیوں نے صرف سٹالین گراڈ کی حفاظت میں اتنا نقصان اٹھایا جو دوسری عالمی جنگ کی تمام مہموں میں امریکیوں کے مجموعی نقصان سے زیادہ تھا۔ کم از کم ایک کروڑ غیر مصافی روسی مارے گئے اور اڑھائی کروڑ بے خانماں رہ گئے۔ ایک بیان کے مطابق سٹالین نے کہا تھا کہ اتحادیوں کی فتح کے لیے روسیوں نے خون دیا۔ برطانویوں نے مہلت کا انتظام کیا۔ امریکیوں نے ساز و سامان بہم پہنچایا۔ یہ نتیجہ تحریف پر مبنی تھا لیکن اس میں زور دراصل عظیم الشان انسانی قربانی پر دیا گیا ہے جس کے بغیر روسی جرمن حملہ آوروں کو اپنے ملک سے نکال نہیں سکتے تھے۔

نازی لشکروں نے سرزمین روس میں تباہی و بربادی کے جو نشان چھوڑے، وہ بھی نہایت دردناک تھے۔ مغربی روس کا آٹھ لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ بالکل ویران کر دیا گیا۔ شہر، قصبے، گاؤں، کارخانے، ریل کی سڑکیں کالمًا ناپید ہو گئیں۔ بربادی ناقابل یقین تھی۔ مثلاً تیرہ ہزار پل، چار ہزار ایک سو ریلوے سٹیشن، چار لاکھ بیاسی ہزار مال گاڑیاں اور پندرہ ہزار آٹھ سو انجن، یقیناً یہ نازیت کے تازیانہ عقوبت ہی کا کام تھا۔

روسیوں نے جان و املاک کے جو نقصان اٹھائے، وہ بہت زیادہ تھے لیکن انھوں نے اہم فائدے بھی حاصل کیے مثلاً اسی جنگ کی بدولت دو لاکھ باسٹھ ہزار پانچ سو تینتیس میل رقبہ لے لیا،

جس میں دو کروڑ اکیس لاکھ باسٹھ ہزار باشندے آباد تھے۔ مشرقی یورپ میں پہلی عالمی جنگ کے بعد متعدد ریاست ہائے حائل قائم کر کے روس کی روک تھام کے لیے بٹھا دی گئی تھیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد روس نے ایسی ریاستوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا جن پر ماسکو کو پورا اقتدار حاصل تھا یعنی پولینڈ، مشرقی جرمنی، لتھوانیا، لیٹویا، ایسٹونیا، رومانیہ، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ، اور البانیہ۔ ان کا رقبہ چار لاکھ تینتیس ہزار پانچ سو چار مربع میل اور آبادی نو کروڑ آٹھ لاکھ چوہتر ہزار تین سو اٹھاون ہے۔ ذلت خیز جنگ کریمیا کے بعد تقریباً ایک صدی میں پہلی مرتبہ روسیوں نے بہت بڑی اور فیصلہ کن فتح حاصل کی اور روس عالمی طاقتوں کے درمیان جست لگا کر بلند ترین سطح پر پہنچ گیا۔ امریکا اور روس عالمی معاشرے میں نئے دودیو پیکر بن گئے۔

امریکا نے بھی فتح کے لیے بھاری قیمت ادا کی۔ 1773-75ء کے انقلاب کے بعد امریکیوں کو جتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں ان میں سے دوسری عالمی جنگ میں سب سے زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا، ایک کروڑ اکسٹھ لاکھ بارہ ہزار پانچ سو چھیاسٹھ امریکی مسلح فوجوں کی مختلف شاخوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ان میں سو دو لاکھ ترانوے ہزار نو سو چھیاسی میدان جنگ میں مارے گئے۔ ایک لاکھ تیرہ ہزار آٹھ سو بیالیس دوسرے اسباب کی بنا پر مرے۔ چھ لاکھ ستر ہزار آٹھ سو چھیالیس زخمی ہوئے۔ 7 دسمبر 1941ء کے بعد جتنے امریکی مارے گئے ان کی تعداد خانہ جنگی میں دونوں فریقوں کے مجموعی نقصانات سے زیادہ تھی۔ 1942ء میں امریکی مقتولین و مجروحین کی شرح پانچ ہزار ماہانہ تھی۔ 1944ء کے ابتدائی مہینوں میں بحیرۂ روم کے اندر جنگ کا ہنگامہ تیز تر ہو گیا اور یہ شرح تیرہ ہزار سات سو ماہانہ پر پہنچ گئی۔ نارمنڈی پر حملے کے بعد شرح انسٹھ ہزار ماہانہ تھی۔ دسمبر 1944ء تک اکیاسی ہزار ماہانہ ہو گئی۔ امریکی مقتولین بیسٹون (بلجیم) سے ایوو جیما تک جا بجا دفن ہوئے۔

جنرل جارج مارشل نے کہا:

”قوم کے لیے ممکن نہیں کہ ایک سپاہی کی خدمات کا بدلہ دے سکے۔ مشاہدے کی کوئی ایسی شرح نہیں جس کی بنا پر جنگ کے چند لمحوں کی بھی اذیت، مہم کی جسمانی عقوبتیں یا گھر بار چھوڑ کر حد درجہ ناخوشگوار اور خطرناک مقامات پر جانے کی شخصی

پریشانیاں خریدی جاسکیں، جو ایک سپاہی قوم کی خدمت میں اپنے آپ پر گوارا سمجھتا ہے۔''

امریکا کے فوجی اور غیر مصافی جائیداد کے نقصان کا اندازہ کم از کم ساڑھے تین کھرب ڈالر کیا گیا ہے لیکن یہ امر وجہ تسکین تھا کہ امریکا نے محوری استبداد کو برباد کرنے میں خاصا بڑا حصہ لیا۔ آزادی کی قربان گاہ کے لیے یہ بے حد گراں خرچ، مگر ناگزیر قربانی تھی۔ ہم سادہ لفظوں میں اس کی تعبیر دوں کر سکتے ہیں کہ اہل امریکا ہٹلر، مسولینی یا ٹوجو کے غلام بن کر رہنے کے لیے تیار نہ تھے۔

جنرل مارشل کی روداد یں

جو لوگ جنگی میدانوں میں کماندار تھے...... مثلاً آئزن ہاور، میک آرتھر، منٹگمری اور رومل...... ان کے کارنامے دنیا بھر کے اندر جلی حروف میں شائع ہوتے رہے مگر ان کے پس منظر میں بڑے بڑے ماہرین جنگ اپنی میزوں سے وابستہ رہ کر کام کرتے رہے۔ وہ ایسے لیڈر تھے جنھوں نے وسیع پیمانے پر غور و فکر کی تربیت پائی تھی اور جو فنی جنگ کے انتظامات میں دانش و بصیرت کے حامل تھے۔ ان بڑے آدمیوں میں سے ایک جنرل جارج مارشل تھا جو امریکی افواج کا چیف آف سٹاف اور اتحادیوں کے مشترکہ چیفس آف سٹاف میں امریکی نمائندہ تھا۔

جنرل مارشل نے وزیر جنگ کے پاس جو آخری روداد پیش کی، اس میں جنگ پر جامع تبصرہ کر دیا۔ اس نے لکھا:

''چھ سال پیشتر میں نے یہ منصب سنبھالا تھا، آج پہلی مرتبہ میرے لیے ممکن ہوا کہ یہ بتاؤں، ریاست ہائے متحدہ امریکا کی حفاظت آج کاملاً ہمارے ہاتھ میں ہے۔''

تاریخی دستاویزوں کے لیے ضروری تھا کہ دریافت کیا جاتا جرمنی اور جاپان کہاں ناکام رہے۔ چنانچہ جنرل مارشل نے آئزن ہاور سے درخواست کی کہ محکمہ اطلاعات کے افسروں کو فوراً حکم دے دیا جائے وہ جرمن ہائی کمان کے بلند پایہ افسروں سے سوالات کریں جو جنگی قیدی بن چکے تھے۔ ان ملاقاتوں کے نتیجے بے حد دلچسپ تھے۔ یہاں مارشل کی روداد کے مختلف حصوں کا

خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔اس روداد میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسیر جرمنوں نے سوالات کے جواب میں کیا کیا انکشافات کیے۔

ہٹلر کا ارادہ یہ تھا کہ ایک کلاں تر جرمنی کی تخلیق کرے جسے سارے یورپ پر اقتدار حاصل ہو لیکن اب تک کوئی ایسی شہادت نہیں مل سکی، جس سے ظاہر ہو کہ جرمن ہائی کمان نے ہٹلر کے اس مقصد کی تکمیل کے لیے کوئی خاکہ تیار کر رکھا تھا۔ہائی کمان اصولاً ہٹلر کی پالیسی منظور کرتا رہا، مگر ہٹلر کا تیز و پُر جوش طریق حرب وضرب جرمنوں کی فوجی صلاحیتوں سے بہت آگے نکل گیا اور انجام کار جرمنی کی شکست پر منتج ہوا۔

ابتدائی مہموں کے دوران میں یعنی پولینڈ، ناروے، فرانس اور ممالک زیریں کی لڑائیوں میں ہٹلر اور جنرل سٹاف کے درمیان جنگی نقشوں کی تکمیل کے متعلق شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔جنرل سٹاف چاہتا تھا کہ ہر جارحانہ اقدام اصول کے مطابق ہو۔ہٹلر کو اصول سے کوئی واسطہ نہ تھا۔اس کا مقصد یہ تھا کہ جلد سے جلد دشمن کے علاقے میں دور تک پیش قدمی کی جائے۔یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان مہموں میں ہٹلر کا طریق کار کامیاب ہوا اور اس کا وقار اتنا بڑھ گیا کہ کسی کو اس سے اختلاف کی جرأت نہ رہی۔چنانچہ جب اس نے روس پر حملے کا مہلک فیصلہ کیا تو جنرل سٹاف نے اس پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔

جرمنی کے ساتھ معاہدے کے خلاف اٹلی کا شمول جنگ جرمنی کو مطلوب نہ تھا کیوں کہ اس طرح جرمنی کے جنگی قوی پر مزید بوجھ پڑ جاتا۔پھر مسولینی نے خود بخود یونان اور مصر پر حملے کر دیے۔اس طرح وہ بلقان اور افریقہ کی مہموں کے لیے مجبور ہو گیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ جرمنی کی فوجیں بہت دور دور تک پھیل گئیں اور یہ امر جرمنی کی شکست میں ایک بڑا عامل بن گیا۔

جرمنی اور جاپان کے درمیان گہرے جنگی ربط ضبط کی بھی کوئی شہادت نہیں ملی۔معلوم ہوتا ہے، ٹوکیو نے بطور خود ہر کارروائی جاری رکھی اور اپنے رفیقوں کے ساتھ مل کر کوئی متحدہ جنگی نقشہ نہ بنایا کہ اس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔جنرل مارشل لکھتا ہے:

''یہاں تین مجرم قومیں تھیں جو لوٹ کی خواہاں تھیں اور جنگ کے ذریعے سے ذاتی اغراض پورے کر لینے پر حریصانہ تلی بیٹھی تھیں لیکن دیکھیے جنگی نقطہ نگاہ سے انھوں

نے نہ کوئی مشترک مقصد پیش نظر رکھا نہ وہ ایک نقشہ عمل پر متفق ہو سکیں۔"

جرمن ہائی کمان کے گرفتار شدہ ارکان نے جرمنوں کی شکست کے جو مدارج بیان کیے ان کی کیفیت مارشل کی روداد میں یوں پیش کی گئی ہے:

1-انگلستان پر حملے میں ناکامی

ہٹلر کی پہلی فوجی کوتاہی اس وقت رونما ہوئی جب فرانس شکست کھا چکا تھا اور انگلستان نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا۔ جرمن ہائی کمان کا یہ خیال نہ تھا کہ انگلستان جنگ جاری رکھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انگلستان پر حملے کے لیے ہائی کمان تیار نہ ہوا۔ فیلڈ مارشل کائیٹل نے بیان کیا کہ برطانوی بیڑے کو خطرہ سمجھا گیا۔ جرمن فوج تیار تھی۔ بحری قوت تذبذب میں تھی۔ فضائی فوج کی سرگرمیاں موسم کے باعث محدود ہو گئی تھیں۔ اس اثنا میں جنگ برطانیہ کے اندر جرمن فضائی قوت کو شدید نقصان اٹھانے پڑے، جن کی تلافی کبھی نہ ہو سکی۔

2-روس کے خلاف 1941ء کی مہم

1941ء کے موسم خزاں میں جرمن فوجیں بالکل تھک چکی تھیں، بایں ہمہ وہ بظاہر فاتح کی حیثیت میں ماسکو کے سامنے پہنچی ہوئی تھیں۔ پھر یکا یک موسم میں تغیر ہوا اور تباہی پھیل گئی۔ یہ جنگ کا انقلابی نقطہ تھا۔

3-سٹالین گراڈ

اگرچہ جرمنی 1941ء میں ماسکو پر زک اٹھا چکا تھا لیکن اگر 1942ء کی مہم شروع نہ کی جاتی جو سٹالین گراڈ پر تباہی کا موجب بنی تو شکست سے محفوظ رہنا ممکن تھا۔ سٹالین گراڈ میں تباہی کے ذمہ دار شہر کے شاندار روسی استحکامات تھے۔

4-شمالی افریقہ پر حملہ

شمالی افریقہ میں اتحادی فوجوں کا اترنا جرمن ہائی کمان کے لیے ایک تعجب انگیز واقعہ

تھا۔ اتحادیوں نے فوجیں اتارنے میں حفاظت اور دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں، وہ بڑی موثر ثابت ہوئیں۔ جرمنوں نے پہلے سے ایسی تیاریاں نہیں کر رکھی تھیں جن کی بنا پر شمالی افریقہ پر اتحادی حملے کی مزاحمت کی جا سکتی۔ بعد میں اتحادیوں کی روک تھام کے لیے جو کوششیں کی گئیں وہ فوری اور وقتی حالات کی بنا پر کی گئیں اور ناکام رہیں۔

5- فرانس پر حملہ

جرمن فوج کے تمام مرکزوں کو توقع تھی کہ اتحادی فرانس پر حملہ کریں گے۔ نارمنڈی پر ابتدائی حملے کے لیے جتنی فوج استعمال کی جائے گی اور حملے کا جو تمام رخ ہوگا اس کا صحیح اندازہ کر لیا گیا تھا لیکن جرمنوں کو یہ یقین نہ تھا کہ اتحادی کہاں پہلی ضرب لگائیں وہ سمجھتے تھے کہ برٹنی پر حملہ ہوگا کیوں کہ وہاں آبدوزوں کے تین بڑے مرکز تھے۔

حملے سے پیشتر فیلڈ مارشل رونسٹاٹ سپہ سالار اعظم مغرب اور فیلڈ مارشل رومل کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ رومل اس فوج کا کماندار تھا جس پر حملے کا خطرہ تھا۔ رونسٹاٹ چاہتا تھا کہ اس کے پاس جو بکتر بند دستے محفوظ تھے وہ پیرس کے اردگرد اور مشرقی فرانس میں رہیں۔ رومل چاہتا تھا کہ انھیں ساحل پر لے جائے۔ رومل کی رائے مان لی گئی۔

جب اتحادیوں نے شربورگ پر قبضہ کر لیا تو جرمن ہائی کمان میں دوبارہ اختلافات پیدا ہو گئے۔ فان کلوگے اور رومل دونوں کی تجویز یہ تھی کہ جنوبی و مغربی فرانس کو خالی کر دیا جائے اور فوج میں انحلال شروع ہونے سے پیشتر نارمنڈی کو چھوڑ دیا جائے۔ ہٹلر نے یہ تجویز ٹھکرا دی اور رونسٹاٹ کو حکم دے دیا کہ نارمنڈی کی جنگ آخر تک جاری رکھی جائے۔

اس اثنا میں محوریوں کے مشرقی رفیق جاپان کے اندر بھی زیادہ اختلاف پھیلا ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ محوریت صرف کاغذ پر موجود تھی۔ جاپان یہ دیکھ رہا تھا یہ مغربی اتحادی یورپ کی جنگ میں بے طرح مصروف ہیں۔ اس سے فائدہ اٹھا کر کارفرمایانِ جاپان نے فوری فتوحات کا نقشہ تیار کر لیا۔ مقصد یہ نہ تھا کہ برطانیہ اور روس کو شکست دینے کے لیے ہٹلر کی امداد کی جائے، مقصود محض یہ تھا کہ فتوحات سے اپنا دامن جس قدر بھرا جا سکتا ہے، بھر لیا جائے۔ اگر راستہ

کھل جاتا تو جرمنی اور جاپان وسط ایشیاء میں ایک دوسرے سے مل سکتے تھے مگر ٹوکیو کے نزدیک اس مقصد کی حیثیت ثانوی تھی۔ پہلا مقصد یہ تھا کہ روک تھام کے لیے کوئی بڑی قوت پہنچنے سے پیشتر مشرق بعید کو جس قدر لوٹا جا سکتا ہے، لوٹ لیا جائے۔

جاپان کی جنگی چالوں میں پہلی ناکامی یہ تھی کہ وہ ہوائی میں فوج اتارنے کا موقع کھو بیٹھا۔ وہ اوآ ہو اور اس کے اہم مرکزوں پر قبضہ کر سکتا تھا۔ اس حالت میں امریکا ایک اہم مرکزی نقطے سے محروم ہو جاتا جہاں سے مغربی بحرالکاہل میں کارروائیوں کا آغاز ہو سکتا تھا۔

جنرل مارشل کی رائے میں جنگجو قوموں کی حرص اور غلطیوں، نیز برطانیہ اور روس کی بہادرانہ استقامت نے امریکی سرزمین کو جنگ سے محروم رکھا۔ سٹالین گراڈ اور العلمین کے بحران آئے اور گزر گئے۔ اس کے بعد امریکا فیصلہ کن طریق پر جنگ میں حصہ لے سکا۔ اگر جرمن سٹالین گراڈ اور العلمین میں کامیاب ہو جاتے...... اور وہ یقیناً کامیاب ہو جاتے اگر جرمن جاپانی اور اطالوی اپنے جنگی نقشوں، وسائل اور بعد کی کارروائیوں کے متعلق بہتر ارتباط پیدا کر لیتے...... تو امریکا کو مغربی نصف الارض میں ان دشمنوں سے دوچار ہونا پڑتا جن کے قبضے میں دنیا کے بڑے حصے کے وسائل ہوتے۔

غداروں کی پاداش عمل

جنگ کے بعد فرانس اخلاقی بحران میں مبتلا ہو گیا۔ نازی پانچ سال اس پر قابض رہے۔ اس مدت میں پروپیگنڈے، غداری اور خوف کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس سے اہل فرانس پر گہرے نفسیاتی زخم لگے۔ جن لوگوں نے مزاحمت میں انتہائی مردانگی کے جوہر دکھائے تھے انھیں معلوم ہوا کہ یہ اوصاف و محاسن جو کسی زمانے میں ہم وطنوں کے دلوں میں احترام پیدا کرتے تھے انھیں اجتماعی مقاصد کے خلاف اور نظم و قانون کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ جرمنوں کے قبضے کے دوران میں جو خصائص ابھرے...... چور بازاری، چھوٹی چھوٹی چوریاں، جھوٹے شناختی کارڈ، جعلی راشن کے کوپن، جھوٹ، دھوکہ، غداری...... ان سے چھٹکارا حاصل کرنا سہل نہ تھا مگر ایک بات پر فرانسیسی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے نازیوں کے زیر اثر ملک سے غداری

کی اور فرانس کے نام نیک کو دھبا لگا دیا، ان سے بدلہ لینا بہت ضروری ہے۔

فرانسیسی عوام نے فتح کے ابتدائی نشے میں معاملات خود سنبھال لیے اور وہ جرمنوں سے تعاون کرنے والوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارنے لگے۔ جن عورتوں نے جرمنوں سے دوستی گوارا کی تھی، ان کے بال کاٹ دیے گئے۔ پھر انھیں مجبور کیا گیا کہ بازاروں میں سے گزریں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک اشتہار ہو، جس پر اس کی بدعملیاں درج ہوں۔ غصے سے بھرے ہوئے فرانسیسی ان پر تھوکتے رہے۔ پھر تمام اہل ملک کی طرف سے مطالبہ شروع ہو گیا کہ حکومت وشی کے جو افسر اب تک برسرکار ہیں، انھیں برطرف کر دیا جائے۔ عدالتوں میں کم و بیش ایک لاکھ آدمیوں کے خلاف مقدے شروع ہو گئے، جنھوں نے جرمنوں سے تعاون کیا تھا۔ جولائی اور اگست 1945ء میں پانچ سو غداروں کو موت کی سزا دی گئی۔

حد درجہ دردناک مسئلہ یہ تھا کہ بوڑھے مارشل پیتاں سے کیا سلوک کیا جائے جس کی عمر نوے سال کی ہو چکی تھی۔ وہ پہلی عالمی جنگ کے دوران میں وردون کا ہیرو قرار پا چکا تھا، لیکن اس نے 22 جون 1940ء کو جرمنوں کی شرائط متارکہ قبول کیں اور جرمنوں کی پٹھو حکومت وشی کا رئیس اعلیٰ بن گیا۔ اس حیثیت میں وہ نازی مطالبات پر ایک بوڑھی عورت کی طرح رقص کرتا رہا۔ بعض فرانسیسی کہہ رہے تھے کہ پیتاں سے جو کچھ ہوا، وہ سن رسیدگی کا نتیجہ تھا تاہم وہ غداری کا مجرم قرار پایا اور اسے موت کی سزا سنا دی گئی۔ جنرل ڈیگال حکومت کا عارضی صدر بن گیا تھا۔ وہ اپنے سابق رئیس کو غداری کی سزائے موت دینے کے لیے تیار نہ تھا، لہٰذا اس نے سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا۔

یوں پیتاں کے لیے تو رحم کا انتظام ہو گیا لیکن وشی حکومت کے اصل کارندے پیئر لاوال کے لیے ایسی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ لاوال کا نام پہلے بھی حقارت سے لیا جاتا تھا۔ اب تو فرانسیسی عوام کے نزدیک یہ لعنت کے مترادف بن گیا تھا۔ جرمنوں سے تعاون کرنے والوں کا یہ رئیس اکسٹھ سال کا تھا۔

لاوال کو مسولینی بہت پسند تھا۔ دسمبر 1935ء میں اس نے ہور کے ساتھ مل کر وہ دستاویز مرتب کی تھی جو ہور اور لاوال کا ''اتفاق نامہ'' قرار پائی۔ اس میں اٹلی کو دعوت دی گئی تھی کہ حبش

میں جنگ بند کردی جائے۔ جتنا علاقہ فتح کیا جا چکا ہے، وہ اٹلی میں شامل کر لیا جائے اور باقی حبش پر اٹلی کو اقتدار حاصل رہے۔ صلح کے اس اخلاق سوز منصوبے کا انکشاف ہوا تو انگلستان اور فرانس کے عوام میں غم وغصہ کا طوفان برپا ہو گیا۔

آخر لاوال کے خلاف پیرس میں مقدمہ چلا۔ اس نے شور مچا مچا کر گواہی دی۔ جو لوگ اسے ملزم ٹھہراتے تھے، ان کی سخت مذمت کرتا رہا اور وہ بھی عدالت میں اس پر لعنت بھیجتے رہے۔ مقدمہ چار دن جاری رہا لیکن آخری دو دنوں میں لاوال نے عدالت سے مقاطعہ کیے رکھا۔ وہ اپنی کوٹھڑی ہی میں رہا اور کوئی دفاع پیش نہ کیا۔ ایک گھنٹے میں جیوری نے اسے موت کی سزا سنا دی۔

15 اکتوبر 1945ء کی صبح کو سزا کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ لاوال نے زہر کھا کر خودکشی کی کوشش کی، جو ناکام رہی۔ ہرمین گوئرنگ مازی بھی اسی طرح زہر کھا کر مر جانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسے پھانسی نہیں دی گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے دوائیں دے کر لاوال میں زندگی کی اتنی روح بحال کر دی کہ اسے قید خانے کے صحن میں لے گئے۔ پھر اس نے آنکھوں پر پٹی بندھوانے سے انکار کر دیا اور درخواست کی کہ مجھے اجازت دے دی جائے میں خود سپاہیوں کو گولی چلانے کا حکم دوں۔ یہ درخواست ٹھکرا دی گئی۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے:

سپاہیوں کا کوئی قصور نہیں، وہ نہیں جانتے، کیا کر رہے ہیں۔ فرانس زندہ باد۔"

سپاہیوں نے گولیاں چلائیں۔ لاوال زندہ تھا، وہ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ ایک افسر تیزی سے آگے بڑھا۔ اپنا پستول لاوال کے کان پر رکھ کر گھوڑا دبا دیا۔ اس کی لاش ایک گاڑی میں رکھ کر تھائس قبرستان میں لے گئے اور اسے زمین پر رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ ایک نامہ نگار نے پاس ہی ایک قبر دیکھی، جس پر درج تھا:

"یہ جرمنوں سے تعاون کرنے والے ایک غیر معروف آدمی کی قبر ہے۔"

نو روز بعد 24 اکتوبر 1945ء کی صبح کو اوسلو (ناروے) کے قدیم قلعے کے سامنے قتل گاہ کے چوک میں کوازلنگ نے ناروے کی عدالت کے فیصلے کے مطابق موت کی سزا پائی۔ ناروے کی تسخیر سے پانچ سال بعد تک یہ شخص ہٹلر کا پٹھو بنا رہا۔ اس نے ہر چند ہم وطنوں کو سمجھایا کہ ان کی

تقدیر جرمنوں کے ساتھ وابستہ ہے مگر کسی نے اس کی بات نہ سنی۔ اہل ناروے نے ہڑتالوں اور تخریب کی مہم استقلال سے جاری رکھی۔ کوازلنگ کی حکومت صرف نازی سنگینیوں ہی کے بل پر باقی رہ سکتی تھی۔ کوازلنگ کو بھی بارش میں خفیہ خفیہ دفن کر دیا گیا۔ آخری وقت تک وہ یہی کہتا رہا کہ میں محبت وطن ہوں، ہم وطنوں نے مجھے غلط سمجھا۔ ناروے کی فوجی پولیس کے دس جوانوں نے، جنھیں ایک وقت میں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا اس بدنصیب پٹھو کی زندگی ختم کی۔

ہر مقام پر یہی داستان دہرائی گئی۔ 12 دسمبر 1945ء کو ہالینڈ کی ایک خاص عدالت نے جو ہیگ میں منعقد ہوئی، ایڈرین مسرٹ کو موت کی سزا دی جو ہالینڈ کی نازی پارٹی کا لیڈر تھا۔ وہ بھی جرمن حملہ آوروں سے تعاون کرتا رہا تھا۔

غداروں میں برطانیہ کا بھی حصہ تھا۔ 17 ستمبر 1945ء کو ولیم جائس (جو لارڈ ہاہا کے لقب سے مشہور تھا اور جرمنی سے انگلستان کے خلاف طنزیہ وتوہین آمیز تقریریں نشر کرتا رہا) کے خلاف غداری کا مقدمہ چلا۔ اس نے برطانوی قانون کی سزا سے بچنے کے لیے امریکی شہریت کا بے سود دعویٰ کیا۔ وہ مجرم قرار پایا۔ پھر اس نے دارالامرا سے رجوع کیا، جو برطانوی عدل کا آخری مرجع ہے۔ اس کی اپیل مسترد ہوگئی اور بعد میں موت کی سزا ملی۔

19 دسمبر 1945ء کو جان ایمری...... مسٹر ایمری سابق وزیر ہند کا 33 سالہ بیٹا...... غداری کا مجرم قرار پایا اور وانڈ سورتھ کے قید خانے میں اسے پھانسی دی گئی۔ ایمرن نے بھی نازی ریڈیو سے ایک تقریر نشر کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ جرمن فوج یورپی تہذیب کی مدافعت کر رہی ہے۔

امریکی تعاون کرنے والوں میں سے ممتاز حیثیت عزرا پاؤنڈ کی تھی جو اواہو میں پیدا ہوا۔ شاعر، ایڈیٹر اور ادبی نقاد تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد کے دور میں جو امریکی اہل قلم جلا وطن کیے گئے ان میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ فاشسٹ اٹلی کے لسانی دعووں سے مسحور ہو کر یا یہ سمجھنا چاہیے کہ سامیوں کی مخالفت کے پرانے جذبے سے تاثر قبول کرتے ہوئے، جو غالباً اواہو میں بہ زمانہ طفلی پیدا ہوا تھا پاؤنڈ نے دوسری عالمی جنگ کے دوران میں محوریوں کے لیے سازگار پروپیگنڈے کا انتظام کیا۔ وہ ڈکٹیٹروں کی مدح سرائی کرتا۔ یہودیوں اور جمہوریت کو شدت سے برا بھلا کہتا۔ 1945ء میں اس کے خلاف غداری کا مقدمہ چلا اور ایک فوجی طیارے میں اسے

رومہ سے واشنگٹن بھیج کر محکمہ عدل کے حوالے کر دیا گیا۔ 21 دسمبر 1945ء کو نفسیات کے چار ماہروں نے اعلان کر دیا کہ ضدی شاعر دیوانہ ہے اور ذہنی اعتبار سے مقدمہ لڑنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اسے سینٹ الزبتھ کے ہسپتال (واشنگٹن) میں بھیج دیا گیا جہاں وہ تیرہ سال رہا۔ 1958ء کے اوائل گرما میں اسے رہا کر دیا گیا۔ اس کا ذہن اب بھی ماؤف ہے مگر وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اب اس کی عمر تہتر سال ہو چکی ہے تاہم اب بھی اسے اطمینان نہیں ہوا۔ وہ اٹلی گیا تو اپنے دوستوں کو فاشسٹوں کے طریقے پر سلام کیا۔ یہودیوں کی مذمت کی:

''وہی تہذیب کی تباہی کے ذمہ دار ہیں، وہی میری مشکلات کے باعث ہیں۔''

ساتھ ہی کہا:

''میں خوش ہوں کہ امریکا سے نکل آیا، جو بہت بڑا پاگل خانہ ہے۔''

44

جنگ کے بعد کا دور

(2)

نورمبرگ کا مقدمہ

اتحادی جنگ میں فتح کی خوشی سے مست تھے لیکن ایک معاملے کے سوا اکثر امور میں ان کے درمیان اختلاف رائے تھا۔ سب اس پر متفق تھے کہ محوری جنگی مجرموں کی سزا دی جائے۔ اس مرتبہ لوگوں کا قتل عام ہوا۔ گونا گوں جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ لاکھوں انسانوں اور درجنوں قوموں کے خلاف اتنے خوفناک اور زہرہ گداز مظالم ہوئے کہ سزا سے احتراز برداشت ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ 8 اگست 1945ء کو امریکا، برطانیہ اور روس کے درمیان اتفاق رائے ہو گیا اور نازی لیڈروں کے خلاف مقدمہ چلانے کا فیصلہ ہوا۔ اقوام متحدہ کے انیس رکن ملکوں نے بعد میں اس فیصلے کی توثیق کر دی۔

بین الاقوامی فوجی عدالت کے لیے چار جج چنے گئے۔ برطانیہ کے لارڈ جسٹس جیوفرے لارنس کو صدر جج تجویز کیا گیا۔ امریکا کی طرف سے فرانسس بڈل (امریکا کا سابق اٹارنی جنرل)، فرانس کی طرف سے ہنری ڈونیڈیو داویبرے اور روس کی طرف سے جو چین نوکٹ چینکو تجویز کیے گئے۔ امریکا کا جیکسن، انگلستان کا میکسویل فائف، فرانس کا دوبوست اور روس کا یوری پوکروسکی

استغاثے کی پیروی کر رہے تھے۔ 18 اکتوبر 1945ء کو استغاثے کے چاروں وکیلوں نے چوبیس ہزار الفاظ کا استغاثہ چھ جرمن جماعتوں، چوبیس نازیوں اور جرمنی کے فوجی و بحری لیڈروں کے خلاف پیش کیا۔ جماعتیں یہ تھیں:

1- جرمن جنرل سٹاف اور جرمن افواج کی ہائی کمان۔

2- رائش کی کابینہ، جس میں خفیہ کابینے، مجلس دفاع کے ارکان، ملک کے وزیر، بلاقلم دان وزیر اور سرکاری محکموں کے رئیس شامل تھے۔

3- نازی پارٹی کے لیڈر، جو سازش کا مرکزی گروہ تھے۔ ان میں پارٹی کے افسر اور ضلع کی تنظیم کے نازی افسر وغیرہ شامل تھے۔

4- ایس، ایس یعنی منتخب گارد۔ ابتدا میں یہ گارد ہٹلر اور دوسرے نازی لیڈروں کی ذاتی حفاظت کے لیے بھرتی کی گئی تھی۔ آگے چل کر یہ پولیس کی ایک جابر فوج بن گئی اور جرمن فوج کی معاون قرار پائی۔

5- ایس، اے یعنی نازی طوفانی فوج، جس میں ہٹلر کے اکثر ابتدائی پیرو شامل تھے۔

6- گستاپو یعنی خفیہ پولیس، جس پر اذیت رسانی کے نہایت خوفناک طریقوں کا الزام عائد کیا گیا تھا۔

چوبیس افراد یہ تھے:

1- ہرمین گوئرنگ 2- ربن ٹراپ 3- روزنبرگ 4- ولہیلم فرک

5- جولیس سٹریچر 6- والتھر فنک 7- روڈالف ہیس

8- ہینس فرینک 9- فان نیورا 10- فان پاپن 11- کالٹن برونر

12- گریلے شاخت 13- فرٹز ساکل 14- فان شیراش

15- فان سیس ان کوارٹ 16- البرٹ سپئیر

17- ہینس فرٹش 18- جنرل کائیٹل 19- جنرل جوڈل

20- امیر البحر رائیڈر 21- امیر البحر ڈوئینٹز 22- رابرٹ لی

23- کرپ فان بہلن انڈ ہلباش 24- مارٹن بورمین

ان چوبیس آدمیوں میں سے اکتیس کو تیس دن کی مہلت دے دی گئی کہ اپنی طرف سے جواب دہی کی تیاری کر لیں۔ مارٹن بورمین یا تو برلن کے کھنڈروں میں مر گیا یا بچ کر نکل گیا۔ اس پر غیر حاضری میں مقدمہ چلا۔ رابرٹ لی نے مقدمہ شروع ہونے سے پہلے خودکشی کر لی۔ غالباً وہ احساس جرم سے مغلوب ہو گیا تھا۔ فان کرپ نازی پارٹی کا رکن نہ تھا اور اتنا بیمار تھا کہ اس پر مقدمہ چلایا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

مستغاث علیہم میں سے دو جرنیل...... کائیٹل اور جوڈل...... اور دو امیر البحر...... ڈوئینٹز اور رائیڈر...... نیز کرپ نازی پارٹی کے ارکان میں شامل نہ تھے۔ ان چار بڑے فوجی اور بحری افسروں کے نام امریکا کے جسٹس جیکسن کے اصرار پر شامل کیے گئے تھے۔ برطانیہ، فرانس اور روس کے نمائندوں نے اس بنا پر مخالفت کی کہ یہ لوگ سپاہی تھے اور اپنے بالادست یعنی ایڈولف ہٹلر کے احکام کی تعمیل کرتے رہے اور ایڈولف ہٹلر خودکشی کر چکا تھا۔ امریکا کا موقف یہ تھا کہ یہ افسران مظالم کو روک سکتے تھے مگر نہ روکا اس لیے وہ براہ راست ذمہ دار قرار پائے۔ چنانچہ مستغاث علیہم میں انھیں بھی شامل رکھا گیا۔

جرائم کی فہرست یہ تھی: قتل، غلامانہ مزدوری کے لیے جلاوطنی، اسیران جنگ سے بدسلوکی، سمندروں میں قزاقی، یرغمال بنا لینا اور قتل کرنا، نجی اور سرکاری جائیداد، شہروں، قصبوں اور دیہات کی اندھا دھند تباہی، ایسی بربادی، جس کے لیے فوجی ضرورت کے تحت کوئی وجہ جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں ضوابط ہیگ مرتبہ 1907ء قوانین و مراسم جنگ تعزیرات کے عام اصول، مختلف ممالک کے داخلی تعزیراتی ضوابط کی خلاف ورزی کا اثبات ہوا۔

یہ سازش، جارحانہ اقدام اور وحشیت و بہیمیت (جس کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی) کی عجیب و غریب کہانی تھی۔ ایک کروڑ سے زیادہ یوری غیر مصافی اور اسیران جنگ مارے گئے۔ ستاون لاکھ یہودی قتل کیے گئے۔ لوگوں کو منظم طریق پر گیس، زدوکوب، بھوک، اذیت اور طبی تجربات کے ذریعے سے مارا گیا۔ مفتوحہ ممالک سے لاکھوں ٹن کا خام مال، سامان صنعت اور زرعی اجناس لوٹے گئے۔ جنگی قیدیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا یا جلا دیا گیا یا سنگینیں بھونک کر مارا گیا۔ متصرفہ ممالک کے لاکھوں شہریوں کو غلام بنا کر مزدوری کا کام لیا گیا۔

مقدمے کے اثبات کے لیے استغاثے نے قسم قسم کی بے شمار دستاویزیں پیش کیں۔ صرف امریکی فوج نے شہادتوں کی صرف بیس گاڑیاں بھر کر بھیجیں جو جنگ کے آخری دنوں میں جرمنوں سے ہاتھ آئی تھیں۔ ان میں سے، نیز برطانیہ، فرانس اور روس کی پیش کردہ دستاویزوں میں سے تین ہزار دستاویزیں چن کر بطور شہادت پیش کی گئیں۔

نورمبرگ کی عدالت کا اجلاس 20 نومبر 1945ء سے یکم اکتوبر 1946ء تک برابر جاری رہا۔ اس طویل مدت میں صدر جج نے قانونی مزاج اور صلاحیت کارروائی کا ایک مثالی نمونہ پیش کیا۔ پورے مقدمے کی کارروائی بیالیس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔

نورمبرگ میں جو انکشافات ہوئے، وہ نہایت غم انگیز اور مکروہ تھے۔ پوری دنیا انسانی شر اور حماقت کی اس نمائش سے پیکر حیرت بن گئی۔ اکتیس مضمحل آدمی، جن کے چہرے زرد، آنکھیں متورم تھیں، انھیں سہارا دے کر بٹھایا گیا تھا، بظاہر مردے معلوم ہوتے تھے وہ قطاروں میں عدالت کے اندر بیٹھے تھے۔ ان کے سابقہ اقتدار اور عظمت کا کوئی نشان باقی نہیں رہا تھا۔ حکمرانی کا تکبر اور جنونی تازیت کا حاکمانہ اقتدار تمغے، عمدہ لباس، سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ روزانہ یہ لوگ ان جرائم کی مکروہ تفصیل سنتے جو عام انسانی تخیل سے باہر تھے۔

وقتاً فوقتاً حالات میں جوش و ہیجان بھی پیدا ہو جاتا تھا مثلاً کالٹن برونر کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور وہ گر گیا۔ کچھ مدت تک مجرموں کے کٹہرے سے بھی غیر حاضر رہا۔ ہیس اپنا پورا وقت رومانی ناول پڑھنے اور ہنسی مذاق کرنے میں گزارتا رہا۔ یکایک اس نے اعتراف کر لیا کہ میری قت حافظہ جواب دے چکی ہے۔ جب ایک پچکا ہوا انسانی سر اور انسانی جلد کے بنے ہوئے لیمپوں کے شیڈ بطور شہادت پیش کیے گئے تو تمام مستغاث علیہم اضطراب کی حالت میں بے بس سے ہو کر رہ گئے۔ پھر شہادت میں متحرک تصویریں پیش کی گئیں۔ شافٹ نے عمداً اس پردے کی طرف پشت کر لی جس پر تصویریں دکھائی جا رہی تھیں۔ ایک اخبار نویس نے اس کے متعلق یہ تصور پیش کیا کہ وہ ایک منجمد لاش معلوم ہوتا تھا۔

یکم اکتوبر 1946ء کو عدالت کی طرف سے سزائے موت کا اعلان ہوا اور گیارہ مجرموں کو رسے کے ذریعے سے موت یعنی پھانسی کی سزا دی گئی۔

شافٹ کو مقدمے کے آغاز سے یقین تھا کہ اس کے خلاف جرم ثابت نہ ہوگا۔ عدالت نے اس امر سے اتفاق کیا کہ اگرچہ جرمنی کی از سر نو اسلحہ سازی و اسلحہ بندی میں شافٹ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن اسلحہ سازی و اسلحہ بندی بذات خود کوئی جرم نہیں۔ مزید برآں عدالت نے شافٹ کو یہ اعزاز بھی دیا کہ اس نے ہٹلر کے قتل کی سازش میں بھی حصہ لیا۔ روسیوں نے شافٹ کے متعلق فیصلے سے اس بنا پر اختلاف کیا کہ وہ اقتدار حاصل کرنے میں ہٹلر کا سرگرم معاون رہا اور دس سال سے زیادہ مدت تک اس سے گہرا تعاون کرتا رہا۔ وہی تھا جس نے جرمنی کے اقتصادیات کی تنظیم اس طرح کردی کہ وہ جارحانہ جنگ کے قابل ہوگیا لیکن تیسری رائش کے اقتصادیات کا یہ بے مثال ماہر رہائی پا گیا۔

نازی پارٹی کے لیڈروں، منتخب گارڈ اور طوفانی فوج کے کارندوں اور گسٹاپو پر بھی جرم ثابت ہوئے اور انھیں سزائیں سنا دی گئیں۔ 16 اکتوبر 1946ء کی صبح کو پھانسی کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ اس سے ایک گھنٹہ قبل گوئرنگ نے زہر کھالیا اور مر گیا۔ باقی دس آدمیوں میں سے پہلے ربن ٹراپ کو پھانسی دی گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی آدمی انجام کو پہنچے۔ پھانسی کا انتظام نورمبرگ شہر کی جیل میں کیا گیا تھا۔ پھانسی کی ان سزاؤں میں ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا۔

انٹرنیشنل نیوز سروس کے یورپی شعبے کا جنرل منیجر کنگسبری سمتھ تمام امریکی جرائد کی طرف سے اس کارروائی میں شرکت کے لیے چنا گیا تھا۔ اس کی روداد میں سے سٹریچر کی موت کے متعلق اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ”تمام مجرموں کی طرح سٹریچر کی کوٹھڑی کے دروازے پر بھی گارد نے پہلے انتباہی دستک دے دی پھر وہ دروازے سے کوٹھڑی کے وسط میں پہنچا۔ ایک امریکی لیفٹیننٹ کرنل بھیجا گیا تھا کہ سٹریچر کو کوٹھڑی سے نکال لائے۔ وہ پہلے داخل ہوا۔ سٹریچر اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ دروازے کے اندر ہی دو امریکی سارجنٹوں نے اسے ٹھہرالیا۔ دونوں سارجنٹوں نے دونوں طرف سے سٹریچر کے بازو تھام لیے۔ ایک اور سارجنٹ نے اس کے ہاتھوں سے ہتھکڑی اتار دی اور چمڑے کا رسہ باندھ دیا۔ یہ دشت رو پست قد آدمی پھٹا ہوا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ بوسیدہ

نیلی قمیص تھی جس کے بٹن گردن تک لگے ہوئے تھے لیکن ٹائی کوئی نہ تھی۔ اس نے اپنے سامنے لکڑی کی تین پھانسیاں دیکھیں۔ دو آدمی باری باری سٹریچر کی سزا کی نگرانی کرتے رہے۔ تیسرا آدمی ضرورت کے وقت امداد کے لیے ٹھہرا رہا۔ سٹریچر نے پھانسی پر ایک نظر ڈالی پھر کمرے کے اردگرد نگاہ دوڑائی، جہاں امریکی، برطانوی، فرانسیسی اور روسی افسروں کا ایک چھوٹا سا گروہ فیصلہ سزا کی تعمیل دیکھنے کے لیے موجود تھا۔ اس اثنا میں سٹریچر کے ہاتھ پشت پر مضبوطی سے باندھے جا چکے تھے۔ دو سپاہیوں نے دونوں بازو پکڑ کر اسے پھانسی کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا، جو بائیں دروازے کے سامنے تھی۔ چنانچہ وہ اطمینان سے چھ فٹ کا فاصلہ طے کر کے لکڑی کے پہلے قدمچے پر پہنچ گیا لیکن اس کے چہرے کے اعصاب میں تناؤ معلوم ہوتا تھا۔ قدمچے کے پاس سپاہیوں نے اسے روک لیا تاکہ سرکاری طور پر شناخت کی رسم ادا ہو سکے۔ اس نے زور سے نعرہ لگایا: ہیل ہٹلر۔'' اس نعرے کی گونج ختم ہوئی تو ایک اور امریکی کرنل بولا: ''اس آدمی سے نام پوچھو؟'' ترجمان نے سٹریچر تک یہ سوال پہنچایا تو اس نے جواب دیا: ''تم میرا نام اچھی طرح جانتے ہو۔'' ترجمان نے سوال دہرایا تو جواب ملا: ''جولیس سٹریچر۔'' پھر وہ پلیٹ فارم پر چڑھا تو پکارا: ''اب سب کچھ خدا کے حوالے۔''

پھانسی کا پلیٹ فارم آٹھ فٹ اونچا اور آٹھ فٹ مربع تھا۔ اس پر سیاہ رنگ پھیر دیا گیا تھا اور تیرہ پائے تھے۔ سٹریچر گیارہ پائے چڑھ گیا، آخری دو پائے چڑھتے وقت اسے دھکیل کر جلاد کے رسے کے نیچے لائے، جو لوہے کے ایک حلقے سے لٹک رہا تھا۔ یہ حلقہ درمیانی لکڑی میں لگا ہوا تھا جو دو کھمبوں پر کھڑی تھی۔ سٹریچر نے پھر ایک مرتبہ اتحادی افسروں اور آٹھ اتحادی نامہ نگاروں پر ایک نظر ڈالی، جو دنیا بھر کے جرائد کی نمائندگی کر رہے تھے اور ایک دیوار کے ساتھ چھوٹی سی میز کے پیچھے کھڑے تھے۔ سٹریچر کی آنکھوں میں نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ پھر زور سے چیخا ''پیورم فیسٹ 1944ء'' (پیورم ایک یہودی تعطیل تھی جو موسم بہار میں منائی جاتی تھی۔ یہ ہامان کو پھانسی دیے جانے کی یادگار تھی) جسے بائبل میں یہودیوں کا جلاد قرار دیا گیا) ایک امریکی افسر نے کہا:

''اس سے پوچھو، آیا اس کی کوئی آخری خواہش ہے؟''

ترجمان نے اس سوال کا ترجمہ سٹریچر کو سنایا تو اس نے کہا:

''ایک روز بالشویک تمہیں اسی طرح پھانسی دیں گے۔''

پھر اس کے سر پر سیاہ نقاب چڑھایا گیا تو سٹریچر کی زبان سے یہ الفاظ سنے گئے:

''ایڈل! میری پیاری بیوی!''

ساتھ ہی پھانسی دے دی گئی۔ جسم لٹکنے لگا۔ پھانسی گھر کے تاریک کمرے میں کراہنے کی آواز سنی گئی۔

کنگسن بری سمتھ نے مزید بتایا کہ جب سٹریچر کا گلا گھٹ رہا تھا تو جلاد پھانسی کے تاریک اندرونے میں داخل ہو گیا۔ سٹریچر کا کراہنا فوراً ختم ہو گیا۔ اس وقت میں نے اس سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا کہ کیا کیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس نے جسم کو نیچے اتار لیا۔

17 ستمبر 1946ء کو ''نیویارک ٹائمز'' نے افتتاحیے میں لکھا کہ جن آدمیوں نے نورمبرگ میں پھانسی پائی، ان کی موت نے کم از کم ایک خدمت ضرور انجام دی یعنی ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے یہ پھانسیاں ایک زبردست انتباہ بن گئیں۔ انسانیت ایک نئے بین الاقوامی اخلاقیات میں داخل ہو رہی تھی اور آخر انسانیت کی پر غیظ قوتیں ان لوگوں پر فتح پائیں گی جو اس کی ہتک کے موجب بنیں گے۔

نورمبرگ اور بعد کی عدالتوں کی قانونی حیثیت اکثر قانون دانوں اور دوسرے لوگوں کے لیے پریشان کن رہی۔ سوال یہ کیا جاتا تھا کہ کیا ایسی عدالتوں کے سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بعد کے قانون کا اطلاق زمانہ ماضی پر ہوا؟ نیز جب کوئی عالمی مملکت موجود ہی نہ تھی تو کیا نورمبرگ کی عدالت کو حقیقی قانونی عدالت قرار دیا جا سکتا تھا؟ کیا اس کے فیصلے محض سیاسی افعال نہ تھے، جو فاتحوں کے ہاتھوں مفتوحوں کے خلاف صادر ہوئے؟ اس عدالت سے اختلاف کرنے والے یہ بھی کہتے تھے کہ ٹریبونل میں کم از کم ایک ایسی قوت کا نمائندہ موجود تھا جسے مستغاث علیہم میں شامل کرنا چاہیے تھا کیوں کہ اس کے خلاف سازش، جارحانہ اقدام اور انسانیت کے خلاف ارتکاب جرائم کے الزامات عائد تھے۔

دوسرے لوگوں نے ان مقدمات کو قانونی اعتبار سے بالکل درست قرار دیا۔ وہ کہتے تھے کہ اگرچہ خاص عدالتیں زمانہ ماضی میں بھی قائم کی گئیں، جن میں اجنبیوں کے ہاتھوں سیاسی جرائم کا فیصلہ صادر ہوا مگر نورمبرگ جیسی عدالت کوئی قائم نہ ہوئی، جس نے دنیا بھر کی حمایت حاصل کی۔ انھوں نے کہا: مان لیجیے کہ خامیاں بھی پیش کی جاسکتی ہیں نیز متعلقہ امور کی بھی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ روسی ججوں کی موجودگی کو حق بجانب ثابت کرنا محل نظر ہے۔ بایں ہمہ نورمبرگ کا مقدمہ دوسری عالمی جنگ کے بعد کے دور میں ایک واقعی بہت بڑا اور تعمیری عمل سمجھا جائے گا۔ اس دردناک کہانی میں ایک حقیقت واضح ہے۔ تاریخ نوشتوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ انسانیت نے ان شرانگیز آدمیوں کے خلاف عملی قدم اٹھایا جنھوں نے جنگ اور جارحانہ اقدام کے لیے سازش کی تھی۔

سزائے موت سے نورمبرگ کے ان فرومایہ آدمیوں کے پیدا کیے ہوئے شر کی تلافی نہ ہوئی اور نہ یہ سزا ان لاکھوں آدمیوں میں سے ایک کو بھی زندہ واپس لاسکتی تھی جو ان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ یہ دردناک ریکارڈ مہذب دنیا کے لیے برابر آسیب بنا رہے گا۔

45

جنگ کے بعد کا دور

(3)

جاپان: آخری محاسبہ

نورمبرگ کے مقدمات کی طرح جاپان کو بھی ویسے ہی مقدمات سے سابقہ پڑا۔ جاپان میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جنھوں نے اس ملک کو ایک عالمی قوت بنانے کے لیے جدوجہد کی۔ بڑے بڑے جنگی کارفرما جن کی جوع الارض ناقابل تسکین تھی بڑے بڑے کاروباری خاندانوں کے لیڈر...... متسوئی، متسوبشی، سومی ٹو دورریسووا...... اور دوسرے کم معروف جاپانی، ان سب کو گرفتار کر کے سازش، جنگی جرائم اور خلاف انسانیت جرائم کی بنا پر مقدمے چلائے گئے۔ 19 نومبر 1945ء کو جنرل میک آرتھر نے جاپان کے اٹھارہ جنگی لیڈروں کے خلاف مقدمہ چلانے کا حکم دے دیا۔

جن آدمیوں کے خلاف مقدمے چلائے جارہے تھے۔ ان میں سے دو نے خودکشی کرلی، اول بیرن ہونجو (ایک فوجی لیڈر) اور دوم پرنس کونوبی (جو تین مرتبہ جاپان کا وزیراعظم بن چکا تھا)۔ مرنے سے پیشتر کونوبی نے صاف صاف بتادیا کہ شہنشاہ ہیروہیٹو بحرالکاہل کے اندر جنگ کے لیے فوجی منصوبہ بندوں کے اہم اجلاسوں میں شریک رہا ہے اور اسے وزراء کے ارادوں کا علم

تھا لیکن امریکا نے تصرف کے سلسلے میں جو پالیسی اختیار کی تھی اس میں پہلے ہی قرار پا چکا تھا کہ شہنشاہ کا لقب بحال رکھا جائے گا۔ عام جاپانیوں کی حمایت حاصل کرنے کا یہی اچھا طریقہ تھا۔ لہٰذا ہیرو ہیٹو پر مقدمہ نہ چلایا گیا۔

جنرل ٹوجو (عمر اکسٹھ سال) جاپان کا سب سے بڑا جنگجو تھا۔ اس کا مقدمہ دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ جس طرح ہٹلر اور گوئبلز نے خودکشی کر لی تھی۔ اسی طرح ٹوجو نے بھی اپنے آپ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

11 ستمبر 1945ء کو بعد دوپہر امریکی افسروں اور اخباری نمائندوں کی ایک جماعت سابق وزیراعظم کی گرفتاری کے لیے اس کے گھر پہنچی تو ٹوجو نے اپنے مکان کی بڑی کھڑکی کھولی۔ امریکیوں کو دیکھا اور کہا:

"میں ٹوجو ہوں"

امریکی سامنے کے دروازے کی طرف گئے۔ اس اثنا میں گولی چلنے کی آواز آئی۔ امریکی متعدد دروازے توڑتے ہوئے اندر پہنچے تو دیکھا۔ ٹوجو مطالعے کے کمرے میں فرش پر پڑا ہے اور اس کا سینہ لہو سے سرخ ہے۔ اس نے پستول سے اپنے آپ کو مارنا چاہا تھا اور سینے کا نشانہ کیا تھا۔ بعد میں بتایا کہ وہ اپنا چہرہ بدنما نہیں بنانا چاہتا تھا اور یہ خواہش بھی نہ تھی کہ اس کے متعلق کوئی شبہ باقی رہے۔ اس نے پوری وردی پہن رکھی تھی اور اعزازات کے نشان وردی پر موجود تھے۔ آخر اسے امریکیوں نے خون دیا اور یوکوہاما کے ہسپتال میں لے گئے جہاں امریکی ڈاکٹروں نے اس کا علاج کیا۔

گرفتار کرنے والوں سے ٹوجو نے کہا:

"تم فاتح ہو اور اب اس قابل ہو کہ جسے چاہو، جنگ کا ذمہ دار ٹھہرا لو لیکن آج سے پانچ سو یا ایک ہزار سال کے بعد مورخوں کا فیصلہ بالکل مختلف ہوگا۔"

17 اکتوبر 1945ء کو ٹوجو بربادشدہ قید خانہ اور مورو کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا تا کہ مقدمے کا انتظار کرے۔

29 اکتوبر 1945ء کو منیلا (فلپائنز) میں جنرل یاماشیٹا کا مقدمہ شروع

ہوا۔ اسے ”فلپائینز کا شیر“ کہا جاتا تھا۔ بہت سے گواہوں نے اس کے خلاف بھرپور گواہی دی مثلاً کہ یاماشیٹا نے تمام اہل فلپائینز کو مار دینے اور شہر تباہ کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔ اس حکم کو منسوخ کرنے کی درخواست کی گئی تو اس نے صاف صاف انکار کر دیا بلکہ غصے کا اظہار کیا۔ اس کے آدمی جگہ جگہ قتل اذیت رسانی اور آبروریزی کی حرکتیں کرتے رہے۔ وہ عورتوں کے سروں پر مٹی کا تیل ڈالتے اور آگ لگا دیتے۔ ایسے واقعات بھی پیش کیے گئے کہ قیدیوں کو کسی ایسی جگہ بند کر دیا جاتا جس کے اردگرد دیواریں کھچی ہوتیں۔ داخلے کے دروازے کو آگ لگا دی جاتی اور قیدیوں پر دستی بم پھینکے جاتے۔ قیدیوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر انھیں گڑھوں میں ڈال دیا جاتا۔ پھر ان پر دستی بم پھینکے گئے۔ امریکی فضائی فوج کے اسیروں کو سنگینوں سے مارا گیا اور مٹی کے تیل سے شرابور کر کے آگ لگا دی گئی۔ نیز گاؤں کے گاؤں جلا ڈالے گئے۔

یاماشیٹا نے ان گواہیوں کے خلاف پرجوش احتجاج کرتے ہوئے کہا:

”یہ سب کچھ مجھے جنوبی و مغربی بحرالکاہل کے جاپانی کماندار اعلیٰ فیلڈ مارشل ٹراچی کے حکم کی بنا پر کرنا پڑا جو میرا بالادست افسر تھا۔ خود مجھے مظالم کا کوئی علم نہیں۔ میں نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا اور پہلی مرتبہ ایسی باتیں سن رہا ہوں۔“

ساتھ ہی کہا:

”اگر میرے ماتحتوں نے ایسے افعال کا ارتکاب کیا تو میرے افعال ان کے صریح خلاف ہیں۔ میں نے کبھی ایسے کاموں کا حکم نہیں دیا۔“

ظاہر ہے کہ یہ کوئی کامیاب دفاع نہ تھا۔ 7 دسمبر 1945ء کو پرل ہاربر کی سالگرہ کے دن یاماشیٹا مظالم کا ذمہ دار قرار پایا اور اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔

22 دسمبر 1948ء کو ٹوجو اور اس کے چھ رفیقوں کی اپیلیں رد کر دی گئیں۔ یہ سب لوگ تیرہ پائے چڑھ کر پھانسیوں کی جگہ پہنچے اور سگاموکے قید خانے میں پھانسی پا گئے۔ جاپان کے اس وزیراعظم نے جو اہل جاپان کو بربادی پر پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ حسب ذیل نظم یادگار چھوڑی:

”اب خدا حافظ،

میں آج پہاڑوں پر جا رہا ہوں

بدھ کی آغوش میں

لہٰذا میں خوش ہوں''

جاپانیوں کے دستور کے مطابق توجو نے اپنی بیوی کو آخری یادگار کے طور پر مندرجہ ذیل چیزیں بھیجیں: بالوں کی لٹ، کٹے ہوئے ناخن، عینک اور مصنوعی دانت۔ ان سزاؤں پر جاپانیوں میں تأسف کا اظہار کیا گیا۔

پانچ معاہدات صلح

پہلی عالمی جنگ کے بعد 1919ء میں فاتح قوموں کے نمائندے جلدی سے بمقام ورسائی صلح کی کانفرنس کی میز پر بیٹھ گئے۔ اس وقت فضا نفرت و انتقام سے لبریز تھی۔ حالت ایسی پیش آئی گویا ایک چھوٹے سے مقام میں ہنگامہ عظیم برپا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مفاہمتیں نااستوار رہیں اور آئندہ کی کشمکش کے لیے بیج بوئے گئے۔ اس مرتبہ ہر شخص کی خواہش تھی کہ معاملات کی صورت مختلف رکھی جائے۔ بڑی طاقتیں آہستہ آہستہ احتیاط اور غور و فکر کے بعد معاہدے تیار کریں۔

تاہم بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ اتحادیوں کا تعاون صرف زمانۂ جنگ کے زمانے میں مشترک اور فوری خطرات کی بنا پر قائم رہا۔ محوریوں کے ہتھیار ڈالتے ہی ہم آہنگی رخصت ہو گئی۔ روسیوں کی ضد نے ابتدا ہی سے کاروبار کی صورت بگاڑ دی۔ یقیناً دوران جنگ میں روس پر شدید ضربیں لگی تھیں۔ اس کی آبادی گھٹ گئی تھی۔ اس کے شہر اور قصبے برباد کر دیے گئے تھے لیکن مغربی اتحادیوں کو بھی نازی دیوانے کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچ چکا تھا۔ جرمنی پر فتح مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھی۔ جاپان پر فتح تنہا امریکیوں کا کارنامہ تھا۔ اب روسیوں نے ایسا طرز عمل اختیار کر لیا گویا نازیوں، فاشسٹوں اور جاپان کے خلاف فتح حاصل کرنے کے تنہا وہی ذمہ دار تھے۔

مغربی لیڈروں کو اعتراف تھا کہ روس نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ محض مفاہمت ہی کے خواہاں نہ تھے بلکہ روس کو زیادہ سے زیادہ مراعات دینے کے لیے تیار تھے۔ روسیوں کے سیاسی ضابطہ اخلاق میں یہ کمزوری کا نشان تھا صلح کی میز پر روسیوں نے سرد مہری، سختی، نارضامندی اور

بیدردی کا طریقہ اختیار کرلیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مطالبے پیش کرتے گئے۔

مسائل کا اشتراک ختم ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی مشترک بہتری کے لیے مفاہمت کا جذبہ غائب ہو گیا تھا۔ منصفانہ داد و ستد کے مبانی کا خیال رکھنا ضروری تھا لیکن اس بارے میں بھی ایک حد طے کر لینی چاہیے تھی۔ کریملن کے نمائندوں کے نزدیک گفت وشنید کا مطلب یہ تھا کہ سو فیصد اپنی بات منوائی جائے۔ چنانچہ روسیوں نے گفت وشنید کی ابتدا یہاں سے کی کہ ہم وسطی اور مشرقی یورپ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، اب آگے فرمائیے کیا کیا جائے؟

جولائی 1945ء میں وزرائے خارجہ کی کانفرنس پوٹسڈم میں ہوئی تھی اس میں چار بڑی فاتح طاقتوں کے نمائندے شریک تھے۔ اس میں اٹلی اور مشرقی یورپ کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے ساتھ معاہدات صلح مرتب کیے گئے تھے۔

دسمبر 1944ء میں وزرائے خارجہ کی کانفرنس ماسکو کے اندر ہوئی۔ اس مرتبہ سمجھوتہ ہو گیا مگر محض طریق کار کے متعلق مثلاً شکست خوردہ ممالک سے فوجیں اس وقت اٹھائی جائیں گی، جب ان کے ساتھ ضروری معاہدے ہو جائیں گے لیکن روسیوں نے اصرار کیا کہ ہماری فوجیں رومانیہ اور ہنگری میں اس وقت تک موجود رہیں گی جب تک آسٹریا پر ہمارا قبضہ رہے گا اور یہ ضرورت اس لیے پیش آئی کہ رومانیہ اور ہنگری کے وسائل نقل وحمل کی حفاظت ہو سکے۔ روس نے جو چال چلی، وہ بالکل واضح تھی یعنی اس کا مدعا یہ تھا کہ آسٹریا کے معاہدۂ صلح کو سال بہ سال ملتوی کیا جائے۔ اس طرح رومانیہ اور ہنگری پر قانونی تصرف کا بہانہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

پھر وزرائے خارجہ کی کانفرنس پیرس میں ہوئی جہاں اپریل اور جولائی 1946ء میں دو اجلاس منعقد ہوئے۔ اس کانفرنس میں پانچ معاہدوں کے مسودے تیار کیے گئے اور اقوام متحدہ کے ان ارکان کی کانفرنس بلائی گئی جو محوریوں سے لڑ چکے تھے۔

چنانچہ چار بڑی طاقتوں اور سترہ چھوٹی طاقتوں کے نمائندے 29 جولائی 1946ء کو فرانسیسی سینٹ کے ایوان میں جمع ہوئے۔ چار بڑی طاقتوں کے نمائندے کانفرنس پر چھائے ہوئے تھے۔ چھوٹی طاقتوں کے نمائندے محض سفارش کر سکتے تھے۔ یہ کانفرنس گیارہ ہفتے جاری

رہی۔مندوب باہم لڑتے، جھگڑتے رہے۔ بحث کا سلسلہ تنظیم ٹوٹتا رہا۔روس کے نمائندوں نے طریق کار کے مسائل پر لامتناہی بحث شروع کردی اور زیادہ تر پروپیگنڈے سے کام لیا۔مغربی نمائندوں کے وکیل اس ضیاع وقت کے باعث زیادہ سے زیادہ بیزار ہوتے گئے۔

پھر وزرائے خارجہ کی کانفرنس نیویارک میں ہوئی (نومبر 1946ء)۔یہاں پانچ معاہدے تیار ہوئے۔ایک اٹلی کے ساتھ، دوسرا رومانیہ، تیسرا بلغاریہ، چوتھا ہنگری اور پانچواں فن لینڈ کے ساتھ۔اکیس ارکان اقوام متحدہ اور پانچ شکست خوردہ ممالک کے نمائندوں نے 10 فروری 1947ء کو وزارت خارجہ فرانس کے دفتر میں ان معاہدوں پر دستخط کیے۔

پانچوں شکست خوردہ ملکوں کو علاقوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔تمام ملکوں کے تاوان کا حساب امریکی ڈالر کی بنا پر لگایا گیا اور یکم جولائی 1944ء کو سونے کی جو قیمت تھی، وہی پیش نظر رکھی گئی یعنی ایک اونس سونے کے لیے پینتیس ڈالر۔پانچوں ملکوں کی فوجیں توڑ دی گئیں۔سب سے مطالبہ کیا گیا کہ قانونی اور املا کی حقوق بحال کردیے جائیں۔انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی ضمانت تمام شہریوں کو دے دی جائے اور ان میں اقلیتیں بھی شامل ہوں گی۔

سب سے پہلے اٹلی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔اس سے افریقی سلطنت چھین لی گئی۔لیبیا، اریٹیریا، اطالوی، صومالی لینڈ اور حبشہ میں تمام حقوق چھن گئے۔یہ رقبہ دس لاکھ مربع میل سے زیادہ تھا۔ساتھ ہی چین میں اٹلی کو جو خاص مفادات حاصل تھے وہ بھی ختم کردیے گئے۔یورپ میں اٹلی نے چند مقامات فرانس کے حوالے کیے۔

چھتیس کروڑ ڈالر کا تاوان اٹلی پر ڈالا گیا جو جنسوں کی شکل میں سات سال کے اندر ادا کرنا تھا۔ساڑھے بارہ کروڑ یوگوسلاویہ کو، ساڑھے دس کروڑ یونان کو، دس کروڑ روس کو، اڑھائی کروڑ حبش کو اور پچاس لاکھ ڈالر البانیہ کو۔ساتھ ہی فیصلہ کردیا گیا کہ اتحادی ملکوں کے باشندوں کی جو جائیداد دوران جنگ میں اٹلی کے اندر تباہ ہوئی، اس کی دو تہائی رقم ادا کردی جائے۔اطالوی فوج کے لیے اڑھائی لاکھ، بحریات کے لیے پچیس ہزار اور فضائی فوج کے لیے پچیس ہزار آدمی مقرر ہوگئے۔

رومانیہ کے ساتھ معاہدے میں توثیق کر دی گئی کہ بسریبیا اور شمالی بکووینا روس کے قبضے میں رہیں گے جنوبی ڈبروجا بلغاریہ کو دے دیا جائے گا لیکن رومانیہ کو ٹرانسلوینیا کا علاقہ واپس مل گیا جو 1940ء میں ہٹلر نے زبردستی ہنگری کو دلا دیا تھا۔ رومانیہ پر تیس کروڑ ڈالر تاوان ڈالا گیا جو روس کو ادا کرنا تھا۔ رومانوی فوج کی تعداد یہ مقرر کی گئی: ایک لاکھ بیس ہزار بری فوج، پانچ ہزار بحری اور آٹھ ہزار فضائی فوج۔

بلغاریہ سے کوئی علاقہ نہ لیا گیا۔ بلکہ اسے جنوبی ڈبروجا دے دیا گیا جو پہلے رومانیہ کو ملا تھا۔ اس پر سات کروڑ ڈالر کا تاوان ڈالا گیا۔ ساڑھے چار کروڑ ڈالر یونان کے لیے اور اڑھائی کروڑ یوگوسلاویہ کے لیے۔ یہ تاوان آٹھ سال کے اندر ادا کرنا تھا۔ بلغاریہ کی فوج پچپن ہزار مقرر ہوئی، بحری فوج ساڑھے تین ہزار اور ہوائی فوج پانچ ہزار دو سو۔

ہنگری کو حکم دے دیا گیا کہ ٹرانسلوینیا کا وہ حصہ رومانیہ کے حوالے کر دے جو 1940ء میں ہٹلر نے اسے دلایا تھا اور چیکوسلواکیہ کے جتنے قصبے 1938ء میں اس نے لیے تھے وہ چیکوسلواکیہ کے سپرد کر دے۔ تاوان کا معاملہ یوں طے ہوا: بیس کروڑ روس کے لیے، پانچ کروڑ یوگوسلاویہ کے لیے اور پانچ کروڑ چیکوسلواکیہ کے لیے۔ ہنگری کی فوج پینسٹھ ہزار رکھی گئی اور فضائی فوج پانچ ہزار دو سو۔

فن لینڈ کے ساتھ معاہدے میں ان علاقوں کے الحاق کی بڑی حد تک توثیق ہو گئی جو 1940ء کے معاہدہ ماسکو اور ستمبر 1944ء کے معاہدے کے مطابق روس کو دے دیے گئے تھے۔ خاکنائے کریلیا اور بندرگاہ پٹسامو پر روس کا قبضہ بحال رہا۔ علاوہ بریں اسے پچاس سال کے لیے پورکالا اُو میں بحری مرکز بنانے کا ٹھیکہ دے دیا گیا جو ہیلسنکی کے مغرب میں ہے۔ فن لینڈ پر تیس کروڑ ڈالر کا تاوان ڈالا گیا جو مختلف جنسوں کی شکل میں روس کو ادا کرنا تھا۔ فوج چونتیس ہزار چار سو رکھی گئی۔

یوں فتح سے اکیس مہینے بعد پانچ شکست خوردہ قوموں کے ساتھ رسمی معاہدات صلح ہو گئے۔ پانچ میں سے چار نے فوراً احتجاج کیا، صرف فن لینڈ خاموش بیٹھا رہا۔ اٹلی میں ایک

ہنگامہ بپا ہو گیا۔ بازاروں میں مظاہرے ہوئے۔ اتحادی سفارت خانوں کے سامنے لگائے گئے امریکی پرچم پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ کہا جاتا تھا کہ اٹلی نے جنگ کے آخری مہینوں میں مزاحمت کی جو تحریک جاری کی تھی اس کا بدلہ کیا ملا۔ آخر اٹلی کے ساتھ مسلسل تعصب کا برتاؤ کیوں کیا گیا؟ اخباروں کے حاشیے سیاہ کر دیے گئے۔ جھنڈے سرنگوں رکھے گئے۔ کھڑکیوں پر سیاہ پردے تان دیے گئے۔ معاہدے پر دستخط کے وقت احتجاجاً دس منٹ تک سکوت جاری رہا۔ اطالویوں اور امریکیوں دونوں نے معاہدے کی مذمت کی۔ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مسولینی نے جو غلطیاں کیں، ان کا خمیازہ کسی نہ کسی کو بھگتنا تھا۔ اس سلسلے میں اطالوی سب سے پہلے آتے تھے۔ اکثر اطالوی مسولینی کا ساتھ دیتے رہے اور اہل یوگوسلاویہ، عربوں اور اہل حبش کے خلاف اس نے جو ظلم و جور کیے، ان سب سے اہل اٹلی نے ساتھ دیا۔

جرمنی کے دو ٹکڑے

چھوٹی شکست خوردہ قوموں سے معاہدے ہو چکے تھے لیکن اصل سوال جرمنی کا تھا۔ وہ مرکزی یورپ کا کلیدی ملک تھا۔ یہاں حقیقی رکاوٹیں پیش آئیں۔ وزرائے خارجہ کے ابتدائی جلسوں میں معاہدہ جرمنی کے متعلق قدم آگے نہ بڑھ سکا۔ بار بار جھگڑے شروع ہو جاتے تھے۔ جب وزرائے خارجہ کی کانفرنس ماسکو میں ہوئی (مارچ 1947ء) تو مالوٹوف نے یہ تجویز پیش کر دی کہ یالٹا کانفرنس کے خفیہ میثاق میں عہد کیا گیا تھا جرمنی سے دس ارب ڈالر تاوان روس کو دلایا جائے گا۔ لہٰذا اب تاوان دلایا جائے۔ مالوٹوف نے ساتھ ہی کہہ دیا کہ جرمنی میں جو کچھ پیدا ہو رہا ہے اس سے یہ پوری رقم ادا کی جائے۔ چوں کہ اس زمانے میں امریکا اور برطانیہ مغربی جرمنی کے اندر اپنے اپنے حلقوں کے لیے مالی امداد کا انتظام کر رہے تھے اس لیے روسی مطالبہ مان لینے کا مطلب یہ ہوتا کہ امریکا اور برطانیہ کا روپیہ مغربی جرمنی کے ذریعے سے روس پہنچتا جائے۔

تاوان کی مقدار، جرمنی کے متصرفہ علاقوں کے اقتصادی اتحاد، جرمنی کی قطعی مشرقی سرحد یا روہر اور سار کے مستقبل کے متعلق اتفاق نہ ہو سکا۔ نومبر 1947ء میں لندن کے اندر ایک اور

کوشش کی گئی۔ دو سال کے بعد پھر تعطل ہو گیا۔ بعد میں جو سرد جنگ شروع ہوئی اس کے زیر اثر جرمنی کے متعلق اتفاق کی امید ہی ختم ہو گئی۔

آسٹریا کا فیصلہ

جنگ کے فوراً بعد آسٹریا کو چار متصرفہ حلقوں میں تقسیم کر لیا گیا تھا۔ برلن کی طرف وی آنا کے بھی چار ہی حصے کر دیے گئے۔ آسٹریا کے لیے ایک اتحادی کونسل بنا دی گئی۔ متصرف طاقتیں...... امریکا، روس، برطانیہ اور فرانس...... اتحادی کونسل کے ذریعے سے اپنے علاقوں میں نظم و ضبط قائم کرتی رہیں۔ آسٹریا کا جو حلقہ روس کے قبضے میں آیا تھا وہاں سے کارفرمایان روس نے تمام کارخانے، آلات کشاورزی، مویشی اور گھوڑے، بلکہ خوراک اور لباس بھی خود سنبھال لیے۔ یک طرفہ کارروائی کے ذریعے سے روس نے آسٹریا میں جرمنوں کے سابق رأس المال پر قبضہ کر لیا مثلاً تیل صاف کرنے کے کارخانے، دریا میں آمد و رفت اور نقل و حمل کا سامان۔

آخر لڑائی ختم ہونے سے دس سال بعد آسٹریا کا معاہدہ طے ہو سکا۔ 5 مئی 1955ء کو چاروں متصرف طاقتوں نے آسٹریا کی آزادی کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ روس کی شرطیں بڑی سخت تھیں۔ رضامندی دینے کی قیمت روس نے یہ طلب کی کہ دس سال میں ایک کروڑ ٹن تیل اور چھ سال میں، پندرہ کروڑ ڈالر کا سامان دیا جائے۔ یہ سب کچھ مان کر آسٹریا نے اپنے نجات دہندوں سے نجات حاصل کی۔

امریکا کی خواہش تھی کہ مشرق بعید کے کمیشن کے گیارہ ارکان سب کے سب کانفرنس میں شریک ہوں اور دو تہائی کی اکثریت سے فیصلے کر لیے جائیں۔ ویٹو کا حق کسی کو نہ ہو۔ روسیوں نے اصرار کیا کہ پہلے چار بڑے...... امریکا، برطانیہ، روس اور چین فیصلہ کریں اور ہر ایک کو ویٹو کا حق ہو۔ اس وقت تک امریکی مدبرین، روسی تکنیک سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے اور انھوں نے روسی تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ یہی فیصلہ کر لیا کہ بطور خود آگے بڑھیں اور روسی تعاون کی پرواہ نہ کریں۔ ایک سال کی محنت کے بعد معاہدے کا مسودہ مکمل ہو گیا اور پچاس اتحادی قوموں کو سان

فرانسسکو میں نمائندے بھیجنے کی دعوت دے دی گئی۔ مقصود یہ نہ تھا کہ جاپان کے ساتھ معاہدہ صلح پر گفت و شنید کی جائے، مقصد یہ تھا کہ دستخط کر دیے جائیں۔ روس اور اس کے پٹھوؤں پولینڈ اور چیکوسلواکیہ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ قوم پرست چین اور ہندوستان نے جداگانہ معاہدوں پر دستخط کر کے جاپان کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے۔

جس معاہدے کا نفاذ 28 اپریل 1952ء کو ہوا، اس کے مطابق جاپان کے ساتھ حالت جنگ ختم ہو گئی اور اس کی حاکمیت تسلیم کر لی گئی۔ متصرف فوجیں جلد ہٹا لینے کا انتظام کر دیا گیا۔ جاپان کا علاقہ صرف چار وطنی جزیروں تک محدود رکھا گیا۔ روس نے جزائر کوریل اور جنوبی سکھالین پر قبضہ کر لیا تھا۔ معاہدے میں اسے تسلیم نہ کیا گیا۔ جاپان نے چین میں اپنے تمام حقوق سے دست برداری اختیار کر لی۔ اس کے سیاسی اداروں یا اقتصادیات پر کوئی پابندی نہ لگائی گئی لیکن اس نے خود اقوام متحدہ کے منشور کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کر لیا کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں تہدید اور استعمال قوت سے احتراز کرے گا۔ تاوان کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ مختلف فاتح طاقتوں سے فرداً فرداً معاملہ طے کیا جائے۔ ٹوکیو نے مجرمین جنگ کے مقدمات کی بابت اتحادیوں کا فیصلہ مان لیا۔

اسی موقع پر امریکا اور جاپان نے ایک حفاظتی معاہدے پر دستخط کیے، جس کے مطابق اول الذکر (امریکا) نے جاپان میں مسلح فوج رکھنے کا اقرار کر لیا تاکہ اشتراکی چین یا روس کی طرف سے حملہ نہ ہونے پائے۔ یہ معاہدہ اس وقت ختم ہو گا جب اشتراکی چین اور روس مان لیں گے کہ جزیروں میں بین الاقوامی امن اور حفاظت کا انتظام ہو سکتا ہے۔

اس اثنا میں جاپانی معاشرے کا پورا ڈھانچا میک آرتھر کی حکومت کے زیر اثر بدل ڈالا گیا۔ ہیروہیٹو کے مناسب و خطابات قائم رہے لیکن عوام شب بھر میں جمہوریت کے راستے پر آ گئے۔ عسکریت پسندوں کی قوت توڑ دی گئی۔ بڑی بڑی جاگیروں کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ کسانوں کی ملکیت قائم ہو گئی۔ شنٹورزم کو دبا دیا گیا اور تعلیمی اصلاح جمہوری اصول پر شروع

ہوگئی۔ یوشیدا نے کہا:

”آج کا جاپان کل کا جاپان نہیں۔ ہم نئی قوم کی حیثیت میں آپ کی امیدوں کو ناکام نہ بننے دیں گے۔ امن، جمہوریت اور آزادی کے راستے سے انحراف نہ کریں گے۔“

46

جنگ کے بعد کا دور

(4)

عذر داری اور خشت باری

جنگ کی توپیں ابھی خاموش نہیں ہوئی تھیں کہ دوسری عالمی جنگ کے لیڈروں کی طرف سے یا ان کے متعلق مدحی، تبریکی یا انتقادی کتابوں کا ایک طوفان بر پا ہو گیا۔ ان کا انداز غیر متوازن تھا۔ ونسٹن چرچل کی ملکیت اور آئزن ہاور کے انکسار سے فاتح العلمین منٹگمری...... جسے فوجی اعتبار سے معصومیت کا پیکر مانا جاتا ہے...... کے طمطراق تک ہر رنگ کی کتاب شائع ہوئی۔ اکابر یا اکابر سے ملتے جلتے افراد پر حملے کیے گئے کہ ان کی چالیں درخور ماتم اور ان کے فیصلے غلط تھے۔ اس سلسلے میں بھی شدید تشکک سے بے حقیقت نقطہ چینی تک ہر قسم کی داستان ملتی ہے۔

شکست خوردہ جرمنی سے معذرتی یادداشتوں کا ایک سلسلہ شائع ہوا۔ تقریباً ان تمام کتابوں میں یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ مصنفین اچھے جرمن تھے مگر وہ سیاسی فالج میں مبتلا ہو گئے۔ انھوں نے میدان عمل چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اپنی جگہ جمے رہے اور اس غرض سے جنگ کی کہ منصفانہ صلح کا انتظام ہو جائے۔

جرمن ڈپلومیٹ ہربرٹ فان ڈرکسن نے اپنی کتاب ''ماسکو، ٹوکیو، برلن'' (1949ء)

میں اعتراف کیا، مجھے وقت پر یہ خیال بالکل نہ آیا کہ ہٹلر کے نظام کی خدمت انجام دینا ہرگز "عزت مندانہ نہیں۔" ایرک کورٹ نے اپنی کتاب "دستاویزوں سے نہیں" میں ہٹلر کے حلقہ خاص کی ناراستواری کا چشم دید نقشہ نہایت اچھے انداز میں کھینچا۔

اسی طرح ہٹلر کے جرنیلوں نے فیوہرر کی مذمت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ایک نااہل فوجی اناڑی تھا۔ ان جرنیلوں میں دوسروں کے علاوہ بلومن ٹرٹ، فرٹز بئیر لین، ورنر کریپ اور کرٹ زیٹزلر بھی شامل ہیں۔ وہ اس آدمی کے خلاف نفرت وحقارت کی سنگباری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے رہے، جو برلن کے کھنڈروں میں مر چکا تھا۔ ان سب کے استدلال کی بنیاد ایک تھی یعنی پیشہ ور لوگ فن حرب کے ایسے ماہر تھے جن سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن وہ اس لیے برباد ہوئے کہ ہٹلر احمقانہ طریق پر ان معاملات میں مداخلت کرتا رہا جن کے متعلق اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ ہٹلر کی مجرمانہ حس وجدان کے مقابلے میں وہ بے دست و پا تھے مگر عجیب بات ہے کہ ان لوگوں نے ہٹلر کے جرائم میں حصہ لینے سے انکار نہ کیا اور تقریباً سب کے سب مشتبہ راستہ پر چلتے رہے اور اپنی اسامیاں نہ چھوڑیں۔ فاتح اتحادیوں کے ہاں بھی ایسی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر "ویڈی میئر کی رودادیں" تھیں۔

ماضی اور مستقبل

بیسویں صدی کے آغاز پر صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ایک مہذب عالمی معاشرہ سرعت ترتیب میں ہے۔ سائنس، صنعت اور وسائل نقل وحمل نے غیر معمولی ترقی کر لی تھی۔ نیک دل اور خیر سگالی انسانوں کو امید تھی کہ انسان قوت کو مہذب معاشرے کے لیے غیر موزوں قرار دے کر قطعی طور پر ٹھکرا دیں گے۔ ہنری ایڈمنز نے پیشگوئی کی تھی کہ 1938ء میں (اپنی پیدائش سے ٹھیک ایک صدی بعد) دنیا مہذب بننے لگے گی۔ دوسروں کا بھی عقیدہ یہ تھا کہ جنگ بربریت کا ایک بقیہ ہے اور اسے آدم خوری کے سلسلے میں رکھا جائے گا یہی اس کی موزوں جگہ تھی۔ بایں ہمہ بیسویں صدی کے نصف اول میں دو بہت بڑی جنگوں نے ہمہ گیر تباہی اور بدنظمی پیدا کردی۔ 1914ء میں قومیت کی کشمکشوں، سامراجی عزائم کے تصادم، تجارتی رقابتوں اور

عسکریت نے دنیا میں آگ لگائی۔ جرمنی کی یہ پہلی کوشش تھی کہ زیر سما اپنے لیے مقام حاصل کر لے۔ اس کوشش کی مزاحمت کی گئی۔ جنگ کا نتیجہ بہت دردناک ہوا یعنی بے اندازہ جانی اور مالی نقصان، عالمی اقتصادیات کی بدنظمی اور ناقابل مفاہمت نفرتوں کا ہجوم۔ اقتصادی بربادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مطلق العنان تحریکیں پیدا ہو گئیں۔ روس میں کمیونزم، اٹلی میں فاشزم اور جرمنی میں نیشنل سوشلزم۔ جمہوری افکار اور اداروں کی بقا کے لیے شدید کشمکش شروع ہو گئی۔ پہلے عالمی اشتعال کے بعد ایک نیا یورپ پیدا ہوا جس میں قومیتوں کا زور اور بھی بڑھ گیا تھا۔ مختلف مملکتیں اپنی قوت یا فوجی معاہدوں کی قوت پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنے لگیں۔ قوموں کے درمیان رقابتیں بڑھتی گئیں۔ 1939ء میں عالمی اقتدار کے لیے ہٹلر کے مجنونانہ عزائم دنیا کو ایک اور جنگ میں دھکیلنے کا سبب بن گئے۔ جن عام اسباب کی بنا پر پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تھی وہی نئی جنگ کا باعث بن گئے۔

ہٹلر اور محوری تباہ کر دیے گئے لیکن صلح نے نئے مسائل پیدا کر دیے۔ دوسری جنگ میں جانی اور مادی نقصان پہلے سے بدرجہا زیادہ ہوا مگر فاتحین و مفتوحین کے لیے بہت بڑا کام باقی رہ گیا۔ تلواریں توڑ کر ہلوں کے پھال بنانا ضروری ہو گیا۔ شہر نئے سرے سے تعمیر کرنے پڑے۔ تجارت اور نقل و حمل کے سلسلے بحال ہوئے۔ بھوک، افلاس اور بیماری پر قابو پایا گیا۔ برآمد سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ گھٹتے گھٹتے انتہا پر پہنچ گئی تھی۔ جو سرمائے لگائے گئے تھے وہ انتہائی ضرورت کے جنگی سامان خریدنے کی نذر ہو گئے۔ جنگ کے اختتام پر اکثر قوموں کے سونے اور ڈالر کے ذخیرے خاتمے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر مشکل مسئلہ نفسیاتی تھا یعنی تکان بے حسی اور بے فکری سے عہدہ برآ ہونا۔

قومی مملکتوں کی برتری بحال ہو گئی۔ قومیت کی ایٹمی قوت جنگ میں کمزور ہونے کے برعکس مضبوط تر ہو گئی۔ یہ افریقہ، مشرق قریب اور مشرق بعید میں بھی پہنچ گئی۔ غیر ملکیوں سے نفرت اور اجنبیوں کا خوف بہت بڑھ گیا۔

بنیادی صورت حال نئی نہ تھی۔ افلاطون نے اپنے مکالمات میں ایک آدمی کی کہانی بیان کی [illegible] یونانی نو آبادی [illegible] پہنچا تھا [illegible] کے اس رجحان کی شکایت کی

تھی کہ انھوں نے دنیا کے باشندوں کو دو قسموں میں بانٹ لیا ہے، اول، یونانی، دوم بربری۔ اس آدمی نے پریشان ہو کر طنزیہ انداز میں کہا کہ کوئی دانا اور فہیم مخلوق (جیسا کہ بگلے کو سمجھا جاتا تھا) آپ لوگوں کی پیروی میں ایسی ہی تقسیم کرلے مثلاً بگلوں کو ساری دنیا کے جانوروں سے الگ قرار دے لے، اپنے آپ کو بلند تر سمجھے، باقی پوری مخلوقات کو جس میں انسان بھی شامل ہوں، وحشی قرار دے لے تو کیا ہو؟

بالکل اسی قسم کی من مانی، غیر حقیقی اور نامعقول درجہ بندی کا اطلاق یہ قوم پرست عالم انسانیت پر بھی کر رہے ہیں۔ معاملے کا ایک پہلو سمجھ میں آتا ہے۔ انسان کو وطن سے طبعاً وابستگی ہوتی ہے۔ وہ اسے خطرات سے بچانا چاہتا ہے اور خود بخود قوم کی طرف کھچا جاتا ہے، جو کنبے اور گروہ ہی کی توسیع ہوتی ہے کیوں کہ اس میں بقائے نفس اور حفاظت کی امید نظر آتی ہے لیکن یہی اصل پھندا ہے اور ہمیشہ سے پھندا بنا رہا ہے۔ قومیت کو جتنا بڑھاتے جائیں گے جنگ کے قریب تر پہنچتے جائیں گے۔

اب رہا معاملہ مستقبل کا تو ہمیشہ کی طرح آج بھی اس بارے میں دو متضاد نظریے ہیں۔ ایک کا مفاد یہ ہے کہ ہم بے چارگی کی حالت میں ابتری اور بحران کی طرف کھچے چلے جا رہے ہیں۔ دوسرے نظریے کے حامی انسانی ترقی کے پلیٹ فارم پر جمے کھڑے ہیں۔

قنوطیوں کی طرف سے انتباہ ہو رہا ہے کہ ایک فنی شیطان وجود میں آچکا ہے جو انجام کار عالم انسانیت کو تباہ کر ڈالے گا۔ نشانوں پر نظر جمائے رکھو۔ 1945ء میں ہیروشیما پر جو بم گرایا گیا تھا اس کی قوت بیس ہزار ٹن ٹی، این، ٹی کے برابر تھی۔ 1948ء میں اصلاح پا کر جو بم بنا، اس کی قوت ایک لاکھ بیس ہزار ٹن ٹی، این، ٹی کے برابر تھی۔ پھر 1952ء میں ایک اور بم تیار ہوا جس کی قوت تین لاکھ ٹن ٹی، این، ٹی کے برابر تھی اور اس نے سمندر میں ایک میل چوڑا گڑھا ڈال دیا۔ 1954ء میں ایک بم کا تجربہ کیا گیا۔ وہ دو کروڑ ٹن ٹی، این، ٹی کے برابر تھا۔ جزائر مارشل کے قریب اس کا تجربہ کیا گیا۔ ان جزیروں کے باشندے تجربے کے مرکز سے سینکڑوں میل باہر پہنچا دیے گئے تھے لیکن سب اس سے متاثر ہوئے۔ قنوطی کہتے ہیں:

"یہ ہمارا مستقبل ہے۔"

کوئی دیوانہ یا شیاطین کا کوئی گروہ ان بموں سے کام لینے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس سیارے پر زندگی ختم ہو جائے گی۔

تباہی کے ان خبر دہندوں کے مقابلے میں دوسروں کا دعویٰ ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد انسانیت نے سنبھل جانے کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ اقتصادی پیداوار میں تیزی سے ترقی ہوئی۔ شرح پیدائش بڑھ گئی۔ فنی علوم میں اضافہ ہو گیا۔ رجائیت کے حامی کہتے ہیں کہ قومی برتری کے بجائے عالمی برتری کے لیے ابتدائی قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔ پہلے جمعیت اقوام بنی تھی پھر ''اقوام متحدہ'' بن گئی۔ امید ہے کہ قومیت کے پرانے تصورات کی جگہ ثقافتی قومیت لے لے گی۔ گویا آئندہ رواداری اور قوموں کے درمیان مفاہمت پر زیادہ زور دیا جائے گا اور آخر تمام قوموں کو اس ضرورت کا احساس ہو جائے گا کہ مقامی خود غرضانہ احساسات مشترک انسانیت کے مفاد کے تابع رکھے جائیں۔

ہینس کہن کہتا ہے کہ آج عالم انسانیت کے بڑے حصے انفرادی غور و فکر کی سخت گیری سے بیتاب معلوم ہوتے ہیں۔ سب کی خواہش یہ ہے کہ ہجوم کی حیثیت میں کوچ کریں۔ ان میں عوامی رفاقت کا احساس تازہ ہو۔ انسانی صورت حال کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی میں خوف اور تنہائی پر قابو پایا جا سکے...... بیسویں صدی کا انسان اپنے انیسویں صدی کے جد امجد کے برابر اعتماد کا حامل نہیں ہا۔ اس نے اپنے تجربے میں تاریخ کی تاریک قوتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ جن چیزوں کا تعلق ماضی سے تھا، وہ از سر نو نمودار ہو گئیں یعنی تعصب عقیدہ، لیڈروں کے متعلق یقین کہ ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی، غلامی، قتل عام، آبادیوں کا استحصال، بیدردی اور بربریت لیکن مطلق العنانی کی تمام امیدوں کے خلاف بیسویں صدی کے وسط تک مغربی تہذیب نے جنونی نظریات کی مزاحمت میں اپنی قوت کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

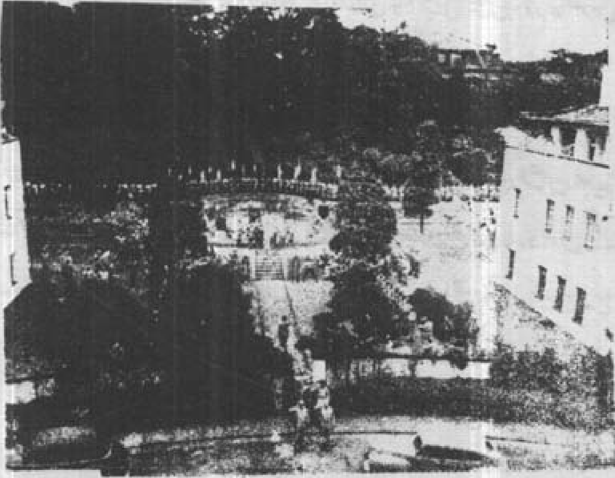
جن لوگوں کو انسانی ترقی کا یقین ہے ان کے لیے امید ہے کہ موجودہ خوف اور عدم تحفظ کے باوجود بہتر مستقبل آ سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''ممکن ہے، تہذیب کا ایک نیا دور کسی نہ کسی طرح شروع ہو جائے جو نفرت انگیز

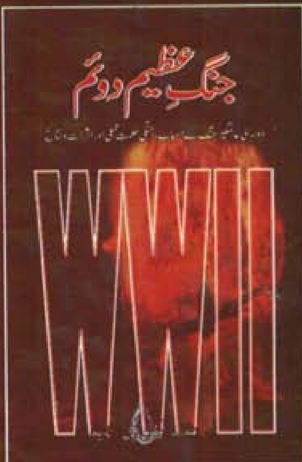
قومیت کی دسترس سے باہر ہو۔آزادی پر انسان کا انتہائی یقین دور حاضر کی ناخوشگوار مشکلات میں بھی بقا کا راستہ نکال سکتا ہے۔"

ونسٹن چرچل کے الفاظ ہیں:

ممکن ہے عالمی مواخات کا زندہ احساس اور مستقبل کے متعلق درخشاں امیدیں عالم انسانیت کے قلب میں وہ جوہر بیدار کردیں جو اسے خوف ودہشت کی ان کارگاہوں کے مقابلے میں زندگی کے راستے پر لگادیں جن سے اب تک اس کے غیر تربیت یافتہ ہاتھوں کو سابقہ پڑتا رہا۔



ٹوکیو (جاپان) میں علم بلند کرنے کی پُر وقار تقریب کے موقع پر امریکی سفارت خانے کے سامنے جنرل ڈگلس میکارتھر اور سپاہی اٹینشن کھڑے ہیں۔



زیرِ نظر کتاب ایک تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ مصنف کا غیر جانبدارانہ اور عرق ریزی سے کیا ہوا تجزیہ ہے۔ جس نے موضوع کے تمام پہلوؤں کو بخوبی سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ کتاب نے ایک حوالہ جاتی کتاب کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے۔ مزید برآں انسانی تاریخ کا رخ موڑنے والے دو کرداروں ''ہٹلر'' اور ''مسولینی'' کی زندگیوں، کارستانیوں اور انجام کی ایک مستند داستان بھی ہے۔ ایک باشعور قاری اس کو نہ صرف ایک دستاویز پائے گا بلکہ جدید دور کی جنگوں اور نظاموں کی کشمکش کے محرکات اور بنیادوں کو بآسانی تلاش کر سکے گا۔

Design By 0333-4349801

دارُالشعُور

37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
فون: 042-7239138,8460196
Email: m_d7868@yahoo.com